یااللہ مدد　　　　لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ　　　　حق چاریارؓ

ثُمَّ لَنَنْزِ عَنَّ مِنْ کُلِّ شِیْعَۃٍ اَیُّھُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا ﴿القرآن﴾

شیعہ سنی مسائل پر تحفہ اثنا عشریہ کے طرز پر جامع کتاب

تحفہ امامیہ

خلفاء راشدینؓ کی حقانیت اور اہل سنت والجماعت کی
صداقت پر کتب فریقین سے سیر حاصل بحث کا مجموعہ
شیعہ کے تمام مطاعن کے تحقیقی اور الزامی جوابات...

تحریر: مولانا حافظ مہر محمد میانوالوی

تیار کردہ: حق چار یارؓ میڈیا سروسز

Haq Char Yaar Media Services

www.kr-hcy.com

A Project of HCY-Global

فہرست مضامین

بابِ اوّل

سوال ۱۔ شعب ابی طالب میں محصوری ۱۷

شعب میں محصوری کی وجہ ۱۸

حضرت عمرؓ کا اسلام اور انقلاب ۱۹

تمام مسلمان بنوہاشم کی طرح محصور تھے ۱۹

کوئی مسلمان خوراک کی امداد نہیں کرسکتا تھا ۲۰

مظلومین فی سبیل اللہ کے نام ۲۱

حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے مصائب ۲۱

حضرت ابوالعاصؓ خوراک پہنچاتے تھے ۲۳

سوال ۲۔ حضرت فاطمہؓ کی تدفین ۲۵

آپ کی تدفین وصیت کے مطابق تھی ۲۶

غسل حضرت اسماءؓ زوجہ صدیقؓ نے دیا ۲۷

مدفنِ فاطمہؓ جنت البقیع میں ہے ۲۸

مدفن کے متعلق شیعہ کا اختلاف

روضہ میں عدم تدفین کے وجوہ ۳۰

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے اجازت لے کر دفن کی وصیت کی ۳۲

دفنِ شیخینؓ کا باطنی سبب ۳۳

شیخینؓ کی تدفین در روضہ اقدس بحضرت علیؓ کی رضا ۳۴

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا حضورؐ کی مٹی سے پیدا ہونا ۳۵

حضرت علیؓ سے شیخینؓ کے مناقب ۳۵

پیغمبرؐ کی صاحبزادیاںؓ چار ہیں ۳۶

قرآن سے ثبوت ۳۷

پیغمبرؐ اور حضرت علیؓ کے ارشادات ۳۸-۳۹

حضرت فاطمہؓ کا ارشاد اور منکرین دختران پر لعنت ۴۰

حضرت حسینؓ کا ارشاد ۴۰

حضرت باقرؒ و جعفرؒ کے ارشادات ۴۰

شیعہ مجتہدین کے فیصلہ جات ۴۲

شیعی وساوس کا ازالہ ۴۶

حضرت زینبؓ کی شان ۴۹

رقیہؓ و اُمِّ کلثومؓ کی شان ۵۰-۵۰

حضرت فاطمہؓ کی شان ۵۴

فضائل خاصہ کے اسباب ۵۵

باب دوم

سوال ۳۔ دعوتِ ذی العشیرہ ۵۸

روایتی جرح۔ روایت سے ثابت ۶۰

چھ باتیں شیعہ کے خلاف ہیں ۶۴

سوال ۴: قصہ مواخات مضطرب ہے ۶۵

اجتماع اور مواخات کتب سیرت سے ۶۷

اخوت حضرت ابوبکرؓ اور زیدؓ بن حارثہ

کے لیے بھی ثابت ہے ۶۷

صرف نسبی فضیلت کارآمد نہیں ۶۸

حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت پر دلائلِ قاطعہ ۶۹

آپ "صاحب پیغمبرؐ" کے تاجدار ہیں ۶۹
واقعۂ ہجرت کتبِ شیعہ میں ۷۲
آپ "صدیقین" کے امام ہیں ۷۶
آپ "مہاجرین" میں سب سے اعلیٰ ہیں ۷۸
سب سے "اتقیٰ" اور "ازکیٰ" ہیں ۷۸
آپ رضؓ بحکمِ نبیؐ امام نماز ہیں ۸۰
حضرت علیؓ آپ کے پیچھے مقتدی ہیں ۸۱
تمام امت کا آپکی افضلیت پر اتفاق ہے ۸۲
عہدِ نبوی ہی سے آپ افضل سمجھے جاتے تھے ۸۴
آپ کے متعلق بشارت خلافت سچی ہوئی ۸۵
انبیاء ہی تمام کائنات سے افضل ہیں ۸۸
سوال ۵: اہلِ سنت کے کثیر الروایہ حضرات ۹۱
اہل بیتؓ سے کمی روایت کے اسباب ۹۲
مکثرین سے کثرت کے اسباب ۹۳
شیعہ نے حضرت علیؓ سے علم کیوں روایت نہ کیا ۹۶
پیش کردہ حدیثیں موضوع ہیں ۹۷

باب سوم

سوال ۶: قاتلینِ امام کون ہیں؟ ۹۷
قاتلین امام شیعانِ کوفہ ہیں ۹۷
امام کی امن پسندی اور سیاست سے کنارہ کشی ۹۸
شیعہ ہی نے آپ کو خط لکھ کر بلایا ۹۹
امامت کے متعلق آپ کا اور اہلِ سنت کا نظریہ ۱۰۰
امام سے برسرِ پیکار شیعہ ہی تھے ۱۰۱
قافلہ اہل بیتؓ نے شیعہ ہی کو قاتل بتایا ۱۰۶
شیعہ خود اقبالِ جرم کر کے روتے ہیں ۱۰۸
شیعہ کا عذرِ لنگ بدتر از گناہ ہے ۱۰۹
صاحبِ "تجلیات صداقت" کی غلط بیانیوں کا محاسبہ ۱۱۰
اہلِ کوفہ کا تشیع ۱۱۲
غدر و نفاق کی اہم وجہ ۱۱۴
اہلِ سنت نے امام کی نصرت کیوں نہ کی؟ ۱۱۵
شہداءِ کربلا کے اجمالی نام ۱۱۶
یزید کا اہل بیتؓ سے حسن سلوک ۱۱۷
سوال ۷: حضرت علیؓ کے خلفاء ثلاثہؓ سے تعلقات ۱۲۰
شیخینؓ کا اتباع ۱۲۱
حضرت علیؓ اور مدحِ شیخینؓ ۱۲۴
طبری کے مکالموں کی حقیقت ۱۲۸
سنداً لغو ہیں ۱۲۸
معناً شیعہ کو غیر مفید ہیں ۱۲۹
سوال ۸: قصۂ قرطاس ۱۳۰
حدیثِ قرطاس ۱۳۰
ردِّ وحی کے الزام کے تین جوابات ۱۳۲
نسبتِ ہذیان کی حقیقت ۱۳۴
تحریر نہ ہونے سے امت کی گمراہی کا افسانہ ۱۳۷
مقصدِ تحریر کیا تھا؟ ۱۳۸
مسئلہ کے متعلق چند سوالات ۱۳۹
ایک لغو رسالہ کا محاسبہ ۱۴۰

سوال ۹: قبلِ تدفین خلیفہ کا انتخاب ۱۴۵
سابقہ امم پر قیاس لغو ہے ۱۴۶
شیعہ کا امام قبل از موت ہی خلیفہ بن جاتا ہے۔ ۱۴۷
جنازہ رسولؐ میں سب صحابہ کرامؓ کی شرکت ۱۴۸
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی صریح موجودگی ۱۵۰

باب چہارم

سوال ۱۰: قصہ فدک ۱۵۲
مسئلہ فدک کیوں پیدا کیا گیا؟ ۱۵۲
مسئلہ کی سادہ تفہیم ۱۵۳
ناراضی پر دس تمہیدی گزارشات ۱۵۶
مسئلہ کی علمی تنقیح ۱۶۱
مالِ فئے اور فدک کی حقیقت ۱۶۲
اموالِ فئے میں حضورؐ کا طرزِ عمل ۱۶۷
حضرت صدیق اکبرؓ کا اہلِ بیتؓ کو فدک دینا اور ان کا راضی ہونا ۱۷۰
حضرت فاطمہؓ کے سوال کا منشا کیا تھا؟ ۱۷۳
حدیث لانورث متفق علیہ ہے۔ ۱۷۷
کتبِ شیعہ سے ثبوت ۱۷۸
ایک شبہ کا ازالہ ۱۸۲
لفظ غضبت راوی کا مدرج ہے ۱۸۳
کتبِ اہلِ سنت سے سیدہؓ کی رضامندی ۱۸۵
شیعہ کے دلائلِ وراثت اور ان کے جوابات ۱۸۸
روایاتِ ہبہ کی حقیقت ۱۹۶
ایک لغو رسالہ کا جائزہ ۲۰۰
جنازہ سیدہؓ اور شیخینؓ ۲۱۰
آخری گزارش ۲۱۳

باب پنجم

سوال ۱۱: عہدِ مرتضویؓ کی خانہ جنگیاں ۲۱۴
اہلِ سنت کا معتدل فیصلہ ۲۱۴
بطورِ الزام تحقیق و تشریح ۲۱۴
اہلِ نہروان کے قاتل ۲۱۵
شیعہ کا خارجی بن کر قاتلِ علیؓ ہونا ۲۱۶
اہلِ جمل کے قاتل ۲۱۸
حضرت علیؓ کا خلفاء ثلاثہؓ کی تعریف کرنا (تاریخ سے) ۲۲۰
حضرت عائشہ صدیقہؓ (ام المومنین) کے جاں نثاروں کی جاں نثاری اور جنگ کا خاتمہ ۲۲۲
پس منظر جنگِ صفین ۲۲۴
شیعہ پر حضرت علیؓ کی ناراضی ۲۳۱
ایک شبہ کا ازالہ ۲۳۲
عہدِ مرتضویؓ پر ایک نظر ۲۳۳
حضرت علیؓ کا قطعی فیصلہ ۲۳۶
سوال ۱۲: منافقین کی تحقیق ۲۳۷
صحابی کی تعریف اور ان کی تعداد ۲۳۸
منافق بہت کم تھے ۲۳۸
قرآن میں پیشین گوئیاں ۲۳۹
منافق مخذول و مردود ہوئے ۲۴۱

قرآن میں منافقوں کی علامات ۲۴۳

قرآن میں منافقوں کی علامات شیعہ پر منطبق ہیں ۲۴۵

سوال ۱۳ : دلائل اربعہ ۲۴۶

مذہب اہلِ سنّت کے چار دلائل ہیں ۲۴۷

قرآن و سنّت کی صداقت ۲۴۷

اجماع و قیاس کی حجیّت ۲۴۸

امّت کا معصوم از گمراہی ہونا ۲۵۰

شیعہ دلائل اربعہ کے منکر ہیں ۲۵۲

قرآنِ کریم کا انکار اور مسئلہ تحریف ۲۵۳

ایک شبہ کا ازالہ ۲۵۶

حدیثِ مصطفٰے کے منکر ہیں ۲۵۸

شیعہ اور اہلِ سنّت میں فرق ۲۶۱

اجماع و قیاس کے کھلے منکر ہیں ۲۶۲

خلافتِ راشدہ پر ۱۲ قرآنی آیات ۲۶۵

احادیثِ مصطفٰے اور خلافتِ راشدہ ۲۷۹

احادیثِ شیعہ ۲۸۰

اہلِ سنّت کی بارہ احادیث ۲۸۲

خلافت اور اجماعِ امّت ۲۸۷

باب ششم

سوال ۱۴ : خلیفہ کی مخالفت

اُمّ المؤمنینؓ کا موقف ۲۹۱

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا موقف ۲۹۲

شیعہ اکابر کے اختلافات ۲۹۴

الزامی جواب ۲۹۷

سوال ۱۵ : تناقض کے لیے آٹھ چیزوں میں اتحاد ضروری ہے ۲۹۸

صحابہ کرامؓ کی ان جنگوں میں خطا و صواب کا معنیٰ ۲۹۹

کاملین پر سہو و نسیان کا وقوع ۳۰۰

شیعہ بزرگوں میں اختلافات کی چودہ مثالیں ۳۰۱

سوال ۱۶ : انت و شیعتک موضوع ہے ۳۰۷

بارہ ائمہ کے شیعوں کی تعداد ۳۱۰

فائدہ مہمہ ۳۱۲

شیعہ کی موضوع احادیث ۳۱۳

اہلِ سنّت ہی فائز المرام ہیں ۳۱۶

سوال ۱۷ : حضرت عائشہؓ کے حضرت عثمانؓ سے بہتر تعلقات ۳۱۹

حضرت علیؓ سے بہتر تعلقات ۳۲۰

اقتلوا نعثلا کا قصہ وضعی ہے ۳۲۲

سوال ۱۸ : مسلمانوں کے ائمہ اربعہ کی امامت کی حقیقت ۳۲۴

امّت محمدیہ گمراہی پر جمع نہ ہوگی ۳۲۷

چاروں ائمہ کے مقلدین ایک دوسرے کے پیچھے اقتدا کرتے ہیں۔ ۳۲۹

شیعہ پانچ وحدتوں کے دشمن ہیں ۳۳۰

پیغمبرؐ پر حضرت علیؓ کو عملاً فضیلت ۳۳۱

پیغمبرؐ سے باطن دشمنی کی مثالیں ۳۳۲

وحدتِ قرآن سے دشمنی ۳۳۳

وحدتِ کلمہ سے دشمنی	۳۳۳
وحدتِ کعبہ سے دشمنی	۳۳۳
وحدتِ امّت سے دشمنی	۳۳۵
سوال ۱۹: حضرت عائشہؓ کی تحقیق وفات	۳۳۵
امّ المومنینؓ کے فضائل قرآن میں	۳۳۶
امّ المومنینؓ کا مقام حضورؐ کی نظر میں	۳۴۰
ذاتی حالات وعلمی خدمات	۳۴۱
قتل کا سانحہ غلط ہے	۳۴۳
باب ہفتم	
سوال ۲۰: خلفاء راشدینؓ کے اوصاف کا تقابلی مطالعہ	۳۴۵
شیعہ کے ہاں افضلیّت کا معیار	۳۴۷
افضلیت کے وجوہ چار ہیں	۳۴۷
مربی فیصلہ کردے	۳۴۸
مربی وہ کام لے جو سب سے افضل کیا جاتا ہے	۳۴۸
طلبا جماعت کسی کو مانیٹر بنالیں	۳۴۹
ذاتی اوصاف میں کوئی فائق ہو	۳۵۰
خلفاء اربعہؓ کا اوصاف میں موازنہ	۳۵۱
قوتِ ایمانی حضرت ابوبکرؓ کا ایمان	۳۵۲
حضرت عمرؓ کا ایمان	۳۵۶
حضرت عثمانؓ کا ایمان	۳۵۷
۲۔ کثیر الہدایتہ ہونا	۳۵۹
حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ سب سے بڑے ہادی ہیں	۳۶۰
قرآنِ حکیم کی اشاعت	۳۶۰
سنّت وفقہ کی اشاعت	۳۶۱
فتوحات تبلیغِ اسلام کے لیے تھیں	۳۶۳
حدودِ اسلام کی وسعت	۳۶۳
معرکۂ جنگ میں تبلیغی فرائض	۳۶۵
خلفاء اربعہؓ کا ذاتی خوبیوں میں تقابل	۳۶۶
شجاعتِ صدیقیؓ	۳۶۶
جرأتِ فاروقیؓ	۳۶۸
جرأت عثمانیؓ ومرتضویؓ	۳۷۰
شجاعت کے اثرات میں تقابل	۳۷۱
علم میں موازنہ	۳۷۲
علمِ صدیقیؓ	۳۷۲
علمِ فاروقیؓ	۳۷۴
علمِ عثمانیؓ	۳۷۶
علمِ مرتضویؓ	۳۷۷
عبادت میں موازنہ	۳۷۸
سخاوت میں موازنہ	۳۸۱
امانت	۳۸۵
حضرت شاہ ولی اللہؒ کا اقتباس	۳۸۶
باب ہشتم	
مسئلہ امامت درپردہ انکارِ ختمِ نبوّت ہے	۳۸۷
سوال ۲۱: بارہ خلفاء کی بحث	۳۸۷
اہلِ سنّت کا معیارِ امامت	۳۸۷

شیعہ کے بارہ ائمہ ہرگز مراد نہیں ۳۸۸
مافوق البشر شیعی ائمہ کے خواص ۳۸۹
امام مثل نبی مرسل من اللہ ہے ۳۸۹
امام مثل نبی حجۃ اللہ ہے ۳۸۹
امام پر ایمان اور اس کی طرف رجوع ضروری ہے ۳۹۰
امام کی اطاعت بھی فرض ہے ۳۹۱
وہ اللہ کی شریعت کا والی و خازن ہے ۳۹۱
ائمہ اللہ کا نور ہیں ۳۹۲
ائمہ نبوت کا درخت و مہبط ملائکہ ہیں ۳۹۲
ائمہ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں ۳۹۳
ائمہ عالم الغیب ہیں ۳۹۳
ائمہ موت وحیات میں مختار ہیں ۳۹۴
ائمہ پیغمبروں کے ساتھ علم میں مساوی ہیں ۳۹۴
ائمہ مستقل آسمانی کتابوں والے ہیں ۳۹۵
ائمہ حلال وحرام میں مختار ہیں ۳۹۵
ائمہ درجہ میں حضورؐ کے مساوی ہیں یا افضل ہیں ۳۹۶
حق صرف ائمہ کے پاس ہے ۳۹۷
ائمہ کا منکر ومخالف بھی کافر ومرتد ہے ۳۹۷
ائمہ سب انبیاءؑ سے افضل ہیں ۳۹۹
شیعہ در باطن ائمہ کو انبیاء مانتے ہیں ۴۰۰
شیعہ ائمہ کے دعاوی اور مرزا قادیانی کے
دعاوی کا سرسری جائزہ ۴۰۱
دعوٰی نبوت میں تضاد ۴۰۲

محدثیت کا دعوٰی ۴۰۳
باطن نبوت کا اعتراف ۴۰۳
منکر جہنمی ہیں ۴۰۳
لفظی ختم نبوت کا اقرار ۴۰۴
مسلمانوں سے قطع تعلق ۴۰۴
معاملات میں قطع تعلق ۴۰۴
کلمہ میں علیحدگی ۴۰۵
تمام مسلمان کنجریوں کی اولاد ہیں ۴۰۵
تمام مسلمان سور اور لعنتی ہیں ۴۰۵
تمام مخالفین مسلمانوں کے قتل کے
منصوبے ۴۰۵
انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ دین
کی توہین ۴۰۶
مکہ ومدینہ کی توہین ۴۰۷
مکہ کے سوا دوسری جگہ کا حج ۴۰۷
قادیانیت کے متعلق قومی اسمبلی کا فیصلہ
شیعہ پر بھی صادق آتا ہے ۴۰۸
شیعہ کے ائمہ مراد نہ ہونے پر دوسری دلیل ۴۰۹
حضرت علیؓ کا اپنی خلافت میں معذور ہونا ۴۱۰
ائمہ اہلِ بیتؓ مراد نہ ہونے پر تیسری دلیل ۴۱۴
حدیث کا مفہوم ۴۱۴
حدیث کے مصداق کون سے بارہ افراد ہیں ۴۱۸
حدیث من مات کی بحث ۴۱۹

حدیث من مات کے معانی	۴۲۱
جاہلیت کی موت کیوں ہوگی؟	۴۲۵
امام زمان کا ایک اور مصداق	۴۲۶
باب نہم	
سوال ۲۲: دین میں بدعات کا موجد کون ہے؟	۴۲۷
اہلِ سنت دین میں کمی بیشی کے قائل نہیں	۴۲۷
عقائد و اعمال کا شیعی اضافہ	۴۲۸
حضرت عمرؓ کا دامن بدعت سے پاک ہے	۴۳۰
الصلوٰۃ خیر من النوم کا ثبوت	۴۳۱
تراویح کا ثبوت	۴۳۲
چار تکبیر نمازِ جنازہ کا ثبوت	۴۳۳
متعہ کی حرمت خود حضورؐ سے ثابت ہے۔	۴۳۵
شیعہ کے ہاں متعہ کے شرائط و ارکان	۴۳۷
حضرت علی المرتضیٰؓ سے ممانعت	۴۳۸
ایک شبہ کا ازالہ	۴۳۹
طلاقِ ثلاثہ معاً بائن ہیں	۴۴۰
قیاس شرعی حجت ہے	۴۴۳
قیاس کی حجیت کا شیعہ سے ثبوت	۴۴۵
سوال ۲۳: اجماع سے انتخاب	۴۴۵
قرآن سے ثبوت	۴۴۶
تاریخ سے ثبوت	۴۴۷
ابنِ خلدون کا قیمتی حوالہ	۴۴۷
الزامی سوالات	۴۴۸
باب دہم	
سوال ۲۴: کلمہ طیبہ	۴۴۹
اسلام میں کلمہ طیبہ کی اہمیت	۴۴۹
کلمہ اہلِ سنت ہی قرآن نے سکھایا	۴۵۱
شیعی شبہات کا ازالہ	۴۵۵
آیت انما ولیکم اللہ کے تین جوابات	۴۵۶
آیت اولی الامر سے استدلال کا جواب	۴۵۸
کتب شیعہ سے کلمہ پر ۱۵ شہادتیں	۴۵۸
کلمہ اہلِ سنت ہی رسول اللہ نے سکھلایا	۴۵۸
صحابہؓ و اہل بیتؓ نے یہی کلمہ پڑھا پڑھایا	۴۶۰
حضرت باقرؒ و جعفرؒ نے بھی یہی کلمہ پڑھایا	۴۶۱
ائمہ اہل بیتؓ نے یہی کلمہ ولادت کے وقت پڑھا	۴۶۲
سب کائنات یہی کلمہ پڑھتی ہے	۴۶۳
اذان و اقامت وغیرہ میں کلمہ طیبہ	۴۶۵
شہادتین کا کلمہ ہی کامل ایمان ہے	۴۶۵
شیعہ علما کا اعترافِ حقیقت	۴۶۷
شیعی شبہات کا ازالہ	۴۶۸
سبط ابنِ جوزی کی کتابیں واہی ہیں	۴۷۰
التحیات و ثنا بھی ثابت ہے	۴۷۱
نماز میں ہاتھ باندھنا قرآن سے ثابت ہے	۴۷۴
ترتیبِ وضو بھی قرآن سے ثابت ہے	۴۷۵
سنی بدعات کی وجہ	۴۷۶
کتب مراجع و مصادر	۴۷۸

نقشِ آغاز

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔ امابعد

۱۹۷۶ء میں "تحفۃ الاخیار" ایک رسالہ راقم نے لکھا تھا جس میں ساہیوال کے ایک پٹواری نام نہاد نو شیعہ مجتہد کے شائع کردہ اشتہار کے چوبیس سوالات کا جواب خالص تحقیقی زبان میں دیا تھا اور وہ بار بار چھپ کر اہلِ علم و سنت سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ چونکہ بڑی بڑی اہم کتابوں سے مواد لیا تھا۔ تو جی چاہا کہ ان تمام مباحث کو اصل عبارات سمیت بالوضاحت اگر لکھا جائے تو اہلِ علم و فن کو بہت فائدہ ہوگا۔ چنانچہ دوبارہ تحقیق کے ساتھ جب اسے مرتب کیا تو ایک ضخیم کتاب میں تبدیل ہو گیا۔ اور اس کا نام "تحفہ امامیہ" تجویز کر کے قارئین سے اشاعت کا وعدہ بھی کر دیا گیا۔ جبکہ اس کا ضمیمہ "شیعہ حضرات سے ایک سو سوالات" پانچ مرتبہ الگ چھپ کر مذہب کا عالمی مبلغ بن چکا ہے۔ بحمد اللہ پانچ سال کے بعد مزید اضافوں اور جدید مباحث کے ساتھ حاضرِ خدمت ہے۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر تمام کتبِ قدیمہ و جدیدہ سے افضل ہے تاہم یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ بحمد اللہ سنی شیعہ اختلافی مسائل پر سنجیدہ اور تحقیقی اسلوب میں عصرِ حاضر کی ناگزیر اور تشنگی بجھانے والی کتاب ہے۔ جس کا مطالعہ اہلِ سنت کے دین و ایمان کے تحفظ کا باعث ہوگا تو فریقِ مخالف کے سنجیدہ اور معتدل افراد کو بھی غور و فکر اور اپنے نظریات پر نظرِ ثانی کی دعوت دے گا۔ کیونکہ خود ان کے ہی مسلمہ اصول "ثقلین کی اتباع" اور "آئمہ اثنا عشر" کے فرامین کی پیروی کی دعوت دیگا۔

تصنیف کے دوران یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ پاکستان میں جن شیعہ مؤلفین نے اختلافی مسائل پر طبع آزمائی کی ہے ان کے لایعنی دلائل کا توڑ تو کر دیا مگر تعارف کے ساتھ مفصل تردید کی ضرورت نہ سمجھی۔ الا ماشاء اللہ۔

یہ کتاب چونکہ مخالف کے پیش کردہ خاص مسائل کے دفاع پر مبنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قاری کے ذہن میں کسی خاص مسئلہ کا حل یا جواب اس میں نہ ملے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مشاجرات کی بحث

میں کتب شیعہ یا تاریخ سے الزامی اور دفاعی مواد دیکھ کر کوئی صاحب ہمیں "حضرات اہلبیت کرام" کے حق میں قاصر نہ سمجھیں نعوذ باللہ اس بدظنی سے بچیں، کیونکہ حضرت علیؓ اور آپ کے اہل بیت و رفقاء ہمیں اسی طرح پیارے اور سرمایہ ایمان ہیں جیسے تمام عشرہ مبشرہ اور مہاجرین والانصارؓ ہمارے مقتدا، پیشوا اور آنکھوں کا نور، دل کا سرور ہیں۔ صرف یہ نکتہ ذہن میں رکھیے کہ یہ کتاب اہل تشیع کے غلو و جارحیت کے دفاع میں ہے۔ ناصبیت، خروج اس کا موضوع نہیں ہے۔ ہاں بعض جزوی مقامات پر ان کی گمراہی کی نشاندہی کر دی ہے۔ ان کا مفصل رد ان شاء اللہ کسی اور کتاب میں ہوگا۔

اس کتاب کے دلچسپ اور قابل مطالعہ چند خاص مسائل یہ ہیں۔ فضائل خلفاء راشدینؓ۔ مسئلہ بنات۔ حضرت علیؓ کے خلفاء ثلاثہؓ سے بہترین تعلقات۔ قاتلان حسینؓ کا انکار قرطاس۔ باغ فدک۔ خلافت۔ حادثہ جمل و صفین۔ تحریف قرآن۔ امامت و ختم نبوت میں تقابلی مطالعہ۔ ۱۲ خلفاء کی بحث۔ مذہب شیعہ کی تصویر۔ اصلی کلمہ طیبہ کا کتب شیعہ سے متواتر ثبوت ہر بحث قرآن و سنت اور امامیہ کی احادیث سے مزین۔ افراط و تفریط سے پاک اور دلنشین تحریر کا آئینہ ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے عام سنی مسلمان ہمارے اس دفاعی اقدام کو بھی فرقہ واریت کہہ کر ناپسند جانتے ہیں جبکہ باقی تمام فرق باطلہ اپنے مقررین و مؤلفین کو نہ صرف سر آنکھوں پر بٹھاتے بلکہ باطل نظریہ کی اشاعت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ یہ سوچ ہی آپ کے مخلص اور برحق مسلمان ہونے کی ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں فرقہ بندی کی مذمت آئی ہے۔ ہم خود اسی نظریہ کے حامی ہیں کسی فرقہ وارانہ رسم اور گروہی امتیاز کو روا نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہمارے اسلاف، اہل سنت اور اکابر علماء دیوبند نے اپنے امتیاز و پہچان کے لیے کسی مسئلے کو جولانگاہ اور ذریعہ امت نہیں بنایا جس کا ثبوت قرآن و سنت اور فقہ حنفیہ سے نہ ہو۔ اور کسی مسئلے کو اپنا مخالف جان کر اس سے اعراض و سکوت نہیں کیا جس کا ثبوت اخبار صحیحہ اور اقوال سلف صالحین میں صریح ملتا ہو۔

فرقہ دراصل "فرق اور مفارقہ" سے مشتق ہے۔ یعنی جو گروہ نیا مسئلہ نکال کر یا امت کے

معمولی سا مسئلہ کو نظر انداز کر کے ایک جدا راستے پر چل پڑے اور باقی مسلمانوں کو گمراہ بتائے۔ یا فروعی فقہی مسائل کی آڑ میں اپنے مخالف تمام مسلمانوں کو نشانۂ طعن بنائے تو وہ فرقہ اور مذمت کا مصداق ہوگا۔ جیسے شیعوں کی ایجاد و ترویج سے صلاۃ وسلام کا اذان میں اضافہ۔ نماز کے بعد ذکر بالجہر کی پابندی، نعرۂ حیدری کا رواج، شیعوں کی طرح ماتم و تعزیہ داری اور مذہبی جلوسوں کی نمائش چند برسوں سے تمام نہاد سنیوں میں چل نکلی ہے اور جو شریعت و سنت کا پابند قدیم طرز کا مسلمان ان کو ناپسند کرے تو فوراً اس پر "وہابی و گستاخ" ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے یعنی سنی شیعہ کے بالمقابل نہ رہا۔ اپنا قومی وجود و تشخص کھو بیٹھا۔ ہاں غیر شعوری طور پر شیعہ کے خصائص اپنا کر خالص سنی مسلمانوں کو کافر و گمراہ بنانے میں سرگرم عمل ہے اور اپنے سادہ لوح عوام کو شیعیت کا شکار بلکہ ان کی ترقی کا میدان بنا رہا ہے۔ فوا اسفا۔

میں تمام سنی مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ایسی مذہبی منافرت اور غفلت سے بچتے ہوئے مندرجہ ذیل طبقات سے اپنا جہاد جاری رکھیں۔

۱۔ کمیونسٹ و بے دین طبقہ جو خدا کے وجود اور مذہب و عمل کی ضرورت کے بھی منکر ہیں۔

۲۔ منکرین حدیث یعنی پرویزی قسم کے لوگ جو مسلمہ ضروریات دین کا بھی انکار کر جاتے ہیں۔

۳۔ فرقہ مرتدہ مرزائیہ جو مرزا قادیانی کو (معاذ اللہ) نبی۔ مجدد یا مسیح موعود مانتے ہیں۔

۴۔ اعدائے صحابہؓ روافض جو قرآن کو صحیح اور واجب العمل نہیں جانتے۔ سنت رسولؐ کو ثقلِ دوم اور حجت دین نہیں مانتے۔ تمام تلامذہ نبوت صحابہ کرامؓ کو مرتد یا منافق کہتے ہیں۔ ختم نبوت و رسالت کے بجائے امامت کے قائل ہیں اور کلمہ۔ اذان۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ۔ پیشوائے معصوم وغیرہ میں تمام ملتِ محمدیہ سے جدا مذہب رکھتے ہیں۔

ہر شخص کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں توحید۔ نبوت اور آسمانی کتاب و شریعت کی دعویدار تین قومیں ہیں۔ مسلمان۔ عیسائی اور یہودی۔ تینوں کا امتیاز کلمہ کے آخری جز۔ صاحب وحی معصوم ہادی اور جدا کتاب و قانون سے ہوتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ "اے اہلِ کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (مسلمہ) ہے کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو خدا کے سوا اپنا کارساز

ومشکل کشا نہ بنائیے (پ ۳ ع ۱۵) جبکہ یہی اصولی فرق واختلاف شیعہ دوسرے مسلمانوں سے رکھتے ہیں ملاحظہ ہو۔

۱۔ مسلمان جو کلمہ شہادتین پڑھتے ہیں یہی قرآن نے پ ۲۶ ع ۱۲-۶ میں سکھایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو لاکھ مسلمانوں کو پڑھایا مگر اس کے قائل کو شیعہ ہرگز مومن وناجی نہیں مانتے۔ بلکہ وہ " علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل " سے کلمہ کی تکمیل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہ قرآن وسنت میں ہے نہ اہل بیت سے کسی معتبر کتاب میں ثابت ہے۔ کسی دین وملت کا کلمہ ایک ہی ہوتا ہے اس میں کمی بیشی کفر ہے۔ ایک جزء کے اضافہ سے یا شیعہ مسلم برادری سے الگ ہو گئے یا اسے نہ ماننے سے ۹۵ ٪ سنی ان کے ہاں مسلمان نہ رہے۔

۲۔ پانچ نمازیں پانچ وقت میں فرض ہیں۔ جیسے ارشادِ قدرت ہے " نماز مومنوں پر اپنے اپنے وقت میں پڑھنا لازم ہے۔" (پ ۵ ع ۱۲) مگر شیعہ صرف تین اوقات میں پڑھتے ہیں۔

۳۔ نماز کے بعد اسلام کا تیسرا رکن زکوٰۃ ہے کہ سال گزرنے پر صاحبِ نصاب کو ۱/۴۰ حصہ نکالنا فرض ہے۔ مگر شیعہ بلا سکہ سونا چاندی کرنسی نوٹ اور مال تجارت پر زکوٰۃ کے قائل نہیں۔ ہاں منافع کے بعد اس کی بچت پر عمر میں صرف ایک مرتبہ پانچواں حصہ امام کے نام پر نکالتے اور ذاکروں مجتہدوں کی مالی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔ اور زرعی پیداوار کی کچھ اقسام پر عشر کے قائل ہیں۔

۴۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے حج سب سے افضل عبادت ہے۔ مگر شیعہ عقیدہ یہ ہے " جو مومن عید کے دن کے علاوہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرنے حق پہچان کر آئے اس کو ۲۰ حج مبرور اور ۲۰ مقبول عمروں کا ثواب ملے گا۔ اور ۲۰ ان حجوں کا جو نبی مرسل یا امام عادل کے ساتھ کیے ہوں۔ (فروع کافی ج ۱ ص ۵۸۰)

۵۔ تمام مسلمان از الحمد تا والناس ۱۱۴ سورتوں کے ۳۰ پارے قرآن کو تغیر وتحریف سے پاک اصلی کتاب اللہ مانتے ہیں مگر شیعہ اسے ناقص اور کمی بیشی والا مانتے ہیں جو مسلمانوں کا منسوخ تورات وانجیل کے متعلق عقیدہ ہے۔ شیعہ اصلی واجب الاتباع قرآن اس کتاب کو کہتے ہیں۔ جو ان کے عقیدہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھی اور پیدائش سے آپ کو یاد تھی وہ ہر دور میں ہر امام کے

پاس رہی۔ اب وہ امام مہدی کے پاس غار میں ہے وہ جب ظاہر ہوں گے تو ۳۱۳ شیعوں کو وہ اصلی قرآن پڑھائیں گے۔ ہر شیعہ کا یہ عقیدہ ہے۔ (مجالس المومنین ج ۱ ص ۳۴۵)

۶۔ شیعہ حضور خاتم النبیین ؐ کے ہاتھ پر ۵ - ۱۰ آدمیوں کو بھی ہدایت یافتہ و مومن نہیں مانتے وہ ہدایت و ایمان کا منبع حضرت علی ؓ و حسین ؓ کو مانتے ہیں اور ان کو بلا واسطہ رسول عالم لدنی، امام اور ایک قسم کا رسول مانتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو۔ اصول کافی ج ۱ ص ۱۱ طبع لکھنؤ)

۷۔ شیعہ مجتہد سید محمد باور حسین جعفری سولہ مسئلے ص ۱۰۰ - ۱۰۱ پر لکھتا ہے۔

"وہ بہر کیف حضرت علی ؓ رسول بھی ہیں، امام بھی ہیں اور حضرت محمد ؐ کے وزیر بھی ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ۱۲ کے ۱۲ ہی رسول اور امام تھے (سولہ مسئلے مطبوعہ ادارہ علوم الاسلام سانده کلاں لاہور)

۸۔ تمام صحابہ ؓ کو مرتد کہتے ہیں۔ "امام باقر ؒ نے فرمایا کہ حضور ؐ کے بعد تمام صحابہ ؓ مرتد ہو گئے سوائے تین کے۔ ابوذر۔ مقداد۔ سلمان ؓ (رجال کشی ص ۸ اصول کافی ج ۲ ص ۲۴۴ مجالس المومنین منتھی الآمال وغیرہ)

۹۔ چونکہ نور اللہ شوستری کا اعتراف ہے کہ "مکہ اور مدینہ کے باشندوں پر ابوبکر و عمر ؓ کی محبت غالب ہے۔" (مجالس المومنین ص ۵۶) لهذا ان پر امام باقر و جعفر ؒ نے فتویٰ یہ لگایا ہے "وہ اہل مکہ خدا کے کھلے منکر ہیں اور اہل مدینہ مکہ والوں سے ستر گنا زیادہ پلید ہیں (اصول کافی ج ۲ ص ۴۱۰ طبع ایران)

۱۰۔ مرزا قادیانی کی طرح تمام مسلمانوں کو ولد الزنا کہتے ہیں کہ امام باقر ؒ نے فرمایا۔ "اے ابو حمزہ اللہ کی قسم سب لوگ بغایا کنجریوں کی اولاد ہیں سوائے ہمارے شیعوں کے (روضہ کافی ص ۲۸۵)

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ آزردہ شوی ورنہ دلبرا سخن بسیار است

اب آپ ضمیر کو ٹٹول کر فیصلہ کیجیے کہ شیعوں کی ماتمی مجالس و جلوس اور مذہبی تقریبات میں شریک ہونا چاہیے یا نہیں اور یہ کہ آپ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو ماننے کے باوجود کسی گرجا کی محفل میں شرکت نہیں کرتے مگر آپ حضرت علی و حسین ؓ سے محبت کی آڑ میں ایسے لوگوں کی مجالس عزا میں شریک ہو جاتے ہیں۔ عقائد کے لحاظ سے دونوں میں کیا فرق ہے؟ ؎ عاقل را اشارہ کافی ست۔

خادم اہل سنت مہر محمد میانوالوی گوجرانوالہ۔ ۵ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ

حق
چار یار
رضی اللہ تعالیٰ اجمعین

باب اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العلمين الذي اصطفى من خلقه انبياء رحمة للعلويين والسفليين وجعلهم ذروة للمؤمنين وقادة هداة للمسلمين فوفقهم لرفعة شان الدين والصلوة والسلام على افضلهم واتقاهم محمد سيد المرسلين وخاتم النبيين الذي نزل على قلبه روح الامين بتنزيل رب العلمين وعلى اله العترة الطيبة والازواج الطاهرة واصحابه الكرمة البررة المتقين سيما الخلفاء الراشدين المهديين الذين انشاءهم المولى لنصرة دينه القوي المتين ورباهم الرسول على الهدى والتقى والنقاء هداية لخير امته الى يوم الدين وعلمهم الكتاب والسنة ازكى تعليم من الاسلاف الى الخالفين وزكاهم احسن تزكية من الاولين والاخرين فصاروا بتربيته شموسا ونجوما في الهداية والتعليم والتزكية لملته اجمعين فنصر الله من اتبعهم بالاحسان مرضيين وخذل من في قلبه زيغ وبغض لهؤلاء سادة

المسلمين رضي الله عنهم اجمعين

سوال ۱ - تاریخ شاہد ہے کہ قریشِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مکمل طور پر بائیکاٹ کرلیا تھا۔ اس بائیکاٹ کا عرصہ تین سال کا ہے حضرت ابوطالب تمام بنوہاشم کو شعب ابیطالب میں لے گئے تھے۔ یہ تین برس کا عرصہ بنی ہاشم نے نہایت عسرت اور کٹھن تکالیف سے گزارا۔ ان تین سال کے دوران حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کہاں تھے اگر یہ بزرگ مکہ ہی میں تھے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ اگر یہ بزرگ شعب ابی طالب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نہ جاسکے تو کسی وقت ان بزرگوں نے آب و دانہ ہی سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی ہو۔ جب کہ کفارِ مکہ میں سے زہیر بن امیہ بن مغیرہ نے پانی کھانا پہنچانے اور عہد نامہ کو توڑنے پر

دوستوں کو آمادہ کیا۔

جواب۔ چند باتیں پیش نظر رکھنے سے اعتراض کی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ شعب میں قید کا یہ واقعہ کیوں پیش آیا۔ آیا غیر بنو ہاشم مسلمان بھی محصور تھے۔ کیا غیر محصور مسلمان بنو ہاشم کو درہ میں کھانے پینے کی امداد پہنچا سکتے تھے۔ پہلی بات کے متعلق تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ اور امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما اسلام لے آئے اور دنیائے کفر و شرک میں زلزلہ بپا ہو گیا اور علی الاعلان تبلیغ اسلام سے کفار بوکھلا اٹھے تو سب نے بالاتفاق یہ تجویز پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ قتل کر دیا جائے۔ جناب ابوطالب نے دستورِ عرب کے موافق برادری سسٹم پہ تمام بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو جمع کر کے شعب میں چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ کفار دفعتہً حملہ نہ کر دیں تو کفار نے تمام قبائلِ عرب کے اتفاق سے ایک عہد نامہ تیار کیا۔ اور کعبہ شریف میں آویزاں کر دیا جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ لین دین، رشتہ ناطہ اور خور اک وغیرہ پر پابندی لگا دی۔

تاریخ کی مشہور کتاب طبری ج ۲ ص ۲۴۳ پر ہے۔

فلما اسلم عمر وجعل الاسلام يفشوا فی القبائل وحمی النجاشی من صنوی الی بلده منهم اجتمعت قريش فائتمرت بينها ان يكتبوا بينهم كتابا يتعاقدون فيه علی ان لا ينكحوا الی بنی هاشم و بنی المطلب ولا ينكحوهم۔

جب حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے اور اسلام قبائل میں پھیلنا شروع ہو گیا جو مسلمان نجاشی کے پاس پناہ گزین گئے اس نے ان کی حفاظت کی تو قریش نے اجتماع کیا اور یہ طے کیا کہ ایک عہد نامہ لکھیں جس میں یہ شرط رکھیں کہ بنو ہاشم و بنو مطلب سے نہ کوئی رشتہ لیگا اور نہ کوئی ان کو رشتہ دے گا۔

نیز ج ۲ ص ۳۳۵ پہ ہے کہ "حضرت عمر بن الخطاب ۔ اللہ کی ان پہ ہزار وں رحمتیں ہوں جب اسلام لے آئے۔ آپ طاقتور، مضبوط اور پرشکوہ شخصیت تھے اور اس سے پہلے حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب بھی اسلام لا چکے تھے تو صحابہؓ رسولؐ نے اپنے اندر بڑی طاقت دیکھی اور

اسلام قبائل میں پھیلنا شروع ہو گیا۔

حافظ ابنِ کثیرؒ المتوفی (۶۸۰) ابنِ اسحاق کے حوالے سے البدایہ والنہایہ ج ۳ ص۷۹ پر رقمطراز ہیں۔

"حضرت عمرؓ اسلام لے آئے آپ بڑے دبدبہ والے تھے۔ آپ کے آگے کوئی چون وچرا نہ کر سکتا تھا۔ صحابہ رسولؐ آپ کے ذریعے اور حضرت حمزہؓ کے ذریعے محفوظ ہو گئے۔ حتیٰ کہ قریش غضبناک ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے ہم کعبہ شریف کے پاس نماز نہ پڑھ سکتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو کفارِ قریش سے جنگ کی اور کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ ہم نے بھی پڑھی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابنِ مسعودؓ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جب سے عمرؓ اسلام لائے ہم غالب ہوتے چلے گئے۔ نیز فرمایا حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا فتحِ اسلام تھی۔ آپ کی ہجرت الی المدینہ نصرتِ اسلام تھی۔ آپ کی خلافت رحمت تھی۔ ہم پہلے کعبہ کے پاس نماز نہ پڑھ سکتے تھے حتیٰ کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو قریش سے جنگ کی۔ کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی۔

شیعہ کتاب روضۃ الصفا ج ۲ ص۴۹ میں بھی قیدِ شعب کا یہی سبب لکھا ہے۔

"قواعدِ شریعت بمظاہرت حمزہ و فاروقِ اعظمؓ استحکام پذیرفت و طنطنۂ قوسِ نبوت بمسامعِ اقاصی و ادانی قبائلِ عرب رسید ہمت بر ہلاک حضرت مقدس نبوی مصروف داشتند۔ و ایں خبر بابوطالب رسیدہ بنی ہاشم و بنی مطلب را جمع فرمودہ در حفظ حضرت رسالت پناہ از ایشاں معاونت خواست، مومناں برائے رفعِ درجاتِ آخرت و مشرکاں آں دو قبیلہ بنا بر تعصب و حمیت کہ عادت عرب است کمرِ موافقت بر میاں بستند (بحوالہ کشف الاسرار ص۵)

یعنی حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام سے اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پروگرام بنا لیا۔ ابو طالب کو پتہ چلا تو اس نے ہاشمی اور مطلبی گھرانوں کو اکٹھا کر کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ میں اعانت طلب کی۔ ان کے اتفاق کرنے سے سب شعب ابو طالب میں چلے گئے۔

سنی شیعہ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ حضرت حمزہؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے اسلام لانے

سے ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ قبائل میں ہمہ گیر تبلیغِ اسلام کو دیکھ کر کفار مشتعل ہو گئے اور یہ صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ اب عقلاً بھی یہ بعید ہے کہ جس شخصیت کے اسلام سے کفار اتنے مشتعل ہوں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے ہوں خود اسے آزاد چھوڑ دیں۔ بلکہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۲ میں یہ تصریح ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے۔ ابوجہل وغیرہ صنادیدِ قریش کو اپنے اسلام سے مطلع کیا اور تنہا کفار سے جنگ کی تو سب کفارِ مکہ نے آپ کو قتل کرنے کے لیے گھر کا محاصرہ کر لیا جن سے جنگل بھرا ہوا تھا۔ آپ گھر میں روپوش ہو گئے۔ باہر سے آنے والے کفار کے ایک سردار عاص بن وائل سہمی نے آپ کو پناہ دی اور کفار کو گھروں میں واپس کیا۔

ہماری معلومات کے پیشِ نظر بالاتفاق تمام کفار نے یا شبِ ہجرت اور شعب سے قبل قتل کا منصوبہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا۔ یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کا بنایا۔

اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کفار کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح دشمنی تھی۔ وہ کیسے آپ کو آزاد چھوڑ سکتے تھے۔ اگر شعب میں ان کی محصوری تسلیم نہ کی جائے۔ تو گھر کی محصوری بدرجہ اولیٰ سخت تھی کہ ہر وقت تمام شہر کی تلواریں دروازے پر چمکتی تھیں۔ امرِ دوم کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ بنو ہاشم کے ساتھ دوسرے مسلمان بھی قیدِ شعب میں شریک ہو گئے تھے۔ انہوں نے از خود گھر میں محصوری کے بجائے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قید ہونے اور فقر و مصائب سہنے کو سرمایۂ افتخار جانا۔

اکبر خاں نجیب آبادی نے بار بار یہ جملے اپنی تاریخ قصہ شعب میں لکھے ہیں۔

"جس قدر مسلمان تھے وہ بھی ان (بنو ہاشم) کے ساتھ ہی اس درے میں جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے چلے گئے۔ (تاریخ اسلام ص ۱۱۲) پھر رہائی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"بنو ہاشم اور تمام مسلمان شعب ابی طالب سے تین سال کے بعد نکلے اور مکہ میں آ کر اپنے گھروں میں رہنے سہنے لگے۔ شعب ابی طالب میں مسلمانوں کو بھوک سے بیتاب ہو کر اکثر درختوں کے پتے کھانے پڑتے تھے۔ بعض بعض شخصوں کی حالت یہاں تک پہنچی کہ اگر کہیں سوکھا چمڑہ مل گیا تو اسی کو صاف اور نرم کر کے آگ پر رکھا اور بھون کر چبایا۔ ص ۱۰۴۔"

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی ہیں۔ وہ بھی شعب میں ساتھ گئے اور

قید ہوئے۔ امام اہلسنت مولانا عبدالشکور لکھنوی نے خلفاء راشدین صفحہ ۳۰ مناقب صدیقی میں
صراحتہً حضرت ابوبکرؓ کی حضورؐ کے ساتھ گھاٹی میں قید و معیت کا ذکر کیا ہے۔

"حضرت صدیقؓ از خود اس مصیبت میں شریک ہو گئے۔ آپ کے ساتھ وہ بھی شعب میں
چلے گئے اور وہیں رہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اس مصیبت سے نجات دی تو
انہوں نے بھی نجات پائی۔ ابو طالب نے اس واقعہ کو اس شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

وہم رجعوا سھل بن بیضاء راضیا   فسر ابوبکر بہا و محمدؐ

انہوں نے جب سہل بن بیضاء کو (نقض معاہدہ پر) راضی کر کے بھیجا تو اس پر حضرت ابوبکر
صدیقؓ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔ اور یہ واقعہ علامہ ابن عبدالبر کی الاستیعاب
میں بھی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ ابو طالب کے ہاں حضرت ابوبکرؓ مومن اور مخلص جاں نثار تھے تبھی تو دونوں

غیر ہاشمی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران — یعنی سعد بن مالک بن وھیب بن عبد
مناف بن زہرہ بن کلاب یکے از عشرہ مبشرہ اور بنو ہاشم وہ لوگ ہیں جو وہیب کے بھائی ہاشم کی اولاد سے ہیں۔
کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑہ ہاتھ آ گیا اسی کو پانی سے دھویا۔ آگ پر بھونا اور پانی
میں ملا کر کھایا (رسول رحمت ص ۱۴۹) (روض الانف سہیلی بحوالہ سیرت النبیؐ ج ۱ ص ۲۲۵)

حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۹۳ کے حوالے سے حیاۃ الصحابہ حصہ دوم ص ۳۲۲ پر ہے۔

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر ہم لوگوں
کو اور خود حضورؐ کو تنگی معاش انتہا سے زیادہ پیش آئی۔ جب ہم اس مشقت میں (قید شعب کے موقعہ
پر) پڑ گئے تو ہم لوگوں کو اس فقر و فاقہ اور سختی جھیلنے کی عادت پڑ گئی اور ہم لوگوں نے بڑے صبر اور
تحمل سے کام لیا اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں رہتے ہوئے یہ بھی دیکھا کہ
رات کی اندھیری میں پیشاب کے لیے اٹھا کچھ کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی تو اسے غور سے دیکھا وہ
اونٹ کی کھال کا ٹکڑا تھا اسے اٹھایا اور اسے دھویا اور پھر اسے جلایا اور اسے دو پتھروں سے
پیس کر سفوف سا بنایا اور اسے پھانک کر پانی پی لیا۔ اسی پر میں نے تین دن گزار دیئے۔

انتہائی متعصب شیعہ مورخ ملا باقر علی مجلسی بھی لکھتے ہیں۔

در تفسیر امام حسن عسکری منقول است   امام حسن عسکری کی تفسیر میں منقول ہے کہ

کہ چوں کفار قریش حضرت رسول را ملجا گردانیدند کہ پناہ بشعب ابی طالب بردند ایشاں بردن شعب جمعے را موکل کردند کہ مانع شوند از آنکہ کسے بایشاں آزوقہ برساند و کار بر اصحاب آنحضرت بسیار تنگ شد و با آنحضرت شکایت مے کردند از کمی آزوقہ حضرت دعا کرد تا حق تعالیٰ بہتر از من و سلویٰ بنی اسرائیل برائے ایشاں فرستاد و ہر چہ ہر یک از ایشاں آرزو میکرد از انواع طعامہا و میوہ ہا و حلاوات و جامہا نزد ایشاں حاضر میشد (حیات القلوب ج ۲ ص ۳۱۱)

جب کفار قریش نے حضورؐ کو مجبور کر دیا کہ آپ شعب ابی طالب میں پناہ لیں۔ اور انھوں نے شعب کے دروازے پر ایک جماعت پہریدار مقرر کر دی جو اس بات سے منع کریں کہ کوئی شخص شعب والوں تک خوراک پہنچائے آنحضرت کے صحابہؓ (بنو ہاشم وغیرہ) پر تنگی ہو گئی۔ انھوں نے آپؐ سے بھوک کی شکایت کی آپ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے من و سلویٰ سے بہتر ان کے لیے کھانا اتارا اور ان میں سے جو بھی جس قسم کے میوے کھانے میٹھی چیزوں اور کپڑوں کی تمنا کرتا۔ ان کے پاس وہ چیز پہنچ جاتی۔

اس شیعی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصحاب رسولؐ شعب میں فقر و تنگی برداشت کرتے تھے اور باہر سے رسد و خوراک ہرگز نہیں پہنچ سکتی تھی کیونکہ کفار نے پہرہ لگا رکھا تھا۔ بالفرض کوئی مسلمان کوشش کرتا تو بھی ناکام ہوتا۔ مسلمانوں کے ساتھ خرید و فروخت بھی ممنوع تھی۔ امر سوم کے متعلق روضۃ الصفا ج ۲ ص ۴۹ میں بھی یوں تفصیل لکھی ہے۔

"کہ شعب میں مسلمانوں کے داخلے کے بعد ان پر بڑی مصیبت آگئی۔ اگر اہل اسلام میں سے کوئی ایک بھی اس جگہ سے قدم باہر نکالتا۔ کفار اشرار اسے خوب تکلیف پہنچاتے اور کسی قیدی کو مجال نہ تھی کہ موسم حج و عمرے کے علاوہ اس جگہ سے باہر قدم رکھیں اور موسم حج میں بھی ابوجہل۔ نضر بن حارث۔ عاص بن وائل۔ عقبہ بن ابی معیط اور ان جیسے سنگ دل مشرکین نے راستوں پر کھڑے ہو کر ان لوگوں سے کہتے جو اشیاء خوردنی بیچنے کے لیے مکہ لاتے کہ جو کوئی تم میں سے محمدؐ اور اس کے صحابہؓ کے ہاتھ کچھ فروخت کرے گا اس کا مال و اسباب برباد کر دیا جائے گا۔ اور اگر کبھی موسم زیارت و طواف میں دیکھتے کہ رسول اللہ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص خریداری کر رہا ہے تو وہ اس پر دام چڑھا دیتے حتیٰ کہ مسلمان بیچارہ مایوس ہو جاتا تھا۔

اب انصاف سے آپ ہی بتائیں کہ ان حالات میں کوئی مسلمان کس طرح یہ قدرت پا سکتا تھا کہ وہ کوئی چیز خرید کر حضورؐ تک پہنچائے اور کفار کی گرفت سے بچ نکلے۔ اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو ہمدرد قسم کے کفار یہ کام سر انجام دیں جیسے سوال میں مذکور ہے۔ یا پھر چوری چھپے کا کارِ راستہ تھا۔ بھلا مخفی عمل ہم تک روایت ہو کر کیسے پہنچ سکتا تھا۔ بالفرض اگر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما یا کسی مسلمان نے کچھ دانہ پانی پہنچایا بھی ہو تو اس کی اطلاع ہم تک کیسے پہنچے۔ کفار کی ناکہ بندی کے علاوہ اس بنا پر بھی روایت کی ضرورت نہ سمجھی گئی کہ ہم مسلک و ہم مشرب ایک دوسرے کی اعانت کرتے ہی ہیں۔ البتہ زہیر بن امیہ وغیرہ کا کھانا پہنچانا یا مقاطعہ ختم کرنے کی کوشش کرنا مخالفین کی اپنی اور قابل روایت بات تھی اس کا تاریخی جز بننا امر معقول تھا۔ شیعہ کے نزدیک مومن صحابہ حضرت عمار یاسر، مقداد اور ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہم بھی غیر ہاشمی ہیں کیا ان سے بھی اس عمل کا ثبوت مل سکتا ہے؟ اگر نہیں تو حضرت ابوبکر و عمرؓ سے ہی یہ مبنی بر تعصب مطالبہ کیسے؟ اصل بات یہی ہے کہ شعب میں تمام بنو ہاشم ۔ ماسوائے ابولہب اور اس کے بیٹوں کے ۔ قید تھے ۔ ان کے ساتھ دیگر صحابہؓ بھی بکثرت تھے ۔ اور جو مسلمان اپنے گھروں میں تھے وہ بھی قید تھے ۔ خرید و فروخت یا کاروبار میں کوئی بھی آزاد نہ تھا ۔ نہ معلوم یہ لوگ اپنے بال بچوں کا گزارہ کیسے چلاتے ہوں گے ۔ حضرات شیخینؓ شعب میں حضورؐ کے ساتھ گرفتار قید و مصائب تھے ۔ بالفرض گھر میں بھی ہوں تو بھی قید تھی ۔ جب سیدھے منہ نہ کوئی بات کرنا ۔ نہ خرید و فروخت ہوتی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات پر سخت پابندی تھی ۔ ان تکالیف کا تصور اصحابِ عشق و درد ہی کر سکتے ہیں ۔ بغض صحابہ و اہلبیتِ نبوی سے معمور کینہ میں اس کی رسائی کہاں ۔ وہ تو صرف طعن پر طعن کرنا اور رسولِ خدا کا دل دکھانا ہی جانتے ہیں ۔

حضراتِ شیخینؓ کے مصائب و آلام

شیعہ معترض یہ تصور دلانا چاہتے ہیں کہ مکہ میں مصائب بنو ہاشم نے اٹھائے اور حضرت ابوبکر و عمرؓ و غیرہم رضی اللہ عنہم صحابہ کرام نے تکلیفیں نہیں پائیں ۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے ۔ بنو ہاشم کے کم افراد آغازِ اسلام میں مشرف بایمان ہوئے اور وہ بھی بیشتر مواقع پر کفار کے مظالم سے اس لیے محفوظ ہے کہ جناب ابوطالب رئیس خاندان اور قریش کے ہم مذہب تھے ۔ کفار ان کا احترام کرتے

ہوئے بنو ہاشم سے کم تعرض کرتے تھے۔ ضعفاء و غرباء صحابہؓ۔ اور غلاموں کا طبقہ مصائب کی بھٹی میں جھونکا گیا تھا۔ جیسے حضرت یاسر۔ عمار بن یاسر۔ سمیہؓ۔ بلال۔ ابو فکیہ۔ زنیرہ۔ خباب بن الارت۔ حضرت ابو ذر غفاری۔ حضرت زبیر بن عوام۔ طلحہ بن عبید اللہ۔ سعید بن زید۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب۔ مصعب بن عمیر۔ عثمان بن مظعون وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین ان میں سے حضرت ابوذر و عمارؓ کے سوا شیعہ کو کسی سے بھی ذرا عقیدت و الفت نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروق رضی اللہ عنہما اگرچہ خاندانی معزز اور سربرآوردہ قسم کے بزرگ تھے۔ تاہم اپنے محبوب و متبوع حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع و غلامی میں ان کو بڑے بڑے مصائب کا نشانہ بننا پڑا۔ بطورِ نمونہ چند واقعات پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ ونوفل بن خویلد کان من اشد المشرکین عداوۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھوالذی قرن ابابکر بطلحۃ قبل الھجرۃ بمکۃ واوثقھما بحبل وعذبھما یوما الی اللیل حتی سئل فی امرھما (شیعہ کتاب کشف الغمہ ص۲۴۵)

کفار کا شیر نوفل بن خویلد حضورؐ کی دشمنی میں سب کفار سے سخت تھا۔ اسی نے ہجرت سے قبل مکہ میں حضرت طلحہ و ابوبکرؓ کو رسی میں باندھ کر پورے دن رات تک سخت سزا دی تھی حتیٰ کہ ان کی گمشدگی کے متعلق پوچھ گچھ ہونے لگی تھی۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اڑتیس صحابہؓ ہوگئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس بات پر اصرار کیا کہ اب آپ کھلم کھلا تبلیغ کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا اے ابوبکر ابھی ہم لوگ تھوڑے ہیں مگر حضرت ابوبکر بار بار اصرار کرتے رہے۔ چنانچہ حضورؐ نے علانیہ دعوت دینی شروع کر دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ تبلیغ کے لیے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسلام میں یہ وہ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف دعوت دی۔ مشرکین چاروں طرف سے حضرت ابوبکر اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور بڑی بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کو مارا پیٹا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مارا بھی اور روندا بھی۔ عتبہ بن ربیعہ فاسق نے قریب آکر اپنے کٹی تلہ والے جوتا سے حضرت ابوبکرؓ کو مارنا شروع کیا اور ان کو آپ کے چہرے پر مارتا۔ آپ کے پیٹ پر کودا بھی۔ حضرت ابوبکرؓ اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ ان

کا چہرہ اور ناک نہ پہچانی جاتی تھی۔ بے ہوش ہو گئے تھے۔ ہوش آنے پر سب سے پہلے حضورؐ کی خیریت پوچھی تھی۔ (حیاۃ الصحابہ رضی ج ۱ ص ۲۹۰)

۳۔ حضرت عمرؓ جب مسلمان ہو گئے تو کفار کے مجمعوں میں جا جا کر علی الاعلان بتایا اور کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ۔ سب کفار آپ پر جھپٹے۔ حضرت عمرؓ تنہا ان سب سے لڑتے رہے یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا۔ حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے اور کہتے تھے جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم تین سو آدمی ہو جائیں تو پھر یا ہم رہیں گے یا تم رہو گے۔ (حیاۃ الصحابہ رضی ج ۱ ص ۲۹۶)

۴۔ اسلام عمرؓ پر جب سارا شہر آپ کو قتل کرنے اٹھ آیا اور آپ مجبوراً گھر میں پناہ گزیں ہو گئے تو آپ کے پاس ابو عمر عاص بن وائل سہمی آیا اس نے کفار کو آپ سے ہٹایا (بخاری)

۵۔ محمد بن ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ اسلام لے آئے تو ان کے چچا حکم بن ابو العاص بن امیہ نے ان کو پکڑا اور رسیوں میں باندھ دیا اور کہا تو اپنے باپ دادوں کے دین سے ایک نئے دین کی طرف پھر گیا۔ خدا کی قسم میں تجھ کو بندھا رہنے دوں گا جب تک کہ تو اس دین کو نہ چھوڑے گا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں کبھی بھی اس دین کو چھوڑنے والا نہیں۔ جب حکم نے ان کی پختگی دیکھی تو چھوڑ دیا۔ (ابن سعد ج ۳ ص ۳۷)

سرورِ کونینؐ کے علاوہ حضرت علیؓ یا دیگر کسی ہاشمی بزرگ کے متعلق ایسے واقعات ہمارے علم میں نہیں۔

حضرت ابو العاصؓ خوراک پہنچاتے تھے

ضد اور تعصب کا برا ہو۔ معترض زبیر بن امیہ وغیرہ مالی امداد پہنچانے والوں میں حضرت ابو العاص بن ربیع دامادِ رسولؐ کا ذکر نہیں کرتا۔ جو حضرت زینبؓ بنتِ رسولؐ کے شوہر اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھانجے تھے۔ مبادا ان کا ذکر ہو تو شیعہ مذہب خاک میں مل جائے۔

باقر علی مجلسی بھی قصہ شعب میں ان کا ذکرِ خیر یوں کرتے ہیں۔

وابو العاصؓ بن ربیع کہ دامادِ حضرت رسولؐ بود شتران بر در شعب مے آورد کہ گندم	اور ابو العاص بن ربیع جو حضورؐ کے داماد تھے گندم اور کھجوروں سے اونٹ لاد کر شعب کے

دروازے بار کردہ بود و صدا میزد آں شتران
کہ داخل درہ مے شدند و بر میگشتند لہذا حضرت
فرمود کہ ابو العاص حق دامادی ما رانیکو رعایت
کرد۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۳۱)

دروازے پر لے آتے اور آواز دیتے تو اونٹ
درہ میں داخل ہو جاتے (مسلمان حملہ آور لیتے)
تو حضرت ابوالعاص رضی واپس ہو جاتے۔ یہی وجہ
ہے کہ حضور فرماتے ہیں ابوالعاص رضی نے ہمارے
داماد ہونے کا بہت اچھا لحاظ کیا۔

شیعہ کتاب اعلام الوریٰ ص ۱۴۱ مطبوعہ ایران میں بھی یہی الفاظ ہیں۔

"دامادی" کے لقب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت ابوالعاص رضی کو نوازا یا پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر رقیہ رضی و ام کلثوم رضی کے بعد میری کوئی اور بھی صاحبزادی ہوتی تو حضرت عثمان رضی کو بیاہ دیتا۔ اور چونکہ آنکھوں کی یہ ٹھنڈک حضور کو نور چشم حضرت فاطمۃ الزہرا (سلام اللہ علیہا وعلیٰ ابیہا و زوجہا) سے حاصل نہ ہوئی تھی۔ بلکہ دختر ابوجہل کی خواستگاری کی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی کے ناراض ہونے اور میکے چلے جانے پر حضور کو یوں فرمانا پڑا تھا۔ فاطمۃ بضعۃ منی فمن اذاھا فقد آذانی فاطمہ رضی میرے گوشت کا حصہ ہے جو اسے ستائے گویا اس نے مجھے ستایا۔ اور یہ قصہ طرفین کی تاریخ و سیرت میں متواتر ہے۔ لہٰذا شیعہ حضرت علی رضی کے ماسوا کسی کو دامادِ رسول ماننے سے بدکتے ہیں۔ حالانکہ یہ متواتر حقیقت ہے۔ اس کا انکار صریح مکابرہ ہے اور ہمارے علم میں کوئی مثال نہیں کہ کسی مستند شیعہ مؤلف یا مورخ محدث نے بناتِ رسول اور آپ کے دامادوں کا انکار کیا ہو۔ جیسے اگلے سوال میں تمام عبارات مفصل آرہی ہیں۔

سوال ۲۔ حضرت فاطمہ رضی کا انتقال بقولِ اہلسنت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی کا انتقال ۲½ برس رسولِ خدا کے بعد ہوا۔ حضرت عمر رضی نے ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو انتقال فرمایا تو کیا وجہ تھی کہ دونوں بزرگوں کو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کافی عرصہ کے بعد انتقال کرتے ہیں۔ روضۂ رسول میں دفن ہونے کے لیے جگہ مل گئی۔ اور رسولِ خدا کی اکلوتی بیٹی سیدہ طاہرہ مادرِ حسنین رضی کو باپ کے پاس قبر کی جگہ نہ مل سکی۔ کیا خود بتول رضی نے باپ سے علیحدگی قبر کی وصیت کی تھی یا حضرت علی رضی نے حکومت وقت کی پیشکش کو ٹھکرا

دیا تھا۔ یا مسلمانوں نے بضعۂ رسولؐ کو قبرِ رسولؐ کے پاس دفن نہ ہونے دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

جواب۔ شیعہ دوست سخن سازی میں اپنے اسلاف کی طرح خوب ماہر ہے۔ اسے کہتے ہیں۔ مدعی سست گواہ چست۔ ورنہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی تجہیز و تکفین اور تدفین بلا اختلاف ان کی اپنی مرضی اور وصیت کے مطابق ہوئی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت عباسؓ و دیگر صحابہ کرامؓ نے تمام امور وصیت کے مطابق سر انجام دیئے۔ طبقات ابن سعد ج ۸ تذکرہ حضرت فاطمہؓ سے ایک نظر میں تمام روایات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت فاطمہؓ سب سے پہلی خاتون ہیں جن کے لیے نعش (یا پردہ دار چارپائی) بنائی گئی جو اسماء بنت عمیسؓ (زوجہ ابوبکر صدیقؓ) نے بنائی تھی (از ابن عباسؓ)

۲۔ فاطمہؓ کے جنازے کی نماز عباسؓ بن عبدالمطلب نے پڑھائی اور انہیں قبر میں عباسؓ، علیؓ اور فضل بن عباسؓ نے اتارا۔ (از عمرہؒ)

۳۔ فاطمہؓ کی قبر میں علیؓ، عباسؓ اور فضلؓ اترے (از عائشہؓ)

۴۔ حضرت فاطمہؓ کی نماز علیؓ نے پڑھائی (از عروہؒ)

۵۔ فاطمہؓ پر ابوبکرؓ نے نماز پڑھی تھی۔ (از شعبیؒ)

۶۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے جنازے کی نماز پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں (از ابراہیم نخعیؒ)

۷۔ حضرت فاطمہؓ کو رات میں علیؓ نے دفن کیا (از زہری)

عروہ، محمد بن علی، حضرت عائشہؓ، یحییٰ بن سعید، حضرت ابن عباسؓ سے روایات ہیں کہ رات کے وقت حضرت علیؓ نے آپ کو دفنایا۔ ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ ہوا بلا نزاع و اختلاف ہوا اور بنو ہاشم کے ذمہ داروں نے تجہیز و تکفین کی تھی۔ ظن غالب یہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے رات کو اپنا جنازہ اٹھانے اور جنت البقیع میں دفن کرنے کی وصیت کی تھی۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چار تکبیروں سے آپ کا جنازہ پڑھایا۔

شیعہ کی معتبر کتاب اعلام الوری باعلام الہدیٰ ص ۱۵۱ پہ تدفین کا ذکر یوں ہے۔

روی انہا توفیت لثالث من — روایت ہے کہ آپ ۳ جمادی الآخرہ ۱۱ھ میں

جمادی الاخرۃ احدی عشرۃ من
الهجرۃ وبقيت بعد النبی خمسة و
تسعين يوما وروی اربعة اشهر وتولی
امير المؤمنين غسلها اسماء بنت عميس
وانها قالت اوصت فاطمة ان لا يغسلها
اذا ماتت الا انا وعلی فغسلتها انا وعلی
وصلی عليها امير المؤمنين والحسن
والحسين وعمار ومقداد وعقيل و
الزبير وابوذر وسلمان وبريدة ونفر
من بنی هاشم فی جوف الليل ودفنها
علی امير المؤمنين سرا بوصيته منها فی
ذلك -

فوت ہوئیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
بعد ۹۵ دن یا ۴ ماہ زندہ رہیں۔ حضرت علی رضؓ و
حضرت اسماء بنت عمیس رضؓ زوجہ ابوبکر رضؓ غسل
دینے والے تھے۔ اسماء رضؓ کہتی ہیں حضرت فاطمہ رضؓ
نے وصیت کی تھی کہ آپ کو غسل میں اور علی رضؓ ہی
دیں پس میں نے اور علی رضؓ نے غسل دیا۔ اور
جنازے میں یہ لوگ یقینی تھے۔ حضرت علی حضرت
حسن حسین، عمار، مقداد، عقیل، زبیر، ابوذر
سلمان، بریدہ اور بنو ہاشم کے کچھ لوگ رضی
اللہ عنہم اجمعین۔ جنازہ رات کو ہوا اور حضرت
امیر المومنین رضؓ نے آپ کو وصیت کے مطابق
پوشیدہ دفن کیا۔

اس اقتباس سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے اپنے غسل اور تدفین کے متعلق وصیت کی تھی اور حضرت علی رضؓ نے اسی پہ عمل کر کے رات کو تدفین فرمائی۔ اگر روضۂ نبوی میں دفن کرنے کی وصیت کی ہوتی تو ضرور روایت میں تذکرہ ملتا اور پھر حضرت علی رضؓ اس کی خلاف ورزی کر کے کبھی جنت البقیع میں دفن نہ کرتے۔ اگر شیعہ معترض کے پاس اس کا ثبوت ہوتا تو باحوالہ کتب تاریخ فریقین سے واضح کرتے یہ کس قدر بے تکی اور اصولِ مناظرہ سے جہالت پر مبنی بات ہے کہ خصم سے یہ ثبوت مانگا جائے "کیا خود بتول نے باپ سے علیحدگی قبر کی وصیت کی تھی" وصیت ایجابی امور میں ہوتی ہے کہ ایسا کرنا۔ سلبی امور میں تو اس وقت ہوتی ہے جب متوفی کو ظن غالب ہو کہ میرے ورثاء یہ غلط کام ضرور کریں گے تو وہ اس سے روک جائے۔

۲۔ حضرت علی رضؓ نے آپ کو وصیت کے مطابق ہی رات کے وقت اور پوشیدہ طور پر دفنایا اگر حجرہ عائشہ صدیقہ رضؓ میں دفن کی وصیت ہو تو دونوں میں تضاد ہے۔ مسجد نبوی میں اور

روضۂ اقدس میں تدفین کیسے مخفی رہ سکتی ہے، حضرت ابوبکرؓ کا دروازہ مسجد میں کھلتا ہے۔ نمازیوں اور نفل پڑھنے والوں سے مسجد بھری رہتی ہے اور صلاۃ وسلام پڑھنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

۳۔ رات کو اور پوشیدہ تدفین اس لیے نہیں ہوئی کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور صحابہ کرامؓ (العیاذ باللہ) جنازہ میں شرکت نہ کریں جیسا کہ شیعہ کا باطل خیال ہے۔ بلکہ اس کی وجہ محض ستر پوشی اور عوام کی نظروں سے سریرِ مبارک کو بھی بچانا ہے۔ جیسے البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۳۳ پر ہے۔

و دفنت بالبقیع وھی اول من ستر سریرھا۔	آپ کو جنۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ وہ پہلی خاتون ہیں جن کا جنازہ ڈھانپا گیا۔

رات کو تدفین کی وصیت میں یہ تاثر بھی دلانا ہے کہ سیدہ خاتونِ جنت دنیا کو شب تاریک میں چھوڑ کر جا رہی ہیں۔ اور اللہ کے مقربین بندوں کے علاوہ دنیا میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔

۴۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے غسل کے لیے حضرت اسماءؓ بنت عمیس کو مقرر کیا اور حضرت علیؓ کو ان کا معاون نامزد کیا۔ یہ اسماءؓ خلیفہ بلا فصل امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اہلیہ محترمہ ہیں اور وفات صدیقی کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کے عقد میں آئی تھیں۔

یہیں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صدیقی گھرانہ کو خاندانِ اہلبیت کے ساتھ کسقدر محبت و وفاداری ہے۔ کہ حضرت اسماءؓ اپنے خاوند کی اجازت سے نہ صرف مدتِ دراز تک حضرت فاطمہؓ کی تیماردار اور خدمتگار رہیں بلکہ غسل کا شرف بھی بنا بر وصیت آپ کو حاصل ہوا جو سونے پر سہاگہ کی مثل ہے اور خاندانِ اہلبیت کے گھرانۂ صدیقی پر اعتماد کا اعلیٰ ترین ثبوت ہے۔

ع این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور یہیں سے شیعہ کے وہ ہفوات پادر ہوا ہو جاتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ کو تو وفات فاطمہؓ و جنازہ کی اطلاع نہ دی گئی تھی یہ کیسے ممکن ہے۔ خاتونِ جنت کی وفات و جنازہ ہو اور لوگوں کو پتہ نہ چلے۔ بیوی غسل و تکفین تک کی خدمت سرانجام دیں اور خلیفۃ المسلمین خاوند بےخبر ہو۔ دراصل اس قسم کے باطل نظریات سے یہ مفاد پرست ٹولہ۔ اہل بیت نبوی کی عزت و توقیر کو خاک میں ملاتا ہے۔ ورنہ ہمارے نزدیک جنازہ چوری چھپے نہ تھا۔ جیسے قاتل اپنے مقتولوں

کے ساتھ کرتے ہیں۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد شریک تھی۔ ہاں جنازہ کس نے پڑھایا؟ اس میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں آپ کے خاوند حضرت علیؓ کا نام ہے۔ ایک میں حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کا ہے۔ ایک میں آپ کے نانا ابوبکر صدیقؓ کا ہے۔ کوئی بھی ہو ہر ایک بزرگ و مستحق تھا۔ کیا ہی خوش قسمت جنازہ تھا اور کیا خوش بخت جنازہ پڑھنے والے تھے۔ صلوات اللہ علی نبیہم وعلیہم اجمعین۔

شیعہ عالم نجم الحسن کراروی آپ کی وفات کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"جب رات ہوئی تو حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا اور کفن پہنایا نماز پڑھی اور جنت البقیع میں لے جا کر دفن کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کو منبر اور قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دفن کیا گیا۔ (چودہ ستارے ص ۲۵۲)

روایتِ ثانی پر تو اعتراض بنانے کی حاجت نہیں رہی۔ روایت اولیٰ پر ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ سب کام وصیت کے مطابق کیے۔ اگر حجرہ عائشہؓ میں دفن کی وصیت ہوتی تو آپ ایسا ہی کرتے۔ اس اقتباس میں حضرت علیؓ کے غسل دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ پانی لانے بہانے میں معاون تھے۔ ہاتھوں سے غسل حضرت اسماءؓ زوجہ ابوبکرؓ دے رہی تھیں۔

مدفنِ فاطمہؓ میں شیعہ کا اختلاف

اہلِ سنت کے برعکس۔ مدفنِ فاطمہؓ میں شیعی روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں جنت البقیع ہے جو دنیا کے سب قبرستانوں سے افضل ہے اور جہاں دس ہزار صحابہ کرامؓ۔ امہات المومنینؓ، بناتِ رسولؐ اور آپؐ کے صاحبزادے ابراہیمؑ مدفون ہیں۔ یہی روایت سب سے اصح اور اہل سنت کا مذہب قوی ہے۔ معتمد علماء شیعہ بھی یہی کہتے ہیں۔ جیسے کراروی صاحب کا حوالہ گزرا۔ جنت البقیع میں آپ کی اور حضرت حسنؓ۔ عباس بن عبدالمطلب۔ زین العابدین۔ حضرت باقر وجعفر رضوان اللہ علیہم کی قبور صحیح سالم ایک گول احاطے میں ہیں۔ ایران کے بڑے بڑے فاضل شیعہ کو راقم نے وہاں صلوٰۃ وسلام پڑھتے دیکھا ہے۔

دوسرا مقام بیت فاطمہؓ ہے جو مسجد نبویؐ کے بالکل قریب تھا اور دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ تیسرا مقام آپ کی قبر اور منبر کے درمیان روضۃ من ریاض الجنۃ میں ہے۔ یہ دونوں مقام

اب مسجدِ نبوی میں شامل ہیں۔ یہاں بھی احتیاطاً صلاۃ وسلام پڑھ لینا چاہیے۔

اب شیعہ روایات ملاحظہ کریں۔

ثم قال علی یا اسماء اغسلیھا وحنطیھا وکفنیھا قال فغسلوھا وکفنوھا وحنطوھا وصلوا علیھا لیلاً ودفنوھا بالبقیع وماتت بعد العصر قال ابن بابویہ جاءھذا الخبر ھکذا والصحیح عندی انھا دفنت فی بیتھا فلما زاد بنو امیۃ فی المسجد صارت فی المسجد (کشف الغمہ ص ۱۴۹)

پھر حضرت علی رضی نے اسماء رض سے کہا فاطمہ رض کو غسل دے خوشبو لگا اور کفن پہنا۔ راوی کہتا ہے غسل دیا، کفن پہنایا اور خوشبو لگائی اور رات کو سب نے جنازہ پڑھا اور جنۃ البقیع میں دفن کیا۔ آپ عصر کے بعد فوت ہوئی تھیں۔ ابن بابویہ کہتے ہیں یہ حدیث اسی طرح نقل ہو کر آئی ہے میرے ہاں صحیح یہ ہے کہ آپ اپنے گھر میں دفن کی گئیں جب بنو امیہ نے مسجد میں اضافہ کیا تو یہ حصہ مسجد میں آگیا۔

۲- واما موضع قبرھا فاختلف فیہ قال بعض اصحابنا انھا دفنت بالبقیع و قال بعضھم انھا دفنت فی بیتھا ..... و قال بعضھم انھا دفنت فیما بین القبر والمنبر (اعلام الوریٰ ص ۱۵۹ بحوالہ کشف الاسرار ص ۲۴)

آپ کی جائے قبر میں اختلاف ہے بعض حضرات کہتے ہیں جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں اپنے گھر میں دفن ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ قبرِ نبوی اور منبر کے درمیان دفن ہوئیں جو جنت کا ٹکڑا ہے۔

پھر مصنف کہتے ہیں پہلا قول بعید ہے اور دوسرے دو اقرب الی الصواب ہیں۔

اس روایت کی رو سے اگر آپ واقعی اپنے گھر یا مسجدِ نبوی کے حصے "روضۃ من ریاض الجنۃ" (جنت کے باغوں میں سے ایک باغ) میں مدفون ہوئیں۔ تو پھر عز وشرف کا کیا کہنا؟ یہاں تدفین کسی صورت میں مخفی نہ ہو سکتی تھی۔ یہ مسلمانوں کی خلافت کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ہر وقت سینکڑوں مسلمان، نمازِ پنجگانہ۔ نوافل۔ صلاۃ وسلام کے لیے شب وروز موجود رہتے تھے۔ اصحاب صفہ کی رہائش گاہ بھی تھی اگر یہ مزاحمت کرتے تو تدفین کیسے ہو سکتی تھی۔ ان روایات اور اس مدفن کے پیشِ نظر خفیہ تدفین کا افسانہ، خلیفہ رض اور مسلمانوں پر سیدہ کی ناراضی کے وضعی قصے اور اس قسم کے تمام شیعی شبہات خود بخود دفن ہو جاتے ہیں۔

روضۂ پاک میں دفن نہ کرنے کی وجہ

یہاں تک تو سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے دفن کا بیان ہوا کہ خود ان کی وصیت کے مطابق متبرک مقام پر تدفین ہوئی۔ اب رہا یہ امر کہ مسلمانوں نے روضۂ رسول ﷺ میں کیوں دفن نہ کیا تو وضاحت یہ ہے کہ ایک تو وصیت کے خلاف ہوتا۔ دوم یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رض کا حجرہ قبرستان نہ تھا۔ نہ جائے وقف تھی۔ وہ تو بنص قرآنی وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۔ (احزاب) (اور اے نبی کی اہل بیت بیویو! تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد کرتی رہا کرو) حضرت عائشہ رض کی ملکیت خاصہ تھا۔ حضرت عائشہ رض کی جلالت و عظمت کے پیش نظر اللہ پاک نے آپ کے حجرے و رہائش گاہ کو مدفن پیغمبر ہونے سے مشرف کیا جس طرح آپ کی گود میں حضور کی وفات ہوئی۔ آپ نے اپنے دانتوں سے چبا کر مسواک کرایا اور آخری دنوں میں تیمار داری و خدمت کا فریضہ سرانجام دیا۔ تو یہاں از خود دفن کرنے کا سوال نہ تھا۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یہ منظور ہوتا کہ میری اور میری اولاد کی قبر یکجا ہو، تو آپ وصیت میں یوں فرما دیتے کہ مجھے جنت البقیع میں میری صاحبزادیوں اور صاحبزادہ ابراہیم کے پاس دفن کرنا یا جب حضرت فاطمۃ الزہرا کو اپنے بعد جلدی ہی وفات اور ملاقات کی بشارت دی تھی تو فرما دیتے کہ انہیں میرے ساتھ دفن کرنا۔ اس قسم کی کوئی روایت سنی شیعہ ذخیرہ تاریخ میں سے نہیں مل سکتی۔

بالفرض اگر حضرت سیدہ رض وصیت فرمائیں تو بھی اپنی ماں اور مالکہ حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا وعلی زوجہا سے اجازت درکار تھی۔ بالفرض اگر نہ ملتی تو بھی کوئی شرعاً وعرفاً ناروا بات نہ ہوتی۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیق رض نے بھی اپنی صاحبزادی سے اجازت مانگی اور عند الرسول دفن کی وصیت کی (بخاری) اسی طرح حضرت عمر فاروق رض نے بھی اجازت مانگی پھر دفن کی وصیت کی (بخاری ج ۲ ص ۱۰۹) بنابریں مسلمانوں کے ذمے ان حضرات کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کرنا لازم ہو گیا تھا۔ اور حضرت فاطمہ رض کے متعلق ایسی کوئی بات نہ تھی۔ حضرت ابوبکر و عمر رض کی تدفین در روضہ اقدس کے موقعہ پر حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ، حضرت حسنین، عباس و دیگر سب اہل بیت و بنو ہاشم رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔ وہی

روکاوٹ ڈال دیتے۔ کیا ذرا بھی اس کا شوشہ کہیں ملتا ہے؟ بلکہ وہ تو خود شریک عمل نظر آتے ہیں۔

دفن شیخین رضؓ کا باطنی سبب

یہ تو ظاہری سبب ہوا اصلی سبب تدفین مع الرسول وہ انتظام خداوندی ہے جس پر سنی و شیعہ کا مشترکہ ایمان ہے وہ کہ ہر شخص کی قبر وہاں بنتی ہے جہاں سے اس کا خمیر تیار کیا جاتا ہے۔"

شیعہ کے مستند مترجم مولوی مقبول صاحب دہلوی آیت منہا خلقنا کم کے تحت لکھتے ہیں۔

"کہ کافی میں امام جعفر صادقؒ سے منقول ہے کہ نطفہ جب رحم میں پہنچ جاتا ہے تو خدائے تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیج دیتا ہے کہ اس مٹی میں سے جس میں یہ شخص دفن ہونے والا ہے تھوڑی سی لے آئے چنانچہ وہ فرشتہ لاکر نطفہ میں ملا دیتا ہے اور اس شخص کا دل ہمیشہ اس مٹی کی طرف مائل ہوتا رہتا ہے اس غیر حسی میلان کا ہر شخص کو پتہ نہیں لگ سکتا جب تک کہ اس میں دفن نہ ہو جائے۔ (پ ۱۶ ص ۳۷)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ہر بچہ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا یہاں تک کہ اسی میں دفن ہو جائے اور میں، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے (المتفق والمفترق للخطیب)

یہ حدیث فرقہ بریلویہ کے پیشوا مولوی احمد رضا خان صاحب نے بھی اپنے فتاویٰ افریقہ میں نقل کی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ امام حکیم ترمذی کی نوادر الاصول سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

ویاخذ التراب الذی یدفن فی بقعتہ وتعجن بہ نطفتہ فذالک قولہ تعالیٰ منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم (فتاویٰ افریقہ ص ۸۵)

جس جگہ کوئی دفن ہوگا فرشتہ اس جگہ سے مٹی لے کر نطفہ کے ساتھ گوندھتا ہے اللہ تعالیٰ کے قول کا یہی مطلب ہے ہم نے مٹی سے تم کو پیدا کیا اور مٹی میں لوٹائیں گے۔

یہ حوالہ اس لیے دیا ہے کہ آج نادان بریلوی حضرات نور و بشر کا مسئلہ کھڑا کر کے آنحضرتؐ

اور شیخین رضؓ میں غیر شعوری طور پر تفریق کرتے ہیں تو دوسری طرف نعرۂ رسالت کے متصل نعرۂ حیدری لگاتے اور اسے بمع جواب تین دفعہ دہراتے ہیں۔ یہی خلفاءِ ثلاثہ رضؓ کا انکار اور تبرا ہے جو رفض و تشیع کا شعار ہے مگر اب سادہ لوح سنی بھی شیعہ پروپیگنڈہ سے ان کی چالوں میں آرہے ہیں وہ اپنے امام کے نقل کردہ حوالہ بالا سے حضرات شیخین رضؓ کی حضورؐ سے جوہری وحدت اور مقامِ رفیع کا اندازہ لگائیں اگر نعرے لگانا کارِ ثواب ہے تو ان کا نعرہ بھی ضرور لگائیں تاکہ سنی ہونے کا ثبوت ہو۔

تدفین حضرت علی رضؓ کے ایماء سے ہوئی

حضرت ابوبکر و عمر رضؓ کی تدفین پر آج شیعہ کو حسد و اعتراض ہو تو ان کا مذہب ان کو مبارک۔ مگر حضرت علی شیرِ خدا رضؓ تو اس پر راضی بلکہ رائے دینے والے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابنِ عباس رضؓ کی یہ حدیث ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں "میں اس جماعت میں کھڑا تھا جو حضرت عمر رضؓ بن الخطاب کے لیے دعا مانگ رہے تھے۔ جبکہ آپ کی میت چارپائی پر رکھی ہوئی تھی اچانک ایک شخص میرے پیچھے سے آیا میرے کندھے پر کہنی رکھی۔

یقول یرحمك الله ان کنت لارجوا ان یجعلك الله مع صاحبیك لانی کثیرا ما کنت اسمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول کنت وابوبکر وعمر وفعلت وابوبکر وعمر وانطلقت وابوبکر وعمر وان کنت لارجوا ان یجعلك الله معهما فالتفت فاذا علی بن ابی طالب۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۱۹)

اور فرمانے لگا اے ابنِ خطاب تجھ پر اللہ رحمت کرے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تجھے اپنے ساتھیوں (حضورؐ و صدیق رضؓ) کے ساتھ جوڑے گا۔ کیونکہ میں بہت دفعہ آپؐ سے سنا کرتا تھا وہ کہ میں اور ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ تھے۔ میں نے اور ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ نے یہ کام کیا۔ میں اور ابوبکر و عمر رضؓ چلے اور بلاشبہ مجھے امید ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ قبر و حشر میں ان کے ساتھ ملائے گا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ علی رضؓ بن ابی طالب تھے۔

معلوم ہوا کہ منشاءِ پیغمبرؐ کے مطابق حضرت علی رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کی قبر حضورؐ کے پاس بنانے کی اجازت دے دی۔

اس خطبہ کی تفصیل محب طبری نے ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں یوں پیش کی ہے۔
ذرا غور سے پڑھیے۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے حضرت علیؓ کو جس قدر عقیدت و محبت تھی وہ اس سے عیاں ہے۔ عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے جنازہ کے پاس آئے آپ کپڑے سے ڈھانپے ہوئے تھے تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مجھے پسند نہیں کہ اس کفن میں لپٹے ہوئے شخص کے نامۂ اعمال سے زیادہ اچھے کسی کے نامۂ اعمال کے ساتھ اللہ سے ملاقات کروں (یعنی اس کا نامۂ اعمال سب موجودین سے بہتر اور یہ سب سے افضل ہے۔) اے ابن خطاب! اللہ کی تجھ پر رحمت ہو۔ آپ اللہ کی آیتوں کے بڑے عالم تھے۔ آپ کے سینے میں اللہ کی بڑی عظمت تھی۔ آپ اللہ سے خوف کھاتے تھے۔ اور اللہ کے بارے میں لوگوں سے خوف نہ کھاتے۔ آپ حق کے لیے فیاض باطل کے لیے بخیل۔ دنیا سے بھوکے رہنے والے اور آخرت سے پیٹ بھرنے والے تھے۔

او قربن حکیم کہتے ہیں۔ جب حضرت عمرؓ فوت ہو گئے۔ تو حضرت علیؓ بیماری کی حالت میں آ گئے اور سلام کہا (صدمہ سے) سر جھکایا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا۔ عمرؓ پر رونے والی (آنکھ) کیا اچھی ہے۔ اوہ عمر! عمرؓ نے کجی کو سیدھا کیا۔ اور عمل کو مضبوط کیا۔ ہائے عمر! پاکدامن ہو کر فوت ہوا۔ کم عیب والا تھا۔ ہائے عمرؓ! سنت پر چلتا رہا اور فتنہ سے بچتا رہا۔ اللہ کی قسم ابن خطاب نے بھلائی پائی اور شر سے نجات پائی پھر فرمایا۔ وہ اپنی وفات سے قافلہ کو تاریکی میں چھوڑ گئے۔ کہ متعدد راستے ہو گئے۔ نہ گمراہ ہدایت پاتا ہے اور نہ ہدایت یافتہ کو یقین ہوتا ہے (ریاض النضرۃ ج۲ ص۱۰۲)

اسی قسم کا خطبہ نہج البلاغہ میں ہے جو اپنے موقعہ پر آئے گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے دن آپ نے فرمایا۔

اسید بن صفوان عہد رسالت کو پانے والے کہتے ہیں جس دن حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوئی تو مدینہ چیخ و پکار سے لرز اٹھا جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن لرزہ برپا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے آئے اور فرمایا۔ آج خلافت نبوت ختم ہو گئی۔ پھر جنازہ صدیقی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص مونس و جائے آرام تھے۔ راز دان مشیر اور قابل اعتماد تھے آپ سب سے پہلے مسلمان سب سے

خالص ایمان والے، سب سے بڑے یقین والے سب سے زیادہ خوف کھانے والے۔ اللہ کے دین میں سب سے بڑی دلچسپی لینے والے۔ سب سے بڑھ کر حضور کی اور اسلام کی حفاظت کرنے والے آپ کے صحابہ رضو پر سب سے زیادہ مہربان۔ سب سے بہترین صحبت والے سب سے زیادہ خوبیوں والے۔ سبقت اسلام و ایمان میں سب سے افضل۔ سب سے بلند رتبہ۔ سب سے زیادہ قریب والے۔ سب سے زیادہ خلق۔ عادت، رحمت اور فضیلت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ۔ مرتبے اور عزت میں سب سے اشرف۔ حضور کے سب سے بڑھ کر قابلِ بھروسہ تھے۔

پس اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور پیغمبر کی طرف سے بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ آپ حضور کے لیے بمنزلہ آنکھ اور کان کے تھے۔

اسی طرح طویل خطبے کے آخر میں ہے۔ رسول اللہ کے بعد آپ سے بڑھ کر مسلمانوں کو کسی موت کا صدمہ نہیں پہنچا۔ آپ دین کا وقار۔ امان۔ غار پناہ۔ جماعت۔ قلعہ اور فریاد رس تھے منافقوں پر شدید و سخت تھے۔ اللہ پاک آپ کو اپنے رسول کے ساتھ ملائے۔ ہمیں آپ کے صدمۂ وفات کے ثواب سے محروم نہ کرے۔ آپ کے بعد گمراہ نہ کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (ریاض النضرۃ ج ۱ ص ۲۳۹-۲۴۰)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیاں چار ہیں۔

معترض کا حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو حضور کی اکلوتی بیٹی کہنا۔ قرآن کریم ارشاداتِ پیغمبر، اقوالِ آئمہ اہل بیت کی کھلی تکذیب ہے۔ اور چودھویں صدی تک کے تمام علماء مجتہدین شیعہ کی تصریحات کا انکار ہے۔ ہمارے علم میں اس صدی سے قبل کوئی شیعہ عالم نہیں جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیوں کا انکار کیا ہو یا کسی مستند متداول کتاب میں اس موقف کو مبرہن کیا گیا ہو۔ چنانچہ متداول شیعی لٹریچر سے دسیوں حوالے ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں جس سے قارئین کو یقین ہو جائے گا۔ کہ قرآن کریم اور ارشاداتِ نبوی سے

اپنے زعم کے خلاف اختراف تو شیعہ کا معمول ہے ہی پیغمبروں سے افضل اپنے آئمہ کی تصریحات اور شیعہ مذہب کے موسس و مجتہد علماء کے اتفاق کو بھی نہیں مانتے۔ ان کا مذہب بس اتنا ہی ہے کہ زمانے کی حالت اور رُخ کو دیکھ کر جس بات کو چاہا جزو دین بنا ڈالا خواہ آئمہ سے اس کا ثبوت بالکل نہ ہو جیسے عزاداری کی تمام اقسام تعزیہ، ذکیہ پرستی، اسپ نوازی وغیرہ اور جس موافق اہلسنت اپنے آئمہ و علماء سے ثابت شدہ حقیقت کا چاہا انکار کر دیا اور ادھر ادھر کی باتوں سے کج بحثی کرنے لگے۔ مسئلہ بنات اربعہ، حقانیت خلفاء راشدین، تکمیل شریعت پیغمبر آخر الزمان، صداقت مذہب اہلسنت وغیرہا مسائل اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

بناتِ رسولؐ کا قرآن سے ثبوت

سورت احزاب ع ۸ میں اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (پ ۲۲ ۵۶ پہلی آیت)

اے نبیؐ تم اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہدو کہ وہ اپنی چادروں سے گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ (ترجمہ مقبول ۵۱۱ ط لاہور)

اس آیت کریمہ میں ایک دوسرے پر معطوف تین لفظ ہیں۔ ازواج۔ بنات ان کی نسبت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ۳ مومنوں کی عورتیں۔ تینوں جمع کے لفظ ہیں اور معنی و ترجمہ بھی جمع والا ہے۔ عربی میں دو سے زیادہ افراد کے لیے جمع کا لفظ استعمال ہوتا ہے معلوم ہوا کہ جیسے ازواج رسولؐ ۲ سے زائد ہیں۔ جن کی تاریخ و سیرت میں تعداد متفقہ اور یقینی ہے۔ اسی طرح بنات رسولؐ بھی دو سے زائد ہیں جنکی تاریخ و سیرت کے اتفاق سے تعداد ہم یقینی ہے۔ اگر کوئی شخص صرف ایک زوجہ رسولؐ کو مانے بقیہ کا انکار کرے وہ قرآن کا منکر اور کافر سمجھا جائے گا۔ اسی طرح ایک صاحبزادی رسولؐ کو مان کر بقیہ کا انکار کرنے والا یا العیاذ باللہ اور باپ تجویز کرنے والا۔ قرآن کا منکر و کافر سمجھا جائے گا۔ اپنی بیوی کی پہلے خاوند کی لڑکیوں کو ربیبہ (پالی ہوئی) کہا جاتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ

اور تمہاری ربیبہ بیٹیاں جو تمہاری ان ازواج

نِسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ (نساء ع۴) کی گود میں ہوں، جن سے تم نے صحبت کی ہو۔

(ترجمہ مقبول)

لہٰذا بناتِ رسولؐ سے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے سابق خاوندوں کی پروردہ لڑکیاں مراد لینا۔ قرآن کے برخلاف ہوا۔ اسی طرح بنات سے نواسیاں مراد لینا بھی باطل ہے۔ کیونکہ لغتِ عرب میں بنتِ صلبی بیٹی کو ہی بطورِ حقیقت و لغت کہا جاتا ہے۔ نواسی یا پوتی کو بنت البنت یا بنت الابن کہتے ہیں۔ ان کو بنت کہنا مجازی اور ثانوی ہے۔ نیز پردے کا حکم جوان ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ نزولِ آیت کے وقت نواسیوں کی پیدائش بھی یقینی نہیں چہ جائیکہ وہ جوان اور خطابِ پردہ کی اہل ہوں۔ پیغمبرؐ اور روحانی باپ ہونے کی حیثیت سے امت کی لڑکیاں بھی مراد نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ ان کے لیے نساء المؤمنین کا مستقل تعبیر لفظ موجود ہے۔ الغرض قرآن پاک سے قطعی طور پر حضورؐ کی متعدد صاحبزادیوں کا ثبوت ہوا اور شیعہ کے لیے فرار کا موقعہ نہ رہا۔ بالفرض سارا شیعی لٹریچر ایک صاحبزادی ہونے کا ثبوت دے۔ حالانکہ وہ بھی چار ہی بتاتا ہے۔ تو بھی اس سب کا انکار کرنا اور قرآن کے آگے جھک کر کئی صاحبزادیاں ماننا فرض ہوا۔ بشرطیکہ شیعہ قرآنِ پاک کو مانتے ہوں۔

پیغمبرؐ کے ارشادات

شیعہ کے خاتم المحدثین باقر علی مجلسی رقمطراز ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۱۔ و خدیجہؓ خدا او را رحمت کند از من طاہر و مطہر را بہم رسانید کہ او عبداللہ بود و قاسم را آورد و فاطمہؓ و رقیہؓ و زینبؓ و ام کلثومؓ از و بہم رسیدند (حیات القلوب ص۸۰)

اور خدیجہؓ پر خدا رحمت کرے۔ میرے طاہر اور مطہر اس سے پیدا ہوئے جس کا نام عبداللہ تھا اور قاسم کو جنا۔ اور فاطمہ۔ رقیہ۔ زینب ام کلثوم میری صاحبزادیاں اس سے پیدا ہوئیں۔

۲۔ نیز بسند معتبر امام محمد باقرؒ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ کو لوگوں نے کہا کہ آپ فاطمہؓ کو کیوں زیادہ چومتے ہیں اور گود میں اٹھاتے ہیں اور اپنے پاس بہت بلاتے اور اتنی شفقت فرماتے ہیں

کہ نسبت با سائر دختران خود نمینمائی

کہ باقی اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ یہ شفقت

نہیں کرتے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ میں نے بہشت کا سیب کھایا۔ اس کا نطفہ بنا جس سے فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔ (جلاء العیون ص۸۶)

۳۔ حضرت حسنینؓ کی فضیلت میں حضورؐ نے فرمایا۔۔۔۔ وخالہ ایشاں زینبؓ است وخالہ ایشاں زینب دختر رسولؐ خدا است (جلاء العیون ص۲۳۱۔۲۹۱) کہ ان کی خالہ رسولِ خدا کی صاحبزادی زینبؓ ہے۔

حضرت علیؓ کے ارشادات

حضرت علیؓ نے وزیر کی حیثیت سے حضرت امیر المؤمنین عثمانؓ کو فہمائش اور مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

۴۔ وصحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما صحب' وما ابن ابی قحافۃ ولا ابن الخطاب باولی بعمل الحق منك وانت اقرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشیجۃ رحم منھما وقد نلت من صھرہ ما لم ینالا۔

(نہج البلاغۃ ص۴۹۲ مترجم مفتی ذیشان حسین)

جس طرح ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ویسے تم بھی رہے ہو۔ اور حق پر عمل پیرا ہونے میں ابوبکر صدیقؓ اور عمر بن خطابؓ تم سے اولیٰ ذمہ دار نہ تھے جبکہ آپ خونی رشتہ کے لحاظ سے حضورؐ کے زیادہ قریبی ہیں۔ اور حضورؐ کی دامادی کا وہ شرف بھی پا یا ہے جو ان دونوں نے نہیں پایا۔

حضورؐ کی غیر فاطمہؓ صاحبزادیوں۔ حضرت عثمانؓ کے دامادِ نبی ہونے اور شیخینؓ کی طرح عامل بالحق ہونے کا حضرت علی المرتضیٰؓ نے فیصلہ فرما دیا۔ گو اندازِ کلام میں بعض باتوں سے اختلاف اور اصلاح مقصود ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا ارشاد

آپ نے وفات کے وقت حضرت علیؓ کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد میری بہن زینبؓ بنتِ رسولؐ کی صاحبزادی امامہ بنت ابو العاصؓ سے شادی کرنا۔

چوں مرض فاطمہؓ شدید شد علیؓ را طلبید وگفت وصیت میکنم ترا کہ بعد از من امامہ دختر خواہر من زینبؓ بخواہی۔

جب حضرت فاطمہؓ کی بیماری زیادہ ہوگئی علیؓ کو بلایا اور کہا میں تجھے وصیت کرتی ہوں کہ میرے بعد امامہؓ میری بہن زینبؓ کی لڑکی

(جلاء العیون صہ ۱۴۹-۱۵۳-۱۵۶) سے شادی کرنا۔

۶۔ حضرت فاطمہؓ منکرین دختران نبیؐ پر لعنت بھیجتی تھیں

اللھم صل علی رقیۃ بنت نبیک والعن من اذی نبیک فیہا اللھم صل علی ام کلثوم بنت نبیک والعن من اذی نبیک فیہا

(تہذیب الاحکام ج ۱ صہ ۱۵۴ - استبصار ج ۱ صہ ۲۲۵ - زاد المعاد مجلسی صہ ۲۲ بحوالہ رسالہ داماد علیؓ و داماد نبیؐ صہ ۷) ترجمہ - اے اللہ حضرت رقیہؓ وام کلثومؓ حضورؐ کی صاحبزادیوں پر رحمت بھیج اور ان لوگوں پر لعنت فرما جو (ان کا باپ اور تجویز کر کے) تیرے رسولؐ کو ستاتے ہیں۔

۷۔ حضرت حسینؓ کا ارشاد

حضرت حسینؓ نے مدینہ سے کوچ کرتے وقت تمام بنو ہاشم کو صبر کی وصیت کی اور اپنے یوم شہادت کو سابقہ ایام غم سے تشبیہ دے کر فرمایا۔

و مانند روزلیست کہ رقیہ و زینب و ام کلثوم وفات یافتند۔ (جلاء العیون صہ ۳۵۳)

اور وہ دن اسی طرح مصیبت والا ہوگا جس دن کہ حضرت رقیہؓ، زینبؓ اور ام کلثومؓ (حضورؐ کی صاحبزادیوں) نے وفات پائی تھی۔

۸۔ و مانند روزلیست کہ امیر المومنین علیہ السلام و فاطمہ و رقیہ و زینب وام کلثوم دختران پیغمبرؐ از دنیا رفتند (منتہی الآمال ج ۱ صہ ۳۰۰ مطبوعہ جاویدان ایران)

اس دن کی طرح ہے جس دن امیر المومنینؓ حضرت فاطمہؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ پیغمبرؐ کی صاحبزادیوں نے دنیا سے انتقال کیا۔

۹۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات میں آپؐ کی چار صاحبزادیوں کا صریح ثبوت موجود ہے۔
تحفۃ العوام صہ ۱۱۲ - حیات القلوب ج ۲ صہ ۷۱۸ - اصول کافی صہ ۲۷۸ - صافی کتاب الحجہ ج ۳ صہ ۱۴۷ مرأۃ العقول شرح الاصول والفروع ج ۱ صہ ۳۵۲ - قول ابن عباسؓ در مرأۃ العقول بحوالہ مذکورہ - تہذیب الاحکام ج ۱ صہ ۱۵۴ - استبصار ج ۱ صہ ۲۲۵ - تاریخ الائمہ صہ ۶ بحوالہ اہلسنت پاکٹ بک صہ ۱۱۸

۱۰۔ امام باقرؒ و جعفرؒ کے ارشادات

دونوں میں سے ایک امام سے روایت ہے کہ "جب رقیہؓ بنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئیں

توحضورؐ نے فرمایا اے رقیہؓ ہمارے نیک صحابی عثمان بن مظعونؓ اور ان کے ساتھیوں سے مل جا حضرت فاطمۃ الزہراؓ قبر کے کنارے پر بیٹھی آنسو قبر میں گرا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کپڑے سے جھپٹ رہے تھے اور کھڑے ہوئے دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں اس کی کمزوری کو جانتا ہوں تو اسے قبر کے جھٹکے سے بچانا (فروع کافی ج ۱ ص ۲۱ طہران)

۱۱۔ باسندِ معتبر از حضرت صادقؑ روایت کردہ اند کہ از برائے رسولِ خدا از خدیجہ متولد شد طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ را آنحضرت با امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تزویج نمود و ام کلثوم را با عثمان و بعد از وفات او حضرتِ رقیہ را باو تزویج نمود۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۸۸ ط ایران)

معتبر سند کے ساتھ حضرت صادقؒ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا کی حضرت خدیجہ سے یہ اولاد ہوئی۔ طاہر۔ قاسم۔ فاطمہ۔ ام کلثوم۔ رقیہ زینب رضی اللہ عنہم۔ فاطمہ کا نکاح حضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اور ام کلثوم کا حضرت عثمانؓ سے کیا اور اس کی وفات کے بعد حضرت رقیہ کا نکاح عثمانؓ سے کیا۔

۱۲۔ نیز ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔

و ابنِ بابویہ بسندِ معتبر از آنحضرت روایت کردہ است کہ از برائے رسولِ خدا متولد شد از خدیجہ قاسم و طاہر و نام طاہر عبداللہ بود و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۸۸)

ابنِ بابویہ نے معتبر سند کے ساتھ حضورؐ سے روایت کی ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے رسولِ خدا کی اولاد قاسم۔ طاہر جس کا نام عبداللہ تھا۔ ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینب اور فاطمہؓ ہوئی۔

۱۳۔ شیخ صدوق امام جعفر صادقؒ سے روایت کرتے ہیں کہ خدیجہؓ سے رسول اللہؐ کی اولاد۔ قاسم طاہر یعنی عبداللہ اور ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینب اور فاطمہ رضی اللہ عنہن ہوئیں۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فاطمہؓ سے نکاح کیا۔ ابو العاصؓ بن ربیع بنو امیہ کے فرد نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا۔ عثمانؓ بن عفان نے ام کلثومؓ سے نکاح کیا۔ . . . . . وہ جب فوت ہوگئیں بدر کے موقعہ پر تو حضورؐ نے ان کو رقیہ بیاہ دی۔ پھر آپ نے فرمایا اے عائشہؓ! ٹھہر اللہ نے محبت کرنے والی اور بچے جننے والی میں برکت ڈالی ہے خدیجہ رحمہا اللہ نے مجھ سے طاہر یعنی عبداللہ

مطہر اور قاسم۔ فاطمہ۔ رقیہ۔ ام کلثوم اور زینبؓ جنی ہیں (خصال شیخ صدوق ج ۲ ص ۱۶۷)

۱۴۔ مصدقہ امام مہدی۔ کافی کلینی باب مولد النبیؐ میں ہے۔

وتزوج خديجة وهو ابن بضع وعشرين سنة فولد له منها قبل مبعثه عليه السلام القاسم ورقية وزينب وام كلثوم وولد له بعد المبعث الطيب والطاهر وفاطمة عليها السلام وروى ايضا انه لم يولد له بعد المبعث الا فاطمة عليها السلام وان الطيب والطاهر ولدا قبل مبعثه (كافی ص ۴۳۹، ج ۱)

حضورؐ نے خدیجہؓ سے نکاح کیا جب آپ بیس سال سے زائد عمر کے تھے تو بعثت سے پہلے ان سے آپ کی اولاد۔ حضرت قاسم۔ رقیہ۔ زینب اور ام کلثوم ہوئی اور بعثت کے بعد طیب۔ طاہر اور فاطمہ علیہا السلام ہوئیں اور یہ بھی روایت ہے کہ بعثت کے بعد صرف حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں اور طیب و طاہر وغیرہ بعثت سے پہلے پیدا ہوئے۔

حضرت رسول مقبولؐ اور عند الشیعہ آئمہ معصومین کے ان ارشادات سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ ثابت ہو گیا کہ حضورؐ کی اپنی صلبی بیٹیاں حضرت خدیجہؓ سے چار تھیں۔ اور ان کے نکاح خود آپ نے حضرت ابو العاص، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے کیے۔ اب ان کو سابقہ خاوند کی اولاد اور پروردہ پیغمبر کہنا۔ رسولؐ و امام کا کھلا انکار ہے۔ اللہ شیعہ بھائیوں کو ہدایت دے۔

۱۵۔ قرب الاسناد میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد طاہر۔ قاسم۔ فاطمہ۔ ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینبؓ پیدا ہوئیں۔ فاطمہؓ کی حضرت امیر المومنینؓ سے اور زینبؓ کی ابو العاصؓ بن ربیع اموی سے اور ام کلثومؓ کی حضرت عثمانؓ بن عفان سے شادی کی۔ پھر رقیہ کی ان سے شادی کی۔ پھر شیخ عباس قمی فرماتے ہیں کہ مشہور مؤرخین کا نوشتہ یہ ہے کہ ام کلثوم کی تزویج حضرت عثمانؓ سے حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد ۳ھ میں جنگ بدر کے موقعہ پر ہوئی۔ (منتہی الآمال ج ۱ ص ۱۰۸)

شیعہ مجتہدین کے ارشادات

۱۶۔ ملا باقر علی مجلسی فرماتے ہیں۔

وابو العاص کہ داماد حضرت رسولؐ

ابو العاصؓ حضرت رسولؐ

بود . . . لهذا حضرت فرمود که ابو العاص حق دامادی ما را نیکو رعایت کرد (حیات القلوب ج ۲ صـ ۱۳۱ قصه قبیله شعب)

کے داماد تھے (شعب ابی طالب میں غلہ پہنچانے کی وجہ سے) حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ ابو العاص نے ہماری دامادی کا اچھا حق ادا کیا

— چوں بخانہ عثمانؓ آمہمند ام کلثومؓ دختر حضرتؐ رسولؐ نشان داد کہ او را در فلاں موضع پنہاں کردہ است (حیات القلوب صـ ۳۸۲)

جب عثمانؓ کے گھر میں آئے تو بنتِ پیغمبر حضرت ام کلثومؓ نے بتایا کہ اس چیز کو فلاں جگہ چھپایا ہے۔

۱۷ـ حیات القلوب صـ ۵۹۱ - ۵۹۲ پر حضرت رقیہؓ کے تفصیلی حالات میں لکھا ہے۔

ابن ادریس بسندِ صحیح از حضرت امام محمد باقرؒ روایت کردہ است کہ رسولِ خدا دختر بدو منافق (العیاذ باللہ) داد کہ یکے ابو العاص پسر ربیع و آں دیگرے کہ عثمانؓ بود . . . . عیاشی روایت کردہ است کہ از حضرت صادقؒ پرسیدند آیا رسولؐ خدا دختر خود را بعثمان داد حضرت فرمود بلے ـ راوی گفت . . . . باز دختر دیگر باو داد حضرت فرمود بلے (حیات القلوب صـ ۵۹۲)

ابن ادریس نے سندِ صحیح کے ساتھ امام محمد باقرؒ سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا نے اپنی لڑکیاں (العیاذ باللہ) دو منافقوں کو دیں ایک ابو العاصؓ ربیع کے بیٹے کو۔ اور دوسرا عثمانؓ تھا۔ عیاشی نے روایت کی ہے کہ حضرت صادقؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ رسولؐ خدا نے حضرت عثمانؓ کو لڑکی دی۔ حضرت نے فرمایا ہاں۔ راوی نے کہا پھر دوسری لڑکی بھی دی فرمایا ہاں

۱۸ـ شیخ طوسی در امالی روایت کردہ است کہ زفاف حضرت امیرؓ و فاطمہؓ شانزدہ روز بعد از وفات رقیہؓ بود بعد از رجوع جنگ بدر (جلاء العیون صـ ۱۱۲)

شیخ طوسی نے امالی میں روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ و فاطمہؓ کی شادی و ملاپ حضرت رقیہؓ کی وفات کے ۱۶ دن بعد۔ جنگِ بدر سے لوٹنے کے بعد ہوا تھا۔

۱۹ـ اس سوال کے جواب میں۔ کہ حضرت حسینؓ باوجود اپنی شہادت کے علم کے کربلا میں کیوں گئے۔ مجلسی فرماتے ہیں کہ امام ظاہر شرع و احکام کا مکلف ہے باطن کا ذمہ دار نہیں جب اہلِ کوفہ نے تشیع و ایمان کا دعویٰ کر کے بلایا تو جانا ہی تھا۔

اگر چنیں مے بود رسول خدا دختر بعثمان نمے داد

اگر اس طرح ہوتا (یعنی ظاہر اسلام و ایمان کا

وعائشہ وحفصہ را بحبالہ نکاح خود درمی آورد وہر گاہ چنیں باشند پس امام بحسب ظاہر مکلف بود (جلاء العیون ص۱۸۱)

اعتبار نہ کیا جاتا تو رسولِ خدا عثمانؓ کو لڑکیاں نہ دیتے اور عائشہؓ وحفصہؓ کو نکاح میں نہ لاتے جب ایسا تھا تو امام حسینؓ بھی بحسب ظاہر منافقوں سے جنگ کے مکلف تھے۔

صد افسوس کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت عثمانؓ وعائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہم کے ظاہری ایمان واسلام کا اعتبار کیا اور ان سے برضاءِ خداوندی رشتے کیے۔ مگر ان کو ان کے باطنی احوال کا علم نہ ہو سکا اور اب شیعہ کو ہو گیا کہ ان کے نفاق وبے ایمانی کا العیاذ باللہ ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔

۲۰- واز جملہ آنہا بودند عثمان ورقیہ دختر حضرت رسول کہ زن او بود- زبیر بن عوام عبیداللہ بن مسعودؓ- عبدالرحمن بن عوف الخ (حیات القلوب ج ۲ ص۳۰۵ ہجرت حبشہ مفاتیح الجنان شیخ قمی وتحفۃ العوام ص۱۱۳)

مہاجرین حبشہ میں عثمانؓ اور آپ کی بیوی رقیہؓ بنت پیغمبر بھی تھیں۔ اور زبیرؓ بن عوام عبداللہ بن مسعودؓ۔ عبدالرحمنؓ بن عوفؓ (اکابر صحابہؓ) بھی تھے۔

۲۱- تزوج خدیجۃ وھو ابن بضع وعشرین سنۃ فولدت لہ قبل المبعث رقیۃ وام کلثوم وزینب۔
(تذکرۃ المعصومین ص۶)

آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے ۲۰ سال سے زائد عمر میں شادی کی تو بعثت سے پہلے ان سے آپ کی اولاد رقیہؓ۔ ام کلثومؓ اور زینبؓ پیدا ہوئیں۔

۲۲- اگر نبیؐ دختر بعثمانؓ داد ولی دختر بعمر فرستاد (مجالس المؤمنین ص۸۹)

اگر نبیؐ نے حضرت عثمانؓ کو صاحبزادی دی تو ولی پیغمبر (علیؓ) نے (باتباعِ پیغمبرؐ) حضرت عمرؓ کو اپنی لڑکی ام کلثومؓ بیاہ دی۔

۲۳- رقیہ وام کلثوم یکے بعد دیگرے در عقدِ نکاح عثمان بن عفان آمدند (تاریخ آلِ امجاد ص۹- شفاء الصدور والکروب ج۲ ص۲- منتہی الآمال ج۱ ص۱۰۱)

رقیہؓ اور ام کلثومؓ ایک دوسرے کے بعد حضرت عثمانؓ بن عفان کے نکاح میں آئیں۔

۲۴۔ زوج النبی بنتیہ بعثمان بن عفان (مسالک الافہام تنقیح شرائع الاسلام صہ ۵۳۲)

حضور نے اپنی دو لڑکیاں عثمانؓ بن عفان کو بیاہ دیں۔

۲۵۔ شیعہ کی مشہور کتاب اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ از علامہ طبرسی میں ہے۔

یعنی زینب بنتِ رسول اللہ کی شادی ابوالعاصؓ بن ربیع سے ہوئی اور ایک لڑکی امامہؓ پیدا ہوئی جس کی شادی فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ سے ہوئی۔ حضرت زینبؓ کا انتقال مدینہ میں ۷ ہجری میں ہوا۔ رقیہؓ بنتِ رسولؐ کی شادی۔ یعنی صرف نسبت اور منگنی۔ آں حضرتؐ کے چچازاد عتبہ بن ابی لہب سے ہوئی۔ لیکن اس نے خلوت سے پہلے طلاق دے دی۔ حضورؐ نے اس کے لیے بددعا فرمائی چنانچہ اسے شیر اٹھا کر لے گیا۔ پھر رقیہؓ کی شادی عثمانؓ بن عفان سے ہوئی اور ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہوا۔ جو بچپن میں (چھ سال کی عمر میں) فوت ہو گیا۔ زمانہ بدر میں رقیہؓ کا انتقال ہوا۔ ان کے مرض اور کفن دفن کے باعث حضرت عثمانؓ جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ حضرت عثمانؓ نے جب حبشہ ہجرت کی تھی تو رقیہؓ ساتھ تھیں۔ پھر ام کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد ہوا اور وہ بھی کچھ عرصہ بعد وفات پا گئیں۔ فاطمہؓ کا ذکر مستقل آئے گا۔ (اعلام الوریٰ)

۲۶۔ امامۃ بنت ابی العاص وھی بنت بنت رسول اللہ تزوجہا بعد موت خالتہا البتول علی علیہ السلام (کشف الغمہ صہ ۱۳۲ العلی بن عیسیٰ اردبیلی)

ابوالعاصؓ کی بیٹی امامہؓ۔ یہ رسول اللہ کی نواسی ہیں۔ ان سے حضرت علیؓ نے ان کی خالہ بتول کے بعد نکاح کیا تھا۔

۲۷۔ کتاب المحبر لابن حبیب میں ہے۔

فولدت خدیجۃ للنبی القاسم و زینب و ام کلثوم و فاطمۃ و عبد اللہ وھو الطاہر والطیب اسم واحد (بحوالہ کشف الاسرار صہ ۴۲)

پس خدیجہؓ نے حضورؐ سے القاسم۔ زینب۔ ام کلثوم۔ فاطمہ اور عبداللہ جو طاہر و طیب کہلاتے ہیں۔ جنے۔

تیرھویں صدی کے محقق شیعہ شیخ عباس قمی نے معتبر کتاب منتہی الآمال ج ۱ صہ ۱۱۸ حضورؐ

کی اولاد امجاد میں یہ شعر بھی لکھا ہے۔ کہ

۲۸۔ ابو نصر فراہی نے حضورؐ کی اولاد امجاد کی تعداد کے متعلق فرمایا ہے۔

فرزند نبیؐ قاسم و ابراہیم است — پس طیب و طاہر زراہ تعظیم است
با فاطمہ و رقیہ و ام کلثوم و زینب — ثمر ار تر اسر تعلیم است

(یعنی اگر تعلیم پانیکا خیال ہے تو چار صاحبزادیوں کے نام یاد کر لو)

شیعی وساوس کا ازالہ

حضرات! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار صاحبزادیوں کا یہ ثبوت قرآن کریم کے علاوہ کتب معتبرہ شیعہ سے آپ کے سامنے ہے اس پر تمام حوالہ جات کا تتبع کیا جائے تو ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ۔ حضرت علیؓ۔ حسنینؓ۔ حضرت باقر و جعفر۔ تمام شیعہ مجتہدین کی تصریحات آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں کسی ایک شخصیت کا انکار کفر ہے اور ان کی بات سے انحراف مذہب تشیع کا خاتمہ ہے۔ مگر ضد اور تعصب اور اسلام و خلفاء دشمنی کا ستیا ناس ہو اس کی موجودگی میں آدمی حق کو قبول نہیں کر سکتا۔ ان میں سے ہر حوالہ قطعی الثبوت۔ ناقابل تردید مستند ترین شیعی ماخذ کا ہے۔ مگر میرا گمان نہیں ہے کہ عام و خاص شیعہ ان کو پڑھ کر رجوع الی الحق کرے گا۔ اور چار صاحبزادیوں کو مان کر ان کے مثالی شوہروں کی تعظیم کرنے لگ جائے گا۔ اس لیے کہ اس کا ایمان فاسق و فاجر بے نماز و بے شرع ذاکروں، گویوں اور قصیدہ خوانوں پر ہے یا شرعی چہرے اور وضع سے محروم نام نہاد مجتہدوں اور مولویوں پر ہے۔ ان لوگوں نے عوام شیعہ کو بتایا کہ نبیؐ کی صاحبزادی ایک تھی۔ اب ایک عامی پختہ شیعہ قرآن و سنت اور ارشادات آئمہ کی صریح تکذیب کر کے کھلی خلاف ورزی تو کر سکتا ہے۔ مگر اپنے ذاکر یا مفاد پرست شیعہ مولوی یا سید کی غلطی یا گمراہی تسلیم نہیں کر سکتا جن کے ہاتھ پر اس نے محمدی اسلام چھوڑ کر شیعی اسلام قبول کیا ہے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ شیعی ایمان اور اس کی پختگی کا معیار کیا ہے۔ یعنی جتنا کوئی شخص پختہ شیعہ ہو گا اسی قدر وہ اپنے قریبی دینی پیشوا ذاکر و مجتہد کو غلطی اور گمراہی سے پاک تصور کرے گا۔ اس پیشوا کے قول کے سامنے۔ بنات رسولؐ کا مسئلہ ہو یا مروجہ عزاداری وغیرہ کی حرمت کا۔ حرم نبوی امہات المومنین کی عزت کا سوال ہو یا حضورؐ کے خسروں داما دوں

۲۹۔ وقد زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنتہ من ابی العاص بن الربیع قبل ان یسلم (تفسیر المجمع ج ۲ ص ۱۹۰) کہ حضورؐ نے ابو العاصؓ کو مسلمان ہونے سے پہلے اپنی بیٹی بیاہ دی۔

اور خلفاء راشدین وغیرہم کے مقام کا مسئلہ ہو سینکڑوں ارشاداتِ قرآنی، فرامین نبوی، اقوال آئمہ اہل بیت، تصریحات اسلاف شیعہ پیش کر دیے جائیں بہر صورت شیعہ انکار پہ انکار کرے گا۔ اور کبھی ان دلائل حقہ کو نہیں مانے گا۔ کیونکہ ان کے ماننے میں موجودہ ذاکر و مجتہد کی تغلیط لازم آئے گی اور یہ شیعہ کو کسی قیمت پر منظور نہیں۔ دراصل صاف لفظوں میں ایمان۔ اس کے لیے قربانیاں، یہ صرف ذاکروں اور ان کی بدعات سے مختص ہیں۔ حضرات اہل بیت کا نام صرف جہلاء کو پھنسانے کا پھندا اور دام ہے۔ اب معلوم کیجیے کہ مسئلہ زیر بحث پر شیعہ کے پاس کون سی عقلی نقلی دلیل ہے جس کے سامنے قرآنِ حکیم، سنت و حرمت نبوی، ارشاداتِ آئمہ اور اجماعِ مجتہدین کا خون کیا جاتا ہے۔ آپ یقین جانیے مسئلہ ہذا پر کسی بھی شیعہ کے پاس نہ قرآن کی آیت ہے، نہ ارشادِ نبویؐ، نہ فرمانِ امامِ معصوم۔ لے دے کے چودھویں صدی کے ملاؤں کے چند مندرجہ ذیل ڈھکوسلے ہیں۔

شبہ ۱۔ اہل سنت اپنے خطبات میں صرف ایک صاحبزادی کا نام لیا کرتے ہیں۔

جواب۔ چونکہ بعض دلائل کی وجہ سے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا مقام باقی تین بہنوں سے اونچا ہے اور اہل سنت کا اس پر ایمان ہے لہذا حضرت فاطمہؓ کا نام صراحۃً اور بقیہ کا وَ بَنَاتِہٖ سے اشارۃً لیتے ہیں۔ خطبہ میں ان کا نام نہ لینا نفی کی دلیل ہرگز نہیں۔ بالاتفاق حضرت قاسم، طاہر، ابراہیم حضورؐ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ مگر ان کا نام بھی خطبہ میں لیا جاتا۔ سنی خطباء کو چاہیے کہ ایسے غلط فہمی کے مقام پر چاروں صاحبزادیوں کا نام لیا کریں تاکہ شعارِ تشیع نہ بن جائے

شبہ ۲۔ بعض ذاکرین کہتے ہیں کہ اگر چار بیٹیاں ہوتیں تو مباہلہ کے دن ضرور لاتے۔

جواب۔ مباہلہ ۹ھ میں پیش آیا جو بالآخر ہوا نہ تھا اور حضورؐ نے آلِ عبا کو شرکت کے لیے تیار کیا تھا جبکہ باقی صاحبزادیاں اس سے پہلے وفات پا گئی تھیں۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۷۱۹ میں ہے کہ زینبؓ کی وفات ۸ھ یا ۸ھ میں ہوئی۔ حضرت رقیہؓ جنگ بدر کے سال وفات پا گئیں۔ ام کلثومؓ ۹ھ میں رحمتِ الٰہی سے واصل ہوئیں۔

شبہ ۳۔ جس زینبؓ کا نام بناتِ نبویؐ میں ملتا ہے وہ آپؐ کی پروردہ تھی۔

جواب۔ بالکل لغو مغالطہ ہے۔ حضرت زینبؓ کا حضورؐ کے صلب سے، خدیجۃ الکبریٰ رضی کے بطن سے ہونا اور حضرت ابوالعاصؓ بن ربیع کے نکاح میں آنا دسیوں حوالہ جات سے مبرہن کیا جا چکا ہے۔ جس کا انکار امام معصوم و پیغمبر معصومؑ کا انکار ہے۔ آپ کی ربیبہ زینبؓ نامی اور لڑکی تھی۔ جو آپؐ کی اہلیہ حضرت ام سلمہؓ کے بطن سے تھی۔ اس کے والد کا نام ابو سلمہؓ تھا۔ اسی کو ہمارے علماء زینب ربیبۃ النبی کہتے ہیں۔ اور زینبؓ بنت محمدؐ کی ماں کا نام خدیجۃ الکبریٰ رضی ہے۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۸) جو حضرت سیدہ خاتونِ جنتؓ کی ماں ہے۔ اسی زینبؓ بنت النبی کے متعلق آپ نے فرمایا ہے۔

ھی افضل بناتی اُصیبت فی (طحاوی ج ۲ ص ۱۴۵ ذخائر العقبیٰ ص ۱۵۸) یہ میری سب سے افضل بیٹی ہے۔ میرے لیے اس کو (کفار کی جانب سے) مصیبت پہنچی۔

شبہ ۴۔ یہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے سابق خاوند سے تھیں اور بعض کہتے ہیں ہالہ بہن خدیجہؓ کی بیٹیاں تھیں۔

جواب۔ صریح جھوٹ ہے۔ آپ کی کوئی صاحبزادی سابق خاوند سے حضورؐ کے گھر میں نہیں آئی۔ صریح ارشاداتِ نبوی و فرامین جعفر صادقؒ پھر ملاحظہ کریں اور شیعہ کو جھوٹ کی مبارک دیں۔ الاستیعاب میں ہے کہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ان سب کی پیدائش بعد از نکاح خدیجہؓ حضورؐ کے گھر میں ہوئی۔ پھر یہ معاذ اللہ سابق خاوند سے کیسے ہوئیں؟ علامہ مجلسی یہ دو قول نقل کر کے کہتے ہیں۔ ودر نفی ایں دو قول روایاتِ معتبرہ دلالت میکند۔ (روایاتِ معتبرہ ان دو قولوں کو غلط بتاتی ہیں)

شبہ ۵۔ اگر چار ہوتیں تو مرتبہ اور مقام میں برابر ہوتیں۔

جواب۔ خدا پنج انگشت برابر نہ کرد۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد میں کئی لحاظ سے فرق مشاہدہ کی بات ہے۔ حضرت فاطمہؓ اگر بعض امور میں اپنی بہنوں سے ممتاز ہیں تو اس کا یہ معنی کہاں سے نکلا کہ باقی صاحبزادیوں کا وجود ہی نہیں ایسے گمراہ قیاس سے خدا بچائے۔

شبہ ۶۔ اگر پیغمبرؐ کی صاحبزادیاں ہوتیں تو ان کے کچھ فضائل منقول ہوتے۔

جواب۔ فضائل میں کمی بیشی تو غیر اختیاری اور قدرتی عطیہ ہے۔ تاہم غیر کسبی فضائل

ان کے بھی منقول ہیں۔

حضرت زینب رضؓ کی شان حضرت زینبؓ کو آپ نے سب سے افضل وہ بیٹی بتایا ہے جسے حضور کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے کفار نے ستایا یعنی ہبار بن اسود اور دوسرے آدمی نے ان کی اونٹنی کو بدکا یا بھگایا۔ آپ گر پڑیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔ شدید بیمار ہو گئیں۔ اسی صدمے سے ۷ھ یا ۸ھ میں وفات پائی (الاستیعاب ج ۴ ص ۳۱۲ ہامش الاصابہ)

ارشاد ربانی فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي ۔ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں ستائے گئے۔ کا اولین مصداق ہیں۔ لَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (میں یقیناً ان کو ہمیشہ کے جنات میں داخل کر کے بہترین بدلہ دوں گا) کے تحت کون کہہ سکتا ہے کہ وہ جنت والوں کی سرتاج نہ ہوں گی۔ حضرت زینبؓ مردانہ وار کفار کے ظلم و ستم سے حضور کا دفاع کرتی تھیں معجم طبرانی میں ہے کہ ایک مرتبہ کفار نے حضور کو گالیاں دیں۔ منہ پر تھوکا اور چہرے پر مٹی ڈالی کہ منہ بھر گیا۔ ایک لڑکی پانی لے کر آئی اور چہرہ مبارک اور ہاتھوں کو دھویا۔ یہ آپ کی صاحبزادی زینبؓ تھی۔ بخاری نے بھی اس حدیث کو مختصراً اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اصابہ ج ۳ ص ۴۸۵ میں حضرت منیب غامدی کے ترجمہ میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ آپ نے حضرت زینبؓ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا اے بیٹی! تو اپنے باپ کے مغلوب اور ذلیل ہونے کا خوف مت کر۔ (رواہ البخاری فی تاریخہ والطبرانی وابونعیم۔ ابو زرعہؒ دمشقی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (بحوالہ کنز العمال ج ۶ ص ۳۰۶ و سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۵۵)

تعجب ہوتا ہے کہ بڑی ہستیاں بھی بسا اوقات حمیت نسبی میں پھنس جاتی ہیں۔ میں نے مجمع الزوائد ج ۹ میں پڑھا ہے کہ حضرت عروہؓ ایک مرتبہ حضرت زینبؓ کے متعلق حدیث بالا اور واقعہ مصیبت و شہادت بیان کر رہے تھے تو حضرت زین العابدینؒ نے ٹوک دیا کہ اس طرح مت بیان کیا کرو۔ ہماری اماں فاطمہؓ پر حرف آتا ہے۔ یہی وہ جگر گوشۂ پیغمبر اور اپنی ماں خدیجہؓ کی تصویر زینبؓ ہیں کہ جب انہوں نے ابو العاصؓ کو چھڑانے کے لیے اپنا ہار فدیہ میں بھیجا تھا حضور دیکھتے ہی رونے لگے۔ زینبؓ و خدیجہؓ کی تصویر آنکھوں میں پھرنے لگی ہار واپس کر دیا اور بلا فدیہ ابو العاصؓ

کو چھوڑ دیا۔

یہی وہ زینبؓ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی محبوب تھیں۔ حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم محبا فیھا اسلمت وھاجرت حین ابی زوجھا ولدت من ابی العاص غلاما یقال لہ علی وجاریۃ اسمھا امامۃ (الاستیعاب)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے خوب محبت کرتے تھے۔ یہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کی جب کہ ان کے خاوند ابو العاصؓ نے انکار کیا تھا (بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) علی نامی لڑکا اور امامہ نام کی لڑکی جنی تھی۔

یہی وہ زینبؓ ہیں جن کی صاحبزادی امامہؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کندھے پر اٹھاتے جب سجدے جاتے تو اتار دیتے۔ جب اٹھتے تو اٹھا لیتے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک تحفہ دیا گیا جس میں موتیوں کا ہار تھا آپ نے فرمایا یہ تو میں اپنے گھرانے کی سب سے پیاری لڑکی کو دوں گا۔ پھر حضورؐ نے امامہؓ بنت زینبؓ کو بلایا اور اس کے گلے میں ہار ڈال دیا حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں نجاشیؒ بادشاہ نے ایک زیور تحفہ بھیجا اس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس کا نگینہ حبشی عقیق کا تھا آپ نے وہ امامہؓ کو دیا۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے بعد امامہؓ سے حضرت علیؓ نے نکاح کیا۔ زبیر بن عوامؓ نے بیاہ کر کے دی کیونکہ اس کے والد ابو العاصؓ نے اسے وصیت کی تھی۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۲۳۶)

یعنی حضرت زینبؓ حضرت علی المرتضیٰؓ کی سالی ہو کر پھر خوشدامن بھی بنیں۔ شیعہ علیؓ کہلا کر حضرت علیؓ کی ساس سے بھی نفرت و انکار؟ خدا ایسے مذہب و عقیدہ سے ہر مسلمان کو بچائے۔

حضرت رقیہؓ کی شان

حضرت رقیہؓ بھی قدیم الاسلام اور مہاجرہ فی سبیل اللہ ہیں جب اپنے خاوند حضرت عثمانؓ کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کر کے جا رہی تھیں، حضورؐ کو کئی دنوں تک خبر خیر نہ پہنچ سکی تو بیتاب تھے۔ تو حضورؐ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا میں نے ان کو دیکھا ہے۔

فقال منحهما الله ان عثمان اول من هاجر باهله من هذه الامة (الاصابه ج ۴ ص ۳۰۵)

اللہ پاک میاں بیوی پر انعام کی بارش برسائے بلاشبہ عثمانؓ اس امت کے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیوی کے ساتھ ہجرت کی۔

وفی روایة والذی نفسی بیده انه اول من هاجر بعد ابراهیم ولوط

اور ایک روایت میں ہے اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے حضرت ابراہیم ولوط علیہما السلام کے بعد عثمانؓ بیوی کے ساتھ ہجرت کرنے والے پہلے شخص ہیں۔

جنگِ بدر کے موقعہ پر حضرت رقیہؓ بیمار تھیں۔ ان کی تیمارداری کی خاطر آپؐ حضرت عثمانؓ کو مدینہ چھوڑ گئے۔ مگر حضرت رقیہؓ اس بیماری میں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ جب آپ کو دفن کیا جا رہا تھا اس وقت حضرت زید بن حارثہؓ حضورؐ کی اونٹنی جدعاء پر سوار ہو کر مشرکین کے قتل اور فتح اسلام کی بشارت لائے۔ جب حضورؐ واپس آئے تو آتے ہی حضرت رقیہؓ کی قبر پر اشکبارانہ حاضری دی اور دعا مانگی۔

فروع کافی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جب حضرت رقیہؓ کو دفنایا جا رہا تھا تو حضرت فاطمہؓ کنارے پر بیٹھی رو رہی تھیں اور حضورؐ ان کے آنسو جھپٹ رہے تھے۔ مگر یہ واقعہ حضرت ام کلثومؓ کے متعلق ہے۔ کیونکہ وہ رقیہؓ سے چھوٹی ہیں اور بدر کے موقعہ پر رقیہؓ کی تدفین سے حضورؐ کی غیر حاضری واضح بات ہے۔

حضرت ام کلثومؓ کی شان

ابن سعد کہتے ہیں کہ ام کلثومؓ نے ہجرت الی المدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہؓ وغیرہ عیالِ نبویؐ کے ساتھ کی۔ نیز حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام کلثومؓ کی قبر پر دیکھا آنسو بہہ رہے تھے اور فرمایا وہ شخص قبر میں اترے جس نے آج رات صحبت نہ کی ہو تو ابو طلحہؓ نے کہا میں ایسا ہوں۔ پھر حضورؐ نے ان کو اترنے کا حکم دیا۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۸۹)

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں۔

مجھے اس کے متعلق کوئی اختلاف معلوم نہیں کہ حضرت زینبؓ سب صاحبزادیوں سے بڑی ہیں۔ ہاں۔ رقیہ[۱]۔ فاطمہ[۲]۔ ام کلثوم[۳] رضی اللہ عنہن میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء اسی

ترتیب سے قائل ہیں (یعنی سب سے چھوٹی حضرت ام کلثوم ہیں اور ان سے بڑی حضرت فاطمہ رض ہیں)

جرجانی سے منقول ہے کہ رقیہ رض سب سے چھوٹی ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رض سب سے چھوٹی ہیں۔ (الاستیعاب والاصابہ ج ۴ ص ۳۰۴)

سبقتِ ایمان - ہجرت - مکارمِ اخلاق کے علاوہ حضرت ام کلثوم رض کے مرفوع فضائل بھی منقول ہیں - ام عیاش رض مولاۃ رقیہ رض کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

یقول ما زوجت عثمان ام کلثوم الا بوحی من السماء۔ قال ابن مندۃ لا یعرف الا بھذا الاسناد بروایت ابن مندۃ)	فرماتے تھے ہیں نے عثمان رض کا ام کلثوم رض کے ساتھ نکاح آسمانی وحی سے کیا ہے۔

۲۔ ابوہریرہ رض فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ میرے پاس جبریل آئے اور کہا اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ عثمان رض کو ام کلثوم رض، رقیہ رض کے مہر کے برابر پہ بیاہ دیں اور اسی معاشرت پر دیں۔ (قال ابن مندۃ غریب الاصابہ)

شبہ:- شیعہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رقیہ رض و ام کلثوم رض پہلے عتبہ و عتیبہ پسران ابولہب سے بیاہی گئی تھیں تو پھر حضرت عثمان رض کے نکاح میں کوئی فضیلت کی بات نہ رہی۔

جواب:- یہ غلط ہے۔ قبل از دعوائے نبوت برادری سسٹم کے تحت حضور کے چچا کے بیٹوں کے ساتھ نسبت اور منگنی تھی۔ اسی کو سیرت نگاروں نے عقد اور نکاح سے تعبیر کر دیا۔ ورنہ باقاعدہ شادی اور رخصتی ہرگز نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ بعثت کے تھوڑے دنوں بعد سورت تبت یدا ابی لہب کے نازل ہونے اور پسران ابولہب کے رشتہ سے انکار کے وقت ان کا جوان ہونا ہی یقینی نہیں۔ اکثر علماء حضرت فاطمہ رض کو ام کلثوم رض سے بڑا کہتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رض کافی کے بیان کے مطابق بعثت کے بعد پیدا ہوئیں اور ۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد حضرت علی رض سے شادی ہوئی۔ اس وقت حضرت ام کلثوم رض کنواری حضور کے گھر میں تھیں اور کچھ عرصہ بعد حضرت عمر رض حضرت حفصہ رض کو حضرت عثمان رض سے بیاہ دینا چاہتے تھے تو حضور نے فرمایا۔ میں عثمان رض کو حفصہ رض سے بہتر بیوی اور حفصہ رض کو عثمان رض سے بہتر خاوند دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت حفصہ رض سے خود نکاح کر لیا

اور ام کلثوم رضؓ۔ سب سے چھوٹی۔ صاحبزادی ۳ھ میں حضرت عثمانؓ کو بیاہ دی (الاستیعاب)
اگر حضرت ام کلثومؓ فاطمہؓ سے بڑی ہوتیں تو حضرت علیؓ سے ان کا نکاح ہوتا۔ بڑی بقول شیعہ کئی سالوں سے جوان کو بٹھلا کر چھوٹی کو بیاہ دینا تو دستور کے خلاف ہے۔ اس لحاظ سے حضرت ام کلثومؓ کی عمر ۳ نبوت نزول سورت تبت کے وقت ۲، ۳ سال ہی قرین قیاس ہے۔ اور حضرت رقیہؓ ان سے ۲ سال یا چھ سال بھی بڑی مانی جائیں تب بھی شادی و رخصتی کی عمر میں نہ تھیں۔ واقدی نے لکھا ہے "جب سورت تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے کہا میرا سر تمہارے اندر حرام ہے اگر محمدؐ کی بیٹیوں کو چھوڑ نہ دو پس انہوں نے چھوڑ دیا۔ دخول اور رخصتی سے پہلے "حافظ ابن حجرؒ سے بہتر بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ابن سعد کی اتباع میں ابن عبدالبر کے اس بیان سے اولیٰ ہے جس میں بعثت سے قبل رقیہؓ وام کلثومؓ کی تزویج بتائی گئی ہے۔ کیونکہ ابوعمرو نے اس پر مورخین کا اتفاق نقل کیا ہے کہ زینبؓ سب صاحبزادیوں سے بڑی ہیں۔ وہ بعثت سے ۱۰ سال پہلے پیدا ہوئیں تو ان سے بھی چھوٹیوں کے ساتھ شادی کیسے ہو سکتی ہے ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے تو یہ عقد نکاح تا حصول البلوغ۔ یعنی صغر سنی کی منگنی۔ ہوگا تو شادی سے پہلے جدائی ہو گئی۔ ابن مندہ کہتے ہیں کہ عتبہ ام کلثومؓ کی رخصتی و دخول سے پہلے مر گیا۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۸۹)

اس تحقیق کی رو سے جب شادی و رخصتی ہوئی ہی نہیں۔ نہ طرفین نے ایک دوسرے کو دیکھا تو سیدہ رقیہؓ وام کلثومؓ رضی اللہ عنہما کی شان میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور حضرت عثمانؓ کو یکے بعد دیگرے دامادی کا شرف اسی طرح حاصل ہوا جس طرح حضرت علیؓ کو ۹ سال بعد ۲ھ میں حاصل ہوا۔

اور اس سے شیعہ کا یہ شبہ بھی باطل ہو گیا کہ پیغمبر زادیاں ہو کر کافروں سے کیسے بیاہی گئی تھیں۔ کیونکہ یہ کفر و اسلام کی تفریق بعثت نبوت کے بعد ہوئی اور اسی وقت منگنی والی پختہ بات چیت بھی خود کافروں کی طرف سے ختم کر دی گئی۔ جسے انہوں نے تغلیظ کے طور پر طلاق سے تعبیر کیا۔

علاوہ ازیں مسلم و غیر مسلم میں نکاح کی حرمت تو بہت بعد میں تقریباً ۶ھ کے لگ بھگ مدینہ میں اتری اس سے قبل کوئی تفریق نہ تھی۔ رشتے ناطے ہوتے رہتے تھے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ کی شان

سبقت ایمان۔ ہجرت۔ زہد و ورع۔ عبادت و سخاوت وغیرہا اوصاف میں اشتراک کے علاوہ بلاشبہ حضرت فاطمہ رضؓ کے چند مخصوص فضائل بھی ہیں۔

۱۔ حضرت فاطمہ رضؓ اصحاب کساء میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو چادر میں داخل فرما کر ان کو اہل بیت رضؓ فرمایا اور ان کے تطہیر اور ازالہ رجس کی دعا فرمائی۔ (ترمذی)

بعض حضرات کو اس کی صحت میں کلام ہے کہ سند میں کوئی نہ کوئی راوی رافضی آجاتا ہے۔

۲۔ حضرت فاطمہ رضؓ کو مرض وفات میں اپنی وفات کی خبر دی تو وہ رو پڑیں۔ پھر اپنے سے جلدی ملنے کی (یعنی فاطمہ رضؓ کی جلدی وفات کی) خبر دی تو وہ ہنس پڑیں تاہم وہ غمگین رہتی تھیں تو حضورؐ نے یوں تسلی دی۔

یا فاطمۃ الا ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اهل الجنۃ او نساء المؤمنین (بخاری ومسلم)	اے فاطمہ رضؓ! تو اس پر راضی نہیں کہ تو اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔

۳۔ فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبها اغضبنی (بخاری ومسلم)	فاطمہ رضؓ میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے غصہ دلایا اس نے مجھے غصہ دلایا۔

۴۔ حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون پسند تھا۔

قالت فاطمۃ فقیل من الرجال قالت زوجها (ترمذی) وفی روایۃ انه کان ما علمتہ صواما قواما۔	تو فرمایا فاطمہ رضؓ تھیں پوچھا مردوں میں سے فرمایا ان کے خاوند کہ وہ میری دانست کے مطابق روزہ دار اور شب بیدار تھے۔

۵۔ شادی کے وقت وضو کر کے حضورؐ نے پانی حضرت علی رضؓ و فاطمہ رضؓ پر چھڑکا اور یہ دعا دی۔

اللهم بارك فیهما وبارك علیهما وبارك فی نسلهما (الاصابہ)	اے اللہ تو ان میں اور ان پر برکت بھیج اور ان کی نسل کو بھی بابرکت بنا۔

۶۔ حضرت انس رضؓ راوی ہیں کہ جہان کی عورتوں میں چار کامل ہوئی ہیں۔ مریم بنت عمرانؑ۔

آسیہؓ زوجہ فرعون۔ خدیجہؓ بنت خویلد۔ فاطمہؓ بنت محمدؐ (ترمذی)

بخاری شریف ج ۱ ص ۵۳۲ کی اس جیسی حدیث میں مریم بنتِ عمرانؑ۔ آسیہؓ زوجہ فرعون کے بعد یہ لفظ ہیں۔ اور عائشہؓ کی فضیلت سب عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی تمام کھانوں پر۔"

فضائلِ خاصہ کے اسباب

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ فضائل خاص مواقع اور اسباب کے تحت ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر وہ مواقع اور اسباب بقیہ تین صاحبزادیوں کو درپیش آتے تو دریائے رحمت سے وہ بھی بہرہ ور ہوتیں۔ واقعہ مباہلہ اور کساء متعلقہ آیتوں کے نزول کے بعد تھا۔ اور یہ واقعہ ۹ھ میں پیش آیا۔ اور حضرت رقیہؓ وام کلثومؓ و زینبؓ سنہ ۲ھ۔ سنہ ۹ھ۔ سنہ ۸ھ یا ۹ھ میں جنت میں پہنچ چکی تھیں۔

عورتوں کی سردار ہونے کا لقب بھی آخر عمر میں وفاتِ نبویؐ کی خبر کے صدمہ پہ مرحمت ہوا۔ اور اس کی روایت ام المؤمنین عائشہؓ سے ہوئی اور ان کے ذریعے سب امت کو معلوم ہوا اور ہمارا اعتقاد بنا۔ ورنہ حضرت فاطمہؓ کو بطورِ راز تنہائی میں بتایا تھا۔ حضرت عائشہؓ و فاطمہؓ کی آپس میں الفت ومحبت واضح ہے۔ ان لوگوں پہ اللہ کی لعنت ہو جو اس ماں بیٹی میں بھی بغض وحسد کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

"فاطمہؓ کے جگر گوشہ" ہونے کا شانِ نزول تو کتبِ تاریخ وشیعہ میں متواتر ہے کہ حضرت علیؓ کے فاطمہ بنت ابی جہل سے ارادہ نکاح کے وقت اور دیگر حضرت فاطمہؓ کی گھریلو شکایات کے پیشِ نظر بار بار آپؐ نے فرمایا۔ بقیہ تین صاحبزادیاں بھی لختِ رسولؐ تھیں۔ مگر اس کے بیان کی ضرورت خاوندوں کیساتھ پرسکون معاشرتی زندگی کی وجہ سے نہ سمجھی گئی۔ حضرت ابوالعاصؓ کو بہتر داماد۔ دامادی کا حق ادا کرنے والا فرمانا اور حضرت عثمانؓ کے متعلق کہنا کہ اگر میری اور لڑکی ہوتی تو وہ بھی عثمانؓ کو بیاہ دیتا۔ سابقہ گزر چکا ہے۔

چوتھی روایت کے متعلق عرض یہ ہے کہ حضرت ابوبکر، عائشہ، فاطمہ، علی حسنین رضی اللہ عنہم سب ہی رسولِ خدا کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ یہ لوگ اپنے متعلق محبوبیتِ الی الرسولؐ کو بیان نہیں کر سکتے دوسرے ہی بیان کرتے ہیں۔ جیسے حضرت انسؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوہریرہؓ

وغیرہم نے حضرت عائشہؓ و صدیق اکبرؓ کی محبوبیت مرفوعاً بیان کی اسی طرح ام المومنینؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ اور سیدہؓ کی محبوبیت بیان کی فی نفسہٖ ان میں کوئی تعارض نہیں۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اہل بیت نبویؐ سے عظیم عقیدت تھی۔ اور یہ حدیث انہی تاثرات کا نتیجہ ہے۔ حضرت علیؓ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی و خلش نہ تھی۔ وہ برملا آپ کو صائم اور قائم اللیل فرماتی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کا بقاء اولادِ فاطمہؓ سے اللہ کے ہاں مقدر تھا۔ تو آپ ان کی شادی کے موقعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مذکورہ بالا دعا کرادی۔ اگر دوسری صاحبزادیو کے لیے بھی ایسی دعا ہو جاتی تو وہ بھی صاحبِ اولاد باقیہ ہوتیں۔ کچھ لوگ حضرت زینبؓ کی اولاد کے قائل ہیں۔ یہ چھٹی حدیث کا معارض موجود ہے۔ ورنہ چار کے بجائے ۵ سب جہان سے افضل اور کامل خواتین مانی جائیں تو کیا حرج ہے۔ حضرت خدیجہؓ و عائشہؓ ہوں یا حضرت فاطمۃ الزہراؓ سب ہی حضور علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سرور۔ کاشانہ کی زینت۔ دین کی معلمہ مربیہ۔ عزت نبویؐ کا خزانہ اور تمام مومنوں کی مائیں اور ان کے دل کا نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ان کی محبت نصیب فرمائے اور بدخواہوں و دشمنوں کو برباد کرے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھن اجمعین۔

ہم نے شیعہ کے قدیم و جدید لٹریچر سے کافی تتبع و تلاش جاری رکھی کہ حضور علیہ السلام کی ایک صاحبزادی یا اکلوتی ہونے پر کوئی آیتہ فرمانِ پیغمبرؐ، ارشاد امام یا کوئی فتویٰ مجتہدین ہی مل جائے مگر ایسی کوئی چیز نہ مل سکی۔ البتہ دو باتیں ملی ہیں سابقہ شبہات سے مربوط کر کے ان پر آپ غور فرمائیں۔

شبہ ۵ ارجح المطالب میں بحوالہ فردوس دیلمی اور مسند علی رضاؑ یہ روایت ہے کہ حضورؐ نے اپنے سے بھی بڑھ کر حضرت علیؓ کے فضائل میں فرمایا "اُوتیت صہرا مثلی ولم اُوت انا مثلی" کہ تجھے مجھ جیسا خسر ملا ہے اور مجھے مجھ جیسا خسر نہیں ملا۔ اس میں حضورؐ کے حضرت علیؓ کے بے مثال اور سب سے اعلیٰ شان والے خسر ہونے کا اقرار ہے مگر ایسا کوئی کلمہ حصر اور غیر کے لیے خسر نہ ہونے کی صراحت نہیں ہے اور حضرت علیؓ کی خصوصیات میں اس کا ذکر باعتبار کثرت کے ہے کہ فاطمہؓ جیسی صدیقہ کا حضرت علیؓ کی زوجہ ہونا اور حسنینؓ کا فرزند رسولؐ

ہونے کے بجائے فرزندِ علیؓ ہونا حضرت علیؓ کا خاصہ ہے تو حضرتِ رسولؐ کو بھی اسی انداز سے ذکر کر دیا۔ کیونکہ باقی دو خاص باتوں کے لیے علت اور وجہ یہی بنی تھی۔ یہ روایت کو کچھ ماننے کے مفروضہ پر مبنی ہے ورنہ ایسی بوگس حوالوں کی بلاسند روایت قرآن و سنت کے صریح دلائل کے سامنے کیا حیثیت رکھتی ہے۔

شبہ ۹۔ حضرت لوطؑ کی دو بیٹیاں تھیں ان کو قرآن نے بنات کہا تو اسی طرح ایک کو احزاب میں بنات کہا ہے۔

جواب اولاً قرآن و سنت اور تاریخی متواتر دلائل کے سامنے ایک اختلافی بات اور فرضی استدلال پیش کرنا دیانت نہیں۔ قرآن میں حضرت لوطؑ کی صاحبزادیوں کے لیے۔ هٰۤؤُلَآءِ ۔ بَنَاتِیْ ۔ هُنَّ ۔ فِیْ بَنٰتِكَ ۔ سب جمع کے صیغے آئے ہیں۔ ایک اختلافی تفسیری قول سے انہیں نظر انداز کر دینا اور رد کا قائل ہونا۔ قرآن کے ساتھ ایسا ظلم ہے جو ہر گمراہ فرقے کو یہ موقعہ دے گا کہ واحد و جمع کی تمام اصطلاحات ختم کر دے اور ہر جگہ حسبِ منشا واحد سے جمع اور جمع سے واحد مراد لیتا پھرے۔ (معاذ اللہ)

ثانیاً۔ اس قول کی غلطی کا سبب یہ ہوا کہ قوم لوط کے دو بڑے مطاع سید اور چودھری تھے ان کو دو بیٹیاں نکاح میں دینا چاہیں۔ تا کہ ان کے برائی سے رکنے سے سب رک جائیں تو اس سے حصر کا مفہوم برآمد کرنا کہ لڑکیاں ہی دو تھیں غلط ہوا کیونکہ دو کی تصریح دو سرداروں کی تصریح کے ساتھ ملی ورنہ مجرم اور بھی تھے۔ آپ ان کو بھی (مہمانوں کی عزت بچانے کے لیے) بیٹیاں دینا چاہتے تھے۔

ثالثاً۔ مفسرین نے دو والے قول کا رد بھی کیا ہے۔ تفسیر غرائب القرآن نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری ج ۱۲ ص ۵۸ پر ہے۔

" ایک قول یہ ہے کہ قوم کے مقتدا دو سردار تھے۔ ان کو اپنی دو بیٹیاں دینی چاہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کی بیٹیاں دو سے زیادہ تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیٹیاں حقیقتاً نکاح کے لیے پیش نہ کی ہوں بلکہ ان کو شرم و حیا دلانے کو یہ بات کہی ہو۔"

رابعاً۔ بیٹیوں سے مراد جمع ہی ہے۔ ہاں تفسیریں دو ہیں۔ ۱۔ قوم لوط کی منکوحہ بیویاں

مراد ہیں ... بیٹیاں ... [illegible] ... (مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۱)

باب دوم

سوال ۳ دعوتِ ذوالعشیرہ کے موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے وعدہ نصرت کیوں نہ فرمایا۔ کیا یہ دونوں بزرگ دعوتِ ذوالعشیرہ میں شامل تھے۔ اگر شامل نہ تھے تو یہ حضرات رسول اللہ کے قریبی کیونکر ہو سکتے ہیں؟

جواب - شیعہ بیچارے کتنے لاوارث اور دلائل سے یتیم ہوتے ہیں اور انتہائی نکمے قسم کے تاریخی افسانے ان کے براہین کا شاہکار ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ ایک تاریخی موضوع روایت ہے، احادیث کا متفقہ علیہ الطرفین یا مستند واقعہ نہیں۔ اس کی حقیقت درج ذیل ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ یہ روایت نہ سنن میں ہے نہ مغازی میں اور نہ مسانید میں ہے۔ یہ موضوع بات ہے۔ بنی عبدالمطلب کی تعداد نزولِ آیت کے وقت چالیس نہ تھی۔ آپ کی زندگی میں بھی وہ اس تعداد کو نہ پہنچ سکے۔ (المنتقی ص ۴۸۶ من المنہاج)

اس کے واضع کا نام عبدالغفار بن قاسم ابومریم کوفی ہے۔ جو رافضی تھا۔ شیعہ کی اکثر تصانیف میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ مامقانی نے بھی تنقیح المقال ج ۲ ص ۱۵۸ پر اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں یہ اجماعاً متروک راوی ہے۔ ابن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ نسائی اور حاتم نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں اس کی اکثر روایات باطل ہوا کرتی تھیں۔ سماک بن حرب اور ابوداؤد نے اسے کاذب اور ابن حبان نے شرابی قرار دیا ہے۔

(حاشیہ المنتقی ۱)

روایتی جرح کے بعد اب درایت کے لحاظ سے اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

"جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (آپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں ددھیال) کو ڈرائیے) نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ عبدالمطلب کی تمام اولاد کو بلاؤ تاکہ میں انہیں تبلیغ کروں۔ آپ بلا لائے۔ وہ چالیس آدمی تھے۔ ان میں آپ کے چچا۔ ابوطالب۔ حمزہؓ۔ عباسؓ۔ ابولہب وغیرہم بھی تھے۔ پہلے دن ازدعوت کھلا چکنے کے بعد) بات نہ ہو سکی۔ دوسرے دن اسی طرح دعوت کھلا کر فرمایا۔ اے عبدالمطلب

کی اولاد! میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو دعوت الی اللہ دوں۔ اس بات پر کون تم میں سے میری مدد کرے گا۔ جبکہ وہی میرا بھائی۔ وصی اور تم میں میرا جانشین ہوگا۔ سب قوم خاموش رہی۔ حضرت علیؓ بولے۔ اے اللہ کے نبیؐ! میں آپ کا مددگار رہوں گا۔ حالانکہ میں سب سے چھوٹا۔ باریک آنکھوں والا۔ چھوٹی پنڈلیوں اور بڑے پیٹ والا تھا۔ آپؐ نے میری گردن پکڑ کر فرمایا۔ یہ میرا دینی بھائی اور وصی ہے اور تمہارے اندر میرا جانشین ہے۔ تم اس کی بات سنو اور فرمانبرداری کرو۔ اس کے بعد لوگ اٹھ کر چلے گئے اور ابوطالب سے (مذاقاً) کہنے لگے کہ تمہیں محمدؐ نے بیٹے کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بنو عبدالمطلب! میں تمہاری طرف خصوصیت سے اور دیگر لوگوں کی طرف عموماً نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تم میرا دعویٰ اور معجزہ دیکھ چکے ہو۔ تم میں سے کون اس شرط پر میری بیعت کرے گا کہ وہ میرا بھائی، ساتھی اور وارث بنے۔ آپؐ نے تین مرتبہ یہ فقرہ دہرایا۔ جب کوئی نہ اٹھا تو میں سب سے چھوٹا تھا، اٹھا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ بیٹھ جا۔ تیسری مرتبہ میں نے بیعت کی۔ پس اسی وجہ سے میں چچا کے بیٹے کا وارث (علمی) ہوں اور چچا کا نہیں ہوں۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۲۰-۳۲۱ بلفظہ)

کتب شیعہ میں سے حیات القلوب ج ۲ ص ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱ پر اسے مفصلاً بیان کیا گیا ہے اور شیعی تفسیر مجمع البیان و تفسیر قمی میں بھی ہے۔ "کہ یہ دعوت تین دن تک ہوتی رہی۔ بنو عبدالمطلب برادری سے کسی نے حامی نہ بھری تو تیسرے دن حضرت علیؓ نے اس پر لبیک کہی۔ حالانکہ آپ صغیر سن تھے۔ ابولہب مذاق اڑاتا تھا۔ غالباً دیگر حاضرین نے "خلیفتی فی اہلی" میرے گھر والوں میں میرا جانشین ہوگا۔ کے منصب کو اپنے شایانِ شان نہ جانا اور خاموش رہے۔"

یہی وہ واقعہ ہے جس پر اعتراض کی بنیاد ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ ایک لچر روایت ہے اور حضرت علیؓ کا حلیہ و تعارف بھی مکروہ بتایا گیا ہے۔ اور اس سے بھی قطع نظر کہ آغاز دعوت اسلام سے ہی۔ جبکہ قریبی برادری بھی مسلمان نہ ہوئی تھی۔ آپؐ کو اپنے وصی اور خلیفہ کا فکر کیوں دامنگیر ہوگیا تھا۔ اس وقت صرف آپؐ مامور بالدعوت الی الاسلام تھے۔ مستقبل دنیوی کے

قطعی انجام سے واقف نہ تھے۔ جیسے ارشادِ ربانی کے ذریعے آپؐ سے یوں اعلان کرایا جاتا تھا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ (احقاف ۱۲)

فرمایئے میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور میں انجام دنیوی نہیں جانتا کہ تمہارے میرے ساتھ کیا کچھ کیا جائے گا۔ میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں۔

اور اس سے بھی قطع نظر کہ آیت وانذر عشیرتک کے تحت آپ رشتہ داروں کو خدا کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرانے کے ہی مکلف تھے۔ اعلانِ خلیفہ کا تو تصور و شائبہ بھی آیت میں نہیں ہے۔

روایت سے ثابت چھ باتیں شیعہ کے خلاف ہیں

اس قصہ سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ یہ صرف اپنی برادری بنو عبد المطلب کو دعوت تھی۔ غیر بنو عبد المطلب حضرت ابو بکر تیمیؓ اور حضرت عمر عدویؓ کو بلانے کا سوال ہی نہ تھا تو اعتراض ہی لغو ثابت ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ تین سال قبل آغازِ نبوت پہ ہی ایمان لا چکے تھے اور آپؐ کے معاون و دست راست بن کر دسیوں معزز افراد۔ جیسے حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبد الرحمٰن بن عوف وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ کو حلقہ بگوشِ اسلام کرا چکے تھے۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۱۱ وغیرہ)

حضرت عمرؓ گو اس واقعہ کے تین سال بعد مشرف باسلام ہوئے مگر ان کے اسلام پر مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی اور اشاعتِ اسلام تیز ہو گئی۔ جیسے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جیسے قدیم الاسلام اور فاضل صحابی کی شہادت اور حوالہ جات سابقہ مذکور ہو چکے ہیں۔

۲۔ بنو ہاشم و بنو عبد المطلب میں سے حضرت علیؓ کے سوا کسی نے بھی اسلام اور حمایتِ پیغمبرؐ کا اعلان نہیں کیا۔ اور یہیں سے معلوم ہو چکا کہ سابقون الاولون ایک دو فرد کے ماسوا بنو عبد المطلب اور ہاشمی حضرات نہیں ہیں یہ شرف اللہ نے غیروں کو ہی عطا فرمایا ہے۔ اور اس میں بھی خدا کی بہت بڑی حکمت اور صداقتِ نبوت پر عظیم عقلی دلیل ہے کہ برادری اور قریبی لوگ مخالفت کرتے ہیں مگر اغیار حضورؐ کے قدموں میں آگرتے ہیں اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں

کرتے جبکہ ان کو صاف نظر آرہا ہے۔ کہ آپ کو پیغمبر ماننا۔ دنیوی وقار کے بر خلاف ایک در یتیم کو اپنا آقا و سردار بھی ماننا ہے۔ اگر دعوئی نبوت سیاسی سطح پر یا دنیوی عزت کی خاطر (العیاذ باللہ) ہوتا تو سب سے پہلے آپ کی قوم لبیک کہتی کہ ان کا وقار بلند ہوتا اور غیر خود کو آپ کی غلامی میں دینے سے گریز کرتے۔

۳۔ اس سے جناب ابو طالب والد حضرت علی رض کا بھی مومن و مسلمان نہ ہونا اظہر من الشمس ہو گیا۔ اگر شیعہ خیال کے مطابق آپ مسلمان و مومن ہوتے تو ضرور اسلام اور وزارت پیغمبرؐ کا اعلان کرتے۔ حضرت حمزہ رض و عباس رض کے خلاف بعد میں بھی تو آپ سے کلمہ پڑھنا یا رائج دین قریش سے تبرا کرنا ثابت نہیں۔

۴۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رض نے بھی تیسرے سال اسلام و ایمان کا اقرار و اظہار کیا۔ اس لحاظ سے تو آپ سابق الاسلام ثابت نہ ہوئے دوسرے حضرات ہی ہوئے۔ بخاری ج ۱ ص ۵۱۶ پر ہے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رءیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومامعہ الاخمسۃ اعبد و امرأتان وابو بکر

میں نے آغاز اسلام میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو دیکھا آپ کے ساتھ پانچ غلاموں دو عورتوں اور ابو بکر رض کے سوا کوئی مومن نہ تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق رض کے پہلے ہی ماہ میں ایمان لانے کا اعتراف کتب شیعہ میں بھی ہے۔ (یہ ماہ کی بھی روایت میں ایک تعبیر ہے ورنہ آپ پہلی ہی دعوت پر گویا پہلے دن حضرت خدیجہ رض کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔)

شیعہ کتاب اعلام الوریٰ ص ۵۰-۵۱ میں ہے۔

حضرت طلحہ رض بن عبید اللہ بصری گئے ہوئے تھے۔ ایک راہب نے پوچھا کیا کوئی مکہ کا آدمی تم میں ہے۔ میں نے کہا میں ہوں۔ اس نے کہا کیا احمد ظاہر ہو گئے؟ میں نے پوچھا احمد کون ہیں راہب نے کہا۔ احمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب۔ اس نے اس ماہ میں نبوت کا دعویٰ کرنا ہے۔ وہ آخری پیغمبر ہیں حرم سے نمودار ہو گا۔ کھجوروں کی جگہ (مدینہ) ہجرت کر جائے گا۔ تو فوراً اس

کی خدمت میں جا۔ طلحہؓ فرماتے ہیں میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ جلدی سے مکہ آپہنچا۔ پوچھا کیا نئی بات ہوئی لوگوں نے کہا۔

نعم محمد بن عبد اللہ الامین تنبأ وقد تبعہ ابن ابی قحافۃ قال فخرجت حتی دخلت علی ابی بکر فقلت اتبعت ھذا الرجل قال نعم فانطلق الیہ و ادخل علیہ فاتبعہ فانہ یدعوا الی الحق

(بحوالہ کشف الاسرار)

ہاں محمد بن عبد اللہ امینؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوبکرؓ نے آپ کی پیروی کر لی ہے۔ طلحہؓ فرماتے ہیں میں وہاں سے نکلا۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آ کر پوچھا۔ کیا آپ نے اس شخص کی پیروی کر لی؟ فرمایا ہاں۔ تو بھی اس کے پاس جا اور تابعداری کر لے۔ کیونکہ وہ صرف حق کی طرف بلاتے ہیں۔

پھر حضرت طلحہؓ نے راہب کا قصہ سنایا۔ حضرت ابوبکرؓ طلحہؓ کو حضورؐ کی خدمت میں لے گئے وہ مسلمان ہو گئے اور راہب کی بات سنائی۔ جب طلحہؓ بھی ابوبکرؓ کے ساتھ مسلمان ہو گئے تو نوفل بن خویلد قریشی شیر ان کو مارتا تھا۔

۵۔ اس خلافت اور وزارت کا مقصد (خلیفتی فیکم الیتیمی بنو عبد المطلب پر نگرانی اور خاندانی و گھریلو امور کے انتظام کو سرانجام دینا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارغ البالی سے منصب نبوت کا فریضہ ادا کریں۔ قید و بند۔ موت کی صورت میں۔ اہل و عیال کی ذمہ داری اور لین دین کے تفکرات سے آزاد ہوں۔ اسے خلافتِ کبریٰ اور تمام امت کی قیادت سے واسطہ نہیں۔ کیونکہ نہ اس کی ضرورت تھی۔ نہ چند نفوس کے سوا امت کی وسعت کے انتظام کا مسئلہ درپیش تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ تمام خاندانِ بنو ہاشم سے آپ کو عزیز اور بڑا اعتماد ہیں۔ گھر کے فرد اور خانگی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں۔ قرضہ جات اور کفار کی امانتوں کا لین دین بھی بامر نبوی کرتے ہیں۔ لیکن حضور علیہ السلام کے ساتھ دعوتی و تبلیغی میدان میں ہمہ وقت ساتھ ہیں نہ تقریر و تائید کرتے نظر آتے ہیں۔ نہ آپ کو کفار کی طرف سے زد و کوب کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک اور شخصیت سایہ کی طرح حضورؐ کی ہمدم و ساتھی ہے۔ آپ کے ساتھ تقریر و تبلیغ بھی کر رہے ہیں۔ کفار کا آپ سے دفاع بھی کر رہے ہیں۔ مار کھا کھا کر لہولہان بھی ہو رہے ہیں۔ بے ہوش بھی ہوتے ہیں۔

سخت گرمی اور دوپہر میں آرام کے لیے حضورؐ کو اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ یہ ابوبکر صدیق ہیں جن کی تربیت خلیفتی فی اہلی کے تحت نہیں۔ بلکہ خلیفہ و مقتدا برائے جمیع امت کے لحاظ سے ہو رہی ہے کہ ان کے متعلق یہ فرما کر رخصت ہوتا ہے۔ فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (ترمذی) میرے بعد دو شخصوں کی پیروی کرنا۔ ابوبکرؓ کی اور پھر عمرؓ کی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۶۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی میراث علمی ہوتی ہے اور حضرت علیؓ بھی اس کے وارث ہیں۔ حضرت علیؓ کا صاف فرمانا کہ میں اپنے چچا کا وارث نہیں۔ حالانکہ وہ اقرب رشتہ ہے۔ اور چچا کے بیٹے کا وارث ہوں۔ اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے۔

الحاصل۔ دعوتِ ذوالعشیرہ کا یہ قصہ اگر ثابت ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ شیعہ حضرات وسعتِ ظرفی سے اس سے ثابت درج بالا ستہ امور پر بھی ایمان لائیں۔ سنی شیعہ نزاع ختم ہو جائیگا۔

معترض کا یہ کہنا۔ اگر دونوں بزرگ شامل نہ تھے تو یہ حضرات رسول اللہ کے قریبی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ روحِ اسلام سے ناواقفی اور جہالت پر مبنی ہے۔ اسلام میں قرابتِ نبوی فی نفسہا باعثِ فضیلت نہیں۔ بلکہ اتباعِ پیغمبرؐ کے ذریعے سے ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران)	بے شک سب لوگوں سے زیادہ حضرت ابراہیمؑ کے قریبی (اور سگے) وہ لوگ ہیں جو آپؑ کے پیروکار تھے۔ اور اب یہ نبی اور مومنین اصحاب

اللہ ایسے، مومنوں کا مددگار و سرپرست ہے۔

مشرکین قریش اور یہود و نصاریٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی نسل اور آل میں سے ہونے کی وجہ سے قرابت کا دعویٰ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا رد فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کے قریبی وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی اپنے اپنے وقت میں کی اور ہمارے پیغمبرؐ بھی متبع ہونے کی حیثیت سے آپؑ کے قریبی ہیں۔ اور اس پر ایمان لانے والے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، ابوذرؓ، عمارؓ بلالؓ، صہیبؓ، خبابؓ محض تتبع ہونے کی حیثیت سے قریبی ہیں۔ اور ابولہب، عتبہ، شیبہ، ابوجہل وغیرہ نافرمانی کی وجہ سے ابراہیمی نسل اور سادات میں سے ہونے کے باوجود ہرگز قریبی نہیں۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ایمان ساز ہے۔

ان ولی محمد من اطاع اللہ و رسولہ وان بعدت لحمتہ وان عدو محمد من عصی اللہ ورسولہ وان قربت قرابتہ۔

حضرت محمدؐ کے قریبی دوست وہ ہیں جو اللہ ورسولؐ کے فرمانبردار ہوں اگرچہ خونی رشتہ دور ہو۔ اور حضرت محمدؐ کے دشمن وہ ہیں جو اللہ ورسولؐ کے نافرمان ہوں اگرچہ رشتہ قریبی ہو۔

بلاشبہ حضرت علیؓ قریبی بھی ہیں اور مومن و متبع بھی۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ حسباً کچھ دور کے رشتہ دار سہی۔ مگر نسبتی رشتہ داری میں خسر ہونا بہ نسبت داماد ہونے کے زیادہ اعزاز رکھتا ہے کیونکہ خسر دینے والا اور خرچ کرنے والا ہے۔ داماد لینے والا اور اپنے اوپر خرچ کروانے والا ہے۔

اس سے قطع نظر اصولِ بالا کی رو سے حضرت علیؓ اور شیخینؓ کے ایمان۔ اتباع۔ ایتائے پیغمبرؐ۔ نشرِ اسلام۔ جانشینی میں امت کو افادہ وغیرہ امور میں موازنہ کیا جائے گا۔ جو ان امور میں بڑھے گا وہی آپ کا قریب ترین رشتہ دار سمجھا جائے گا۔

اہلِ سنت کی تحقیق و عقیدہ میں جب حضرات شیخینؓ امورِ مذکورہ میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر ہیں تو اصولِ بالا کی رو سے وہی سب سے افضل اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب ترین رشتہ دار سمجھے جائیں گے۔ اس مسئلہ کی وضاحت سوال نمبر ۴ میں اور کامل تفصیل سوال نمبر ۲۰ کے تحت ان شاء اللہ آئے گی۔

سوال نمبر ۴۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بقول اہلِ سنت تمام امتِ محمدیہ سے افضل ہیں تو بوقت مواخات یعنی جب رسولؐ اللہ نے مسلمانوں میں بھائی چارہ قائم فرمایا حضرت ابوبکرؓ کو کیوں اپنا بھائی نہ بنایا جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعوتِ ذوالعشیرہ اور مدینہ منورہ میں تشریف لانے پر فرمایا۔ یا علی انت اخی فی الدنیا والاخرۃ۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علیؓ بعد از رسولِ خدا تمام کائنات سے افضل و اکمل ہیں۔ انصاف مطلوب ہے۔

الجواب۔ دعوتِ ذوالعشیرہ کی حقیقت تو بیان ہو چکی ہے یہ دلیل بھی اسی جیسی ہے۔ اور تاریخی شہادت کا دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ حضرت علیؓ کے متعلق مواخات فی المدینہ کی روایات

مضطرب ہیں۔ بعض میں ہے کہ ہجرت الی المدینہ کے بعد مہاجرین کا معاشی مسئلہ حل کرنے کے لیے آپ نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے مابین بھائی چارہ قائم کرایا۔ حضرت علیؓ کا سہل بن حنیفؓ کے ساتھ بھائی چارہ کرایا۔ (الاصابہ لابن حجر ج ۲ ص ۸۷) غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت سہلؓ کے ساتھ آپؓ کے تعلقات اچھے رہے۔ اپنے عہدِ خلافت میں ان کو گورنر بھی بنایا ہے۔

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مسند احمد کی طرف نسبت کر کے شیعہ علامہ حلی نے منہاج الکرامہ میں بھی نقل کی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت امام احمدؒ نے ذکر نہیں کی بلکہ القطیعی کے اضافات میں سے ہے جو ساقط الاحتجاج ہیں۔ القطیعی نے زید بن ابی اوفیؓ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں جو روافض قصداً حذف کر دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے کیا ورثہ پاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا وہی ورثہ جو انبیاء سابقین دوسروں کو دیا کرتے تھے یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول۔" یہ روایت باتفاق محدثین جھوٹ ہے۔ بلکہ مواخات پر مشتمل تمام روایات جھوٹی ہیں۔ یہ مواخات آپؐ نے مہاجرین کے درمیان قائم نہیں کی تھی بلکہ مہاجرین و انصار کے درمیان قائم کی تھی۔ (المنتقیٰ من المنہاج ص ۴۶۸ اردو)

ماضی قریب کے مشہور سیرت نگار اور سنی شیعہ نزاع سے آزاد مولانا غلام رسول مہر مرحوم "رسولِ رحمت" ص ۲۳۸ پر رقمطراز ہیں۔

اجتماع اور مواخات مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو چکی تو حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا۔ اس اجتماع میں نوے یا ایک سو اصحاب موجود تھے جن میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تاخوافی اللہ اخوین اخوین۔ اللہ کی راہ میں دو دو آدمی بھائی بھائی بن جاؤ۔ (ابن ہشام القسم الاول ج اول ص ۵۰۵)

پوری فہرست اسماء کہیں سے نہ مل سکی جو نام مؤلف (رواتوں سے) معلوم ہو سکے وہ درج ذیل ہیں۔

مہاجرین	انصار	مہاجرین	انصار
ابوبکر صدیقؓ	خارجہ بن زید بن الحارثؓ	سعید بن زیدؓ	ابی بن کعبؓ
عمر فاروقؓ	عتبان بن مالکؓ	مصعبؓ بن عمیر	ابوایوبؓ
ابوعبیدہ بن الجراحؓ	سعدؓ بن معاذ	ابوحذیفہؓ عتبہ بن ربیعہ	عباد بن بشر
عبدالرحمنؓ بن عوف	سعدؓ بن الربیع	عمار بن یاسرؓ	حذیفہ بن الیمان العبسیؓ
زبیرؓ بن العوام	سلمہ بن سلام بن وقش	ابوذر الغفاریؓ	منذرؓ بن عمرو
طلحہ بن عبیداللہؓ	کعبؓ بن مالک	حاطبؓ بن ابی بلتعہ	عویمؓ بن ساعدہ
عثمانؓ بن عفان	انسؓ بن ثابت	سلمان فارسیؓ	ابوالدرداءؓ (عویمر بن ثعلبہ
بلالؓ	ابورویحہ (عبداللہ بن عبدالرحمن الخثعمی)		

بعض ناموں کے متعلق روایات میں اختلاف ہیں۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا ھذا اخی (یہ میرا بھائی ہے) حالانکہ اسے مواخات کا جز قرار نہیں دیا جا سکتا جس کا انتظام مدینہ میں ہوا تھا۔ پھر حمزہؓ اور زید بن حارثہؓ کی مواخات کا ذکر ہے۔ یہ مکی مواخات ہو تو ہو مدنی مواخات نہیں ہو سکتی جس میں ایک فریق مہاجر دوسرا فریق انصاری تھا۔ جعفرؓ بن ابی طالب اور معاذؓ بن جبل کے بھائی چارے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ حالانکہ مدنی مواخات کے وقت جعفرؓ بن ابی طالب حبش میں تھے۔ وہ چھ سات سال بعد مدینہ منورہ پہنچے اور خیبر میں حضور صلعم کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے (انتہی بلفظہ ص ۲۳۸، ۲۳۹)

ہم نے یہ تفصیل آپ کی معلومات میں اضافہ کے علاوہ اس لیے نقل کی ہے کہ شیعوں کا "تاریخی شہادت" کا کمزور سہارا سامنے آجائے۔ اس فہرست میں حضورؐ اور حضرت علیؓ کی مواخات کا ذکر نہیں ملتا۔ اگر ابن حجرؒ کا بیان علامہ کے سامنے ہوتا تو حضرت علیؓ و سہلؓ بن حنیف کا نام بھی ملتا۔ بہرحال یہ روایت صرف ابن اسحاق سے ہے جس پر کڑی جرح کتبِ رجال میں موجود ہے۔

بالفرض اگر یہ واقع ہو تو اس کی وجہ حضرت علیؓ کی تسکین و تسلی اور معاشی تکفل کا سامان ہے۔ کیونکہ یہاں حضرت علیؓ جیسے غیر شادی شدہ نادار درویش کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

سوا کوئی پشت پناہ نہ تھا۔ آپ کے بھائی عقیل اور طالب (بحالتِ کفر) مکہ میں تھے۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب حبشہ میں تھے۔ جیسے حضورؐ نے مکہ میں آپ کی معاشی ذمہ داری خود لے رکھی تھی یہاں نئے دلیس میں بھی آپ کی اشک شوئی اس کے بغیر ممکن نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ مواخات فرما چکے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی کے ساتھ نہ ملایا تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ شیعہ کا بیان ملاحظہ ہو۔ جو کشف الغمہ ج ۱ ص ۹۲ پر ہے "کہ جب سب مہاجرین و انصار کی آپؐ مواخات کر چکے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی کے ساتھ نہیں کی تو وہ حضورؐ پہ (العیاذ باللہ) غصے ہو کر کہیں چلے گئے۔ حضورؐ نے انہیں تلاش کر کے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا تو صرف مٹی والا (ابو تراب) بننے کے لائق ہے۔

اغضبت علی حین اٰخیت بین المھاجرین والانصار ولم اواخ بینک وبین احد منھم ..... انت اخی فی الدنیا والاٰخرۃ (بلفظہ)	کیا تو مجھ پہ ناراض ہو گیا جب میں نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات کی اور تجھے کسی کے ساتھ نہیں ملایا۔ تو میرا بھائی ہے دنیا میں اور آخرت میں۔

اخوتِ حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ و زید رضی اللہ عنہ بشرطِ صحت روایت یہ فی الجملہ فضیلت کی بات ہے۔ مگر کلی افضلیت کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی بروایتِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ یہی فرمایا ہے۔

لو کنت متخذا من امتی خلیلا لاتخذت ابا بکر ولکن اخی وصاحبی۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۱۶) وفی روایۃ لاتخذتہ خلیلا ولکن اخوۃ الاسلام افضل۔	اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یقیناً بناتا۔ لیکن وہ میرے بھائی اور دوست ہیں اور ایک روایت میں ہے میں ان کو خلیل بناتا لیکن اسلام کا بھائی ہونا بہت شان کی بات ہے۔

چونکہ مقام خلت "دل میں صرف ایک کے سمانے" کا نام ہے۔ وہ صرف خدا کی ذات تھی اس لیے اس کی نفی کر کے اخوت کا اثبات فرمایا۔ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے متعلق بھی آپؐ کا ارشاد ہے۔ انت اخونا و مولانا آپ ہمارے بھائی اور محبوب ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۲۸)

احادیثِ صحیحہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ میری خواہش ہے کہ میں اپنے بھائیوں

کو دیکھ لیتا (جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور بن دیکھے ایمان لائیں گے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (سب مومن بھائی بھائی ہیں)

مواخات کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بھائی چارہ قائم کرنے والوں میں تمام امور میں تماثل اور تشابہ پایا جاتا ہے۔ بھائیوں میں فرقِ مراتب اور اوصاف میں کمی بیشی مشاہدہ کی بات ہے۔ تو اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی فرمایا تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ آپ ہی سب سے افضل ہیں اور امامِ بلا فصل ہیں۔

اخوتِ نسبی مدارِ فضیلت نہیں

واضح رہے کہ اخوتِ نسبی ہی کو شیعہ حضرات مدارِ فضیلت کہتے ہیں۔ لیکن اخوتِ اسلامی اور صحبتِ پیغمبری اس سے کہیں افضل ہے کیونکہ وہ آخرت میں بھی بدستور رہو گی۔ ارشاد ہے۔

۱۔ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْنَ (حجر ۴۷)

اور ان کے دلوں میں جو کچھ کینہ ہوگا ہم اس کو نکال دیں گے۔ اور وہ تختوں پہ ایک دوسرے کے مقابل بھائی بھائی بن کر بیٹھے ہوں گے۔

۲۔ اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (زخرف ۶۷)

دوستی رکھنے والے اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ مگر متقی اس سے مستثنیٰ ہیں

(ترجمہ مقبول ص ۹۱)

معلوم ہوا کہ اسلامی برادری اتنی پختہ ہے کہ دنیا میں فی الجملہ کدورت کے بعد بھی محبت و الفت سے قائم و دائم ہوگی۔ اور متقین بدستور ایک دوسرے کے دوست رہیں گے مگر اخوتِ نسبی وہاں کام نہ دے گی۔

فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ (مومنون)

اس دن ان کے درمیان نہ رشتہ داری ہوگی نہ ایک دوسرے کا پوچھیں گے۔

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ (عبس)

اس دن آدمی اپنے بھائی۔ ماں باپ بیوی اور بیٹوں سے بھاگے گا۔

جب یہ اخوتِ اسلامی حضرت علی المرتضیٰؓ اور دیگر کئی صحابہ کرامؓ میں مشترک ہے تو

افضلیت پر استدلال درست نہیں ہے۔ اگر استدلال اخوت اسلامی و نسبی کے جامع ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو یہ اجتماع حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر رضؓ و عثمان رضؓ و زبیر رضؓ میں بھی ہے۔ بوجوہ ان میں شیخین رضؓ کی افضلیت سوال ۳ کے آخر میں پھر ملاحظہ فرمالیں۔

بالفرض اس وصفِ مشترک کو شیعہ اگر حضرت علی رضؓ کی افضلیت پر ہی دلیل بنائیں تو یہ جزوی فضیلت ہوگی۔ جیسے قرآنِ حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے "اُمَّۃً قَانِتًا لِلّٰہِ حَنِیفًا۔ (وہ بمنزلہ ایک امت کے خدا کے مطیع و موحد تھے) وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا (اور ہم نے ان کو دنیا میں چن لیا) ارشاد فرمائے ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کے لیے ایسے صریح الفاظ نہیں ملتے یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ فرمایا ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرہ کو احسن القصص فرمایا ہے۔ مگر حضور علیہ السلام کے متعلق ایسے الفاظ قرآن حکیم میں ہرگز نہیں ملتے۔ جیسے ان انبیاء علیہم السلام کو ان جزوی القاب و خصائص کے باوجود سید الرسل علیہ افضل الصلوات والتسلیم پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح حضرت علی رضؓ کو اخوتِ نسبی کی وجہ سے خلفاء ثلاثہ رضؓ پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ حضور کی افضلیت علی الانبیاء پر دلائلِ قاہرہ کی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی افضلیت پر بھی دلائلِ قاطعہ موجود ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے خصائص

۱۔ آپ رضؓ صاحبہ کے تاجدار ہیں قرآنِ حکیم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو صاحبِ پیغمبر فرمایا ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ ۶۶)

اگر تم رسول خدا کی مدد نہ کروگے تو (کچھ پروا نہیں) اللہ نے تو اس کی مدد ایسے وقت کی تھی جبکہ ان لوگوں نے جو کافر ہو گئے تھے اسے ایسی حالت میں نکالا تھا کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے اس وقت ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ افسوس نہ کر بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ (ترجمہ مقبول ص ۲۲۳)

اس آیت کریمہ میں حضرت ؐ کے ساتھ اللہ نے اس مدد کا ذکر کیا ہے جو صرف حضرت ابوبکرؓ کے ذریعہ فرمائی۔ یعنی اس انتہائی مشکل اور خطرناک مرحلہ میں آپ ؐ کے معاون و مددگار ساتھی حضرت ابوبکرؓ ہی تھے اس آلہ نصرت بننے کے لیے سب صحابہؓ سے اللہ نے آپؓ کو چنا۔ اور صاحبہ (پیغمبر ؐ کا ساتھی) فرماکر گویا ناصر النبی ؐ فرمایا۔ نیز ثانی اثنین فرماکر یہ بتلایا کہ وہ دونوں ایسے جڑواں اور مساوی در مزاج و مصائب ہیں کہ ہر ایک کو ثانی اثنین دو میں کا دوسرا اور ایک دوسرے کی صورت و یادگار کہا جائے گا۔ اگر پیغمبر ؐ اول ہیں تو صدیقؓ ثانی ہیں۔ اور خلافت بلافصل کا فیصلہ علیم و حکیم نے اسی لفظ میں فرما دیا۔ اگر اس سفر میں محافظ و باڈی گارڈ کی حیثیت سے صدیقؓ اول و آگے ہیں تو سرورِ کائنات ثانی اثنین اور عقب میں محفوظ چلے آرہے ہیں یہ دونوں وہ لقب ہیں جو صدیق اکبرؓ سے ہی مخصوص ہیں۔ کوئی صحابی ان سے مشرف نہیں کیا جا سکتا۔ مقام نصرت و مشکلات میں صاحب پیغمبر ؐ ہونا بہت بڑا مخصوص اعزاز ہے جسے عام مسافروں کے ساتھیوں پر قیاس کرنا اور مدارِ فضیلت نہ ماننا قرآن حکیم کی روح و اسلوب پہ ظلم ہے جو ملحدین کا شیوہ ہے۔ لاتحزن (تو میرا غم نہ کر) میں یہ بھی بتلادیا کہ صدیق اکبرؓ کو دین و دنیا کی سب سے قیمتی متاع سید الرسل ؐ کی سلامتی کا اس مشکل ترین گھڑی میں فکر تھا۔ کیونکہ حزن کا معنیٰ دوسرے کے لیے غم کھانا ہے جیسے لف و نشر مرتب کے طور پر حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے۔

لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ۔ — اے لوط! نہ خوف کر نہ غم بے شک ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو نجات دیں گے۔

روافض کا اسے غم پیغمبر ؐ سے اپنی ذات کے لیے ڈر میں تبدیل کرنا، لغت و قرآن کی بدترین تحریف ہے۔ اگر اپنی ذات کا ڈر ہوتا تو اس خطرناک مرحلے میں ساتھ کیوں ہوتے مدت سے اس سفر کی تیاری میں کیوں رہتے۔ جب یہ بزدلی اور اپنی جان کا ڈر نہیں۔ بلکہ محبوب پیغمبر ؐ کے عشق میں ڈُنیائے غم و اندوہ کا غوطہ تھا تو یہ محبت کی اور ایمان کی زبردست دلیل ہوئی۔ بالفرض اگر یہ غم، غمِ جاناں نہ ہوتا اور لاتحزن کا شیریں بول عاشقِ صادق کے گوشِ ایمان میں نہ ڈالا جاتا تو دنیا کو عشقِ صدیقؓ پر شبہ ہوتا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

"یہ تین راتیں حضرت ابوبکرؓ نے کہ شمعِ نبوت کے پروانے تھے جس عالم میں بسر کی ہونگی ان کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے عشق و محبت کا کچھ بھی ذائقہ چکھا ہو۔ اللہ کا رسولؐ غار میں پوشیدہ تھا۔ دشمن سراغ میں تھے۔ ہر لمحہ اندیشہ تھا کہ کہیں سراغ نہ پالیں اور ایک مرتبہ ان کی صدائیں بھی کانوں میں آنے لگی تھیں۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ان کے دل کے حزن و اضطراب کا کیا عالم ہوگا۔ بلا شبہ انہیں یقین تھا کہ اللہ اپنے رسولؐ کا مددگار ہے لیکن عشق و محبت کا قدرتی تقاضہ ہے کہ محبوب کو خطرے میں دیکھ کر اضطراب ہو اس سے وہ اپنے دل کو روک نہیں سکتے تھے۔ اگر روک سکتے تو محبت کی عدالت کا فیصلہ ان کے خلاف ہوتا (رسول رحمت ص ۱۸۶)

لیکن پیغمبرِ اسلام کے سکونِ قلب کا عالم دوسرا تھا۔ وہ بھی غمناک ہوتے تو تسلی کون دیتا۔ اگر کیفیتِ قلبی دونوں کی یکساں ہوتی تو "نبوت" اور "صدیقیت" میں فرق کیا رہ جاتا۔ شکل اور آئینہ میں اصل اور ظل میں کچھ فرق تو ہونا چاہیے۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (بلا شبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا۔ کیونکہ اس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے مومن اکمل ہونے پہ مہر لگادی۔ کیونکہ اللہ کی معیت منافقوں۔ ظالموں۔ ریاکاروں اور نافرمانوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ مومنوں۔ پرہیزگاروں محسنوں۔ نیکوکاروں اور صابروں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ جیسے دسیوں ارشاداتِ ربانی ہیں۔

وَاَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ (انفال) — بلا شبہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (نحل) — اللہ متقی اور نیکوکاروں کے ساتھ ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (بقرہ) — اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ (پس اللہ نے اس پر اپنی رحمت و تسلی نازل فرمائی) یہ جملہ بھی کچھ مفسرین کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ کی منقبت میں ہے۔ کیونکہ حزن کے دفاع میں آپ ہی کو سکون و تسلی کی حاجت تھی۔

علی ابی بکر. ابن العربی قال علماءنا — یعنی ابوبکرؓ پر رحمت نازل فرمائی۔ یہ ابن

هو الاقوی لانہ خاف علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من القوم فانزل اللہ سکینتہ علیہ بتامین النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسکن جاشہ وذھب روعہ وحصل الامن (قرطبی ج ۸ ص ۱۴۸)

عربی نے کہا ہے۔ ہمارے علماء کہتے ہیں یہی قوی تر تفسیر ہے کیونکہ وہی مشرکین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نقصان کا اندیشہ کر رہے تھے۔ پس اللہ نے آپ پر تسلی نازل کی کہ حضور علیہ السلام محفوظ رہیں گے تو آپ کا اندیشہ ختم گیا۔ فکر دور ہو گیا اور امن حاصل ہو گیا۔

رہا یہ شبہ کہ آگے پیچھے کی ضمیریں پیغمبرؐ کی طرف راجع ہیں اس کو صاحبہ کی طرف لوٹانا انتشار ضمائر ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے مندرجہ ذیل آیت اس کی نظیر ہے۔

لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (فتح ۱۲)

ہم نے پیغمبر نذیر و بشیر بھیجا تا کہ تم اللہ و رسول پر ایمان لاؤ۔ پیغمبرؐ کی خدمت کرو۔ اس کی عزت کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح و شام

پہلی دو ضمیریں رسولؐ کی طرف راجع ہیں تیسری اللہ کی طرف کیونکہ اسی کی تسبیح کا ذکر بار بار قرآن میں آیا ہے۔

واقعہ ہجرت کتب شیعہ میں

قصہ ہجرت اور واقعہ غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی معیت و رفاقت مقبول پر تمام امت کا اتفاق و اجماع ہے۔ کوئی متعصب بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مندرجہ ذیل شیعہ علماء نے انتہائی دشمنی اور تعصب کے باوجود حضرت صدیق اکبرؓ کے یارِ غار ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

ملا کاشی در تفسیر صافی ص ۱۹۳۔ ملا باقر علی مجلسی حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۱۔ کشف الغمہ ج ا ص ۱۰۹-۲۳۷-۲۰۲۔ تفسیر حسن عسکری ص ۲۱۳۔ مرزا باذل ایرانی غزواتِ حیدری ص ۶۵۔ تفسیر منہج الصادقین ص ۲۱۱-۲۷۱۔ مقبول دہلوی ضمیمہ مقبول ص ۲۹۔ تفسیر قمی ص ۲۷۶ اور ۲۹۰ جہاں حضورؐ نے آپ کو انت الصدیق بھی فرمایا ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین ج ا ص ۲۱۔ حملہ حیدری ص ۶۵۔

نزولِ آیتِ بالا سے قبل بھی حضرت ابوبکرؓ کا صاحب النبیؐ ہونا اس قدر زبان زدِ خلائق تھا کہ کفار بھی آپ کو اسی لفظ سے یاد کرتے تھے۔ ملا باقر علی مجلسی نے بروایت شیخ طبرسی ابن شہر آشوب وغیرہ سب مفسرین عامہ وخاصہ سے نقل کیا ہے کہ ایک کافر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکڑنے کے لیے (حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر آیا۔ اسماءؓ دختر ابوبکرؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ نے وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ (جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور کافروں کے درمیان پردہ ڈال دیتے ہیں۔) آیت تلاوت فرمائی۔ جب وہ قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکا اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ میں نے سنا ہے صاحب تو تیرے ساتھی نے میرا گلہ کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا پروردگارِ کعبہ کی قسم تجھے برا نہیں کہا ہے۔

(حیات القلوب ج ۲ ص ۲۶۶)

معلوم ہوا کہ مطلقاً کفار کی نظر میں بھی حضورؐ صاحبِ صدیقؓ اور صدیقؓ صاحبِ رسولؐ تھے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ مکی زندگی کی تبلیغی جاں فشانیوں میں حضرت ابوبکرؓ ہی رفیقِ خاص تھے۔ ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔

"کہ ایک مرتبہ ام جمیل زوجہ ابولہب حضورؐ کے تعاقب میں نکلی جب مسجدِ حرام میں داخل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کی خدمت میں تھے۔ بولے آپ اوجھل ہو جائیں کہیں یہ بکواس نہ کرے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے نہ دیکھ سکے گی۔ جب قریب آئی تو آپ کو نہ دیکھ سکی۔ ابوبکرؓ سے پوچھا کیا تو نے محمدؐ کو دیکھا۔ آپ نے کہا (ابھی) نہیں۔ پھر وہ واپس ہو گئی۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۳۔ نیز مجلسی باب ۵۲ میں لکھتے ہیں۔

"کہ متواتر معجزات میں سے جن کو سنی وشیعہ نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ کفارِ قریش سے تنگ آکر حضورؐ نے مدینہ کا رُخ کیا راستہ میں ام معبد کے خیمہ میں پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ عامرؓ بن فہیرہ اور عبداللہ بن ارلیقط بھی آپؐ کی خدمت میں تھے۔ آپؐ نے خشک تھنوں والی بکری کا دودھ اتنا دوہا کہ سب نے سیر ہو کر پیا (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۹)

ایک مرتبہ حضورؐ کو اونٹ نے سجدہ کیا۔ حضرت عمرؓ ساتھ تھے۔ عرض کیا ہم آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا بلکہ خدا کو سجدہ کرو۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۵)

راوندی و ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ ایک انصاری کے باغ میں چند بکریوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیا ہم بھی آپ کو سجدہ کریں۔ فرمایا غیر خدا کو سجدہ روا نہیں ہے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۶)

گو ان واقعات میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر طعن بھی کیا گیا ہے مگر اس سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ آپ کے ہمدم ساتھی اور رفیق خاص تھے اور حضورؐ کی ذات بھی غیر خدا تھی۔ آپ خدا کا عکس یا اوتار نہ تھے تاکہ عیسائیوں کی طرح آپ کو اوصاف خداوندی کا مظہر قرار دیا جائے۔ اور شیخینؓ کو حضور علیہ السلام سے کمال عشق و عقیدت تھی۔

مکی تبلیغی زندگی میں بارہا ایسا ہوا کہ کفار حضور علیہ السلام پر حملہ کرتے تو ابوبکر صدیقؓ مدافعت کرتے۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط کو حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے دھکیل کر فرمایا۔ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ۔ کیا تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۳۳ بخاری ج ۱ ص ۵۲)

اسی مدافعت میں ایک مرتبہ آپ اتنے شدید زخمی ہوئے کہ بیہوش ہو گئے جب ہوش آئی تو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خیر و عافیت پوچھی (کتب تاریخ)

الغرض ایسے واقعات حد و حساب سے باہر ہیں جن میں خلفاء ثلاثہ خصوصاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مکی زندگی میں معیت نبوی اور نصرت دینی اظہر من الشمس ہے ان کا کفار کے ہاں معذب اور مظلوم فی سبیل اللہ ہونا تاریخی حقیقت ہے۔ مثلاً کشف الغمہ ص ۲۱۵ ملاحظہ ہو اس کے برعکس سیدنا علی المرتضیٰؓ کے مدنی زندگی میں مجاہدانہ کارناموں کے باوجود مکی زندگی میں ایسی قربانیاں کم ہیں، حتیٰ کہ ملا باقر علی جیسے متعصب شیعہ مؤرخ بھی حیات القلوب و جلاء العیون میں حضورؐ کی معیت میں کفار کے ہاتھوں ستم رسیدگی یا مدافعت عن الرسول کا ایک واقعہ بھی ذکر نہ کر سکے۔ گویا جو مقام حضرت علی المرتضیٰؓ نے مدینہ میں حاصل کیا وہ شیخین مکی زندگی میں قبل از ہجرت حاصل کر چکے تھے۔

۲۔ آپؓ صدیقین کے سردار ہیں

افضلیت کی دوسری وجہ آپ کا صدیق ہونا ہے۔ گو اور صحابہ کرامؓ بھی مرتبہ صدیقیت پر فائز ہیں۔

جیسے ارشادِ ربانی ہے۔ اُولٰئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ (حدید ع۲)
کہ یہی لوگ صدیق ہیں اور شہید ہیں اپنے رب کے ہاں۔ مگر بطورِ لقب حضرت ابوبکر صدیق رض کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ اس لقب سے تمام صحابہ رض کرام میں ممتاز اور پکارے جاتے ہیں۔

۱۔ صاحب رجال کشی شیعہ نے حضرت بریدہ اسلمی رض سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رض آئے تو آپ سے حاضرین صحابہ رض نے کہا۔ آپ صدیق اور ثانی اثنین ہیں آپ ان تین آدمیوں کے متعلق پوچھیں کہ وہ کون ہیں (مگر آپ نے نہ پوچھا۔ پھر حضرت عمر رض آگئے تو ان سے حاضرین نے کہا آپ فاروق ہیں۔ فرشتہ آپ کی زبان پر بولتا ہے آپ ان تین آدمیوں کے متعلق حضورؐ سے پوچھیں کہ وہ کون ہیں۔ (مگر آپ نے نہ پوچھا) پھر حضرت علی رض آئے تو حاضرین نے کہا اے ابوالحسن آپ پوچھیں۔ تو حضرت علی رض نے فرمایا۔ میں پوچھوں گا اگر ان میں ہوا تو بھی خدا کا شکر ادا کروں گا اگر نہ ہوا تو بھی۔ وہ تین شخص حضرت مقداد رض، سلمان رض اور ابو ذر رض تھے) اس روایت میں گو شیخین رض پر افترا بھی کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس اندیشے سے نہ پوچھا کہ اگر ان تینوں میں ان کا نام نہ ہوا تو ان کی قوم انہیں عار دلائے گی اور یہ افترا کرنا ہی تھا ورنہ اتنی اہم فضیلت والی روایت کتب شیعہ میں کیسے آسکتی تھی۔ مگر اس سے روزِ روشن کی طرح یہ تو واضح ہوگیا کہ دربارِ نبویؐ میں بھی حضرت ابوبکر رض و عمر رض۔ صدیق ثانی اثنین۔ اور فاروق ناطق بالملک کے لقب سے مشہور اور پکارے جاتے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رض کو صرف ابوالحسن کہا جاتا تھا۔

۲۔ اور یہ لقب آپ کو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیا تھا۔ شیعہ تفسیر قمی مطبوعہ نجف اشرف ص۲۹۰ میں ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ ثور میں تھے تو ابوبکر رض نے فرمایا۔ میں بطورِ مکاشفہ حضرت جعفر طیار رض اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر رض نے عرض کی مجھے بھی دکھا دیجیے۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو انہوں نے بھی دیکھ لیا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ انت الصدیق رض۔ تم صدیق رض ہو۔

۳۔ شیعہ کے پانچویں امام ابوجعفر الباقر رح نے بھی آپ رض کو صدیق فرمایا ہے۔ آپ سے

سوال کیا گیا۔ کیا تلوار کا دستہ چاندی کا لگوانا جائز ہے؟ فرمایا ہاں جائز ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوایا تھا۔ اس پہ راوی نے کہا آپ اسے صدیق کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں صدیق رضؓ ہے۔ صدیقؓ ہے۔ صدیقؓ ہے ومن لم یقل له صدیق فلا صدق الله قوله۔ جو شخص آپ کو صدیق نہ کہے خدا اس کی بات سچی نہ کرے۔ الکشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ج ا ص ۲۲ (بحوالہ اہلسنت پاکٹ بک ص ۳۰۵)

گو شیعہ مؤلف نے ابن جوزی کے حوالے سے اسے نقل کیا ہے مگر اس پر تنقید نہیں کی۔ نہ غلط بتایا۔ معلوم ہوا کہ ان کے ہاں بھی صحیح روایت ہے۔ احتجاج طبرسی میں بروایت امیر المؤمنین یہ حدیث ہے کہ ہم (ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ) حضورؐ کے ساتھ پہاڑ حرا پر تھے۔ وہ کانپنے لگا تو حضورؐ نے فرمایا۔ تھم جا۔ تجھ پر نبیؐ۔ صدیقؓ اور شہیدؓ موجود ہیں۔ (بحوالہ آفتاب ہدایت)

جب ان ناقابل تردید دلائل سے آپ کا علی الخصوص صدیق ہونا طشت ازبام ہو گیا تو اس امت میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ ہی افضل ہیں کیونکہ نبیوں کے بعد صدیقوں ہی کا رتبہ ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (نساء ۹۲)

(جو خدا اور رسولؐ کی تابعداری کریں) وہ ان لوگوں کے ساتھ اٹھیں گے جن پر خدا نے انعام فرمایا ہے (وہ بالترتیب یہ چار گروہ ہیں) انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء۔ صالحین۔ ان کی رفاقت کیا ہی خوب ہے۔

۳۔ آپؓ مصدقین کے امام ہیں۔

افضلیت صدیق پر تیسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (الزمر پ ۲۴ ع ۱۶)

وہ پیغمبرؐ جو سچ لے کر آیا اور وہ شخص جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

شیعہ تفسیر مجمع البیان طبرسی پ ۲۴ میں ہے۔

قیل والذی جاء بالصدق رسول الله وصدق به ابوبکر۔

کہا گیا ہے کہ سچائی لانے والے سے مراد حضرت رسولؐ ہیں اور تصدیق کرنے والے

سے مراد ابوبکر رضؓ ہیں۔

گو اہلِ تشیع اپنی اس تفسیر سے چیں بجبیں ہوں مگر اہلِ سنت کے لیے تو بہرحال قابلِ استدلال اور نورِ چشم ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب شانِ نزول حضرت ابوبکر رضؓ کے حق میں ہے تو قرآنِ پاک بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے کہ مومنِ اول اور اسبق الاسلام خدیجۃ الکبریٰ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضؓ ہیں۔ اور اب تو یہ قدیم سنی شیعہ نزاع خود شیعہ نے یوں ختم کر دیا کہ خاص و عام کہتے ہیں "علی رضؓ کو پہلا مسلمان کیوں کہا جاتا ہے۔ کیا وہ پہلے کافر تھے۔ ہم ان کو ازلی پیدائشی مسلمان سمجھتے ہیں۔" تو اب صدیق اکبر رضؓ بلا نزاع و معارضہ مسلم اول ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ سب سے پہلے آپؐ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کر کے آپؐ کی عملی اتباع کی۔ کچھ شیعہ وصدق بہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضؓ مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ ان کے اصول کے مطابق غلط ہے۔ اولاً اگلے لفظ "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" جماعت مصدقین کا تقاضہ کرتے ہیں۔ علمِ نحو کی رو سے جمع سالم معرف باللام کا عدد کم از کم ۱۰ سے شروع ہوتا ہے۔ شیعہ کے نزدیک حضرت علی رضؓ کے ہم خیال اور مومن مصدق تا زیست نبوی بھی معاً دس عدد نہیں ہوئے۔ چہ جائیکہ آغازِ اسلام میں ان کے ہاں اس وقت صرف حضرت علی رضؓ۔ عمار یاسر رضؓ مومن تھے۔ جمع کا مفہوم ان سے پورا نہیں ہوتا۔ اہلِ سنت کے ہاں ان حضرات سمیت اور بھی دسیوں صحابہ کرامؓ مشرف باسلام ہو چکے تھے جن میں حضرت عثمان رضؓ۔ زبیر۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ طلحہ۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی کوشش سے مسلمان ہوئے۔ اسی طرح حضرت ابو عبیدہ بن الجراح۔ ابو سلمہ عثمان بن مظعون۔ عامر بن فہیرہ۔ سعید بن زید۔ ارقم بن ارقم۔ عمار۔ یاسر۔ ام الفضل اہلیہ عباس۔ اسماء بنت ابی بکر۔ اسماء بنت عمیس۔ فاطمہ بنت خطاب (خواہر عمر رضؓ) رضی اللہ عنہم۔ سابقین اولین اور درخشندہ ستارے ہیں۔ کسی گھاٹی میں جاکر نماز پڑھتے تھے۔ (کذا فی رحمۃ للعالمین ج ا ص ۵۵)

ثانیاً اگلی متصل آیت لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا (تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی سب سے بڑی غلطی معاف کر دے) سے ان مصدقین کے گناہوں کے کفارہ کا بیان ہے۔ یہ تو حسب اہلِ سنت ہیں درست ہے۔ لیکن شیعہ کے یہاں حضرت علی رضؓ بیدائشی معصوم ہیں لہذا

اس آیت کا مصداق اصولِ شیعہ کے مطابق ہرگز نہیں بن سکتے۔

۴۔ آپ رضی اللہ عنہ مہاجرین میں اعلیٰ ہیں

افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ پر چوتھی دلیل یہ آیت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ (الانفال ۱-۶)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی اور جہاد کیے اور جنہوں نے جگہ دی اور نصرت کی برحق مومن وہی ہیں بخشش اور عزت کی روزی انہی کے لیے ہے۔ (ترجمہ مقبول)

اس آیت کی رو سے مہاجرین و انصار قطعی مومن اور جنتی ہیں شیعہ مفسر صاحب مجمع البیان اور تفسیر صافی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

لانهم حققوا ایمانهم بالهجرة والنصرة والانسلاخ من الاهل و المال۔

کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کو ہجرت، نصرتِ دین اور گھر بار سے علیحدگی اختیار کرکے سچ کر دکھایا ہے۔

اور یہ بلاشبہ یقینی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو ہجرت مع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کرکے وہ اعلیٰ شرف پایا کہ جن و بشر اس پر رشک کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ مشہور ہے۔ میں صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات اور دن کے بدلے میں سب عمر کے اعمال صالحہ دینے کو تیار ہوں۔ ہجرت کی رات اور مرتدین سے جہاد کا دن۔ اور بروایت حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (جزوی ہجرت) کا شرف پایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے براہِ راست تنہا حضور صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کی نصرت فرمائی۔ اور اس نصرت کو اللہ نے اپنی نصرت سے تعبیر فرمایا۔ لہٰذا وہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

۵۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ الاتقیٰ ہیں

پانچویں دلیل سورت والیل کی یہ آیتِ کریمہ ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ

اور عنقریب اس سے وہ سب سے بڑا پرہیزگار بچا لیا جائے گا۔ جو مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے

الْاَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی (پ ۳۰) اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے بلکہ وہ اپنے عالیشان پروردگار کی رضا چاہتا ہے۔ اور آگے چل کر وہ ضرور اس سے راضی ہو جائے گا۔ (ترجمہ مقبول)

اہل سنت کی معتبر تفسیریں مثلاً ابو سعود۔ روح المعانی۔ تفسیر کبیر۔ بیضاوی۔ ابن کثیر مدارک وغیرہ تو اس آیت کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں عبارت النص کے طور پر بتا ہی رہی ہیں لیکن اہل تشیع کی معتبر و مہذب تفسیر مجمع طبرسی میں بھی ہے۔

ان الاٰیۃ نزلت فی ابی بکر لانہ اشتری ممالیک الذین اسلموا مثل بلال و عامر بن فہیرۃ و غیرھما واعتقھم (بحوالہ اہل سنت پاکٹ بک ص ۳۰۱)

بلاشبہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شان میں اتری۔ کیونکہ آپ ہی نے ان غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جو مسلمان ہوئے۔ جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

شیعہ کے خاتم المحدثین مجلسی نے بھی لکھا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دو غلاموں کے بدلے خریدا (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۲۳)

یہاں اسم تفضیل کا صیغہ الاتقیٰ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں استعمال فرمایا ہے اور سب سے بڑا پرہیزگار ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ کہ اللہ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ شان والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہو گا (حجرات ۲۶)

نیز سورت نور کی آیت کریمہ وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ (کہ تم میں سے جو شان والے اور مالدار ہیں وہ (ایک صدمہ کی وجہ سے) اپنے قریبی رشتہ داروں کو مالی امداد نہ دینے کی قسم نہ کھائیں۔ بھی بالاتفاق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق اتری ہے۔ تفسیر مجمع البیان ج ۳ میں اس کا شان نزول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتایا ہے۔ تو ان آیات کریمہ کی رو سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل اور بڑی شان والے ٹھہرے۔

۶- آپ بحکم نبوی امام نماز ہیں

افضلیت کی چھٹی دلیل آپ کا امام نماز بر مصلے نبوی ہونا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو سب امت سے افضل تسلیم کر کے اپنے مصلی پر نماز کے لیے کھڑا کیا۔ اگر حضرت علی رضؓ یا کوئی اور صحابی افضل ہوتے تو ان کو امام بنایا جاتا۔ اور حضرت ابوبکر رضؓ کو امام بنا کر آپ سب امت کو بقول شیعہ اشتباہ و گمراہی میں نہ ڈالتے۔ کیونکہ منجملہ اور دلائل جلی و خفی نصوص کے سب صحابہ کرام رضؓ نے اسی سنت کی اقتداء میں امامت کبری (خلافت) کے لیے حضرت ابوبکر رضؓ کی بیعت کی تھی اور سب امت نے آپ کو افضل تسلیم کیا۔ ثبوتِ امامت پر دلائل ملاحظہ ہوں۔

ا- سنی و شیعہ کی مشترک و قدیم تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۶ پر حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے ۔۔۔۔ کہ حضورؐ نے فرمایا۔ نماز کا وقت ہو چکا ہے ابوبکر رضؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے مشورہ دیا کہ ابوبکر رضؓ نرم دل ہیں۔ عمر رضؓ سے آپ کہیں حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں ابوبکر رضؓ سے کہو۔ حضرت عمر رضؓ نے بھی کہا کہ ابوبکر رضؓ کے ہوتے ہوئے میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پھر حضرت ابوبکر رضؓ نماز پڑھانے لگے۔ حضورؐ نے کچھ افاقہ محسوس کیا تو مسجد میں چلے گئے۔ جب ابوبکر رضؓ نے آپؐ کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھینچ کر پہلی جگہ کھڑا کر دیا۔ پھر آپ ایک طرف بیٹھ گئے اور وہاں سے قرأت شروع کر دی جہاں ابوبکر رضؓ نے چھوڑی تھی۔ دوسری روایت میں حضرت ابوبکر رضؓ کو حکم نبوی دینے کے علاوہ یہ تصریح بھی ہے کہ انہوں نے حیاتِ رسولؐ میں ۷ نمازیں لوگوں کو پڑھائیں۔

(طبری ج ۳ ص ۱۹۷)

شیعہ کی معتمد مخصوص تاریخ ناسخ التواریخ ج ا ص ۵۵۱ کتاب دوم پر ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ابوبکر رضؓ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ اسی طرح نہج البلاغہ کی معتبر شرح درہ نجفیہ ص ۲۲۵ پر ہے۔

کان عند خفة مرضه يصلى بالناس بنفسه فلما اشتد به المرض	معمولی بیماری میں تو آپ خود نماز پڑھاتے تھے۔ جب مرض میں اضافہ ہو گیا تو حضرت

امر ابا بکر ان یصلی بالناس وان ابا بکر صلی بالناس بعد ذٰلک یومین ثم مات

ابوبکرؓ نے اس کے بعد دو دن تک نمازیں پڑھائیں۔ پھر حضورؐ نے رحلت فرمائی۔

اور یہ مسئلہ تو سنی و شیعہ میں مسلم ہے کہ افضل کو امام بنایا جاتا ہے۔ من لایحضرہ الفقیہ باب الامامۃ میں ایسی کئی احادیث ہیں۔ مثلاً

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ قوم کا امام ان میں سے افضل ہوتا ہے۔ تو تم اپنے افضل کو امام بناؤ۔ صہ ۱۰۳۔

۲۔ نیز فرمایا۔ اگر تمہیں یہ پسند ہو کر اپنی نمازیں ستھری پڑھو تو اپنے بہترین لوگوں کو پیش امام بناؤ۔ نیز حضورؐ نے فرمایا جس نے کسی قوم کو نماز پڑھائی اور ان میں اس سے زیادہ عالم بھی تھا تو ان کا معاملہ قیامت تک نقصان میں رہے گا۔ صہ ۱۰۳۔

۷۔ حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کے مقتدی تھے

حضرت علیؓ بھی بحکم نبوی امامتِ ابوبکرؓ کو بسر و چشم قبول کر کے آپ کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے۔ شیعہ کی معتبر کتاب تفسیر قمی اور احتجاج طبرسی صہ ۶۰ پر ہے۔

ثم قام وتھیأ للصلوٰۃ وحضر المسجد وصلی خلف ابی بکر

پھر آپ اٹھے۔ نماز کی تیاری کی اور مسجد میں آ کر حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔

شیعہ مجتہد محمد باقر اصفہانی نے مشہور کتاب مرأۃ العقول صہ ۳۸۸ پر بعینہٖ یہ عبارت نقل کر کے حضرت علیؓ کے ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھنے کا اعتراف کیا ہے۔

شیعہ مترجم مولوی مقبول نے بھی ضمیمہ صہ ۱۵ پر لکھا ہے۔ پھر وہ (حضرت علی المرتضیٰؓ) اٹھے اور نماز کے قصد سے وضو فرما کر مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکرؓ کے پیچھے نماز میں کھڑے ہو گئے۔

شیعہ کی اردو کتاب غزوات حیدری صہ ۶۲۷ پر حضرت صدیق اکبرؓ کے متعلق لکھا ہے۔

"پس بے اختیار اٹھے اور گزرنے وقت سے بہت گھبرائے۔ ناچار آن کر اقامت کہی اور جماعت اہل دین نے عقب ان کے صف باندھی۔ چنانچہ اس صف میں شاہ لافتیٰ

بھی تھے۔ (بحوالہ رسالہ شانِ صدیق اکبرؓ صہ ۱۲ از علامہ تونسوی)

حضرت ابوبکرؓ کی امامتِ نماز ایسی تاریخی حقیقت ہے کہ غالی کینہ ور شیعہ ملا باقر علی مجلسی بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔ "و دراں وقت ابوبکرؓ درجائے آنحضرت ایستادہ بود۔ (حیات القلوب ج ۲ صہ ۵۹۶) کہ نماز کے وقت ابوبکرؓ حضورؐ کی جگہ (نماز پڑھا رہے تھے۔ مگر یہ کہہ کر بھی دروغ گوئی کی حد کر دی کہ ابوبکرؓ از خود مصلی پر چڑھ گئے تھے۔ اور کسی لوگوں نے اقتداء نہیں کی تھی۔" بھلا بغیر اجازت حضرت ابوبکرؓ مصلی نبوی پر کھڑے ہونے کی جرأت کیسے کر سکتے تھے۔ جبکہ آج بھی معمولی سے امام و خطیب کے مصلی و منبر پر کوئی نہیں چڑھ سکتا اور نہ نمازی مانع ہوتے ہیں۔ اگر بالفرض ایسا ہوتا تو لوگوں کی مخالفت سے مسجدِ نبوی میں کہرام مچ جاتا۔ حضرت ابوبکرؓ موردِ عتاب ہوتے اور یہ تواتراً منقول ہوتا مگر شیعہ کی اتنی کذب بیانی سے ہمیں ذرا تعجب نہیں کیونکہ تقیہ کی آڑ میں ۹/۱۰ حصے حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنا ہی ان کا عین مذہب و ایمان ہے اور بقاء شیعہ کا راز اسی میں مضمر ہے۔

۸۔ افضلیتِ صدیقؓ پر تمام امت کا اتفاق ہے

ساتویں وجہ افضلیت یہ ہے کہ آپ پر تمام امت کا اجماع ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی) ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (یہی برحق مومن ہیں) ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (یہی سچے ہیں) ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ (یہی سیدھی راہ پر ہیں) کے منجانب اللہ تمغے حاصل کرنے والے صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق آپ کو خلیفہ تسلیم کیا اور بیعت برضا و رغبت کی۔

۱۔ حضرت اسامہؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کیا آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ فرمایا ہاں۔ اور یہ بیعت خلافت تھی۔ (احتجاج طبرسی صہ ۵۶)۔

۲۔ نیز احتجاجِ طبرسی صہ ۵۶ پر بھی ہے۔

ثم قام فتناول ید ابی بکر فبایعہ — پھر حضرت علیؓ اٹھے اور ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر اس پر بیعت کی۔

۳۔ حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ کی بیعت کر لی اور لوگوں کو بیعت سے نہ روکا تا کہ لوگ

مرتد نہ ہوجائیں (کافی کتاب الروضہ ص ۱۳۹)

۴۔ یہی وہ تین حضرات ہیں (مقداد۔ ابوذر۔ سلمان فارسیؓ) جو حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے انکاری رہے۔ حتیٰ کہ حضرت امیر المومنین علیؓ آگئے تو انہوں نے بیعت کی (پھر ان تینوں نے بیعت کر لی) (کافی روضہ ص ۲۴۶)

۵۔ حضرت علیؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو حکم دیا کہ بیعت ابوبکرؓ کریں۔

وبیعت کن باابوبکر پس سلمان بیعت کرد۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۷۶)	آپ ابوبکرؓ کی بیعت کریں۔ پس سلمانؓ (فارسی) نے بیعت کی۔

۶۔ شیعہ کا دعویٰ ہے کہ سب امت نے تو برضا و رغبت حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی مگر حضرت علیؓ اور ان تین چار حضرات نے تقیہ کر کے بادلِ نخواستہ بیعت کی۔ جیسے طبرسی کہتے ہیں۔

ما من الامة احد بايع مكرها غير علي واربعتنا فانه بايع مكرها حيث لم يجد اعوانا (احتجاج طبرسی ص ۴۸)	کہ امتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس نے مجبوراً حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی ہو بجز حضرت علیؓ اور ہمارے چار ساتھیوں کے

آپ نے مجبوراً اس لیے کی کہ اپنے مددگار کوئی نہ پائے۔

ان چار حضرات پر تقیہ کا بہتان غلط ہے۔ کیونکہ انہوں نے صرف حضرت علیؓ کے حکم و عمل تک توقف کیا۔ جب آپ نے کر لی تو انہوں نے برضا اتباع مرتضوی میں کر لی۔ (روضہ کافی ص ۲۴۶) حضرت سلمانؓ نے بامرِ مرتضوی کی۔ رہا حضرت علیؓ کا تقیہ تو شیر خدا پر اس سے بڑا بہتان اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ ظاہر میں کچھ ہوں اور باطن میں کچھ اور۔ کیونکہ یہی منافقت ہے۔ کیا شیعہ نے حضرت علیؓ کا سینہ چیر کر دیکھا تھا یا کسی لعد کی آسمانی وحی نے ان کو بتایا؟ الغرض بیعت علوی اور تمام مسلمانوں کا اتفاق بر صدیقؓ ثابت ہو گیا۔ اور حضرت علیؓ و ابوبکرؓ کے مرتبہ کا موازنہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ ایک طرف سب امت اور تمام مہاجرین و انصار ہیں۔ دوسری طرف بقول شیعہ صرف چار حضرات ہیں۔

۷۔ نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین ج ۲ ص ۵۶۶ میں روضۃ الصفا کے حوالے

سے تمام مہاجرین و انصار کے اتفاق کا ذکر ہے۔

۸۔ جمیع مسلمانان با ابوبکر بیعت کردند و اظہار رضا و خوشنودی باو و سکون و اطمینان بسوئے او نمودند۔ گفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ است و خارج است از اسلام۔ (بحار الاسلام) (مترجمہ شریف مرتضیٰ بحوالہ اہلِ سنت پاکٹ بک ص ۳۱۳)

تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی۔ اور آپ سے رضا و خوشنودی کا برملا اظہار کیا اور آپ کے سکون و اطمینان سے تابعدار ہوئے اور فیصلہ کیا کہ آپ کا مخالف بدعتی ہے۔ اور اسلام سے خارج ہے۔

نوٹ۔ جن لوگوں نے یہ افسانہ تراشا ہے کہ آپ سے جبراً بیعت لی گئی اگر آپ کے ساتھی ہوتے تو ابوبکرؓ کو خلیفہ نہ ہونے دیتے۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ شیعہ خود بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ والدِ معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا خلافت قریش کے کمزور خاندان میں کیسے چلی گئی اگر چاہو تو میں تمہارے لیے ابوبکرؓ کے خلاف سوار اور پیادوں کا لشکر بھر دوں۔ آپ نے اسے فرمایا تم کب سے اسلام کے دوست بنے ہو (کہ افتراق کی ترغیب دیتے ہو) ہم اگر حضرت ابوبکرؓ کو اس کام کا اہل نہ دیکھتے تو اسے کبھی خلیفہ نہ بناتے۔ بلکہ اہلِ بیت کے سرخیل زید بن علی بن حسینؓ اپنے آباء و اجداد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ آیا کوئی اس بیعت کو مکروہ سمجھنے والا ہو تو میں اسے واپس کر دوں۔ تین مرتبہ اسی طرح کیا اور ہر مرتبہ حضرت علیؓ کھڑے ہو کر یہ کہتے خدا کی قسم نہ ہم اس بیعت کو واپس کریں گے نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس بیعت کو واپس کریں۔ وہ کون ہے جو آپ کو ہٹا سکے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مقدم کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۱ ابونعیم وغیرہ)

۹۔ عہدِ نبویؐ ہی میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سب سے افضل سمجھے جاتے تھے

گو سب صحابہ کرام رضؓ کے دلوں میں حضرت ابوبکرؓ کا معزز ترین ہونا معلوم ہو چکا ہے مگر اتمامِ حجت کے طور پر یہ بتلانا مقصود ہے کہ عہدِ نبویؐ ہی میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو یہ مقام حاصل تھا۔ اہلِ سنت والجماعت

کی صحاح کی یہ حدیث مشہور ہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ کے برابر پھر عمرؓ کے پھر عثمانؓ کے برابر کسی صحابی کو نہ جانتے تھے (بخاری ج ۱ ص ۵۲۳)

ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور بروایت طبرانی آپ کے سامنے ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ کے بعد اس امت کے سب سے افضل فرد حضرت ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ ہیں اور پھر عثمانؓ ہیں اور حضورؐ سن کر رد نہیں فرماتے تھے (فتح الباری) خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی ترتیب سے ان کا مرتبہ جانتے اور بلاتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ و فاطمہؓ کی شادی کے موقعہ پہ حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ طلحہ۔ زبیر رضی اللہ عنہم کو اسی ترتیب سے بلایا۔ (کشف الغمہ و جلاء العیون کتب شیعہ قصہ تزویج)

شیعہ حضرات نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے یوں مسخ کر کے پیش کیا ہے۔

۱۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ یہ جماعت صحابہؓ کے نامور قبیلوں اور ان کے اشراف و بزرگوں کی تھی اور اس جماعت میں سے کوئی ایک نہ تھا مگر بہت بڑی خلقت اس (ابوبکرؓ) کے تابع تھی اور اس کی فرمانبرداری کرتی تھی اور ان کے (العیاذ باللہ) خبیث دلوں کی گہرائیوں میں ان کی عمرؓ کی محبت جمی ہوئی تھی۔ جیسے بنی اسرائیل کے دل میں بچھڑے اور سامری کی محبت رچی ہوئی تھی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶۱)

۲۔ حضورؐ نے غائبانہ ایک شخص کے امیر بنانے کا تذکرہ فرمایا۔ صحابہؓ میں سے ایک نے کہا وہ ابوبکرؓ ہیں۔ فرمایا نہ۔ اس نے کہا کیا عمرؓ ہیں؟ فرمایا نہ۔ عرض کیا کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ جو جوتا مرمت کر رہا ہے۔ وہ حضرت علیؓ تھے۔ (حیات القلوب ص ۳۴۳ کشف الغمہ ص ۲۸۱) صحابہؓ کے ذہن میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی سلطنت واضح ہے۔

۳۔ حضرت مقداد کی طرف منسوب ہے۔ مجھے اس پر غم ہے کہ قریش نے اہل بیت کی وجہ سے سب لوگوں پر عزت پائی۔ پھر سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ خلافت اس کے ہاتھ سے لے لیں۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۲۶)

۴۔ اور وہ دو شخص (ابوبکرؓ و عمرؓ) جو قریش کے بت تھے اور وہ ان کو امیر المومنین

اور تمام صحابہ کرام رضؓ پر افضلیت دیتے تھے اور ان کا نام برائی سے لینے میں تقیہ کرتے تھے۔

(حیات القلوب ج۲ ص ۳۷۸)

۵۔ شیعہ پر اس اعتراض کے جواب میں ۔۔ کہ اگر شیعہ مذہب حق تھا تو امام اول حضرت علی رضؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس کو کیوں ظاہر نہ کیا۔ شیعہ کے علامہ نور اللہ شوستری مجالس المومنین ص ۵ پر لکھتے ہیں۔

"دیگر بات یہ ہے کہ حضرت امیر رضؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں دیکھا کہ رعایا کی اکثریت (بلکہ تمام م) حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کی حسنِ سیرت کے معتقد ہیں اور ان کو برحق جانتے ہیں۔ تو اس پر قدرت نہ پائی کہ ایسا کام کریں جس سے ان کی خلافت میں خرابی لازم آئے۔۔۔۔۔۔ اور قدرت کیسے رکھتے جبکہ اس زمانہ کی اکثریت (بلکہ سب م) کا اعتقاد یہ تھا کہ حضرت امیر رضؓ کی امامت خلفاءِ ثلاثہ رضؓ کی امامت پر مبنی ہے اور ان کی امامت کے فساد سے حضرت علی رضؓ کی امامت فاسد ہوگی۔ اور مشہور ہے کہ حضرت امیر رضؓ نے لوگوں کو نمازِ تراویح سے جو بدعت عمری ہے (معاذ اللہ) منع کیا۔ سب لوگ چیخ اٹھے اور آوازیں بلند کیں کہ واہ عمراہ۔ حتیٰ کہ حضرت نے مصلحتِ وقت کے لیے ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت امیر رضؓ کی خلافت برائے نام سے زیادہ نہ تھی۔" انتھیٰ بلفظہٖ

"شیرِ خدا کے شیعہ مذہب ظاہر نہ کرنے" کا یہی جواب۔ دلدار علی نے اساس میں، مولوی حامد حسین نے استقصاء میں، حتیٰ کہ زمانہ حال کے مؤلف "تجلیات صداقت" محمد حسین ڈھکو وغیرہ نے دیا ہے اور دیتے آئے ہیں جس کی سخافت ظاہر ہے۔

الغرض حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کی محبت کو لوگوں کے دلوں سے کجا بلکہ اپنے دل سے بھی شیرِ خدا جیسی طاقت نہ مٹا سکی۔ کیونکہ آپ سے خود علی الاعلان ان کی تعریفیں نہج البلاغہ میں مسطور ہیں۔ بلکہ ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ میں ہے کہ حضرت علی رضؓ سے ۸۰ سندوں کے ساتھ بر سرِ منبر یہ مقولہ مروی ہے۔

خیر ھٰذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر ثم عثمان	پیغمبر صلعم کے بعد اس امت کے سب سے افضل حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ و عثمان رضؓ ہیں۔

شرم وحیا جیسے انسانی جوہر سے محروم باقر علی مجلسی جیسے متعصب اس حقیقت کو بے شک قریش کے بتوں، یا بنی اسرائیل کے بچھڑے اور سامری سے تعبیر کریں، مگر یہ تو بتائیں کہ پیغمبر سرورِ کائنات نے ان بتوں کو کیوں گلے لگایا۔ عمر بھر دربار میں اور پھر روضۂ اقدس و برزخ میں کیوں کر رفاقت بخشی اور حشر کا اعزاز کس لیے بخشا۔ کیوں ان کی خلافت کی بشارت سنائی۔

ان ابا بکر یلی الخلافۃ بعدی	ابوبکر رضہ میرے بعد متصل خلیفہ ہوں گے اس
ثم بعدہ ابوك فقالت من انباك	کے بعد تیرے والد (عمر رضہ) ہوں گے۔ حضرت آپ
هذا قال نبانی العلیم الخبیر۔	کو کس نے بتایا۔ فرمایا مجھے علیم و خبیر نے خبر

دی ہے۔ (تفسیر قمی ص ۳۵۴ مجمع البیان ج ۵ ص ۳۱۴ تفسیر صافی ص ۵۲۳ حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۰ باضافہ لفظِ جور)

(مجلسی جیسوں کے جور کے اضافے ہم پر حجت نہیں اگر وہ یہ پیوند نہ لگائیں تو کتب شیعہ میں یہ بشارت کیسے راہ پائے؟)

سوال یہ ہے کہ حضورؐ نے ان بتوں کو توڑا کیوں نہیں۔ اس سامری اور بچھڑے کو ریزہ ریزہ کیوں نہ کیا۔ کیا حضرت موسیٰؑ کے عہد کا سامری اور بچھڑا ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کا خلیفہ بنا رہا؟ اور کیا حضورؐ نے سنتِ موسوی کو ترک کر کے اپنے مشن کو نقصان نہیں پہنچایا؟ ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست ع۔ شرم شرم۔

حالانکہ آپ کے امام پنجم حضرت باقرؒ نے فیصلہ فرما دیا ہے۔

لست بمنکر فضل ابی بکر و	میں نہ حضرت ابوبکر رضہ کی شان کا منکر ہوں۔
لست بمنکر فضل عمر و لکن ابابکر	نہ حضرت عمر رضہ کی شان کا۔ لیکن اعتقاد یہ
افضل (احتجاج طبرسی ص ۲۴ بحوالہ آفتاب ہدایت)	ہے کہ حضرت ابوبکر رضہ سب سے افضل ہیں۔

ازالۃ الخفاء کے حوالے سے حضرت علی رضہ سے تفضیلِ شیخین رضہ کا جو مشہور جملہ ہم نے نقل کیا ہے، کئی سندیں راقم کی نظر سے مسند احمد مرویات علی رضہ میں سے گزریں۔ مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۶ پر چند سندوں میں سے ایک کا نمونہ یہ ہے۔

آپ نے اپنے ساتھی ابو جحیفہ سے فرمایا کیا میں تم کو اس امت کے سب سے افضل بعد از پیغمبرؐ حضرات نہ بتاؤں؟ اس نے کہا بتایئے۔ آپ نے فرمایا۔ میرے اعتقاد میں ان سے افضل اور کوئی نہیں ہے۔ نبیؐ کے بعد اس امت میں سے سب سے افضل حضرت ابو بکرؓ ہیں۔ ابو بکرؓ کے بعد عمرؓ ان کے بعد ایک اور تیسرے (عثمانؓ) ہیں جن کا نام نہ لیا۔ نیز نہج البلاغہ کی مصدق وہ کئی روایات بھی ہیں۔ جن میں شیخینؓ کی خلافت کی تصدیق ہے۔ مثلاً دو ملاحظہ ہوں۔

ا۔ حضرت علیؓ نے جنگِ جمل کے دن فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے متعلق کوئی صریح چیز نہ دی تھی۔ جسے ہم لیتے۔ ہاں یہ چیز ہمارے اپنے مشورے سے ہوئی۔ پھر حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بنے اللہ کی آپ پر رحمت ہو تو آپ نے دین قائم کیا اور خود بھی دین پر جمے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ اللہ کی ان پر رحمت ہو تو دین قائم کیا اور مستقیم رہے حتیٰ کہ دینِ اسلام نے اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیا (مضبوطی سے قائم ہو گیا) مسندِ احمد ج ا ص ۱۱۴۔

دوسری روایت میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ خلیفہ ہو کر حضورؐ کے عمل اور سیرت پر چلے اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہو کر حضرت ابو بکرؓ کے عمل اور سیرت پر چلے حتیٰ کہ اللہ نے ان کو وفات دے دی (مسندِ احمد ج ا ص ۱۲۸)

صدیقِ اکبرؓ کی فضیلت میں قلم کو یہاں بریک لگا کر مختصراً شیعہ دوست کے اس کفریہ جملہ پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ وہ کہ حضرت علیؓ بعد از رسولؐ تمام کائنات سے افضل و اکمل ہیں۔"

انبیاء علیہم السلام سب کائنات سے افضل ہیں

واضح رہے کہ یہ صرف غالی شیعہ کا اپنا کفریہ عقیدہ ہے جو مفوضہ کی ایجاد ہے اور ان کے خاتم المحدثین مجلسی نے تو اور ہی کمال کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

اکثر علماء شیعہ را اعتقاد آنست کہ حضرت امیر و سائر آئمہ افضل اند از سائر پیغمبراں و احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ از آئمہ خود دریں باب روایت کردہ اند (حیات القلوب ج ۳ ص ۵۲۶)	اکثر علماءِ شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امیر اور باقی سارے آئمہ باقی سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور احادیثِ مشہورہ بلکہ متواترہ اس باب میں اپنے پیشواؤں سے نقل کی ہے۔

مگر کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہو سکتا اور نہ قرآن و سنت اور احادیث اس کی اجازت دیتی ہیں۔ قرآنِ پاک میں ایک رکوع میں ۱۸ انبیاء علیہم السلام کا اجمالی تذکرہ کر کے اللہ پاک فرماتے ہیں۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (الانعام) اور (ہم نے) ہر ایک کو تمام عالموں پر فضیلت دی (ترجمہ مقبول)

آگے فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ..... اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام ۶-۱۰) وہ وہی ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی۔ وہ وہی تو ہیں جن کو اللہ نے راستہ دکھلایا ہے پس اے رسولؐ تم ان ہی کے راستے پر چلو (ترجمہ مقبول)

جن نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر فضیلت بخشیں اور کتاب، حکومت اور پیغمبری عطا فرمائیں اور بواسطہ پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی ان کی پیروی کا حکم دیں، کتنے ظلم اور افسوس کی بات ہے کہ امتِ محمدیہؐ کے ۱۲ حضرات (شیعی ائمہ) انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ کریں۔ حالانکہ وہ خود انبیاء کے مقتدی اور پیروکار ہیں۔ ان کی وراثتِ علمی سے خوشہ چینی کرنے والے ہیں۔ ان پہ نہ کتاب اتری۔ نہ ان کو شریعتِ اسلامیہ نافذ کرنے کی حکومت ملی۔ نہ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ پھر افضلیت کیسی؟ یہ دعویٰ تو چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد کا مصداق ہے۔

اگر اپنی مخصوص موضوع روایت کے پیشِ نظر شیعہ کا یہ اعتقاد ہو کہ ان پر بھی کتاب اتری (۱۲ صحائف ۱۲ آئمہ کے لیے دی) یہ بھی انبیاءؑ کے مماثل و ہمسر معصوم۔ واجب الاتباع اور احکام شرع کے حلال و حرام بنانے میں خود مختار ہیں اور امت کے لیے براہِ راست مقتدا اور پیشوا ہیں (جیسے کہ کافی سے تفصیل سوال نمبر ۲ کے تحت آئے گی) تو پھر کھل کر ان کو پیغمبر کہہ دیں اور ختمِ نبوت کا انکار کر کے ایک الگ امت کہلائیں اور مسلمانوں کا پیچھا چھوڑیں۔ سنی شیعہ نزاع ختم کرنے کا یہی نسخہ اکسیر ہے (دیدہ باید)

شیعی احادیث میں بھی انبیاءؑ افضل ہیں | آئمہ کی انبیاء علیہم السلام پر افضلیت کا

عقیدہ شیعہ احادیث کے بھی خلاف ہے۔ اصول کافی باب الفرق بین الرسول والنبی والمحدث (امام) میں رسول اور نبی کی تعریف کے بعد امام کی تعریف میں امام باقرؒ کا یہ ارشاد منقول ہے "کہ امام وہ ہوتا ہے جو نیند میں فرشتہ کی آواز سنتا ہے مگر (نبی اور رسول کی طرح) فرشتہ کو دیکھ نہیں سکتا۔

۲۔ پیغمبر نبوت اور علم امامت۔ دو چیزوں کا حامل ہوتا ہے۔ مگر امام کو صرف علم امامت ملتا ہے (کافی ج ۱ ص ۱۷۶)

۳۔ امام جعفرؒ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ آزمائش انبیاءؑ کو آتی ہے پھر ان کے بعد والوں کو۔ پھر ان کے بعد والوں کو۔ (کافی ج ۱ ص ۲۵۱)

۴۔ سب لوگوں سے زیادہ ابتلاء انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے پھر اوصیاء کو پھر ان کے بعد والوں کو درجہ بدرجہ ہوتا ہے (کافی ج ۱ ص ۲۵۱)

جب ابتلاء درجہ بندی کے تحت ہوتا ہے تو سب سے زیادہ ابتلاء والے اولاً مذکور انبیاء علیہم السلام تمام اوصیاء سے افضل ٹھہرے اور یہ بالکل واضح ہے۔

عقلاً بھی یہ عقیدہ لغو ہے۔ کیونکہ شاگرد اساتذہ کی صف میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ نہ تابع متبوع سے بڑھ سکتا ہے۔ ہائی کلاسز کے درجہ اول کے طلباء خواہ وہ مانیٹر ہی کیوں نہ ہوں ادنیٰ کلاسوں کے معلمین کے برابر علم یا رتبہ میں نہیں ہو سکتے۔ چہ جائیکہ ان سے افضل مانے جائیں۔ اس سے بعض شیعوں کے اس ڈھکوسلے کا جواب بھی ہو چکا جو کہتے ہیں "کہ جب حضورؐ کی نبوت ہمہ گیر اور وسیع ہے تو آپ کے ماتحت راہبروں کا مرتبہ بھی سابقہ انبیاء سے بڑا ہونا چاہیے"۔ کیونکہ کسی بڑی ترقی یافتہ مملکت کا ملازم۔ درجہ اول ہی کا کیوں نہ ہو۔ ملازم ہی ہے۔ وہ اصولاً کسی صورت میں کسی چھوٹی حکومت کے سربراہ اور صدر کا اعزاز کبھی نہیں پا سکتا۔

سوال ۵۔ اہل سنت کی حدیث کی کتابوں میں حضرت ابوہریرہؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ وغیرہم سے کثرت سے احادیث پیغمبرؐ مروی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ حضرت امام حسن مجتبیٰ اور حضرت امام حسین علیہم السلام دیگر بزرگوں

سے علم میں کم تھے یا انہیں آنحضرتؐ کے پاس رہنے کا ابوہریرہؓ وغیرہ سے کم موقعہ ملا تھا۔ اس سوال کا جواب تلاش کرتے وقت حدیثِ نبوی۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا و اعلم امتی بعدی علی بن ابی طالب زیرِ نظر رہے۔

الجواب۔ اللہ تعالیٰ خالقِ کارخانہ گوناگوں نے فطری اصول کے مطابق ہر ایک صحابیؓ کو ایک دوسرے سے مختلف اور متنوع قسم کی خوبیوں سے نوازا تھا۔ خدا پنج انگشت یکساں نکرد۔ ہر فرد اور شخصیت کو ایک ہی پیمانہ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ کسی کو عمر کم ملی کسی کو زیادہ۔ کسی کو وعظ و پند کی مجالس زیادہ نصیب ہوئیں کسی کو کم۔ کسی کو سیاست سے لگاؤ رہا کسی کو تعلیم و تعلم سے۔ کسی کو ہونہار اور لائق شاگرد اور پاکیزہ ماحول میسر آیا اور ان کے علمی حلقے اور درسگاہیں مشہور ہوئیں اور کچھ اپنے حاسدوں کے ہاتھوں ہی اذیت ناک چرکے سہہ سہہ کر اپنے مولا سے جا ملے۔ ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل او را در دلش انداختند

بلاشبہ مذکورہ بالا تینوں حضرات اہلِ سنت کے ان مکثرین صحابہ میں سے ہیں جن کے نام مع مرویات یہ ہیں۔

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ المتوفی ۵۸ھ ۵۳۷۴۔ ۲۔ خادمِ رسول انس بن مالکؓ المتوفی ۹۳ھ ۲۲۸۶۔ ۳۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ المتوفاۃ ۵۸ھ ۲۲۱۰۔ ۴۔ عبداللہ بن عباسؓ المتوفی ۶۸ھ ۱۶۶۰۔ ۵۔ عبداللہ بن عمرؓ المتوفی ۷۳ھ ۱۶۳۰۔ ۶۔ جابر بن عبداللہؓ المتوفی ۷۴ھ ۱۵۴۰۔ ۷۔ ابوسعید خدریؓ المتوفی ۷۴ھ ۱۱۷۰۔

ان حضرات سے اہلِ بیت کے تقابل کی کیا ضرورت ہے۔ خلفاءِ راشدینؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسیاں بھی اس جماعت میں نہیں حالانکہ وہ سب صحابہ کرامؓ سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

طبقاتِ ابنِ سعد ج ۲ ص ۲۸۹ اردو میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر اصحاب آپ سے حدیث بیان کرنے میں بہ نسبت اوروں کے بہت کم رہے ہیں۔ مثلاً ابوبکرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، ابوعبیدہؓ بن الجراح، سعیدؓ بن زید بن عمرو، ابیؓ بن کعب، سعدؓ بن عبادہ (وغیرہم) ان لوگوں سے کثیر احادیث نہیں

آئیں جیسے نوجوان اصحاب مثلاً جابرؓ - ابوسعیدؓ - ابوہریرہؓ کے ہم پلہ لوگوں سے یہ سب کے سب فقہائے اصحابِ رسول اللہ میں شمار کیے جاتے تھے - رسول اللہ کے ایسے بہت سے (اکابر) اصحاب آپ کی وفات سے قبل اور بعد آپ کا علم لے گئے - ان سے کچھ (زیادہ) منقول نہیں اور بوجہ کثرت اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی حاجت نہ ہوئی"۔

دراصل کثرتِ روایت کا مدار علوِ مرتبت نہیں بلکہ دیگر وجوہ ہیں کہ ان حضرات نے روایتِ حدیث اور تعلیم و تعلّم کو ہی نصب العین بنایا - پھر عمریں بھی زیادہ پائیں اور ہزاروں ہونہار شاگرد نصیب ہوئے۔

نیز روایت و تحدیث کی عہدِ نبوی میں تو خاص حاجت نہ تھی - بعد میں جوں جوں تمدنی و معاشرتی مسائل کثرتِ فتوحات سے پیدا ہوتے گئے علمِ حدیث و فتویٰ کی روایت روز افزوں بڑھتی گئی - زیادہ عمر پانے والے صحابہؓ کو علم پھیلانے کا زیادہ موقع ملا - یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہمارے اعتقاد میں سب سے بڑے عالم تھے - بخاری شریف ج ۱ ص ۵۱۶ پر صحابہ کرامؓ کا بیان ہے وکان ابوبکر اعلمنا - مگر حضورؐ کے بعد کمی عمر - دو سال ۳ ماہ ۱۰ دن - اور امورِ خلافت میں مشغولیت کی وجہ سے احادیث کم مروی ہیں - حضرت عمرؓ اور علی المرتضیٰؓ سے بالترتیب ۵۳۹ - ۵۸۶ احادیث اور حضرت عثمانؓ سے ان سے کم مروی ہیں - مگر ان کی علمیت کے پیشِ نظر یہ بہت کم ہیں - وجہ وہی ہے کہ دیگر مکثرین کی نسبت عمریں کم اور اہم علمی و سیاسی کاموں میں مصروفیت زیادہ تھی۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ نے حضورؐ کے بعد صرف چھ ماہ خانہ مرتضوی کو روشن کیا۔ کم گوئی اور شرمیلاپن اس پر اضافہ ہے - بقول شیعہ یہ چھ ماہ کا عرصہ خلافت اور باغِ فدک چھین جانے کے غم میں گزرا - روایت کسے سناتیں - حضرت حسنینؓ گو بڑی محترم ہستیاں ہیں اور عمریں بھی لمبی پائیں لیکن والد ماجد کے مقابلے میں علمی مزاج بہت کم رکھتے تھے - سیاسیات میں زیادہ مشغول رہے - تحدیث و افتاء کے حلقے اور مدارس قائم نہیں کیے - بقول شیعہ سبطِ اکبرؓ کی عمر کا اکثر حصہ شادیوں میں مصروف رہا - کل شادیوں کے متعلق مجلسی نے لکھا ہے قرب اسناد میں معتبر سند کے ساتھ حضرت امام محمد باقرؒ سے روایت ہے اور ابن آشوب نے روایت کی ہے

کہ امام حسنؓ نے ۲۵۰ اور ایک روایت کے مطابق ۳۰۰ عورتوں سے نکاح کیا حتیٰ کہ امیرالمومنین نے منبر پر فرمایا کہ حسنؓ بہت طلاق دیتے ہیں اپنی لڑکیاں اس کو نہ دیا کرو۔ مگر لوگ کہتے کہ اگر وہ ایک رات بھی ہماری لڑکی سے شادی کرے (پھر طلاق دے دے) تو ہمارے شرف کے لیے کافی ہے (جلاء العیون ص۲۷۶)

سبط اصغر رضی اللہ عنہ کم گوئی، عزلت پسندی اور خاموش تقویٰ میں اپنی والدہ ماجدہ (صلوات اللہ علیہما) کی طرح اپنی مثال آپ تھے۔ لہٰذا ان سے بھی شرف تلمذ اور تحدیث کا لوگوں کو کم موقع ملا۔ یہ وجہ قلت ان کی عظمت و شہرت کی وجہ سے ہے ورنہ فی نفسہ ان سے بلسیلوں احادیث مروی ہیں کہ شیعہ نے اتنی روایت نہیں کیں۔ چونکہ وہ عہد نبوی میں بہت صغیر السن تھے صحبت کا موقعہ کم پایا تو اکثر احادیث حضورؐ کے بجائے صحابہؓ سے روایت کی ہیں۔

کثیر الروایۃ حضرات سے کثرت کی وجہ

حضرت ابوہریرہؓ ۷ھ میں مسلمان ہوئے گو صحبت نبوی ۵ سال سے بھی کم پائی مگر وہ عاقل بالغ اور طلب علم میں شب و روز مصروف اور سفر و حضر میں حضورؐ کے ملازم خاص رہتے تھے۔ خود اسی اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں۔

”کہ ہمارے مہاجر بھائی تجارت میں اور انصاری بھائی کھیتی باڑی میں مشغول رہتے تھے۔ اور ابوہریرہؓ حضورؐ کے ساتھ چمٹے رہتے تھے۔ صرف روٹی آپ سے مل جاتی تھی اور ان اوقات میں حاضر ہوتے تھے جن میں دوسرے نہ ہوتے اور وہ کچھ ابوہریرہؓ یاد رکھتے جو دوسرے یاد نہ کر سکتے۔“ (صحیحین)

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! میں بہت حدیثیں سن کر آپ سے بھول جاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا چادر پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دی آپؐ نے چلو بھر کر کچھ ڈالنے کا اشارہ کیا پھر فرمایا اپنے ساتھ ملاؤ۔ میں نے وہ چادر سینے سے لگائی۔ پھر اس کے بعد میں کچھ بھی (سنکر) نہ بھولا (بخاری ج ا ص۲۲ کتاب العلم) ایک حدیث میں آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو حریص علی سوال الحدیث بتایا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ۹ سال ہدایت کے آفتاب عالمتاب کے پہلو میں گزارے۔ آپ کے متعلق ارشاد ہے۔

فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی الطعام (بخاری ج ۱ ص ۵۳۲) حضرت عائشہ رضؓ کی فضیلت سب عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (گوشت اور روٹی کا آمیختہ) کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

کثرت علم کی طرف اشارہ ہے۔ نیز آپؐ کا ارشاد ہے۔

خذ وا ربع العلم من ھذہ الحمیراء سیدہ عائشہ رضؓ سے چوتھائی علم حاصل کرو۔ (بحوالہ اہل سنت پاکٹ بک ص ۳۳۹)

حضرت عائشہ رضؓ کا ذہن، حافظہ ضرب المثل تھا علم سے دلچسپی اور فراغت اس پر مستزاد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کے متعلق حضورؐ نے دعا فرمائی تھی۔

اللھم علمہ الکتٰب والحکمۃ (بخاری ج ۱ ص ۵۳۱) اے اللہ! ان کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ بلا کا ذہن و حافظہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علمی پہیلی پوچھی۔ کوئی جواب نہ دے سکا۔ ان کو سوجھ گیا تھا اس وقت ادباً نہ بولے۔ بعد میں اظہار کیا (بخاری ج ۱ ص ۱۴) اور آپؐ نے ان کو مرد صالح فرمایا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضؓ خادم خاص اور بیت نبوی کے ایک فرد تھے دس سال حضورؐ کی اندر باہر، سفر و حضر میں خدمت کی۔ ۱۰ سال کی عمر میں ماں نے حضورؐ کے سپرد کر دیا تھا۔ انتہائی ذہین اور علم دوست تھے۔ آپؐ نے ان کو دعا دی تھی اے اللہ اس کے مال، اولاد زیادہ کر اور جو کچھ (علم وغیرہ اوصاف) اس کو دیا ہے اس میں برکت عطا فرما (مشکوٰۃ ص ۵۷۵) حضرت جابر رضؓ بن عبداللہ کے لیے آپؐ نے ۲۵ مرتبہ استغفار کی (ترمذی)

تو روایت علم و احادیث میں ان بزرگوں کی خصوصیت اور کثرت ایسی دعاؤں ہی کا نتیجہ ہے۔ جیسے حضرت علی رضؓ کو آپؐ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو انہوں نے قضا نہ جاننے کا عذر کیا۔ تو آپؐ نے دعا فرمائی۔ "فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی دو آدمیوں میں فیصلہ کے متعلق مجھے جھجک نہیں ہوئی۔" (کتب احادیث)

الغرض تکثیر یا تقلیل روایات کی وجوہات ہر بزرگ کی اپنی دلچسپی۔ ماحول اور مخصوص حالات

پر منحصر ہیں۔ مگر یہ خیال کرنا قطعاً غلط ہے کہ مسلمانوں کو اہلِ بیتؓ سے نفرت تھی اور دوسروں سے محبت اس لیے ان سے کم اور دوسروں سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ ہاں ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب امت کا باغی فرقہ قاتلانِ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کا تقرب حاصل کر کے غلو کرنے لگا۔ جیسے وہ شیعہ علیؓ کہلا کر حضرت علیؓ کی مسلسل نافرمانی سے آپ کو تکلیف اور حکومت کو نقصان پہنچا رہا تھا حتیٰ کہ نصف دنیا کی یہ حکومت عہدِ مرتضوی کے آخر میں صرف حجاز و کوفہ تک محدود رہ گئی اور حضرت علیؓ ان سے جان چھڑانے کی آرزو کرتے تھے (جلاء العیون) اسی طرح وہ تقیہ کی آڑ میں آپ پر جھوٹی روایات کا طوفان عرصہ تک برپا کرتا رہا۔ حضرت علیؓ کے مخلص اور سچے ساتھی کم ہوتے گئے۔ اور اقصیٰ امت سے دین روایت کرنے میں نہایت احتیاط کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ محدثین نے کڑی شرائط سے مرویاتِ علوی کو جمع کیا۔ اسی سلسلے میں حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں۔

قاتل الله الشيعة قد اكثروا الكذب على علي واي علم افسدوا۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۱)	اللہ شیعہ رافضہ کو برباد کرے۔ حضرت علیؓ پر خوب جھوٹ باندھا۔ اور کتنے بڑے علم کو ضائع کر دیا۔

مسندِ حضرت علیؓ سے اہلِ سنت نے بکثرت احادیث روایت کیں۔ مسندِ احمد میں ان کی تعداد ۸۱۰ بتائی ہے۔ تہذیب التہذیب آپ کے ترجمہ میں سے آپ کے شیوخ اور تلامذہ کی فہرست پیشِ خدمت ہے۔

حضرت علیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت ابو بکر۔ عمر۔ مقداد بن اسود اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ سے آپ کی اولاد میں سے حسنؓ حسینؓ محمد اکبر (ابن حنفیہ) عمر۔ فاطمہ۔ محمد بن عمر اور زین العابدین نے مرسلاً روایت کی ہے۔ باندی ام موسیٰ۔ عبد اللہ بن جعفر۔ ابن جعدہ (بھانجا) عبید اللہ بن ابی رافع نے روایت کی ہے اور صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعود۔ براء بن عازب۔ ابو ہریرہ۔ ابو سعید خدری۔ بشر بن سحیم انصاری۔ زید بن ارقم۔ عمرو بن حریث۔ نزال بن سبرہ ہلالی۔ جابر بن سمرہ۔ جابر بن عبد اللہ۔ ابو جحیفہ۔ ابو امامہ۔ ابو لیلیٰ الانصاری۔ ابو موسیٰ۔ مسعود بن الحکم۔ ابو الطفیل۔ عامر بن واثلہ رضی اللہ

عنہم نے روایت کی ہے۔

اور تابعین میں سے زربن حبیش۔ زید بن وہب۔ ابوالاسود الدؤلی۔ حارث بن سوید تیمی۔ حارث بن عبداللہ اعور۔ حرملہ مولیٰ اسامہ بن زید۔ ربعی بن حراش۔ شریح بن ہانی۔ شریح النعمان۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ مروان بن الحکم اور بہت سی مخلوقات نے روایت کی ہے۔

شیعہ نے علم کیوں نہ روایت کیا

سنی اصول پر تحقیقی جواب کے بعد اب میں شیعہ حضرات کو چیلنج دے کر پوچھتا ہوں کہ آپ کی کتب اصول اربعہ میں براہِ راست (بواسطہ علیؓ یا حضرت ابوذرؓ و سلمانؓ و مقدادؓ) سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کتنی احادیث مروی ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ سے کتنی ہزار مروی ہیں اور کون کون سے لوگوں نے روایت کی ہے۔ حضرت حسنؓ و حسینؓ سے کتنے صد مروی ہیں۔

ارے آپ کی امامیہ جعفریہ شریعت (جو کہ محمدیہ نہیں) کا ۹۵٪ ذخیرہ حضرت امام باقرؒ و جعفرؒ دو تابعی بزرگوں سے مروی ہے جنہوں نے حضرت رسول خدا و علی المرتضیٰؓ کو تو کجا حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بھی نہیں دیکھا۔ تابعیت کا شرف سنی اصول پر صرف ان صحابہؓ کو دیکھ کر پایا ہے جنہیں آپ مومن و مسلمان کامل نہیں مانتے۔ ان کی سب روایات اپنی فرمودہ ہیں۔ کچھ مرسل اور منقطع ہیں۔ ان سے شریعتِ محمدیہ کے ابطال پر تو استدلال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ باعتقادِ شیعہ احکام کے حلال و حرام کرنے میں مختار تھے۔ نیز واجب الاتباع معصوم اور صاحب الہام و کتاب شیعہ کے مثل نبی دینی پیشوا ہیں۔ مگر شریعت محمدیؐ ان سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔

اب میں پلٹ کر سوال کرتا ہوں۔ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت علی و حسنین رضی اللہ عنہم کا علم امام جعفر صادقؒ سے کم تھا یا اہلبیت صحابہؓ کو حضورؐ کی صحبت کم نصیب ہوئی۔ اور حضرت باقر و جعفر کو زیادہ ملی؟ حالانکہ وہ اصولِ تشیع پہ تابعی ہی نہیں تبع تابعی ہیں۔ کہ ایماندار صحابہؓ کو بھی نہیں دیکھا۔ پھر کیوں نوجوانانِ جنت اور قاضی امت سے شیعہ کی شریعت منقول نہیں۔ اس سے یا تو یہ ثابت ہو گیا کہ صحابہ اہلبیتؓ ہرگز شیعہ نہ تھے۔ شیعہ کے بانی و امام اول (بقول شیعہ) حضرت باقر و جعفر ہیں یا یہ کہ جسمانی زندگی کے قائل ہونے کی طرح ان کی علمی و روحانی زندگی کے قائل بھی یہی شیعہ حضرات ہیں۔

دو غلط حدیثیں

رہی حدیث انا مدینۃ العلم و علی بابھا اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ (یعنی نامقبول اور بہت کمزور ہے) علامہ سخاوی نے بھی یہی کہہ کر لکھا ہے کہ اس کی صحت کی کوئی وجہ نہیں۔ ابن معین کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ ابو سعید اور یحیٰی بن سعید یہی کہتے ہیں۔ علامہ جوزی نے اس کو موضوعات میں لکھا ہے۔ (موضوعات کبیر از ملا علی قاریؒ ص ۵۹)

رہی اعلم امتی بعدی علی بن ابی طالب یہ پہلی سے بھی ساقط الاعتبار اور موضوع ہے۔ کتب حدیث تو کجا کتب موضوعات میں بھی نظر سے نہیں گزری اور معترض صاحب نے حوالہ اس لیے نہیں دیا کہ مال مسروق پکڑا نہ جائے۔

الغرض شیعہ حضرات نے اپنا دین حضرت علیؓ سے روایت نہ کر کے ان جیسی احادیث کے موضوع ہونے پر خود ہی مہر تصدیق ثبت کر دی ؎ جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔

باب سوم

سوال ۶۔ ملاں لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو شیعوں ہی نے قتل شہید کیا اور اب شیعہ اپنے ان مذموم افعال پر روتے پیٹتے ہیں تو سانحہ کربلا کے موقعہ پر اہلسنت نے امام مظلوم کی مدد کیوں نہ کی جبکہ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں اس وقت اہل سنت موجود تھے۔

الجواب۔ فرقہ شیعہ ہی کو غدار اہل بیت اور قاتل حسین بتانے والے معمولی ملاں نہیں بلکہ ان ملاؤں کے پیشوایان کرامؒ جن کے جائز و ناجائز ذکر سے شیعہ ملاں و ذاکرین اپنے پیٹ کا دھندا کرتے ہیں۔ حضرات اہل بیت عظامؓ ہی ہیں۔ اس مسئلہ پہ چونکہ شیعہ کی گمراہی یا سچائی کو ہر عامی پرکھ سکتا ہے۔ لہٰذا قدرے مفصلاً چار شقوں میں ہم اس بحث کی تنقیح کرتے ہیں۔

۱۔ کیا حضرت حسینؓ عالی مقام کو بلانے والے شیعہ تھے؟

ب۔ کیا میدانِ جنگ میں حضرت حسینؓ کے مدِ مقابل وہی شیعہ تھے؟

ج۔ کیا قافلہ اہلِ بیتؓ نے شیعہ کو اپنا قاتل کہا ہے؟

د۔ کیا وہ خود بھی اقبالِ جرم کر کے ندامت کے آنسو بہاتے ہیں؟

جب دنیا کے ہر قانون میں ثبوتِ قتل کے یہ چار طریقے قطعی طور پر قاتل کا پتہ بتا دیتے ہیں۔ قاتل مقتول اکٹھا ہوئے ہوں۔ مارتے دیکھا گیا ہو۔ مقتول خود بیان دے۔ قاتل اعتراف بھی کر لے تو اب کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

۱۔ حضرت حسینؓ کا نظریہ اور امن پسندی

واضح رہے کہ شیعہ کے ہاں بھی۔ عام مورخین کے مطابق۔ یہ ایک سیاسی اور برائے طلب خلافت جنگ تھی۔ یزید کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد گورنرِ مدینہ ولید اور حضرت حسینؓ کا مکالمہ ملاحظہ ہو۔ شیعہ مورخ مجلسی رقمطراز ہیں۔

"جب ولید نے حضرت حسینؓ کو بلایا اور حضرت معاویہؓ کی وفات کی اطلاع دی حضرت نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون پھر ولید نے یزید پلید کا خط پڑھا حضرت نے فرمایا میرا گمان نہیں ہے کہ تو مجھ سے یزید کے لیے خفیہ بیعت پر راضی ہو جائے گا۔ تو چاہے گا کہ سب لوگوں کے سامنے میری بیعت لے تاکہ لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے ولید نے کہا ہاں۔ حضرت نے فرمایا صبح تک انتظار کرو تاکہ میں غور کر لوں۔ اور آپ بھی غور کر لیں پھر ایک دوسرے سے مناظرہ کریں اور جو خلافت کا مستحق ثابت ہو دوسرا اس کی بیعت کرے۔ (جلاء العیون ص ۳۴۹ و منتہی الآمال للعباس القمی ج ۱ ص ۲۹۸)

حضرت معاویہؓ کے متعلق بہتر رائے آپ کی وفات کو نقصانِ ملی جان کر استرجاع پڑھنا اور اپنی تمنا تو معلوم ہو گئی مگر حضرت حسینؓ اپنے دلائل ظاہر کر کے اہلِ مدینہ کو ہمنوا نہیں بنا سکتے تھے اور نہ اہلِ عراق پر اعتماد کر کے حصولِ مقصد کی کوشش کر سکتے تھے۔ لامحالہ غیر جانبداری اور گوشہ نشینی کا فیصلہ کیا صحیح دربارِ حاکم میں جانے کے بجائے اہل وعیال سمیت مکہ روانہ ہو گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہاں آپ نے حکومت کے خلاف یا اپنے حق میں کوئی بیان نہیں دیا۔ شعبان تا ذی الحجہ تقریباً ۵ ماہ میں نہ حکومت کی طرف سے کسی نے بیعت کا مطالبہ کیا اور نہ

آپ نے استحقاق خلافت پہ لوگوں کو دلائل سنائے۔ بڑی عافیت اور سلامتی کے ساتھ جوارِ کعبہ میں یہ دن گزارے۔ یہیں سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر اہلِ کوفہ بصد اصرار اور ایک لاکھ تلواریں مہیا کرنے کے بہانے آپ کو نہ بلاتے تو کبھی سانحہ کربلا نہ ہوتا نہ امت دو گروہوں میں بٹتی۔ اب چار امور کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱۔ آپ کو بلانے والے شیعہ ہی ہیں

جلاء العیون میں مجلسی کے اعتراف کے مطابق کوفہ کے مومنین شیعہ سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، حبیب بن مظاہر وغیرہ نے حضرت معاویہؓ کو دشمن جبار کہہ کر پہلا خط لکھا این نامہ ایست بسوئے حسین بن علی از سائر شیعان او واز مومنان و مسلمانان۔ یعنی یہ خط حضرت حسین بن علیؓ کی خدمت میں آپ کے تمام شیعوں مومنوں مسلمانوں نے لکھا ہے...... کہ اس وقت ہمارا امام و پیشوا کوئی نہیں ہمارے پاس آئیں ہم سب آپ کے مطیع ہیں آپ کے آنے پہ حاکم کوفہ نعمان بن بشیرؓ کو نکال دیں گے۔ والسلام (جلاء العیون ص ۳۵۶ و منتہی الآمال ج ۱ ص ۳۰۳)

یہ خط عبداللہ بن مسمع ہمدانی اور عبداللہ بن وال لے کر حضرت کی خدمت میں چلے۔ پھر دو دن کے بعد قیس بن مصہر، عبداللہ بن شداد، عمار بن عبداللہ کو کوفہ کے بڑے بڑے رؤساء نے ۱۵۰ خط دے کر مکہ روانہ کیا۔ پھر دو دن کے بعد ہانی بن ہانی سبیعی، سعید بن عبداللہ حنفی کو اہلِ کوفہ نے حضرت کی خدمت میں یہ لکھ بھیجا تسمیہ کے بعد یہ خط حضرت حسینؓ کی خدمت میں ہے از شیعان و فدویان و مخلصان آنحضرت۔ آپ جلدی اپنے دوستوں اور ہواخواہوں میں پہنچیں۔ سب لوگ آپ کے منتظر ہیں۔[1]

پھر شبث بن ربعی، حجار بن الابجر، یزید بن حارث، عروہ بن قیس، عمرو بن حجاج اور محمد بن عمرو نے اسی مضمون کے خط آپ کی خدمت میں بھیجے (جلاء العیون ص ۳۵۷ منتہی الآمال ج ۱ ص ۳۰۳)

حضرت حسینؓ ان خطوط کے جواب میں متردد تھے حتی کہ ایک دن میں ۶۰۰ خطوط ان

---

[1] معلوم ہوا کہ ان کے خیال میں بھی امام کا تصور سیاسی حاکم تھا اگر مثل نبی کا تصور ہوتا تو نفی نہ کرتے۔ یہ تصور بہت بعد کی پیداوار ہے۔

غداروں کے حضرت کو پہنچے۔ جب ان کا مبالغہ حد سے گزر گیا اور بہت سے قاصد آپ کے پاس پہنچے اور ۱۲ ہزار خطوط حضرت کو پہنچ چکے تب آپ نے یہ جواب لکھا۔

این نامہ ایست از حسین ابن علی بسوئے گروہ مومناں و مسلماناں و شیعیان

حسین بن علی رضؓ کی طرف سے یہ خط تمام مومنوں مسلمانوں اور شیعیوں کو بھیجا جاتا ہے کہ۔

آپ کے سب خطوط مجھے ملے۔ میں تمہاری طرف اپنے معتمد بھائی مسلم بن عقیل رضؓ کو بھیجتا ہوں اگر وہ میری طرف لکھیں کہ عقلمند بزرگوں اور شریف و ذمہ دار لوگوں نے یہ لکھوائے ہیں تو میں ان شاء اللہ جلدی تمہارے پاس آجاؤں گا اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔

کہ امام نیست مگر کسے کہ حکم کند درمیان مردم بکتاب خدا و قیام نماید درمیان مردم بعدالت و قدم از جادۂ شریعت مقدسہ بیرون نگزارد و مردم را بر دین حق مستقیم دارد۔ والسلام۔ (جلاء العیون ص ۴۲۵ و منتہی الآمال ج ۱ ص ۳۰۳)

کہ امام صرف وہی ہوگا جو لوگوں میں کتاب خدا کے مطابق فیصلے کرے لوگوں میں عدل قائم کرے اور شریعت کے طریقے سے باہر قدم نہ رکھے اور لوگوں کو دین حق پہ جمائے رکھے۔

امامت کے متعلق آپ کا نظریہ

یہاں سے معلوم ہو چکا کہ حضرت حسین رضؓ کو دعوت خلافت کا حکم دینے والے فقط شیعان کوفہ ہی تھے نیز یزید سے آپ کو اختلاف اموی اور ہاشمی قرابت پر نہ تھا۔ جیسے شیعہ خانہ انی دشمنی کا اشتہار دیتے ہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کے نافذ کرنے اور قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرنے پر مبنی تھا۔ اس باب میں راقم الحروف کا بھی یہی نظریہ اور ایمان ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل سنت والجماعت کو یہی نظریہ رکھنا چاہیے کہ ان کے عقیدہ عظمت و عدالت صحابہ و اہلبیت رضؓ اور ہوائے نفسانی سے پاکدامنی کا تقاضہ بھی ہے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ حضرت حسین رضؓ نے یہ اقدام اپنے والد کا تخت خلافت حاصل کرنے کے لیے مناسب موقعہ جان کر کیا جو سقیفہ کے موقعہ پر آپ کے والد سے غصب کیا گیا تھا جیسے شیعہ کا باطل نظریہ ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضؓ سقیفہ کے دن ہی شہید ہو گئے تھے اور نہ اس کو محض سیاسی اور دنیوی حکومت کے حصول کا ذریعہ سمجھنا چاہیے۔

جیسے محمود احمد عباسی کا غلط نظریہ ہے۔ دراصل رفض و خروج کے یہ خیال ایک ہی ہیں، صرف تعبیر کا فرق ہے۔

اور سنی نقطۂ نظر کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اہلِ کوفہ اگر اپنے غلط پروپیگنڈہ سے یہ نظریہ حضرت حسین رضؓ کے ذہن میں نہ بٹھاتے کہ یزید بد عمل، نافرمان اور خلافت کا غیر اہل ہے تو آپ کبھی اس کے خلاف نہ اٹھتے خواہ طبعی ناگواری کی وجہ سے بیعت سے کنارہ کشی کرتے۔ لیکن جب آپ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ احکامِ شرعیہ میں لاپرواہ ہے۔ مملکت کا ایک بڑا حصہ (عراق) اس کو نہیں مانتا تو اس بنا پر آپ نے خروج جائز جانا۔ اور شرعاً آپ معذور ہی نہیں ماجور و مثاب بھی ہوئے۔ گو حقیقت اس کے خلاف تھی۔ اوّل سے آخر تک اہلِ کوفہ کا دھوکہ تھا۔ پھر واپسی بھی چاہی مگر مقدر نہ تھی۔

بہرحال اپنے نظریہ کے تحت حضرت حسین رضؓ نے یزید پر طعن کرتے ہوئے برحق امام کی تعریف میں بڑی وضاحت سے فرمایا۔

"کہ امام وہ مقتدر حاکم ہی ہوتا ہے جو لوگوں میں قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرے۔ شریعت پر خود بھی عمل کرے اور لوگوں کو بھی چلائے۔" اس تعریف نے شیعہ کی ایک خود ساختہ تاویل اور من گھڑت معنی کو باطل کر دیا کہ خلافتِ ظاہری اور ہے جو خلفاءِ ثلاثہ رضؓ کو ملی۔ اور خلافتِ باطنی اور ہے جو ائمہ اہلِ بیت کو ملی۔ نیز حضرت شیرِ خدا سے بھی ان منافقوں کے الزام کا دفعیہ کر دیا۔ "کہ آپ خلافتِ ظاہری میں صحیح اسلام (بقول ان کے مذہبِ شیعہ) خلفاء ثلاثہ رضؓ کے متعقدین کے ڈر سے نافذ نہ کر سکے۔" (ملاحظہ ہو مجالس المومنین ص ۵۶) کیونکہ معاذ اللہ اگر یہ الزام صحیح ہو تو حضرت علی رضؓ کی خلافت باطل ہو گئی۔

الغرض حضرت حسین رضؓ کی نظر میں خلیفہ پابندِ شریعت سیاسی حاکم ہو گا نہ کہ حکومت سے محروم اور غار میں چھپے رہنے والا۔

ب۔ امام سے برسرِ پیکار بھی شیعہ تھے

القصہ حضرت مسلم بن عقیل رضؓ کے ہاتھ پر علی اختلاف الروایات۔ ۱۸ ہزار۔ ۳۰ ہزار اور ۸۰ ہزار شیعانِ کوفہ نے برائے امام حسین رضؓ بیعت کی۔ انہوں نے خوشی سے (جلد بازی کرتے ہوئے)

صورتِ حال حضرت حسینؓ کو لکھ بھیجی۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہیں شیعی امام نہیں ہوتے۔
آپ کوفہ چل پڑے، سب دوستوں اور ہمدردوں نے کوفہ جانے کی مخالفت کی۔ مگر آپ نہ مانے۔

؎ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

ملا باقر علی مجلسی نے مندرجہ ذیل حضرات کی مخالفت و ممانعت تفصیل سے لکھی ہے۔
۱۔ زرارہ بن صالح۔ ۲۔ محمد بن حنفیہ آپ کے بھائی۔ ۳۔ عبداللہ بن عباس آپ کے چچا ہوئے۔ ۴۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ ۵۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ ۶۔ فرزدق شاعر اہل بیت۔ ۷۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ ۸۔ آپ کے بھائی یحییٰ۔ ۹۔ عبداللہ بن جعفر طیار۔ ۱۰۔ عون بن عبداللہ۔
۱۱۔ محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار۔ (جلاء العیون)

جب آپ میدانِ کربلا میں پہنچ گئے اور حُر بن یزید کے ایک ہزار لشکر نے آپ کا گھیراؤ کیا تو اکثریت آپ کو خط لکھنے اور بلانے والوں کی تھی۔ حمد و ثناء کے بعد آپ نے ان سے فرمایا۔
"میں تمہارے پاس از خود نہیں آیا۔ تمہارے پے در پے وعدوں اور خطوط کے بھروسے پہ آیا ہوں۔ اگر اپنے عہد پہ قائم ہو تو پورا کرو اور اگر پھر گئے ہو تو میں واپس ہوتا ہوں وہ غدار خاموش رہے کوئی جواب نہ دیا (جلاء العیون ص ۳۷۶)

حُر سمیت سب لشکر نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ حُر نے کہا مجھے خدا کی قسم ان خطوط اور قاصدوں کا علم نہیں۔ حضرت نے عقبہ بن سمعان کے ہاتھوں بارہ ہزار خطوط کی تھیلی منگوا کر بکھیر دی اور خطوط سے ایک ایک کا نام لے کر پکارا مگر سب خاموش رہے۔ (وکذا فی منتہی الآمال ج ۱ ص ۳۳۲)
حُر نے کہا بخدا مجھے خطوط کا علم نہیں تاہم میں آپ کو واپس نہیں جانے دیتا نہ لڑتا ہوں، حضرت قادسیہ کے راستے سے بائیں طرف چل پڑے وہ بدبخت آپ کو بلانے والا لشکر بھی ساتھ ہو گیا حُر نے کہا ان سے نہ لڑنا ورنہ آپ قتل ہو جائیں۔ حضرت نے جرأت سے فرمایا: میں خدا کے حکم سے ان منافقوں (بلا کر غداری کرنے والے شیعوں) سے ضرور جنگ کروں گا اور قتل ہونے سے نہیں ڈرتا۔ اس کے بعد بھی لشکر نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس موقعہ پہ حضرت حسینؓ کے ایک ساتھی ہلال بن نافع بجلی نے کہا اے حسینؓ! آپ کے والد ماجد نے بھی ان بیعت توڑنے والے ظالموں اور دین سے خارج ہونے والوں سے تا وفات زحمت اٹھائی۔ آج آپ بھی اسی گروہ کے ساتھ مبتلا

ہو چکے ہیں جو بھی بدعہدی اور تیری بیعت توڑے گا خود نقصان اٹھائے گا (جلاء العیون ص ۳۸۱
منتہی الآمال ج ۱ ص ۳۳۲-۳۳۳)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رض کے ناکثین۔ قاسطین اور مارقین بھی شیعانِ کوفہ ہی ہیں۔ جو رافضی ان لفظوں کا مصداق حضرت طلحہ رض، زبیر رض، حضرت معاویہ رض اور خوارج کو قرار دیتے ہیں وہ اپنے اسلاف کا جرم چھپانے کے لیے یہ ظلم کرتے ہیں۔ ہاں مارقین خوارج بھی ہیں جو خاص شیعانِ کوفہ تھے۔

جب عمر بن سعد چار ہزار کا لشکر لایا اور حضرت حسین رض سے آنے کا مقصد پوچھنا چاہا تو جس سپاہی یا افسر کو بھیجتا

بایں علت ابا میکردند زیرا کہ اکثر از آنہا بودند کہ بحضرت نوشتہ بودند و حضرت را بعراق طلبیدہ بودند چوں قرہ بن قیس آمد و پرسید حضرت فرمود اہلِ دیارِ شما نامہائے بے شمار بمن نوشتند و بمبالغہ بسیار مرا طلب کردند اگر الحال خواہید برمیگردم۔	تو وہ سب اس وجہ سے انکار کر دیتے کہ ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے حضرت کو خط لکھ کر عراق بلایا تھا جب قرہ بن قیس آیا اور پوچھا تو حضرت نے فرمایا تمہارے شہر والوں نے مجھے بہت سے خط لکھے اور بڑے مبالغے اور اصرار کے ساتھ بلایا (تو آیا ہوں)

اگر تم نہیں چاہتے تو میں واپس جاتا ہوں (جلاء العیون)

جب عمر بن سعد کو یہ پیغام ملا تو خوش ہو کر اس نے کہا کہ خدا حسین رض کے ساتھ جنگ سے بچا لے گا پھر ابنِ زیاد کو حضرت حسین رض کی واپسی کا ارادہ لکھ دیا۔ (منتہی الآمال ج ۱ ص ۳۳۴) ایک روایت کے مطابق اس نے آپ کو قید کرنے کا حکم دیا دوسری کے مطابق رہائی اور واپسی پہ راضی ہو گیا۔ مگر حضرت علی رض کا سالا اور جمل و صفین میں حضرت علی رض کا دست و بازو (طبری ج ۵ ص ۲۸) شمر ذی الجوشن اڑ گیا کہ حسین رض سے یزید کی بیعت لی جائے۔ ابنِ سعد نے مخالفت کی مگر وہ ابنِ زیاد کے پاس جا کر نئے احکامِ جنگ بصورت انکار لے آیا۔ ابنِ زیاد نے اہلِ کوفہ کو لالچ دیا۔ اکثر ان بے دینوں غداروں نے اپنے دین (بیعتِ امامِ حسین رض) کو دنیا کے بدلے بیچ دیا (کیونکہ ۹ حصے دین تقیہ پر عمل کیا۔ جیسے خلیل قزوینی نے لکھا ہے کہ حضرت کے قتل کا باعث شیعہ امامیہ کی کوتاہی ہے۔

تقیہ وغیرہ کی وجہ سے (صافی شرح کافی) اور اس بدترین کام (قتل حسینؓ) کے مرتکب ہوئے سب سے پہلے شمر ذی الجوشن ۔۔۔۔ ہم کافروں کے ساتھ باہر آیا (ابھی تک تو شیعہ مومن تھے اب کافر بن گئے م) امام حسینؓ کو بلانے والا شیث بن ربعی بھی چار ہزار کوفیوں پر امیر تھا (جلاء العیون ص ۳۸۲) مسیب بن نجبہ بھی عمر بن سعد کے ساتھ کربلا میں آیا ہوا تھا (مجالس المومنین) اور سب سے پہلے امام کا سرتن سے جدا کرنے کے لیے گھوڑے سے یہی اترا تھا۔ (خلاصۃ المصائب ص ۲۷) عروہ بن قیس جو امام کے پاس دعوتی خط لکھنے کی وجہ سے ابن سعد کا قاصد بن کر بندامت نہ جا سکا تھا۔ مگر امام سے لڑنے کے لیے مقابل فوج کا سردار تھا (خلاصۃ المصائب) قیس بن اشعث فوج یزید میں شامل ہو کر حسینؓ سے لڑا حتی کہ یہ ظالم بعد شہادت امام مظلوم کے جسم اطہر سے چادر مبارک بھی کھینچ کر لے بھاگا۔ (خلاصۃ المصائب ص ۱۹۲)

الغرض فرزند شیعہ ابن زیاد (یہ حضرت علیؓ کا پروردہ متمد شیعہ اور آپ کی جانب سے بصرہ کا گورنر تھا تادم زیست حضرت علیؓ اس پر خوش رہے مگر حضرت حسنؓ کے خلع خلافت کے بعد جب یہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ مل گیا تو شیعہ نے اس کو حرامی بنا دیا۔ نامعلوم کس مصلحت سے حضرت علیؓ نے بن باپ حرامیوں کے تعاون سے حکومت کی) کے حکم سے شمر جیسے شیعہ کے مشورے اور نگرانی سے شیعان کوفہ نے حضرت حسینؓ سے جنگ کی ٹھان لی تو حضرت حسینؓ کے ساتھی بریر بن حضیر نے فرمایا: "کیا تم راضی نہیں ہو کہ اہل بیتؓ اپنے وطن واپس ہو جائیں۔ اے کوفیو! تم پر افسوس کہ قسمیں اٹھا اٹھا کر تم نے جو وعدے کیے تھے اور خطوط لکھے تھے تم ان کو بھول چکے ہو۔ تمہارے بے شرموں نے اہلبیت پیغمبر کو لکھا کہ ہمارے وطن آؤ۔ ہم اپنی جانیں فدا کریں گے۔ اب جب کہ وہ آچکے تم ان کو پانی سے بھی منع کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ زیاد بد اصل کے بیٹے کو ان پر مسلط کرو۔ تم برے لوگ ہو۔ خدا تمہیں قیامت میں سیراب نہ کرے (جلاء العیون ص ۳۹۱)

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں آپ کے مقابل اور پانی بند کرنے والے کوفی شیعہ اور شیعہ ہی تھے۔ لیس فیھم شامی ولا حجازی بل کلھم من اھل الکوفۃ (خلاصۃ المصائب) ان تمام کوفیوں میں شامی اور حجازی ایک بھی نہ تھا نیز یہ کہ حضرت حسینؓ

تو تین باتوں میں سے ایک پر ضرور عمل کرنا چاہتے تھے ۔ ۱۔ دمشق میں یزید کے پاس زندہ روانگی اور مناسب تصفیہ ۔ ۲۔ آزاد علاقے میں رحلت ۔ ۳۔ مکہ مکرمہ کو واپسی ۔ مگر اہل لشکر نے سب درخواستیں مسترد کر دیں (طبری) اور ذلت سے بیعت کرنے پر زور دیا تو آپ نے فرمایا ۔ خدا کی قسم اپنے آپ کو تمہارے ہاتھوں میں نہ دوں گا اور کمینہ ذلیل نہ بنوں گا اور غلامانہ طور پر اطاعت کا طوق گردن میں نہ ڈالوں گا ۔ (جلاء العیون ص ۳۹۲ ۔ منتہی الآمال ج ۱ ص ۴۳۱)

اب ہر منصف مزاج سے غور کی اپیل کی جاتی ہے ۔ یہ جو شیعہ کا بلا سند و ثبوت پروپیگنڈہ ہے کہ حضرت اسلام کی خاطر بچے ذبح کرانے کو گھر سے ہی کفن باندھ کر چلے تھے اس میں کتنی صداقت ہے ۔ اگر وہ لوگ آپ کو رہا کر دیتے اور آپ زندہ واپس آجاتے تو کیا زندہ اسلام پھر مردہ ہو جاتا ؟ اور آپ کے اہل و عیال سمیت سلامت بچ جانے پر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

دراصل یہ لوگ اپنے اسلاف کے ذلیل ڈرامے پر پردہ ڈالنے اور حکومت کو ہی سارا الزام دینے کے لیے یہ دروغ گوئی کرتے ہیں ۔ اور عمداً اہلِ بیت کرام رضی کو خاک و خون میں تڑپا کر اور تڑپتا دکھا کر فخر کرتے اور اپنا معاشی دگرہی مفاد حاصل کرتے ہیں ۔ ورنہ جہاں سانحۂ کربلا انتہائی الم ناک داستان ہے اور اپنے اندر صبر و استقامت ۔ حق گوئی ۔ تقیہ شکنی ۔ جرأت مندی کے علاوہ بیسیوں عبرتوں کا مرقع ہے ۔ وہاں اسلام کے لیے انتہائی ناقابل تلافی نقصان ہے کہ صرف تاریخ اسلام ہی بدنام نہیں ہوئی بلکہ امتِ مسلمہ ۔ سبطِ پیغمبر کے نور سے محروم ہو کر خطرناک اصولی گروں میں بٹ کر رہ گئی ۔

شہادت حسین رضی کے نقصانات کے سلسلے میں مجلسی حضرت سجاد سے ترجمانی کر کے لکھتے ہیں ۔

دکشتن او عالمیاں گمراہ شدند و دین خدا ضائع شد و سنن رسولِ خدا برطرف شد و بدع بنی امیہ ظاہر گردید ۔ بایں جہات میگریست ۔ (جلاء العیون ص ۵۴۳)	آپ کے شہید ہو جانے سے اہل جہاں گمراہ ہو گئے ۔ اور خدا کا دین ضائع ہو گیا اور رسولِ خدا کی سنتیں معطل ہو گئیں ۔ اور بنی امیہ کی بدعتیں ظاہر ہو گئیں ان وجوہ سے حضرت سجاد رو تے تھے ۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنت حضرت سجاد زین العابدینؒ یہی ہے کہ سانحہ کربلا سے اسلامی نقصانات یاد کر کے غم و گریہ کرنا چاہیے نہ کہ اسلام زندہ شد کے نعرے لگا کر فخر کے جشن و جلوس نکالنے چاہییں۔

۳۔ قافلہ اہلِ بیتؓ بھی شیعہ کوفہ کو اپنا قاتل بتاتا ہے

۱۔ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا۔ اے کوفیو! تم پر لعنت ہو اور تمہارے ارادوں پر۔ اے بے وفاؤ، ظالمو اور غدارو! تم نے مجبوری کے وقت اپنی مدد و نصرت کے لیے ہم کو بلایا جب ہم تمہارا) بات مان کر ہدایت و نصرت کے لیے آ گئے تو کینہ کی تلوار تم نے ہم پر کھینچی اور اپنے دشمنوں (آلِ زیاد) کی ہمارے خلاف مدد کی (جلاء العیون ص ۳۹۱)

۲۔ نیز فرمایا تم پر تباہی ہو کیسے تم نے بغیر دشمنی کینہ اور جھگڑے کے عداوت کی تلوار انتقام کے نیام سے نکالی اور بلا سبب اہل بیتؓ کے قتل پر کمربستہ ہو گئے۔ (ایضاً)

اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ ذاکرین مجتہدین جو یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں بدر واحد و صفین وغیرہ میں بنو امیہ کے کفار آباء کے قتل کے انتقام میں بنو امیہ نے اہل بیت کو کربلا میں شہید کیا۔ بالکل لغو ثابت ہوا۔ حضرت کو قتل کرنے والے نہ شام سے آئے ہوئے بنو امیہ تھے اور نہ وہ کسی بدلہ سے لڑتے تھے۔ جیسے حضرت کی تقریر سے واضح ہے۔

۳۔ بالآخر آپ نے بددعا دی۔ اے اللہ زمین کی برکت کو ان سے روک لے اور ان کو منتشر کر دے۔ حاکموں کو کبھی ان سے خوش نہ رکھ کیونکہ انہوں نے ہم کو مدد کے لیے بلایا تھا مگر کینہ کی تلوار خود ہمارے اوپر چلائی۔ (ایضاً)

آج شیعہ فخر سے کہتے ہیں کہ ہم تاریخ اسلام کی ہر حکومت کے مظلوم رہے ہیں اس کی اصلی وجہ حضرت کی یہ بددعا ہے۔

۴۔ نیز فرمایا، تم پر ہلاکت ہو حق تعالیٰ دونوں جہان میں میرا بدلہ تم سے لے گا...... وہ اس طرح کہ خود اپنی تلواریں اپنی ذاتوں پر اور مومنوں پر چلاؤ گے اور اپنا خون خود گراؤ گے۔ اور دنیا سے نفع نہ اٹھاؤ گے اور اپنی امیدوں کو نہ پہنچو گے۔ جب مر کر آخرت میں جاؤ گے ہمیشہ کا عذاب الٰہی تمہارے لیے مہیا ہے اور تمہیں تو بدترین کافروں والا عذاب ہو گا (جلاء العیون ص ۳۹۱)

آج زنجیروں، چھریوں اور تلواروں سے ماتم میں خود کو لہولہان کرتے والے عزاداروں
پر حضرت امام مظلوم کی دنیوی بددعا صادق ہوئی اور یقیناً صادق ہوئی۔ آخرت والی بھی یقیناً
سچی ہوگی (اللّٰھم آمین)

حضرت حسینؓ کی ان تقریروں اور بددعاؤں کو سننے کے بعد بھی جب ظالموں نے
بے دردی سے آپ کو مع اہل وعیال ذبح کر کے اسلام زندہ کر دکھایا۔ تو خاتمہ جنگ کے
بعد اسی قاتل لشکر نے حضرت کے خالی گھوڑے ذوالجناح کو آگے آگے چلا کر ندامت سے
رونا پیٹنا شروع کر دیا اور اس سطحِ ارضی پر سب سے پہلا یہی ماتمِ حسینؓ کا جلوس تھا جس کی
یاد آج بھی ان کی روحانی اولاد مناتی ہے۔

۵۔ اس جلوس کو دیکھ کر حضرت زین العابدینؒ نے فرمایا تم ہم پر بین کرتے اور روتے
ہو بس بتاؤ کس نے ہم کو قتل کیا ہے (الحمدللہ ماتمی جلوس کو دیکھ کر عشرہ کر کے انہی کو قاتل
بتانے کی سنتِ سجادی پر آج اصلی سنی عمل کرتے ہیں)

۶۔ پھر حضرت زینبؓ نے بددعا دی۔ اے کوفی غدارو، مکارو تم ہم پر روتے ہو حالانکہ
تمہارے ظلم سے ابھی ہماری آنکھوں کا پانی ختم نہیں ہوا اور تمہارے ظلم سے آہ ختم نہیں ہوئی تمہاری
مثال اس عورت کی سی ہے جو دھاگہ کاٹ کر توڑ دیتی ہے تم نے بھی ایمانی رشتہ کو توڑ دیا اور
کفر کی طرف پلٹ گئے..... کیا تم ہم پر ماتم کرتے ہو جبکہ خود تم نے ہم کو قتل کیا ہے اور ہمارے غم
میں روتے ہو اللہ کی قسم یہ ہوگا کہ تم بہت روؤ گے اور تھوڑا ہنسو گے عیب اور ذلت کو تم نے
اپنے لیے خرید لیا۔ یہ ذلت کا داغ کسی پانی (آنسوؤں) سے زائل نہ ہوگا۔ (جلاء العیون ص ۲۴۴)

جگر گوشۂ فاطمہؓ سیدہ زینب مظلومہؓ کی بددعا اور پیشینگوئی حرف بحرف پوری ہوتی
آ رہی ہے۔

۷۔ حضرت فاطمہ بنت حسینؓ نے فرمایا۔ تم نے ہم کو ایسے شہید کیا اور مال ومتاع لوٹ کر ہم کو
قید کیا جیسے کل میرے دادا علیؓ کو تم نے شہید کیا۔ ہمیشہ سے تمہاری تلواروں سے ہمارا خون ٹپک
رہا ہے..... جلدی تم اپنے بدلہ کو پہنچو گے۔ تم پر ہلاکت ہو۔ منتظر رہو کہ خدا کے پے در پے عذاب اور لعنت
تم پر برسیں گی۔ آسمانی عذاب تمہارا استیصال کریں گے۔ دنیا میں اپنے کرتوتوں سے تم اپنی ہی تلواریں

اپنے اوپر چلاؤ گے اور آخرت میں عذاب الیم میں گرفتار ہو گے (جلاء العیون ص ۴۲۵) الحمد للہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے م) ایرانی خونی انقلاب اور اس کا خوفناک حشر آپ کے سامنے ہے۔

۸۔ حضرت ام کلثومؓ بنت سیدۃ النساءؓ نے روتے ہوئے کجاوہ سے ندا دی کہ اے اہل کوفہ تمہارا برا حال ہو۔ تمہارے منہ برے ہوں تم نے کیوں میرے بھائی حسینؓ کو بلایا اس کی مدد نہ کی اسے قتل کر دیا ان کے مالوں کو لوٹ لیا اور پردہ دار حرموں کو قید کر دیا۔ تمہارے اوپر لعنت ہو تمہارے چہروں پر پھٹکار ہو۔ (جلاء العیون ص ۴۲۶)

اس پر اہل کوفہ نے ہائے ہائے کر کے (مزید) رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ حسرت کی مٹی سر میں ڈالتے اور اپنا منہ نوچتے اور طمانچے منہ پر مارتے اور واویلا اور ہائے تباہی کہتے اتنا روتے تھے کہ کسی آنکھ نے اتنا بڑا ماتم نہ دیکھا تھا۔ اس منظر پر مشتعل ہو کر حضرت زین العابدینؒ نے لوگوں کو خاموش کرایا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

۹۔ اے لوگو! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم نے میرے باپ کو خط لکھے اس کو دھوکہ دیا بڑے عہد و پیمان لکھے ان کے ساتھ بیعت کی۔ آخر کار ان سے جنگ کی (ایضاً ص ۴۲۶)

۱۰۔ ام کلثوم بنت علیؓ نے فرمایا اے کوفیو! تمہارے مرد ہم کو قتل کرتے ہیں اور عورتیں تمہاری ہم پر روتی ہیں خدا قیامت کے دن ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا (جلاء العیون ص ۴۲۸)

تلک عشرۃ کاملۃ۔ قارئین کرام! قافلہ اہل بیت کی زبانی ہم نے قاتلوں کی نشاندہی مفصل کرا دی تاکہ کسی خون آشام اہلبیت کو آج نہ انکار کی گنجائش ہو نہ تاویل کا راستہ ہو۔ وللہ الحمد

لم شیعان کوفہ جرم قتل کا اقرار کرتے ہیں

چوتھی بات یہ ہے کہ خود ان شیعان کوفہ نے اقبال جرم کر کے حسرت و ندامت کے وہ خونی آنسو بہائے جن کے دھبے صفحات تاریخ سے آج تک نہیں مٹ سکے۔ اوپر کے حوالہ جات کے علاوہ چند اور بھی ملاحظہ ہوں۔

ا۔ کوفیوں کی ایک جماعت ایک غیبی آواز سے چونک اٹھی اور کہنے لگے اللہ کی قسم جو کچھ ہم نے اپنے ساتھ کیا کسی اور نے نہیں کیا۔ ہم نے جنت کے جوانوں کے سردار کو قتل کیا۔ ابن زیاد ولد الزنا کے لیے۔ پس وہاں انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ابن زیاد پر خروج کریں لیکن

اس سے فائدہ کچھ نہ ہوا (جلاء العیون ص ۴۳۴)

۲۔ نوراللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ شہادتِ حسینؓ کے بعد شیعوں کے لیڈر سلیمان بن صرد خزاعی نے اپنے شیعوں کو جمع کر کے کہا ہم نے حضرتِ امام حسینؓ کو عہد و پیمان سے بلایا پھر بے وفائی کر کے ان کو شہید کیا۔ آنا بڑا جرم معاف نہ ہو گا بجز اس کے کہ ہم اپنے آپ کو قتل کریں چنانچہ بہت سے شیعہ فرات کے کنارے جمع ہوئے اور بنی اسرائیل سے متعلقہ آیت ہذا۔

فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ۔

پس تم خدا کے دربار میں یوں توبہ کرو کہ اپنے آپ کو مار و یہی تمہارے لیے خدا کے ہاں بہتر ہے۔ اپنے اوپر منطبق کی۔ پھر ایک دوسرے کی خونریزی کی۔ کتنے قتل ہوئے اور زخمی ہوئے یہ جماعت تاریخ میں توابین کہلاتی ہے (بمعناہ) ؎

صد بار مانوں سے جس نے کہ مجھے ذبح کیا۔ قتل کے بعد کوئی دیکھے ندامت اس کی

شیعہ کا عذرِ لنگ بدتر از گناہ

آئیے ذرا اس بحث میں شیعہ کا جواب اور عذرِ لنگ بھی معلوم کرتے چلیں۔

حال ہی میں شیعانِ پنجاب کے ایک فاضل محقق نے "تجلیاتِ صداقت" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو بزعم خویش شہرہ آفاق کتاب "آفتابِ ہدایت" مصنفہ مناظرِ اسلام مولانا کرم الدینؒ دبیر چکوالی کا ۵۰ سال کے بعد جواب لکھا ہے جس میں بڑے ہاتھ پاؤں مار کر برسوں کی محنت و تفتیش کو ترتیب دے کر قرصۂ آفتاب سے سبکدوش ہونے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ حقائق و دلائل کا جواب ان کے بس کی بات نہیں۔ ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہراتؓ، خلفاءِ راشدینؓ اور دیگر متعلقینِ رسالت کو جو غلیظ گالیاں سنائی ہیں وہ قابلِ دید نی ہیں ایک شیعہ سے اس کے علاوہ اور توقع ہی کیا ہو سکتی ہے؟ مسئلہ زیرِ بحث میں ہم اس کتاب کے کچھ افکار آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

جناب محمد حسین ڈھکو صاحب نے "برعکس نام نہند زنگی کافور" کے مصداق قاتلانِ حسینؓ کے سنی مذہب ہونے پر پانچ تاریخی شواہد بتائے ہیں۔

۱۔حکومتی شیعہ(پارٹی) نے یزید کو مسلم کی بیعت اور نعمان بن بشیر کی سستی کی اطلاع دی تھی۔

۲۔ابن زیاد کے ایک قاصد نے حضرت عثمانؓ کو تقی زکی مظلوم امیر المؤمنین کہا تھا۔

۳۔عروہ بن قیس الحمسی (جس نے امام حسینؓ کو دعوتی خط لکھا تھا) نے رفیق حضرت حسینؓ زہیر بن قین سے کہا تھا۔

”ہمارے خیال میں تم اہلبیت کے جماعتی نہ تھے آپ تو عثمانی تھے۔ زہیر نے کہا کیا تم میرے ان کے ساتھ ہونے سے معلوم نہیں کر سکتے۔“

۴۔نافع بن ہلال جملی کے جواب میں ایک شخص مزاحم بن حریث نے انا علی دین عثمان کا نعرہ لگایا۔

۵۔ابن زیاد نے فاتحانہ خطبہ پڑھتے ہوئے یزید کی تعریف کے بعد کہا وقتل الحسین بن علی وشیعتہ خدا نے حضرت حسینؓ اور ان کی جماعت کو قتل کرا دیا (طبری)، اس سے بڑھ کر اس بات کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ امام حسینؓ کے ہمراہ شہید ہونے والے شیعہ تھے اور قتل کرنیوالے وہ تھے جن کے مذہب میں یزید حق کا علمبردار اور خلیفہ وقت تھا (تجلیات صداقت ص۲۴۵)

الجواب - اولاً یہ نام نہاد پنج تنی ٹولہ صرف پانچ شواہد ہی دکھا سکا۔ حالانکہ ایسے عثمانی پانچ نہیں بلکہ ۵۰ اور ۵۰۰ بھی حضرت حسینؓ کے مقابل ثابت کر دکھائے جائیں تو علامہ مجلسی اور شیخ عباس قمی وغیرہ کی تحقیقات مذکورہ کی روشنی میں جواب نہیں بن سکتا کیونکہ جب مقابل امام بڑی اکثریت بلانے والے شیعہ اہل بیت ہی کی تھی۔ قافلہ اہلبیت نے ان کو ہی قاتل و غدار بتایا جیسے تصریحات پھر ملاحظہ ہوں۔ تو پھر عذر گناہ بدتر از گناہ کا کیا معنیٰ۔ زہیر بن قین واقعی مخلص عثمانی مسلمان تھا شیعہ کی سیاست سے اسے تعلق نہ تھا لیکن جب اس نے شیعان کوفہ کی غداری دیکھی تو حضرت عثمانؓ سے محبت کے باوجود حضرت حسینؓ مظلوم کے ساتھ مل گیا۔ جیسے خود حُر بن یزید عثمانی ہو کر شیعان کوفہ کے دعوتی خطوط سے بے خبر تھا۔ پھر جب اسے اس شیعی دھوکہ کا علم ہوا تو وہ حسینؓ کا ساتھی اور اپنے لشکر کا مخالف بن کر ان کے ہاتھوں شہید ہوا تو عثمانی اور حسینؓ کا جماعتی ہونے میں تضاد نہیں ہے۔

ثانیاً چونکہ شیعہ سیاسی پارٹی کو کہتے ہیں۔ جہاں سیاسی جماعت میں شیعہ علیؓ کی اصطلاح چلی وہاں حضرت معاویہؓ و عثمانؓ کے حامیان قصاص کو بعض دفعہ شیعہ معاویہؓ و عثمانؓ کہا جانے

لگا۔ جیسے پیپلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی کی آج کل اصطلاح ہے۔ اس معنی میں شاہد ابن حکومت کے طرفداروں کو شیعتی سے یزید نے تعبیر کیا ہے اور اس معنی میں حضرت حسینؓ کے ساتھیوں پر شاہد ۵ میں ابن زیاد نے شیعہ کا لفظ بولا ہے۔ ورنہ نہ تو یزید کے حامی اصطلاحی شیعہ تھے اور نہ حضرت حسینؓ کے ساتھی اصول و فروع میں مسلمانوں سے الگ مخصوص شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر کے ابن زیاد کی زبانی شیعہ کے لفظ سے اصحاب حسینؓ کو مخصوص شیعہ رافضی ثابت کرنا اور شیعہ اہل بیت کہلانے والے لشکر مقابل امام کو صرف تین آدمیوں کے عثمانی ہونے پر سنی المذہب ثابت کرنا خالص سینہ زوری اور حقائق کا منہ چڑانا ہے۔ حالانکہ آپ کا سر قلم کرنے والا شیعہ عقیدہ رکھتا تھا۔

سنان سر مبارکش را جدا میکرد و میگفت کہ سر ترا جدا میکنم و میدانم کہ تو فرزند رسول خدائی و مادر و پدر تو بہترین خلقند (جلاء العیون ص۲۷۵ج)

سنان حضرت حسینؓ کا سر مبارک جدا کرتے وقت یہ کہہ رہا تھا کہ میں تیرا سر جدا کر رہا ہوں حالانکہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ تو رسول خدا کا فرزند ہے اور تیرے ماں باپ سب خلائق سے افضل ہیں۔

اب بتلائیے کیا یہ خالص شیعہ بنیادی عقیدہ نہیں ہے کہ حضرت فاطمہؓ و علیؓ تمام خلائق سے افضل ہیں۔ اہل سنت کا تو نہیں۔ ان کے ہاں سب سے افضل انبیاء علیہم السلام ہیں اور حضرت علیؓ درجہ چہارم میں سب امت سے افضل ہیں اور بنو امیہ تو بیٹی کی اولاد کو فرزند کا درجہ نہیں دیتے تھے۔

شبث بن ربعی کی شیعیت کسے معلوم نہیں۔ صفین میں حضرت علیؓ کا سفیر خاص تھا۔ حضرت حسنؓ کے ساتھ تھا۔ اب حضرت حسینؓ کو بلانے والا تھا۔ مگر امام کے مقابل ... ہم کے لشکر پر امیر بن کر آیا تھا (جلاء العیون) اور سب سے پہلے امام کا سر تن سے جدا کرنے کے لیے گھوڑے سے یہی اترا تھا۔ (خلاصۃ المصائب ص۲۷)

حضرت حسینؓ کے سالے قیس بن اشعث کا تشیع کسے معلوم نہیں اس نے لڑائی کے بعد جسد اطہر حسینؓ سے چادر بھی چھین لی۔ (خلاصۃ المصائب ص۱۹۲)

امام کے بالمقابل صرف وہی بے حیا کوفی تھے جنہوں نے نامہائے پردغا جناب امام حسینؓ کو لکھے تھے۔

؎ نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے۔ نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں۔

اہلِ کوفہ کا تشیّع

"اہلِ کوفہ کے تشیع پر تبصرہ" کے عنوان میں محمد حسین صاحب لکھتے ہیں۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوفہ کو دارالخلافت قرار دیا اور وہ شیعانِ علیؓ کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مگر یہاں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس دور میں بالعموم جو لوگ شیعانِ علیؓ کہلاتے تھے۔ وہ صرف اس معنیٰ کے اعتبار سے شیعہ تھے کہ معاویہؓ کے مقابلے میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ ورنہ حقیقی معنوں میں وہ شیعہ نہ تھے بلکہ جناب امیر کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرتے تھے (نہ خلیفہ بلافصل) ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی قلیل تھی جو صحیح معنوں میں شیعہ علیؓ تھے وقلیل من عبادی الشکور (تجلیاتِ صداقت ص۵۴)

سبحان اللہ! یوں تو شیعہ بڑی چالاکی اور فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کی ابتداء امام اول حضرت علیؓ نے وفاتِ نبوی کے بعد ڈالی۔ مگر جب "قاتلِ حسینؓ" ہونے کی تلوار سر پہ پڑی تو فوراً مرکزِ خلافت علوی کے پاسبان خاص شیعانِ علی کو بھی خلیفہ چہارم ماننے والے اور خلیفہ بلافصل کے منکر بتلایا۔ شتر مرغ کی مثال اس پہ صادق آتی ہے۔ اگر واقعی شیعانِ علیؓ سیاسی طور پر حریف معاویہؓ اور حامیانِ علیؓ ہو کر آپ کو خلیفہ بلافصل نہیں بلکہ خلیفہ چہارم مانتے تھے تو اظہر من الشمس ہو گیا کہ رافضی فرقہ شیعہ جو اصول و فروع میں مسلمانوں سے الگ مذہب رکھتا ہے بہت بعد کی پیداوار ہے۔ حضرت علیؓ و حسنؓ و حسینؓ رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب ہرگز نہ تھا۔ نہ ان کے شیعوں اور پیروکاروں کا۔ اور نہ ان آئمہ نے خلافت بلافصل کی ان کو تعلیم دی تھی۔ ورنہ وہ آپ کو چوتھا خلیفہ ماننے کے بجائے خلیفہ بلافصل مانتے۔ آئمہ کی شاگردی کے بعد یہ گمراہی کیوں لی؟

اس اعترافِ حقیقت کے بعد صحیح معنوں میں شیعہ علیؓ کی بہت قلیل تعداد ہونے کا دعویٰ مضحکہ خیز ہی ہے آیت وقلیل من عبادی الشکور کو ہر گمراہ اقلیت پڑھتی ہے۔ وجہ ترجیح ہونی چاہیے۔ وہ قلیل صحیح معنوں میں شیعہ وہی نہ ہوں جو حضرت علیؓ کو مشکل کشا، حاجت روا۔ عالم الغیب۔ مختارِ کل۔ پیکرِ انسانی میں نورِ خدا (یعنی الٰہ) مانتے تھے۔ اور جن کو حضرت شیرِ خدا نے گڑھے کھود کر زندہ جلا دیا تھا (رجال کشی ص۷۲) ستر اسی نفر تھے۔

دوسری بات کے سلسلے میں کہتے ہیں۔ دوسرے شیعان کوفہ جیسے کچھ بھی تھے معاویہؓ کو ان سے اصلی بغض تھا کہ انہوں نے اس کے مقابلے میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا چنانچہ جب معاویہؓ کو اسلامی ممالک پر تسلط ہوا اور اس نے نامعلوم باپ کے بیٹے زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو اہلِ کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کان اشد الناس بلاء حینئذ اھل الکوفۃ۔ پھر شیعہ پر مظالم کی وضعی کہانی لکھنے کے بعد کہتے ہیں۔ ان حالات میں بھلا کوئی عقلِ سلیم رکھنے والا شخص ایک لمحہ کے لیے بھی باور کر سکتا ہے کہ تیس ہزار کا لشکر جرار برائے نصرتِ امام، شیعانِ کوفہ سے تیار کیا گیا تھا۔ پھر دعوتی خطوط لکھنے والوں کو بھیڑ چال سے تشبیہ دیتے ہوئے اور آلِ زیاد کے مظالم کا ورد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں "کوفہ میں ۱۸ اٹھارہ ہزار کی تعداد میں کیا شیعہ ہو سکتے تھے ہرگز نہیں کسی آدمی کے اپنے تئیں شیعہ ظاہر کرنے سے وہ حقیقی شیعہ نہیں بن جاتا یہی وجہ ہے کہ امام کو بھی ان تمام پر اعتماد نہ تھا جب ہی تو جناب مسلم کو جانچ پڑتال کے لیے روانہ کیا۔ (تجلیات صفحہ ۱۲۳)

واہ واہ! کس چالاکی اور سخن سازی سے اہل کوفہ کے تشیع کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اسے کہتے ہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

جنابِ من! جب شیعہ کہلانا صداقت کی دلیل نہیں۔ نہ اپنے تئیں شیعہ ظاہر کرنے سے کوئی حقیقی شیعہ بن جاتا ہے تو پھر شیعہ کہلاتے کیوں ہو؟ شیعہ کہلا کر گروہ بندی کی تاسیس و تعمیر کیسے؟ ظاہر و باطن میں اہلِ بیت کی اتباع کر کے متبع اہلِ بیت کیوں نہیں کہلاتے۔ اگر حضرت علیؓ و حسینؓ کے اصحاب۔ ان کے مقتدی، شاگرد طرفدار بن کر آلِ زیاد کے ہاتھوں ظلم و ستم کا نشانہ بن کر بھی کوئی حقیقی شیعہ نہیں بن سکتا۔ تو آج کل ظاہر شریعتِ جعفری کے بھی تارک صرف عشرہ محرم میں ماتمی رسوم اور سیاہ پوشی کی وجہ سے شیعہ علیؓ کہلانے والے کیسے حقیقی شیعہ ہیں؟ ماتمی محافل و جلوسوں کا یہ انبوہِ کثیر بقولِ شما بھیڑ یا دھیان، اور جدھر ایک چلا ادھر سب کا مصداق کیوں نہیں؟ کیا ان میں اور قرونِ اول کے شیعانِ علیؓ و حسینؓ میں یہی فرق ہے کہ یہ (عہدِ حاضر کے شیعہ) قرآن کی تحریف اور کمی بیشی کے قائل۔ آئمہ اہلِ بیت کو حضورﷺ کے درجہ و منصب میں شریک ماننے والے۔ امہات المومنینؓ اور خلفائے ثلاثہؓ پر تبرا کرنے والے اور صحابہ کرامؓ نیز تمام امتِ محمدیہﷺ کو اپنے سوا دائرۂ ایمان و نجات سے خارج مانتے ہیں اور وہ اصحاب ثلاثہؓ کو بالترتیب

یہ حق خلفاء تسلیم کرتے۔ حضرت امیر کو خلیفہ بلافصل کے بجائے رابع تسلیم کرتے تھے اور امیر معاویہ رضی اور آپ کی آل کو خلافت کا مستحق تسلیم نہیں کرتے تھے اور حمایت اہل بیت کرتے تھے۔ جب یہ حقیقت ہے تو ہم بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود حضرت علی و حسنین رض کے شیعہ اولیٰ کو اپنا دینی بھائی اور مسلمان تصور کرتے ہیں۔ صدیوں بعد کی پیداوار روافض کو نہیں مانتے۔

غدر و نفاق کی اہم وجہ اہل حق کے ساتھ اس قرب کے باوجود اہل بیت کے ساتھ ان کی غداری اور بے وفائی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان میں غالب عنصر نومسلم یہود و مجوس کا منافقانہ رنگ میں آگیا۔ جن کا مقصد وحید تشیع اور سیاسی اختلافات کی آڑ میں مسلمانوں کے ملی اتحاد و اتفاق کو تہ و بالا کرنا تھا۔ شہادت عثمان ذی النورین رض حادثہ جمل و صفین و نہروان انہی کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ وہ حب علی رض نہیں بغض معاویہ رض کے تحت مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے تھے۔ حادثہ کربلا کے بعد بھی وہ اسی لیے متمنی تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اہل بیت رض سے محبت ان کے کمالات کی وجہ سے نہیں بغض حضرت عثمان رض۔ معاویہ رض اور یزید کے مقابل مستحق خلافت ہونے کی وجہ سے عقیدت ہو تو یہ مفادات کے تحت سیاسی محبت بھی رنگ لاتی ہے۔ نہ ادھر نہ ادھر اس میں وفاداری کیسی؟ لہٰذا ہم تاریخی مطالعہ میں بیانگ دہل اور علیٰ وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ شیعہ علی رض و حب اہلبیت کے دعویٰ کے ساتھ جو تحریک بھی اٹھی اور جو گروہ بھی آگے بڑا وہ بالآخر غدار ہو کر ناکام ثابت ہوا۔ قدرت نے وفاداری کا مادہ ہی سلب کر لیا۔ شیعی آئمہ کی تاریخ اس پر گواہ ہے آج شیعہ لاکھوں کروڑوں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اپنے امام عصر سے ایمان و وفا کا تصدیق نامہ تو لا کر دکھائیں۔ وہ تو ۱۲۰۰ سال سے نامعلوم غار میں ۳۱۳ مخلص مومنوں کی انتظار میں ہیں۔ مگر افسوس تا ہنوز۔ ایران جیسی مستقل شیعہ ریاست اور خمینی کے اقتدار ہونے کے باوجود۔ ۳۱۳ مومن کامل بھی پیدا نہ ہو سکے اور نہ امام کو یہ یقین ہے کہ میرے ظاہر ہونے سے دار الخلافہ طہران مجھے مل جائے گا۔

آخر میں "لمحۂ فکریہ" کے عنوان سے محقق صاحب کا وہ بڑا جھوٹ بھی ملاحظہ ہو جس سے شہداء کربلا کی ارواح مقدسہ کو بھی اذیت ہو گی۔

"یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان خطوط لکھنے والوں میں جو بعض لوگ واقعی

شیعہ تھے۔ ان میں سے کسی ایک شخص کی موجودگی بھی واقعہ کربلا میں امام کے مقابلہ پر ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض (جیسے حبیب بن مظاہر، سعید بن عبداللہ، عبدالرحمن بن عبداللہ وامثالہم) امام کے ہمرکاب ہو کر شہید ہوئے۔ اور دوسرے بعض بعض موانع وعوائق کی وجہ سے نصرت امام کا فریضہ ادا نہ کر سکے۔ اور بعد میں انتقام امام کے جذبہ سے سرشار ہو کر اٹھے اور توابین کہلائے (تجلیات صداقت ص۵۹۴)

قارئین! چند ورق پیچھے الٹ کر حضرت حسینؓ کے لشکر مقابل سے مکالمے اور خطوط کے حوالے نام بنام ان کو پکارنا اور شیث بن ربعی۔ حجار بن ابجر جیسے لوگوں کو شرمندہ کرنا اور بددعائیں دینا ملاحظہ کر کے "محقق فاضل کو دروغ گوئی پہ داد تحسین دیں۔ ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

محقق صاحب حقیقی شیعہ کی کوئی پہچان اور علامت تو بیان کر دیتے۔ "توابین" کا لفظ ہی ان کو مجرم ثابت کر رہا ہے۔ وہ خود قتل کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اپنے آپ کو قتل اور خون ریزی کرنے کے باوجود مجلسی صاحب فائدہ نبخشید (یعنی گناہ معاف نہ ہوا) کا فتویٰ لگا چکے ہیں۔ پھر بھی ان قاتل امام شیعہ کو لعنت کرنے کے بجائے لعن طعن سے بچاتے ہوئے بعض موانع وعوائق کا عذر کرنا اور بعض اعتبار سے مجبور ومحصور ماننا فرقہ بندی کی بدترین مثال ہے۔ ان مجرموں سے محض رشتہ تشیع کی وجہ سے فریضہ دفاع ادا کر کے حضرت امام عالی مقام کو سلطان المحققین صاحب نے کیا انتہائی دکھ نہیں پہنچایا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اہل سنت نے امام کی نصرت کیوں نہ کی؟

اب سوال کا آخری جز قابل جواب ہے کہ اس وقت کروڑوں اہل سنت نے امام کی نصرت کیوں نہ کی۔ یہاں معترض نے پہلی صدی میں ہی کروڑوں اہل سنت کا وجود تسلیم کر کے ان کی قدامت وصداقت اور مذہب شیعہ کے جدید و بدعت ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ والفضل ماشہدت بہ الاعداءُ۔

رہا یہ امر کہ اہل سنت نے نصرت نہ کی، تو وضاحت یہ ہے کہ کوفہ شیعستان تھا۔ ملا نور اللہ شوستری رقمطراز ہیں۔

وبالجملہ تشیع اہلِ کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد وسنی بودن کوفی الاصل محتاج بدلیل است اگرچہ ابوحنیفہ کوفی باشد۔

(مجالس المومنین ص ۵۶ بیان کوفہ۔

خلاصہ یہ کہ تمام اہلِ کوفہ کا شیعہ ہونا دلیل دینے کا محتاج نہیں ہے اور کوفی الاصل کا سنی ہونا دلیل کا محتاج ہے اگرچہ امام ابوحنیفہ کوفی ہو۔

جب آپ لوگ کوفیوں کو سنی مانتے ہی نہیں پھر نصرت کا سوال کیسا؟ اگر اپنی کتب سے خالص الاعتقاد سنی بتائیں تو جواب دیا جائے گا۔ بروایت مجلسی در جلاء العیون ص ۳۶۷ ایک لاکھ تواریں مہیا کر کے حکومت کے لیے آپ کو بلانے والے شیعہ پر یہ یقین نہ تھا کہ وہ خود ہی امام مظلوم کو شہید کر کے اسلام زندہ کر دکھائیں گے۔ سب حضرات اہلِ مکہ نے اور حضرت علی رضی کے کئی صاحبزادوں اور دامادوں نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا جنکی تفصیل جلاء العیون ص ۳۶۸ تا ۳۷۲ پہ ہے اور نام ہم شروع بحث میں ذکر کر چکے ہیں۔ مگر حضرت جانے پر اصرار کرتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو صاحبزادوں کے ذریعے حاکم مکہ عمرو بن سعد سے امان نامہ لکھوا کر حضرت کو دیا اور حاکم مدینہ ولید نے از خود ابن زیاد کو لکھا کہ حضرت حسین رضی تیری طرف آرہے ہیں وہ رسولِ خدا کی صاحبزادی کے دلبند ہیں ان سے نہ الجھنا اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔ مگر اس خط کا اس پر اثر نہ ہوا۔

(جلاء العیون ص ۳۷۲)

اس قدر ہمدردی اور سدِ باب کے باوجود بھی بطورِ احتیاط سنی اہلِ مکہ نے ۵۰۔۶۰ کے لگ بھگ نوجوان حضرت حسین رضی کے ساتھ کر دیے جنہوں نے کبھی شیعہ بننے کا دعویٰ نہیں کیا مگر آخر دم تک شرطِ وفاداری میں حضرت حسین رضی کے ساتھ شہید ہوئے۔ اہلسنت کے آرگن النجم لکھنؤ کے کربلا نمبر میں شہداءِ کربلا کی فہرست ۱۰۵ انفرادی ہے جن میں حضرت حسین رضی کے ساتھ ۲۰ عدد ان کے اعزہ کے نام ہیں۔ مثلاً ابوبکر بن حسن۔ عمر بن حسن۔ ابوبکر، عمر، عثمان صاحبزادگان علی رضی اللہ عنہم، باقی ۸۵ عدد غیر اہلِ بیت ہیں۔ ان میں حبیب بن مظاہر، سعید وعبدالرحمٰن بن عبداللہ رح کوفہ کے چند حضرات ہیں باقی سب سنی الاصل مکی ہیں۔ اور انصار صحابہ وتابعین کی اولادیں ہیں۔ مثلاً محمد بن مقداد انصاری۔ سیف بن مالک انصاری۔ محمد بن انس انصاری۔ قیس بن ربیع انصاری۔ عامر بن مسلم۔ جوبیر بن مالک۔ فرغانہ بن مالک۔ نعیم بن عجلان۔ ابوثمامہ۔ عمار بن

ابی سلامت، شیبب بن حارث۔ مالک بن سریع۔ عمار بن حسان، زبیر بن حسان۔ حماد بن انس۔ وقاص بن مالک۔ خالد بن عمر، مجمع بن عبداللہ عائذی وغیرہم ہیں۔ (کذا فی النجم لکھنؤ بابت محرم ۱۳۵۶ھ)

اس کھلی حقیقت کے باوجود شیعہ کے عناد اور کتمانِ حق۔ جو ان کے ہاں بڑی عبادت ہے، کا یہ عالم ہے کہ ان بزرگوں کا نام لینا ہی شیعہ ذاکرین گناہ سمجھتے ہیں۔ کوفہ شیعستان ہونے کی وجہ سے اہلِ سنت کی نصرت کا یہاں سوال نہ تھا۔ ہاں جب قافلہ اہلبیت شہرِ دمشق میں پہنچا تو وہاں صدمہ سے ہر آنکھ اشکبار تھی۔ خود یزید نے شیعہ کی بڑی عبادت ماتم۔ جس کے ایک قطرۂ آنسو سے سب صغائر و کبائر معاف ہو جاتے ہیں۔ (جلاء العیون ص ۳) ادا کی۔ طمانچہ بر روئے خود زدو گریست۔ منہ پر طمانچے مار کر رونے لگا۔ حضرت حسینؓ کا سر لانے والے قاتل کو قتل کرا دیا (جلاء العیون ص ۴۲۷) ابنِ مرجانہ پر لعنت کی اور انعام کے لالچیوں کو پھٹکار کا نمونہ دکھا کر دھتکار دیا۔ پھر اہلِ بیت سے حسنِ سلوک کرتا رہا۔ ان کو جگر کا غم نکالنے کی پوری اجازت دی۔ حضرت زین العابدینؒ کو کئی دن تک اپنے ساتھ شاہی دسترخوان پر کھانا کھلاتا رہا۔ آٹھ دن گزرنے کے بعد سب اہلبیتؓ کو بلایا اور معافی چاہتے ہوئے شام میں ٹھہرنے کی درخواست کی۔ حضرت زینبؓ خواہرِ حسینؓ تو وہیں رہ پڑیں اور وہیں وفات پائی اور شام میں آج تک ان کا مزار مرجع خلائق اور زیارت گاہِ انام ہے۔ باقی قافلہ کی روانگی کے لیے خوبصورت کجاوے تیار کرائے اور ان کو سفر خرچ دیا۔

"حضرت زین العابدینؒ کی طلب پر حضرت حسینؓ کا سر مبارک ان کو دے دیا۔ کوفی غنڈوں کے ہاتھوں لوٹے ہوئے سب مال کی ادائیگی کی اور وہ کپڑے بھی لوگوں سے وصول کر کے ادا کیے جو حضرت فاطمہؓ نے خود سوت کات کر بنوائے تھے۔ مستورات کے برقعے لباس اور ہار وغیرہ زیورات واپس کرائے پھر دو صد سونے کے دینار حضرت زین العابدینؒ کو دیئے۔ حضرت نے وہ قبول کر کے فقراء پر تقسیم کر دیئے۔ پھر یزید نے دمشق ٹھہرنے کا اختیار دیا۔ حضرت نے مدینہ واپسی کو ترجیح دی۔ (جلاء العیون ص ۴۴۹)

شیخ مفید اور دیگر شیعہ مورخین کی روایات کے مطابق یزید نے حضرت نعمان بن بشیرؓ صحابی کو بلا کر کہا کہ اہلِ شام کے نیک با اعتماد اور امین و دین دار آدمی کو اس قافلہ کے ساتھ مدینہ بھیجو۔ ایک روایت کے مطابق نعمانؓ کو ہمراہ کیا۔ پھر امام زین العابدینؒ کو بلایا اور لوگوں

کی علامت اٹھانے کے لیے کہا۔ لعنت ہو خدا کی ابن مرجانہ پر۔ اللہ کی قسم اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو امام حسینؓ جو کچھ مجھ سے مانگتے میں دے دیتا اور ان کے قتل پر ہرگز راضی نہ ہوتا۔ اے زین العابدینؒ! ہمیشہ مجھ سے خط و کتابت کرتے رہنا اور اپنی ہر ضرورت مجھے لکھنا کہ پوری کی جائے گی پس جس آدمی کو ہمراہی قافلہ کے لیے تیار کیا تھا اسے بلا کر اہل بیت کے حق میں حسن سلوک کی خوب تاکید کی۔ (جلاء العیون ص ۵۰۴)

سنی مورخین نے بھی بالکل اسی طرح لکھا ہے۔ غالباً یہ اسی حسن سلوک کا اثر تھا کہ جب اس حادثہ کے تین سال بعد ۶۳ھ میں یزید کے فسق کی افواہ اڑنے پر اہل مدینہ نے بغاوت کر دی تو حضرت زین العابدینؒ نے اس میں کچھ حصہ نہیں لیا بلکہ اپنے متعلقین کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرح سختی سے روکا۔ یزید کی فوجوں کو بھی یہی حکم تھا چنانچہ انہوں نے حضرت سجاد اور خاندان اہل بیتؓ سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

گو شیعہ مولفین نے اس حقیقت کو یوں مسخ کر کے پیش کیا ہے کہ حضرت نے یزید سے قتل کے ڈر سے خود کو یزید کا غلام کہا۔

فقال له علي بن الحسين قد اقررت لك ما سالت انا عبد مكره فان شئت فامسك وان شئت فبع

(روضہ کافی ص ۲۳۵ ط ایران)

حضرت علی بن حسینؓ نے فرمایا جو چیزیں تو مانگتا ہے میں نے ان باتوں کو تسلیم کر لیا۔ میں تیرا مجبور غلام ہوں تو چاہے تو اپنے پاس رکھ اور چاہے تو بیچ دے (العیاذ باللہ)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ کچھ حاطب اللیل مورخین کے بیان کے مطابق یزید نے سر مبارک کے ساتھ بے حرمتی کی اور مخدرات عصمت کے ساتھ نامناسب مکالمہ بھی کیا۔ قطع نظر اس کے ثبوت و عدم ثبوت کے یہ ایک حقیقت ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا صریح حکم ہرگز نہیں دیا۔ صرف نئے گورنر کا تقرر، اہل کوفہ کی بغاوت فرو کرنے کا حکم یا بصورت انکار بیعت حضرت حسینؓ کو زندہ اپنے پاس پہنچانے کا حکم مورخین نے لکھا ہے۔ ہر حکومت اپنی مخالفت کو روکنے کے لیے ایسے احکام دیتی ہے خواہ مقابلے میں کوئی بھی ہو۔ اسے قتل امام حسینؓ کے متعلق مظنہ نہ تھا۔ مولانا سید معین الدین شاہ ندوی تاریخ اسلام ج ۱ ص ۳۶۸ پر رقم طراز ہیں۔

"یہ حادثہ عظمیٰ یزید کی لاعلمی میں اور بغیر اس کے حکم کے پیش آیا تھا کیونکہ اس نے صرف بیعت لینے کا حکم دیا تھا لڑنے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس لیے جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو اس کے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا "اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو اگر میں موجود ہوتا تو خدا کی قسم حسینؓ کو معاف کر دیتا۔ خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے (بحوالہ طبری ج ۷ ص ۲۷۵ و اخبار الطوال ص ۳۷۲) الغرض یزید حضرت امام حسینؓ کے قتل پر راضی نہ تھا اس نے اہل بیت کے ساتھ ہر ممکن عمدہ سلوک کیا لیکن اس کے عہد میں اہلِ بیتؓ کی پامالی ہوئی۔ خاندانِ رسول کے ساتھ شدید ظلم و تشدد ہوا اور ان کی ناقابلِ تلافی بے حرمتی ہوئی۔ اس حسنِ سلوک کے باوجود اہلِ بیت کی عزت کا مداوا اور بدنامی کا ازالہ کسی صورت سے نہیں ہو سکتا۔ یزید کی حماقت اور ابنِ زیاد کی رعونت و سرکشی نے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کو اور عزتِ اہلِ بیتؓ کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ ہم دفاع یا طعن کے بجائے معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ جو ہر مسئی اور صالح کو بدلہ دے گا۔

الغرض قافلۂ اہلِ بیتؓ نے مدینہ ہی میں سکونت اختیار کی یہاں کسی کی طرف سے اہلِ بیتؓ کو گزند نہ پہنچا۔ کیا اہلِ مکہ و مدینہ یعنی اہلِ سنت سے بڑھ کر بھی اہلِ بیت کے لیے کوئی محسن و خیرخواہ ہوا ہے؟ آخر حضرت حسنؓ حسینؓ، زین العابدین، محمد باقر و جعفر صادق (رحمہم اللہ) نے (مسکنِ پدر) عراق و کوفہ چھوڑ کر مدینہ کی رہائش کیوں اختیار کی تھی؟ مکہ و مدینہ کے مراکزِ اہلِ سنت ہونے پر قاضی نور اللہ شوستری کی شہادت ملاحظہ ہو۔

اما مکہ و مدینہ محبت ابوبکر و عمر بر ایشاں غالب است (مجالس المومنین ص ۵۵ حال کوفہ)

مکہ اور مدینہ والوں میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت کا غلبہ ہے۔ (ان کو ہی افضل مانتے ہیں۔)

یہاں شیخینؓ کی محبت غالب کیوں نہ ہو۔ امام الانبیاءؐ کا مولد، مسکن و ماویٰ ہیں۔ پانی کی جگہ نمناک، آگ جلنے کی جگہ گرم ہوتی ہے۔ سایہ میں ظلمت اور دھوپ میں نورانیت ہوتی ہے۔ صداقتِ اہلِ سنت پر اس سے بڑی شہادت کیا چاہیئے؟

سوال ۷۔ اگر حضرت علیؓ کا حکومتِ وقت سے اختلاف نہ تھا تو ان تینوں حکومتوں

کے دور میں کسی جنگ میں شریک کیوں نہ ہوئے جب کفار سے جنگ کرنا بہت بڑی عبادت و سعادت ہے۔ اور اگر کثرتِ افواج کی وجہ سے ضرورت محسوس نہ ہوئی تو جنگ جمل و صفین میں بنفس نفیس کیوں ذوالفقار کو نیام سے نکال کر میدان میں اتر ے۔ کیا خالد بن ولید حضرت علیؓ سے زیادہ شجاع تھے؟ یا حکومت وقت کے ساتھ حضرت علیؓ کے تعلقات اچھے نہ تھے کہ سیف اللہ کا خطاب خالدؓ بن ولید کو مل گیا۔ نیز تعلقات اچھے ثابت کرتے ہوئے تاریخ طبری سے جو دو مکالمے مولانا شبلیؒ نے کتاب الفاروق ص ۲۸۵ پر نقل کیے ہیں پیش نظر ہیں۔ انصاف سے یہ دونوں مکالمے جو حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے مابین ہیں پڑھ کر فیصلہ صادر فرمائیں۔

الجواب۔ یہ سوال بناتے وقت شیعہ معترض اپنی عقل کو بھی کھو بیٹھا ہے کہ متواتر حقائق کا انکار کر رہا ہے۔ خلفاء ثلاثہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کے بہتر تعلقات تاریخی حقیقت ہیں۔ شیعہ اگر منکر ہیں تو تاریخی طور پر ان کو وہ واقعات بتانے چاہییں جن میں صراحۃً حضرت علیؓ نے خلفاء پر تنقید کی ہو یا ان سے الگ تھلگ رہے ہوں۔ جب ایسا ثبوت ناممکن ہو تو پھر شیعہ کا حسن تعلقات کا مطالبہ ہم سے ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھا دوپہر میں سورج کے وجود پر دلیل مانگے۔ ظاہر ہے کہ جب اندھا دیکھ ہی نہیں سکتا ہم اسے سورج کا وجود کیسے باور کرائیں گے۔ یعنی خلافت راشدہ کی پوری تاریخ کے مطالعہ میں جب شیعہ کو اچھے تعلقات نظر نہیں آتے تو کیا ہمارے دو چار واقعات لکھ دینے سے وہ مان لیں گے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ: نصِ قرآنی وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (ان مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورے سے ہوتے ہیں) کے تحت ان کی شوریٰ کے مشیر اور ممبر تھے۔ عدلیہ کے معتبر قاضی تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں نیابت و وزارت کے فرائض سر انجام دیتے تھے۔ خلفاءؓ کی کسی پالیسی اور امر و نہی سے اختلاف نہ کرتے۔ بہت سے مسائل میں مفید مشورے دیتے جو عموماً قبول کر لیے جاتے۔ خلفاءؓ سے عطایا اور تنخواہیں وصول کرتے بلکہ ذریعہ معاش یہی تھا۔ حضرت حسینؓ کے لیے ایرانی باندی شہر بانو قبول کر کے سب سادات کی ماں بنا دیا۔ حضرت علیؓ نے اپنی لختِ جگر ان کو بیاہ کر دے دی۔ اگر تقیہ دختر لعثمان داد ولی دختر بعمرؓ فرستاد (مجالس المومنین ج ا ص ۲۰۴)

ان امور کی تفصیل اسی کتاب الفاروق سے واضح ہو جس سے طاعن نے یہ سوال اختراع کیا ہے۔

۱۔ حضرت علی رضؓ مجلسِ شوریٰ کے ممبر تھے۔ علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں مجلسِ شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان رضؓ حضرت علی، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) اس میں شامل تھے۔
(کنز العمال ج ۳ صہ ۱۳۴ بحوالہ طبقات ابن سعد الفاروق صہ ۲۸۴)

۲۔ آپ قاضی و مفتی بھی تھے۔ مدینہ منورہ میں عہدِ خلافتِ راشدہ میں کتنے فیصلے دیئے۔ حضرت عمر رضؓ نے نامور مفتیوں میں آپ کا شمار کر کے، فتویٰ پر مامور کیا۔ شبلیؒ نے مفتیوں کی فہرست یہ دی ہے۔ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت معاذ بن جبل، عبدالرحمٰن بن عوف، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو ہریرہ، ابو الدرداء رضی اللہ عنہم۔ (الفاروق صہ ۴۲۳ ازالۃ الخفاء صہ ۱۳)

۳۔ غیر موجودگی میں نائب خلیفہ بھی تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت علی رضؓ کی رائے پر فتح بیت المقدس کا سفر خود کیا۔ حضرت علی رضؓ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار ان کے سپرد کر گئے۔ (فتوح البلدان صہ ۱۴۱)

علامہ شبلیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے بعد خلافت کی نامزد کمیٹی کے جملہ بزرگوں میں وہ حضرت علی رضؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (الفاروق صہ ۲۶۵)

۴۔ شیخین رضؓ کا اتباع

خلفاء کے کسی امر و نہی سے اختلاف نہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے خلافت میں بھی تمام قضاۃ کو حکم دیا کہ جیسے پہلے دستور کے مطابق تم فیصلے کرتے تھے اسی طرح اب بھی کرو کیونکہ میں اختلاف ناپسند کرتا ہوں تا آنکہ سب لوگ ایک جماعت ہو جائیں یا میں وفات پا جاؤں۔ جیسے مجھ سے پہلے میرے ساتھی خلفاء وفات پا گئے۔ (بخاری ج ۱ صہ ۵۲۶) یہی کچھ شیعہ کے شہیدِ ثالث شوستری نے مجالس المومنین ج ۱ صہ ۵۲ پر حضرت امیر رضؓ سے نقل کیا ہے۔

۵۔ حضرت علی رضؓ کی شیخین رضؓ سے موافقت اور ان کے ہر کام کے اسلامی ہونے پر تصدیق

ایک تاریخی حقیقت ہے۔ "جنگ نہروان کے موقعہ پر ربیعہ بن شداد نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے کتاب اللہ و سنت رسولؐ کے بعد سنتِ ابی بکرؓ و عمرؓ کا نام لیا تو آپ نے فرمایا۔ بے وقوف اگر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے برخلاف عمل کیا ہوتا تو وہ کسی بات میں حق پر نہ ہوتے (طبری ج ۵ ص ۷۶) یعنی ان کی سنتِ طیبہ بعینہٖ سنتِ نبوی کے مطابق اور اس میں مدغم ہے۔ علیحدہ تصریح کی حاجت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انتخاب حضرت عثمانؓ کے موقعہ پر طبری کی روایت سے شیعہ جو دھوکہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے شیخینؓ کی سیرت کو قرآن و سنت کے ساتھ الگ ذکر کرنا پسند نہیں کیا تو اس کی یہی وجہ ہے کہ سیرتِ شیخینؓ قرآن و سنت سے الگ نہیں۔ اسی کی عملی تفسیر ہے لہٰذا علیحدہ ذکر سے اس کی علیحدگی کا گمان ہوتا ہے جو حقیقت کے خلاف ہوگا۔ ورنہ وہ مغایرت کے ہرگز قائل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیرِ خدا کے پروردہ و مزاج شناس حضرت حسن المجتبیٰؓ بھی شیخینؓ کی سیرت کو برحق اور مخالفت کو ناجائز کہتے تھے جب آپ نے خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کی تو یہ شرط لگائی۔

متعرض او نگردد بشرط آنکہ او عمل کند درمیانِ مردم بکتاب خدا و سنتِ رسول خدا و سیرت خلفاء شائستہ (جلاء العیون ص ۲۵۴)

کہ حسنؓ معاویہؓ کی مخالفت نہ کریں گے بشرطیکہ وہ کتاب اللہ و سنتِ رسولؐ اور سنتِ خلفاء نیکوکار راشدینؓ کے طریقے پر لوگوں میں عدل و حکومت کریں۔

زہد تقویٰ اور نظریہ میں حضرت مرتضیٰؓ کی تصویر حضرت ابوذر غفاریؓ بھی سیرتِ شیخینؓ کو واجب العمل جانتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ سے فرمایا۔

ابوذر گفت تو بر سیرت و سنتِ ابوبکر و عمر رو تا فارغ باشی و کسے بر تو انکار نکند و در آنچہ گوئی و کنی انگشت ننہند (مجالس المومنین ج ۱ ص ۲۲)

ابوذرؓ نے فرمایا اے عثمانؓ آپ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سیرت پر چلتے رہیں تاکہ مطمئن ہوں کوئی آپ پر اعتراض نہ کرے اور آپ جو کچھ کہیں اور کریں اس پر انگلی نہ رکھے۔

معلوم ہوا کہ سیرتِ شیخینؓ ہر قسم کے اکابر صحابہؓ میں بھی مقبول و مسلم تھی۔ حضرت عثمانؓ سے کسی صحابی کو اگر پالیسی میں اختلاف ہوا تو اپنی دانست میں سیرتِ شیخینؓ کے خلاف جانا گیا

شیخینؓ کی صداقت اور ان سے حضرت علیؓ، حسنؓ، ابو ذر غفاریؓ کے حسنِ تعلقات میں اب بھی شبہ ہے۔

۶۔ خلفاء سے عطیات و وظائف پانا | جب اصحابِ بدر کے وظائف مقرر ہوئے تو حضرت علیؓ کا بھی ان کے برابر ۵۰۰۰ درہم مقرر ہوا

حضرت حسنؓ و حسینؓ گو بدری نہ تھے مگر قرابتِ نبوی کی وجہ سے ان کا بھی پانچ پانچ ہزار عطیہ مقرر کیا (الفاروق ص۶ بحوالہ کتاب الخراج ص ۲۴-۲۵)

(یہیں سے حضرت عمرؓ کی اہلبیتِ نبوی سے مودت و محبت کا اندازہ عقلِ سلیم لگا سکتی ہے۔)

۷۔ حضرت حسینؓ کے لیے یزدجرد شاہِ ایران کی بیٹی شہر بانو کو حضرت عمرؓ کی اجازت پر قیدیوں میں سے قبول کیا۔ (ملاحظہ ہو جلاء العیون ص ۴۹۵)

اب اگر حضرت عمرؓ خلیفہ برحق نہ تھے اور ان کی جنگیں شرعی جہاد نہ تھیں (اس لیے حضرت علیؓ نے کسی جنگ میں شرکت نہ کی جیسے روافض کا خام خیال اس سوال میں بھی مذکور ہے) تو پھر ان فتوحات کے غنائم اور قیدی سب ناجائز ہاتھ آئے۔ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو یہ وظائف اور باندی ہرگز جائز نہ تھی۔ کیا یہ حضرات عمر بھر (معاذ اللہ) حرام کھاتے رہے اور سادات کا نسب بھی مخدوش ہو گیا؟۔

۸۔ حضرت علیؓ کے حضرت عمرؓ کے ساتھ حسنِ تعلقات کی حد یہ ہے کہ اپنی لختِ جگر ام کلثومؓ بنتِ فاطمۃ الزہراؓ بھی نکاح کر کے دے دی۔ مجالس المومنین کا ایک حوالہ گزر چکا ہے ص۱۸۲ اور ص ۱۸۸ میں بھی باقاعدہ ذکر کیا ہے۔

مزید تصریح فروع کافی ج ۲ ص ۱۴۱ باب تزویج ام کلثوم، تہذیب الاحکام ص ۳۸۰ اور فروع کافی ج ۲ ص ۳۱۱ پر ملاحظہ کریں۔

اس برضا و رغبت نکاح کو شیعہ معاذ اللہ۔ اغواء، غصب فرج، جبر اور اکراہ سے تعبیر کر کے حضرت علیؓ کی غیرت کا جنازہ نکال دیں تو یہ انہی کا ایمان یا جگر گردہ ہے ایک مسلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔

صرف عملی تعلقات ہی بہتر نہ تھے بلکہ اعتقادی اور لسانی طور پر آپ ان خلفاء کی تعریف میں رطب اللسان رہتے۔

حضرت علیؓ اور مدحِ شیخینؓ

نہج البلاغہ میں آپ کا یہ مشہور خطبہ ہے۔

للہ بلاد فلان فقد قوم الاود وداوی العمد واقام السنۃ وخلف الفتنۃ ذہب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرھا وسبق شرھا ادی الی اللہ طاعتہ واتقاہ بحقہ رحل وترکھم فی طرق متشعبۃ لا یھتدی فیھا الضال ولا یستیقن المھتدی (نہج البلاغہ مع شرح فیض الاسلام ج ۲ ص ۷۳۱)

بخدا فلاں آدمی (حضرت عمر یا ابوبکر) کتنی خوبیوں کا مالک تھا کجی کو سیدھا کیا، خرابی کی اصلاح کی سنت کو لوگوں میں قائم کیا اور فتنہ کو بھگا دیا۔ دنیا سے پاکدامن رخصت ہوا، کم عیب والا تھا خلافت کی بھلائی پائی اور اس کی برائی سے بچ نکلا اللہ کی اطاعت پوری کی اور کما حقہ اس سے ڈرتا رہا، دنیا سے جب رخصت ہوا تو ان کو تاریکی کے مختلف راستوں میں چھوڑ گیا جن میں نہ گمراہ ہدایت پاتا ہے نہ ہدایت یافتہ کو راستے کا یقین ہوتا ہے۔ (گویا آفتاب تھا غروب ہوتے ہی دنیا تاریکی میں ڈوب گئی)

شارح نقی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ کی مدح ہے۔

امر خلافت منظم بودہ اختلالے دراں راہ نیافت طاعت خدا را بجا آوردہ از نافرمانی او پرہیز کردہ حقش را ادا نمود۔

اس کی خلافت بالکل صحیح درست تھی۔ کوئی خرابی اس میں داخل نہ ہو سکی۔ خدا کی اطاعت بجا لایا اور نافرمانی سے پرہیز کیا اور خدا کا حق (پورا) ادا کیا۔

قدیم شارحین یہ خطبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق فرماتے ہیں اور متاخرین حضرت عمرؓ کے متعلق۔ کوئی بھی مراد ہو خلافتِ راشدہ کی تصدیق ہو گئی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو دین کا قائم کرنے والا، راست رو اور دین کو مضبوط کرنے والا بتایا۔ (نہج البلاغہ ص ۲۶۳) نیز شیخینؓ کے متعلق یہاں تک فرمایا۔

ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بهما لجرح فی الاسلام شدید یرحمهما الله وجزاهما باحسن ما عملا (شرح نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۳۱ مم شرح ابن میثم)

مجھے اپنی جان کی قسم ان دونوں کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے اور ان کی وفات کا صدمہ اسلام میں بہت سخت زخم ہے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور ان کو بہترین کاموں پر جزائے خیر دے

قسم اٹھا کر اپنے عقاید اور حقائق بیان کیے جاتے ہیں۔ الزامی باتیں یا مسلمات خصم یوں بیان نہیں کی جاتیں۔ نیز ایک اور طویل خطبہ میں حضرت عمرؓ کو آپ نے مسلمانوں کا مرجع۔ جائے پناہ اور مثابۃ المسلمین فرمایا (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۴)

نیز آپ کی خلافت کو موعودہ خداوندی۔ آپ کے لشکر کو خدائی لشکر۔ آپ کی فتوحات کو اللہ کے دین کا غلبہ۔ آپ کو قیم الامر (خلیفہ) اور رہار کے دانوں کے لیے بمنزلہ دھاگہ اور قطب زمان وغیرہ فرمایا (نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۳۹)

اِن تمام خطبات والفاظ میں شیخینؓ کی خلافت اور صداقت کی پوری پوری بلا شبہ تصدیق ہے۔ اب شیعہ کے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو ان تمام تعلقات اور ارشادات کو مبنی بر صدق جان کر شیخینؓ کو برحق تسلیم کریں یا پھر ان کو (العیاذ باللہ) محض ضد کی وجہ سے ظالم وغیرہ ماننے کی صورت میں یہ اعلان کریں کہ امیر المومنین کا یہ رویہ منافقانہ تھا اور آپ اس آیت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (هود ۱۰۶)

اور ظالموں کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تم کو آگ پکڑے گی۔

جنگ میں شرکت نہ کرنے کا شبہ

رہا یہ شبہ کہ عہدِ راشدہ کے جنگ وجہاد میں کیوں شریک نہ ہوئے تو یہ ثبوت اختلاف نہیں جب آپ وزارت افتار، مشاورت جیسے اہم عہدوں کی ذمہ داری لے کر خلافتِ راشدہ کی خدمت کر رہے تھے تو عام سپاہی کی حیثیت سے تلوار لے کر لڑنا کون سی فضیلت کی بات ہے۔ حضرت علیؓ اہم مصروفیات کی وجہ سے خود کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تو حقانیتِ خلافتِ راشدہ پر کوئی

حرف نہیں آتا۔ کیونکہ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں فتح افریقہ میں شریک ہو کر باقاعدہ جہاد کیا اور حصہ غنیمت پایا۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتح قسطنطنیہ میں یہ دو حضرات عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہم کے ہمراہ شریک ہوئے (طبری البدایہ ج ۸ ص ۳۲ وغیرہ) شیعہ کے معتمد بزرگ حضرت حسن بصری عہدِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں شریک جہاد ہوتے تھے (ملاحظہ ہو جلاء العیون ص ۲۷۰)

اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جیسی زاہد، متقی اور مومن عند الشیعہ شخصیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مدائن کی گورنر رہی۔ ملا باقر علی مجلسی حیات القلوب ج ۲ ص ۶۵۱ پر لکھتے ہیں۔

زیرا کہ عمر او را والی مدائن گردانیدتا ابتدائے خلافت امیر المومنین والی بود	کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدائن کا حاکم بنا دیا تھا آپ حضرت امیر المومنین کی خلافت تک والی رہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے رفیق خاص حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ان کی درخواست پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا حاکم بنایا تھا مگر کوفہ کے لوگ آپ کے قابو میں نہ آئے تو معزول ہو کر واپس آگئے۔ (کتب تاریخ)

جمل و صفین کی جنگیں جہاد نہ تھیں بلکہ بلوایانِ عثمان رضی اللہ عنہ کی سازش سے آپ کو لڑنا پڑا جس کی تفصیل اپنے موقعہ پر آئے گی۔ ہم یہاں مولانا محمد صدیق صاحب کا کشف الاسرار سے اسی بات کے جواب کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔

"لیکن بڑے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ ذوالفقار کے نیام سے نکلنے کے باوجود ان میں سے کوئی چیز وقوع پذیر نہ ہوئی۔ داخلی محاذ پر اگرچہ باہمی جنگیں ہوتی رہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی تعداد کم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر اقتدار رقبہ کم ہوتا رہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقبوضات میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس پورے چھ سالہ دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ایک انچ رقبہ بھی کفار کے ہاتھوں سے نکل کر اسلامی مملکت میں شامل نہیں ہوا اور وہ مسلمان جو قیصر و کسریٰ کے تخت روندر ہے تھے ایک بار پھر قیصر کی دھمکیوں کا نشانہ بن گئے۔ مذہبی طور پر مسلمانوں میں جس قدر انتشار اس دور میں ہوا اس سے قبل موجود نہ تھا۔ پہلے مسلمانوں کی جمعیت اور کلمہ واحد تھا۔ ایک ہی فرقہ تھا جسے مسلمان کہتے ہیں لیکن اب شیعہ کا وجود منظرِ عام پر آیا۔ خوارج معرضِ وجود میں آئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائلین دکھائی دیئے۔

حضرت علیؓ کو نعوذ باللہ کافر قرار دینے والے ببانگ دہل اپنے عقاید و افکار کا پرچار کرنے لگے ...
آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ذوالفقار کا نیام کے اندر رکھنا امتِ مسلمہ کے لیے بہتر تھا (جیساکہ خلفاءِ ثلاثہ کے دور میں ہوا) یا اس کا نیام سے باہر نکلنا۔ جبکہ ہم حضرت علیؓ کی وفات کے بعد دیکھتے ہیں کہ حضرتِ حسنؓ نے ذوالفقار نیام میں ڈالی تو حضرتِ امیر معاویہؓ کی قیادت میں مسلمان ایک بار پھر متحد ہو کر کفار کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ جہاد کا آغاز کیا، نئے علاقے فتح ہونے لگے، مسلمان علمی تہذیبی اور ثقافتی طور پر پھر عروج کی طرف گامزن ہو گئے اور اس پورے دور (۲۰ سال) میں کہیں کوئی شورش یا فتنہ نظر نہیں آتا۔ بلکہ سنہ ۴۱ھ کو مسلمانوں نے عام الجماعۃ کا نام دیا۔
مزید غور کیجیے کہ حضرت حسینؓ نے جب ذوالفقار کو ایک بار پھر نیام سے نکالا تو عالمِ اسلام کو دوبارہ خونی حوادث سے دوچار ہونا پڑا۔ کربلا کا سانحہ پیش آیا۔ مدینہ میں قتل و غارت ہوئی اور جب امام زین العابدینؒ نے ذوالفقار کو نیام میں ڈال دیا تو عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک وغیرہ خلفاء کی زیرِ قیادت مسلمان پھر متحد ہو کر کفار پر عذاب لے آئے۔ ان حقائق کی روشنی میں شیعہ حضرات سے ہی ہم فیصلہ چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا ذوالفقار کو میان سے باہر نکالنا بہتر تھا یا اسے میان کے اندر رکھنا بہتر تھا۔" (کشف الاسرار ص ۸۵، ۸۶)
حضرت خالدؓ بن ولید کو سیف اللہ کا لقب خلفاء نے نہیں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عطا فرمایا تھا۔ (البخاری ج ۱ ص ۵۳۱، ج ۲ ص ۶۱۱) جبکہ آپ نے غزوہ موتہ میں کمان سنبھال کر ۹ تلواریں توڑیں اور تین ہزار کے معمولی لشکر کو ایک لاکھ مسلح رومیوں سے مقابلہ کرا کر اور حکمتِ عملی سے بخیر و عافیت واپس لے کر آئے۔
حضرت خالدؓ گو حضرت علیؓ سے شجاع نہ ہوں مگر کفار ان کے ہاتھ سے زیادہ قتل ہوئے۔ عہد صدیقی میں، مرتدین، مسیلمہ کے پیروکار اور فتوحاتِ شام کے معرکوں میں حضرت خالدؓ کا بہت بڑا نمایاں حصہ ہے۔ (ملاحظہ ہو ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۰)
شیعہ دوستو! یہی تو ہماری دلیل ہے کہ مدارِ فضیلت اخلاص کے ساتھ جہاد میں شرکت اور ثابت قدمی ہے۔ بالفعل تکثیرِ قتل تو اتفاقی بخت ہے۔ افضلیت کی دلیل نہیں۔ ورنہ خود اشجع الناس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت سلمانؓ۔ ابوذرؓ اور ابوالدرداءؓ (عند الشیعہ مسلمان)

کے مقتولین کی تعداد بتائی جائے۔ جیسے حضرت خالدؓ کثرتِ قتل کے باوجود ان بزرگوں سے افضل نہیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ جنگ میں شیرِ خدا ہونے کے باوجود حضرات خلفاء ثلاثہؓ سے افضل نہیں۔ فافہم۔

طبری کے مکالموں کی حقیقت

رہے بحوالہ الفاروق طبری کے دو مکالمے تو وہ اس لائق نہیں کہ ان پر بنیاد رکھ کر حضرات اہلِ بیتؓ اور خلفاءِ اسلام پر اقتدار طلبی اور حسد کا الزام مکروہ لگایا جائے۔

اولاً۔ اس لیے کہ ان کی سند مجاہیل سے ہے۔ پہلے مکالمہ کی سند میں عمرؒ۔ علیؒ۔ ابوالولیدؒ مکی۔ ولدِ طلحہؓ کا ایک آدمی از ابنِ عباس ہے۔ (طبری ج ۴ ص ۲۲۲) ان چاروں رواۃ کے تراجم کتبِ رجال تقریب، تہذیب۔ میزان الاعتدال میں نہیں ملے۔ جیسے عمر اور علی کا ولدیت و نسبت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی پتہ نہیں لگتا۔ اسی طرح اولادِ طلحہ کا ایک آدمی "ایں ہمہ خانہ مجاہیل است" کا مصداق ہے۔

دوسرے مکالمہ کی سند میں۔ ابن حمیدؒ، سلمہؒ، محمدؒ بن اسحاق۔ ایک آدمی از عکرمہ از ابن عباس (طبری ج ۴ ص ۲۲۳) ایک آدمی از عکرمہ بالکل مجہول ہے۔ محمد بن اسحاق صاحب المغازی پر کڑی جرح موجود ہے لیکن اس کا راوی سلمہ بن الفضل الابرش تو شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ اس کی احادیث میں کچھ مناکیر ہیں۔ نسائی ضعیف کہتے ہیں۔ ابو حاتم اسے ناقابلِ احتجاج کہتے ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کے شہر رے کے باشندے اس کی بدعقیدگی اور ظلم کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ صرف ابن معین کہتے ہیں ہم نے اس کی باتیں لکھی ہیں مغازی ہیں۔ اس کی کتاب خوب جامع ہے، (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۲) ابن حمید کا ترجمہ ملا ہی نہیں۔ بھلا ایسی لچر سند والی روایتوں سے اکابر صحابہؓ پر طعن کرنا شیعہ ہی کو زیب دیتا ہے۔

ثانیاً شیعہ کو یہ مکالمے چنداں مفید بھی نہیں کیونکہ جب ان مکالموں کی رو سے حضرت علیؓ کی طرفدار ان کی قوم (بنو ہاشم) بھی نہیں ہوئی اور ان کو نبوت و خلافت کا ایک خاندان میں جمع ہونا گوارا نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ حضرات حربِ تقیہ رکھنے کے باوجود ایک ہاشمی کی بھی اپنی کتب سے نشاندہی نہیں کر سکتے جس نے بقولِ شیعہ حضرت علیؓ کے حق خلافت کی تائید کی ہو۔ حوالہ جات سوال ۲ کے جواب میں گزر چکے ہیں پھر آپ کیسے دعوٰی خلافت کر کے لوگوں کی نظروں میں مطعون ہوتے

اور خلفاء سے کشیدہ و بیزار رہتے گیا قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ۔ کہئے اے اللہ تو ہی بادشاہی کا مالک ہے جسے چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے۔ کی شان اور وعدہ خداوندی۔ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ (اللہ ان صحابہ رضہ کو یقیناً زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ وغیرہ جیسی آیات حضرت علی رضہ و ابن عباس رضہ کے پیش نظر تھیں جب اللہ نے حسب وعدہ ایک حق حق دار کو پہنچا دیا اور آیت استخلاف کو حضرت عمر رضہ کی خلافت پر حضرت علی رضہ نے ہی منطبق کیا (شرح نہج البلاغہ فیض الاسلام نقی ج ۱ ص ۳۲) تو اس حقیقت کے باوجود تمنائے خلافت یا خلفاء پر حسد کیسا؟ افسوس کہ شیعہ حضرات اپنا باطل نظریہ ثابت کرنے کے لیے ان بزرگوں پر حسد اور طلب جاہ کا الزام لگا دیتے ہیں۔

مکالمہ میں حضرت ابن عباس کی زبانی بنی ہاشم کا شغل آدم محسود ہونا بنایا گیا ہے حالانکہ یہ حقیقت کے برخلاف ہے بحسد ہمیشہ کم خوبیوں والا اعلیٰ خوبیوں والے پر کرتا ہے۔ بنو ہاشم میں سے نبوت تو صرف سرور کائنات علیہ افضل السلام والصلوٰۃ کا خاصہ تھی۔ قرابت نبوی گو ظاہری فضیلت اور ضرور قابل احترام ہے لیکن قرآنی تعلیم کے مطابق افضلیت کا معیار قرابت پیغمبر کے بجائے۔ ایمان، تقویٰ اور اعمال صالحہ میں سبقت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سوائے حضرت علی رضہ کے صغر سنی میں اور ابو عبیدہ بن الحارث، جعفر طیار پھر حضرت حمزہ رضہ کے کسی ہاشمی نے سبقت الی الاسلام والہجرت نہیں کی۔ غیر بنو ہاشم سابقون میں ہیں تو نبوت سے فیض یافتہ ہونے میں غیر ہاشمی یا بنو ہاشم کے ساتھ شریک ہیں یا ان سے افضل ہیں۔ پھر شیعہ کے اعتقاد کے مطابق عام مسلمانوں کے دلوں میں بنو ہاشم کا وقار و اکرام ہی نہ تھا کہ سب ہی حضرت علی رضہ کو چھوڑ کر خلفاء ثلاثہ رضہ پر متفق ہو گئے۔ پھر کس بات میں ان حضرات پر کوئی حسد کرتا۔ بالفرض اگر کوئی محسود تھا اور آج تک ہے تو وہ خلفاء راشدین ہی ہیں کہ سب امت کے دلوں میں بس کر نیابت پیغمبر کا حق ادا کیا۔ خدا نے فتوحات کے دروازے ان پر کھول دیئے۔ قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں تلے روندے گئے۔ نصف سطح ارضی پر توحید خداوندی اور رسالت محمدی کے پرچم لہرائے اور آج بھی ۹۰ کروڑ مسلمان خطبات و دعاؤں میں ان کو ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ روافض کی طرح اپنے ان بزرگوں کے نام پر گداگری کر کے کشکول خیرات نہیں نہیں بھرتے۔ (رضی اللہ عن جمیع الصحابہ رضہ)

سوال ۹۔ قصہ قرطاس

اگر حسبنا کتاب اللہ ایک امتحان کا جواب تھا جو حضرت عمرؓ نے درست دیا تو اسی واقعہ قرطاس میں اس بزرگ نے کس سیاست کے تحت ارشاد فرمایا کہ اس مرد کو ہذیان ہو گیا (دیکھو بخاری شریف الفاروق ص ۱۱۲)

الجواب۔ یہ شبہ کا انتہائی گندہ اور معرکۃ الآراء طعن ہے۔ پہلے پوری حدیث ملاحظہ کریں تاکہ شیعی دھوکہ سامنے آجائے۔

قال ابن عباس اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ یوم الخمیس فقال ائتونی بکتب اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا اھجر رسول اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ واوصی عند موتہ بثلاث اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم ونسیت الثالثۃ (بخاری ج ۱ ص ۴۲۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ جمعرات کو (مرض وفات میں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف سخت ہو گئی تو آپ نے فرمایا ایک کاغذ لاؤ میں تم کو تحریر لکھ دوں تو ہرگز میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ پس حاضرین آپس میں بحث کرنے لگے۔ حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا مناسب نہ تھا۔ تو کہنے لگے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر جانے والے ہیں (ایک روایت میں ہے کہ آپ سے پوچھ لو) تو آپ نے فرمایا میرا خیال چھوڑ دو جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جدھر تم بلاتے ہو (یعنی کتابت) پھر آپ نے وفات سے پہلے یہ وصیت کی کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ وفود کو ٹھہرایا کرو جیسے میں ٹھہرایا کرتا تھا ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ میں تیسری بات بھول گیا۔

یہ حدیث ج ۱ ص ۴۴۹ اور ج ۲ ص ۶۳۸ پر تو انہی الفاظ کے ساتھ ہے مگر ج ۲ ص ۸۴۶ اور ج ۲ ص ۱۰۹۵ پر یہ الفاظ ہیں۔

قال عمر ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم قد غلبہ الوجع وعندکم القرآن

حضرت عمرؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہے اور ہمارے پاس قرآن،

حسبنا کتاب اللہ فاختلف اھل البیت واختصموا فمنھم من یقول قربوا یکتب لکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتابا لن تضلو ابعدہ ومنھم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا اللغط والاختلاف عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قوموا عنی وفی روایۃ اَھَجَرَ استفھموہ

جو اصولاً ہدایت میں ہمیں کافی ہے۔ پس اہلبیت نے اختلاف کیا اور جھگڑنے لگے کچھ کہتے تھے کہ حضورؐ کو قلم دوات لاکر دو تاکہ آپ نوشتہ لکھ دیں تو اس کے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ اور کچھ حضرت عمرؓ کی بات دہراتے تھے جب شور اور اختلاف زیادہ کیا حضورؐ کے پاس تو آپ نے فرمایا مجھ سے اٹھ جاؤ اور ایک روایت میں ہے کیا آپ دنیا سے ہجرت کرنے والے ہیں پوچھ لو۔

روایت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سخت بیماری کی حالت میں ایک وصیت لکھوانے کے لیے قلم دوات مانگی۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی تکلیف اور درد کے پیشِ نظر حاضرین سے بطورِ ادب و مشورہ کہا کہ چونکہ ہمارے پاس کتاب اللہ قرآنِ کریم کافی ہے آپ کو لکھوانے کی تکلیف نہ دی جائے۔ حاضرین میں دو گروہ ہو گئے ایک نے لانے پر اصرار کیا۔ دوسرے نے حضرت عمرؓ کی تائید کی۔ جب شور اور اختلاف بڑھ گیا۔ قلم دوات کسی نے نہ لاکر دی تو آپ نے اٹھ جانے کا حکم دیا۔ پھر لکھوانے کا تقاضہ کرنے والوں سے کہا مجھے اپنے حال پر رہنے دو۔ پھر آپؐ نے تین باتوں کی زبانی وصیت فرمادی کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ باہر سے آنے والے وفود کی میری طرح تنظیم اور خاطرداری کرو۔ تیسری راوی بھول گیا۔

یہ ارشاد آپؐ نے بطورِ امتحان فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا صحیح جواب دیا۔ چنانچہ تائیدِ عمرؓ میں آپؐ نے لکھوانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ یا شفقت و ہمدردی کے تحت تھا مگر حاضرین کے شور کے پیشِ نظر اس پر عمل نہیں کر وایا۔ وہ وحی نہ تھا اور نہ حکم ضروری تھا۔ ورنہ عمرؓ کا رد فرماکر ضرور لکھواتے اور حاضرین کے شور کی بھی پرواہ نہ کرتے۔

ہمارے ہاں تو خاص اشکال نہیں۔ اتفاق سے مجلس میں اختلافِ رائے پیدا ہو گیا۔ مگر شیعہ حضرات جو جاں نثارانِ نبوی پر اعتراض کرنے میں نہایت حریص و ہوشیار ہوتے ہیں اور ایسے واقع ملیں تو "پر کا کوا" اڑاتے ہیں۔ اس واقعہ میں خوب مسخ و تحریف کر کے حضرت عمرؓ کو نشانہ بنا کر

کہتے ہیں۔

۱۔ حضرت عمرؓ نے فرمانِ نبوی ﷺ روک کے گویا وحی الٰہی کو رد کر دیا۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف العیاذ باللہ ہذیان (بیہودہ یا بیماری میں بے ارادہ نکلنے والی بات) کی نسبت کی۔

۳۔ تحریر میں رکاوٹ ڈال کر امت کو گمراہی پر ڈال دیا۔

اب ان تینوں باتوں کی الگ الگ حقیقت ملاحظہ ہو۔

امرِ اول۔ نہ وحی تھی نہ خاص حضرت عمرؓ مخاطب تھے۔

اُیتونی جمع حاضر کا صیغہ ہے۔ سب حاضرین کو قلم دوات لانے کا حکم تھا جس میں اہلِ بیت حضرات بھی شامل تھے بلکہ مسندِ احمد ج ۱ ص ۹۰ اور البدایہ ج ۵ ص ۲۳۸ پر یہ تصریح موجود ہے۔ "کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں آپ کے پاس کوئی چیز لاؤں جس میں آپ وہ ارشاد لکھوائیں کہ امت ان کے بعد گمراہ نہ ہو۔ فرماتے ہیں مجھے اندیشہ ہوا کہ حضور میرے جاتے ہی فوت نہ ہو جائیں۔ تو میں نے کہا (آپ زبانی بتا دیں) میں محفوظ کر کے یاد رکھوں گا۔ پھر آپ نے نماز زکوٰۃ اور غلاموں کے حقوق کے متعلق وصیت کی۔"

واقعہ قرطاس کی اس میں ایک گونہ توضیح ہو گئی اور قرینِ قیاس یہی ہے کہ کاغذ قلم لانے کا حکم اپنے افرادِ خانہ اور قرابت داروں کو ہو نہ دوسروں کو۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ اس موقعہ پر موجود نہ تھے۔ تو کیا حضرات حسنینؓ، حضرت عباسؓ اور کوئی بھی ہاشمی نہ تھا؟ جب تھے تو انہوں نے قلم دوات لا کر کیوں نہ دی۔

۲۔ آپ نے یہ صرف اجتہاد سے فرمایا تھا۔ وحی نہ تھی۔ اگر وحی ہوتی یا ضروری تحریر ہوتی تو آپ جمعرات کے بعد پیر تک ۴ دن زندہ رہے۔ اس وقت یا بعد میں ضرور لکھوا دیتے۔ قولِ عمرؓ یا اہلِ خانہ کے شور کی پرواہ نہ کرتے کیونکہ وحی الٰہی کا سنانا حاضرین کی مرضی پر موقوف نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ وحی تو تھی لیکن پھر بحکمِ وحی آپ نے لکھوانے کا ارادہ ترک کر دیا اس سے تو حضرت عمرؓ کی تائید وحی الٰہی سے ہو گئی جو منقبت کی دلیل ہے۔ جیسے معراج کے وقت ۵۰ نمازوں کا حکم پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار سے بار بار کمی۔ پھر وحی الٰہی سے پانچ پر فیصلہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے تفقہ کی دلیل ہے اور نسخ قبل الحکم کی یہی ایک مثال ہے فکذا ما نحن فیہ سنی علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

"در تحریر لکھوانے کا ارادہ نبوی یا وحی سے تھا یا اجتہاد سے۔ تو اسی طرح نہ لکھوانے کا ارادہ بھی یا دوبارہ وحی سے ہوا یا اجتہاد سے ہوا۔" (فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۱)۔ شیعہ علماء بھی ارادہ ترک کو وحی کے ذریعے مانتے ہیں۔ چنانچہ فلک النجات ج ۱ ص ۲۳۷ پر ہے۔

واما سکوتہ علیہ السلام بعد التنازع ماکان من عندہ بل کان بوحی کما بین فی مقامہ۔

اور حضورؐ کا حاضرین کے اختلاف کے بعد خاموش رہنا (یعنی تحریر نہ لکھوانا) اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ وحی خداوندی کے تحت تھا۔ جیسا کہ اپنے مقام پہ واضح ہے۔

یہ حضرت عمرؓ کی کرامت ہے کہ کٹر شیعی عالم نے یہ بات لکھ کر حضرت عمرؓ سے تمام الزامات کا صفایا کر دیا۔ بلکہ یہ رائے خدا و رسولؐ کو پسند آ کر موافقات عمریہؓ میں شامل ہو گئی۔ جیسے ازواج مطہرات کے لیے پردہ کا مشورہ۔ مقام ابراہیمؑ پر نماز پڑھنے کا مشورہ اور اساریٰ بدر کو قتل کرنے کا مشورہ خدا کو اتنا پسند آیا کہ اس کا باقاعدہ حکم قرآن میں آتار گیا اور شانِ فاروقی نمایاں کی گئی۔

۳۔ کسی خاص داعیہ کے پیش نظر ظاہر الفاظ پر عمل نہ کرنا نافرمانی اور منافی ایمان نہیں ہوتا۔ حدیبیہ کے موقعہ پر صراحۃً حضرت علیؓ کو حضورؐ نے لفظ رسول اللہ مٹانے کا حکم دیا تھا۔ مگر آپ نے قسمیہ انکار کیا۔ پھر حضورؐ نے وہ لفظ خود مٹایا۔ یہاں شخصی حکم ہے آپ نے فرمانِ نبویؐ کی تعمیل سے قسمیہ انکار کیا۔ حضورؐ نے اسے قبول نہ کر کے۔ وہ لفظ خود مٹایا۔ اگر یہاں حضرت علیؓ کی شخصیت کے پیش نظر محبتِ رسولؐ کے جذبہ سے اس کی تعبیر کی جاتی ہے اور حضرت علیؓ کو نافرمان اور منافق نہیں کہا جا سکتا تو پھر واقعہ قرطاس میں قد غلبہ الوجع آپ کو سخت تکلیف ہے حضرت ابن عباسؓ بھی۔ اشتد برسول اللہ حضورؐ کی بیماری سخت ہو گئی سے اسی کو بیان کرتے ہیں۔ سے حضرت عمرؓ کی محبتِ نبوی پر استدلال کیوں نہ کیا جائے (دلائل النبوۃ بیہقی) جبکہ آپ کو شخصی حکم نہیں اور نہ پھر آپ نے اس حکم ضروری سمجھ کر عمل کرایا۔ کہا جاتا ہے کہ اہل سنت بھی حضرت

امیرؓ کے انکار کو ادب سے تعبیر کرتے ہیں، مگر ہم تو اس سے کم تر واقعہ ہذا میں بھی ادب کا لحاظ کرتے ہیں، شیعہ ایک بزرگ سے محبت اور دوسرے سے دشمنی کی بنا پر تفریق کریں تو اس ضد کا تو کوئی علاج نہیں۔ ہمارے یہاں دونوں بزرگوں کا ردِ عمل ایک ہی جذبہ سے ہے۔ کشف الغمہ ص۵۳ پر ہے کہ جب حضرت علیؓ کی کھڑکی کے سوا اور سب صحابہؓ کی کھڑکیاں مسجد کی طرف سے حضورؐ نے بند کرنے کا حکم دیا تو حضرت حمزہؓ نے غصہ میں حضورؐ سے فرمایا اے محمدؐ! آپ ہم کو نکالتے ہیں اور بنی مطلب کے لڑکوں کو ٹھہراتے ہیں؟ کیا شیعہ حضرت حمزہؓ پر بھی فتویٰ لگائیں گے۔

قوموا عنی (میرا خیال چھوڑ دو) کا نزلہ بھی حضرت عمرؓ پر گرایا جاتا ہے۔ حالانکہ مفصل روایت میں اسی مطلب کو حضورؐ نے یوں واضح فرمایا ہے۔ دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ (مجھے چھوڑ دو میں جس مراقبہ الٰہی کی حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم بلاتے ہو یعنی تحریر)، بظاہر یہ خطاب ان ہی لوگوں سے ہے جو قلم دوات تو نہ لائے مگر تحریر چاہتے تھے تو آپ نے فرمایا اس بات کو جانے دو۔ یہ قوموا عنی۔ ایسا ہی ہے جیسے آپ نے فرمایا۔ قرآن اس وقت تک تلاوت کرو جب تک دل تمہارا خوش ہو اور فاذا اختلفتم فقوموا عنہ (جب زبان و دل میں اختلاف ہو تو تلاوت چھوڑ دو۔ بخاری ج۲ ص۱۰۹۵) اس حقیقت کے باوجود صحابہ کرامؓ یا حضرت عمرؓ کو طرید رسول کہنا انتہائی خباثت ہے۔

امرِ دوم۔ نسبت ہذیان کی حقیقت۔ صحاح ستہ وغیرہ حدیث کی جو اصولی کتابیں ہیں ان میں اس واقعہ کی بعض روایتوں میں، حضرت عمرؓ کا قول اسی قدر ہے کہ آپ کو سخت تکلیف ہے۔ (اصولی طور پر) ہمیں قرآن کافی ہے۔ لفظ اَھَجَرَ۔ قالوا کے بعد آیا ہے۔ یعنی اور لوگوں نے یوں کہا جن بعض محدثین نے اسے مقولہ عمرؓ قرار دیا ہے۔ روایاتِ صحیحہ کے مقابل ان کا قول معتبر نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ نہیں کہ یہ لفظ حضرت عمرؓ کا مقولہ ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے بھی تحفہ اثنا عشریہ میں یہی لکھا ہے (عبقات ص۳۴۳)

لغت و استعمال میں ہجر۔ کے معنی۔ فراق ضد وصال۔ چھوڑنا اور ترک کرنا آتا ہے۔ کبھی خبط اور مرض میں بغیر ارادہ کلام پر بھی بولا جاتا ہے۔ مصباح اللغات ص۹۴۷ میں ہے۔ ہَجَرَہٗ (ن) ہجراو ہجرانا۔ قطع تعلق کرنا چھوڑنا۔ ہجر الشیئ ترک کرنا۔ اعراض کرنا۔ زوجہ۔ بغیر طلاق دیئے

ہوئے الگ ہونا اور فیروز اللغات ج ۲ ص ۵۵۳ میں ہے۔ ہجر جدائی کرنا کسی سے قطع تعلق کرنا۔ ہذیان کا معنی تب ہوتا ہے کہ مصدر ہُجراً، ہجراً، ہجیراً مصدر سے استعمال ہو (حوالہ مذکورہ) ورنہ ترک وجدائی کے معنوں میں آتا ہے۔ کبھی مفعول ذکر ہوتا ہے کبھی نہیں جیسے سٰمِراً تہجرون کی قرائی مثال آ رہی ہے۔ جو لوگ کتب لغت سے صرف ہذیان والے معنی پر زور دیتے ہیں یہ ان کی بددیانتی محض تعصب اور عمداً دشمنی پر مبنی ہے۔ ورنہ لفظ مشترک کے معنی اسیاق و سباق۔ قائل اور مقول فیہ کے مناسب حال متعین ہوتے ہیں۔ اپنے باطل مقصد کے پیش نظر لغت سے محض مطلوبہ معانی چن لیے جائیں تو شریعت اسلامیہ کا کوئی عقیدہ اور عمل ثابت نہ ہو سکے گا۔ اسی تکنیک کے پیش نظر قادیانی ختم نبوت کے اور منکرین حدیث، حدیث نبوی اور نماز کی متفقہ ہیئت کے بھی منکر ہیں کیونکہ صلوٰۃ کا معنی چوتڑ ہلانا لغت میں لکھا ہے۔

ہجر کے معنی چھوڑنا اور ترکِ کلام لغت کے علاوہ قرآن وحدیث میں مستعمل ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ لایحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاثۃ ایام (کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ گفتگو ترک کرے) اور حدیث سوال فاطمہؓ میں ہے فھجرت ابا بکر۔ پس حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اس مسئلہ میں گفتگو چھوڑ دی۔ حدیث عائشہؓ میں ہے ما اھجر الا اسمک (بخاری) (حضور! صرف آپ کا نام لینا چھوڑتی ہوں (دلی محبت بدستور ہے)، نیز فرماتی ہیں ولقد ھجرنی القریب والبعید (مجھے قریب وبعید سب نے چھوڑ دیا)

کیا یہاں بکواس اور ہذیان کے معنی ہوں گے کہ کسی مسلمان کو تین دن سے زیادہ گالی بکنا جائز نہیں۔ اور حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو گالیاں دیں۔ یا حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے نام کو گالی دی یا ان کو قریب وبعید نے گالی دی؟ تو حدیث زیر بحث میں یہ معنی کیوں درست نہیں۔ "کیا حضورؐ نے زبانی ارشاد فرمانا چھوڑ دیا ہے کہ لکھوانے کا حکم دیتے ہیں"۔ لغت واستعمال کے لحاظ سے اس میں کیا خرابی ہے؟ چھوڑنے۔ اور جدائی کے معنوں میں کئی جگہ قرآن کریم میں بھی یہ صیغہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سٰمِرًا تَهْجُرُونَ ۝ اور تکبر کرکے اس (ہمارے رسولؐ) کو مثل کہانی کہنے والے کے چھوڑ بیٹھا کرتے تھے۔

۲۔ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (پ ۱۹ ع ۱۶) میری قوم نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔

۳۔ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا۔ (مزمل) اور ان کو خوبی کے ساتھ چھوڑ بیٹھو۔

۴۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (مدثر) اور میل کچیل کو دھو ڈال۔

۵۔ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ (پ ۵ ع ۳) اور ان کے بستروں پر ان کو چھوڑ دو۔

۶۔ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا (پ ۱۶ ع ۶) اور ایک عرصہ کے لیے مجھ سے جدا ہو جا۔ (تراجم مقبول)

تو کیا ہجر کا معنی ہذیان ہو سکتا ہے۔ حاشا و کلا۔ اسی طرح زیر بحث حدیث میں یہ مطلب ہے کہ کیا آپ جدا ہو رہے ہیں یا دنیا کو چھوڑ کر جانے والے ہیں استفهموہ پوچھ تو لو۔ چنانچہ شارحین اس کے معنی میں لکھتے ہیں۔

هجر ای یهجر من الدنیا واطلق لفظ الماضی لما رأوا فیه من علامات الهجرة عن دار الفناء (کرمانی شرح بخاری)

یعنی آپؐ دنیا سے رخصت ہونے لگے ہیں۔ لفظ ماضی کا بولا کیونکہ آپؐ میں دار الفناء سے کوچ کی علامات صحابہؓ نے دیکھیں۔

یہ مطلب بالفرض ہمزہ استفہام کے نہ ثابت ہونے پر ہے۔ ورنہ بخاری میں یہ چھ مرتبہ حدیث آئی ہے۔ تین جگہ تو ہجر کا لفظ ہی نہیں ہے اور تین جگہ آیا ہے تو ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے۔ ج ۱ ص ۲۲ ۔ ج ۱ ص ۴۲۹ ۔ ج ۲ ص ۶۳۸ ۔ استفہام کی صورت میں ہجر کا جتنا بھی نامناسب معنی تراشا جائے۔ بہر حال اس کی نفی ہو رہی ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں۔

اهجر هو بهمزة الاستفهام الانکاری ای انکروا علی من قال لا تکتبوا ای لا تجعلوا کامر من هذی فی کلامه (حاشیہ بخاری ص ۴۲۹)

اَہَجَرَ یہ استفہام انکاری ہے یعنی صحابہؓ نے ان لوگوں پہ گرفت کی جو یہ کہتے تھے کہ نہ لکھواؤ یعنی حضورؐ کا معاملہ ایسا نہ جانو جیسے مخبوط الکلام کا ہوتا ہے۔

نیز محدثین ہجر بمعنی ہذیان مریض کا مختلط کلام۔ حضور علیہ السلام کے لیے جائز نہیں سمجھتے۔

الهذیان الذی یقع فی کلام المریض الذی لا ینتظم وهذا مستحیل وقوعه صحة ومرضا

وہ بے تکی باتیں جو مریض سے صادر ہوتی ہیں اور بے ربط ہوتی ہیں معصوم علیہ السلام سے

ان کا وقوع صحت میں اور مرض میں محال ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ اول نسائے ھجر کے قائل حضرت عمرؓ نہیں۔ دوم یہ کہ ہجر کے معنی ہذیان لینا درست نہیں۔ قرآن و حدیث اس کی تائید نہیں کرتے۔ سوم یہ کہ ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ چہارم۔ شارحین ہذیان والے معنی کو اس مقولہ میں مراد نہیں لیتے۔ اب تو خواہ لغت کے ایک معنی کو لے کر۔ علامہ شبلی نے الفاروق میں اس معنی کو لکھ کر پھر تردید کی ہے نہ تائید۔ حضرت عمرؓ پر برسنا اور دیگر حقائق سے منہ موڑ لینا کیا یہی دیانت و انصاف ہے۔ اہل سنت کی ان تصریحات کی موجودگی میں۔ توجیہ الکلام بما لا یرضٰی بہ قائلہ پر اصرار شیعہ ہی کا خاصہ ہے۔ لیکن کیا وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس ناکام رہے) کی تشریح و تفہیم جو مسلمان کریں وہ معتبر ہوگی یا جو کافر لغت سے معین کریں وہ مراد ہوگی۔ بینوا؟

امر سوم۔ تحریر نہ ہونے سے امت کی گمراہی۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ تحریر میں رکاوٹ ڈال کر امت کی گمراہی کا سبب بنے۔ اگر لکھ دی جاتی تو امت گمراہ نہ ہوتی۔ نہ معلوم یہ لوگ اعتراض کرتے وقت عقل و خرد کا دامن کیوں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ایک شخص کے حسبنا کتاب اللہ کہنے سے حضورؐ نے امت کو گمراہی سے بچانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ خدا نے بھی وہ وحی واپس لے لی۔ عمرؓ کی بات ایسی غالب آئی کہ حضورؐ کی ۲۳ سالہ محنت اور قربانی بھی امت کو گمراہی سے نہ نکال سکی۔ اور آپ حسرت سے اپنے مشن میں (معاذ اللہ) ناکام ہو کر رخصت ہوئے غیر مسلم شیعہ کی اس بے تکی بات پر کیا مذاق اڑائیں گے کہ ایک شخص کے اختلاف کرنے پر خدا اور رسول نے اصلاح امت کا فریضہ بھی چھوڑ دیا۔ واضح تر بات ہے کہ آپ کی آخری عمر میں اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (مائدہ ۱۲) (آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے) سے تکمیل دین کا اعلان ہو چکا۔ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ (زخرف) (جو وحی آپ کو ہو چکی ہے اسے تھام لیں۔) سے وحی الٰہی کا خاتمہ ہو گیا۔ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (اور تو دیکھے گا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوں گے۔) کی بشارتیں بھی پوری ہو گئیں۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ھل بلغت اللھم اشھد۔ فلیبلغ الشاھد الغائب بے شک میں نے احکام رسالت پہنچا دیئے۔ اے اللہ تو گواہ رہ۔ پس اب حاضر غائب تک یہ احکام

پہنچادے اس کے مناظر بھی آسمان و زمین نے دیکھ لیے۔ آپؐ نے اپنے صحابہؓ اور امت کو بھی تکمیل دین کی بشارت سنادی۔

بدرستیکہ شمارا گزاشتم برراہ روشن راست وچناں واضح گردانیدم برائے شما دین را کہ شبش مانند روزش روشن است پس اختلاف مکنید بعد از من (حیات القلوب ج۲ ص ۵۶۱)

یقیناً میں نے تم کو روشن اور سیدھی راہ پر چھوڑا اور تمہارے دین کو تمہارے لیے ایسے نمایاں کیا کہ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے پس میرے بعد اختلاف نہ کرنا (افسوس کہ شیعہ ہی نے امامت کا مسئلہ نکال کر سب امت سے اختلاف کیا)

نیز ایک فرشتہ نے اہلبیتؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

وحضرت رسولؐ از دنیا نرفت تا آنکہ دین را از برائے شما کامل گردانید وراہ نجات را از برائے شما بیان کرد و از برائے ہیچ جاہلے حجتے نگزاشت (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۰)

حضرت رسولؐ اس وقت تک دنیا سے رخصت نہ ہوئے جب تک تمہارے لیے دین کو کامل نہ کر دیا اور نجات کا راستہ تمہارے لیے بیان کر دیا اور کسی جاہل کے لیے حجت نہیں چھوڑی۔

ان آیاتِ قرآنیہ اور ارشاداتِ مصطفویہ کی روشنی میں کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ ایک اصولی ہدایت یا بنیادی فیصلہ جس پر امت کے مومن اور خارج از ایمان ہونے کا مدار ہے۔ بیان نہ کیا ہو؟ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ یہ محض امتحان تھا حضرت عمرؓ نے درست جواب دیا یا پھر ایسی بات تھی جس کا بیان بہتر تھا اور عدم تحریر مضر نہ تھی اور اللہ کو اس کا لکھوانا منظور نہ تھا۔ چنانچہ چار دن مزید زندہ رہنے کے بعد بھی آپؐ نے نہیں لکھوائی نہ عدم تحریر پر کسی صدمہ یا نقصان کا اظہار فرمایا۔

مقصدِ تحریر کیا تھا

اب وہ کیا تحریر تھی۔ روایت میں جن تین باتوں کا ذکر زبانی ہے۔ وہ مراد ہوں تو بہت بہتر ہے۔ زبانی امت تک پہنچ تو گئی ہیں۔ مگر سنی و شیعہ فریقین کا خیال ہے کہ خلافت کا فیصلہ کرنا تھا تاکہ نزاع پیدا نہ ہو۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اپنے باپ اور بھائی کو بلواؤ تاکہ میں تحریر لکھ دوں تاکہ کوئی اور دعویٰ یا تمنا نہ کر سکے لیکن پھر آپؐ نے ارادہ ترک کر دیا اور فرمایا۔ اللہ پاک اور مسلمانوں کو حضرت ابوبکرؓ کے بجائے دوسرا خلیفہ بنانے پر انکار ہوگا۔ (بخاری، مسلم، مسند حمیدی) چنانچہ اسی مضمون

کی ایک روایت ہے کہ میں نے ارادہ ترک کر دیا کیونکہ خدا اور مسلمان صرف ابوبکرؓ کو چنیں گے (بخاری)

شیعہ کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت لکھنی تھی۔ مگر وہ تحریر نہ ہو سکی اور امت حضرت علیؓ کے بجائے ابوبکرؓ پر اتفاق کر کے گمراہ ہو گئی۔ لیکن شیعہ کا یہ خیال اگر درست مانا جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بڑا حرف آتا ہے کہ آپ نے بہرصورت وہ لکھوا کر اتمام حجت کر کے گمراہی سے امت کو بچانے کا اہتمام کیوں نہ کیا خصوصاً جب کہ سیرت۔ تاریخ اور شیعہ کی تحریرات (ملاحظہ ہو جواب سوال ۲) کی روشنی میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کو مسلمان سب سے بہتر جانتے تھے۔ نہ لکھوانے کا نقصان شیعہ کو ہوا۔ اہلسنت کا نہیں کیونکہ شیخینؓ کے متعلق آپ کے خیالات سچے ثابت ہوئے پھر آپ نے امام نماز بنا کر عملی تصدیق کر دی۔ اور خواص حلقہ میں ان کی خلافت کی بشارت بھی دے دی۔ شانِ نزول سورت تحریم (تفسیر قمی مجمع البیان) کہا جاتا ہے کہ جب آپ پر ہذیان کا الزام لگایا گیا۔ تو اگر لکھواتے بھی تو کوئی نہ مانتا۔ جواب یہ ہے کہ آپ اتمام حجت کا فریضہ تو ادا کر دیتے۔ کیا لوگوں کے ساحر و مجنون کہنے پر آپ نے تبلیغ توحید چھوڑ دی تھی یا آخر دم تک اتمام حجت کرتے رہے؟

چند سوالات

اگر اب بھی معترض کی تسلی نہ ہو تو وہ مندرجہ ذیل امور پر غور کرے۔

۱۔ ائتونی کا امر استحبابی تھا تو ترکِ امتثال جرم نہیں۔ اگر وجوبی ہے تو سب حاضرین بشمول اہلبیتؓ مجرم ہیں۔

۲۔ اس پر کیا قرینہ ہے کہ حضرت علیؓ انتہائی تکلیف کے عالم میں حضورؐ کے پاس نہ ہوں۔ پھر حضرت ابوذرؓ۔ عمارؓ۔ سلمانؓ۔ مقدادؓ جیسے بزرگوں کی غیر موجودگی پر کوئی دلیل ہے۔ اگر نہیں تو تنہا عمرؓ پر طعن کیوں؟

۳۔ شیعہ ہر جگہ اہل بیت سے مراد پنج تن مراد لیتے ہیں یہاں صرف دیگر حضرات مراد کیوں لیے جاتے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ و حسنینؓ کا تو موجود ہونا ضروری ہے۔ پھر کیوں وہ یہ خدمت بجا نہ لائے؟

۴۔ یہ مطالبہ اجتہادی تھا یا بحکم وحی۔ اگر اجتہادی تھا تو استدلال غیر تام ہے کیونکہ اس سے رجوع ممکن ہے۔ اگر بحکم وحی تھا تو تعمیل ضروری تھی یا نہ۔ اگر ضروری تھی تو آپ نے تعمیل کیوں نہ کروائی۔ اگر وحی سے عدمِ تعمیل ہوئی تو عمرؓ اعتراضات سے بری ہو گئے۔

۵۔ اگر تحریر میں رکاوٹ پیش آگئی تو زبانی ارشاد کیوں نہ فرمایا؟

۶۔ جب بقولِ شیعہ خم غدیر میں خلافتِ علوی کا فیصلہ ہو چکا تھا تو تحریر کا کیا معنیٰ؟

۷۔ اگر حضرت عمرؓ حسبنا کتاب اللہ کہنے پر مجرم ہیں حالانکہ یہ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ (پ۲۱ ع ۱۶) کیا ان کو ہمارا کتاب نازل کر دینا کافی نہیں) کا ترجمہ اور جواب ہے۔ تو حضرت علیؓ نے قرآنِ پاک کے متعلق یہ کیوں فرمایا "کتاب اللہ تمہارے سامنے گویا ہے جس کی زبان گونگی نہیں۔ وہ مکان ہے جس کے ستون گرتے نہیں (یعنی ہر بات میں اور دنیا و آخرت کی ہر چیز میں راہ دکھاتی ہے" (نہج البلاغہ شرح فیض الاسلام نقوی ج ۱ ص ۴۰۳) "قرآن کے ذریعے اللہ نے اپنا نور اور دین کامل کر دیا اور حضورؐ کو اس وقت وفات دی جب آپؐ مخلوقِ خدا کو احکامِ خدا پہنچا چکے۔ (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۵۹۲ شرح فیض الاسلام)

علامہ نقی فیض الاسلام ج ۱ ص ۵۹۲ پر اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

دینِ اسلام را بسبب آں کامل گردانید و پیغمبر خود صلی اللہ علیہ وسلم را در حالے قبض فرمود کہ از تبلیغ احکامِ قرآن کہ موجب ہدایت و رستگاری است فراغ یافتہ بود۔

اور قرآن کے ذریعے اللہ پاک نے دینِ اسلام کو کامل کر دیا۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں وفات دی کہ آپ قرآن کے احکام کی تبلیغ سے فارغ ہو چکے تھے جو ہدایت اور نجات کا سبب ہیں۔

شیعہ کے ہاں اہم خطبہ فدک میں حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں۔ "خدا کی کتاب ناطق اور قرآن صادق ہے ... اسی قرآن کے ذریعے خدا کی منور حجتیں پائی جاتی ہیں۔ بیان شدہ واجبات معلوم ہوتے ہیں اور ان محرکات کی اطلاع ہوتی ہے جن سے ڈرایا گیا ہے۔ اور اسی قرآن سے اللہ کے مقرر کردہ مستحبات معلوم ہوتے ہیں (بحوالہ وہی مصنف ص ۲۸)

کیا یہ عظیم تصریحات حسبنا کتاب اللہ کی تائید اور تصدیق نہیں۔ اور کیا حضرت علیؓ وغیرہ بھی حدیثِ نبوی کے منکر سمجھے جائیں گے۔ واللہ الہادی۔

ایک لغو رسالہ کا محاسبہ

یہاں تک ہماری اس تقریر سے بحمد اللہ ہر قسم کے مطاعن کافور ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ترکِ تبلیغ وحی کے الزام سے اور حضرت عمرؓ کا دامن گستاخی اور ردِ وحی کے طعن سے پاک و صاف ہو گیا۔ مزید کچھ کہنے

کی حاجت نہیں۔ مگر چونکہ شیعہ علمادتِ عمرؓ کی آڑ میں اس "قرطاس" پر بہت کچھ فضولیات سے اپنے دل کی سیاہی کے دھبے ڈالتے ہیں اور درحقیقت وہ سینکڑوں وجوہ قرطاس سیاہ کر کے یہی نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ

۱۔ "حیاتِ پیغمبرؐ میں بسترِ علالت پر آقائے دوجہاں کے روبرو دینِ الٰہی کے نونہال کی جڑ پر پہلی کاری ضرب دینداروں کی ایک جماعت نے لگائی اور اسی صدمہ سے باغبانِ گلشنِ دین دنیائے بے مروت سے رخصت ہوئے۔"

۲۔ واقعہ قرطاس جس نے مسلمانوں کے لیے گمراہی و ضلالت کا وہ دروازہ کھول دیا جسے قیامت تک بند کرنا عام بشر کے اختیار میں نہیں ہے۔

۳۔ اسی وقت سے اسلام پر مصائب و فتنوں کی گھٹائیں چھانا شروع ہو گئیں اور ملت میں تنازعہ و انتشار کا بویا ہوا بیج دیکھتے ہی دیکھتے شاخوں سے بھرپور درخت بن گیا۔

۴۔ اگر یہ تحریر قلمبند ہو جاتی تو مخالفین کے منصوبے خاک میں مل جاتے..... لہٰذا امیہ برآری کے لیے..... (عمرؓ نے) اپنا مشن مکمل کر لیا۔"

یہ ایک عیار قلمکار کے الفاظ ہیں جس نے اس واقعہ قرطاس پر ۱۱۰ صفحے ایسے ہفوات سے سیاہ کر کے اپنے آقائے خمینی کی طرح حضور علیہ السلام کی ناکامی کا بار بار اعلان کیا اور حیاتِ نبوی میں اسلام کو قتل کر کے چپکے سے حضورؐ کو رخصت کر دیتا ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کو ایک طے شدہ منصوبے میں کامیاب گنتا ہے اور سب امت کی گمراہی کا ذمہ دار آپ کو ٹھہراتا ہے۔ حالانکہ سنۃ اللہ یہ رہی ہے کہ منصوبہ و تدبیر میں خدا اور رسولؐ پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ مخالف و منافق ہمیشہ ناکام رہے ہیں۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سازش کرنا چاہی مگر اللہ کی سازش کامیاب رہی۔ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ قوم کی تدبیر ناکام ہوئی۔ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ (انہوں نے ابراہیمؑ سے سازش کی ہم نے ان کو بڑے گھاٹے میں کر دیا۔ صالح علیہ السلام اپنی قوم پر غالب ہے وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (انہوں نے سازش کی ہم نے بھی سازش کی کہ ان کو پتہ بھی نہ چلا۔ فرعون کے بالمقابل حضرت موسیٰ علیہ السلام کامیاب رہے وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ فرعون

کی سازش تباہ ہو گئی۔

الغرض منکرین قرآن و رسول کا یہ گروہ ایک طرف معاذ اللہ حضرت عمرؓ کو بقول مجلسی کافر منافق اور سازشی کہتا ہے۔ مگر خدا و رسولؐ کے بالمقابل ان کو تاقیامت کامیاب بھی کہتا ہے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ وہ خدا اور سولؐ کا دراصل منکر ہے تبھی تو نہ کسی صحابی کو مانتا ہے نہ قرآن اور ۲۳ سالہ آپؐ کی تعلیم و تبلیغ میں کسی ہدایت کا قائل ہے۔ واقعہ قرطاس اور عمرؓ دشمنی کو تو محض ذاتِ رسولؐ سے چھٹکارا پانے کے لیے ایک بہانہ بنا دیا گیا ہے۔

چند ناجائز باتوں پر تنبیہ۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید اور مروج الذہب مسعودی کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی منصوبہ بندی کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ محض اتفاق تھا کہ حضرت عمرؓ عیادت کو آئے تھے تو یہ بات ہو گئی۔ ورنہ نہ آپ نے چھیڑی تھی۔ نہ حضورؐ کے دل کی بات جانتے تھے۔ پھر بالا دونوں کتابیں شیعہ کی ہیں۔ ابن ابی الحدید معتزلی شیعہ ہیں اور شیعہ کتاب کی شرح لکھی ہے جبکہ مسعودی اثنا عشری شیعہ ہیں۔ لہذا حضرت عمرؓ کے خلاف ان کی کوئی بات حجت نہیں ہو سکتی۔

۲۔ مسندِ احمد ج ۲ ص ۳۴۶ کے حوالہ سے یہ عبارت مع ترجمہ لکھی ہے۔

فخالف علیھا عمر بن الخطاب حتی رفضھا کہ سامانِ کتابت لے کر جناب عمرؓ نے پھینک دیا۔ حالانکہ یہ صریح بددیانتی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے (شفقت نبوی سے) اس تجویز سے اختلاف کیا حتیٰ کہ حضورؐ نے چھوڑ دی۔

۳۔ صواعق محرقہ باب تاسع فصل ثانی کے حوالے سے حدیث ثقلین لکھی ہے۔ اور یہ استدلال کیا ہے کہ "حضورؐ اس صحیفہ میں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و امامت کا تعین فرمانا چاہتے تھے۔" حالانکہ حدیث ثقلین اگر صحیح ثابت بھی ہو تو اس کا مفہوم دو سرا ہے کہ قرآن و علیؓ دونوں سے پوچھتے رہنا کہ اسلام اور میری تعلیم کیا ہے اس پر تا ہنوز بحمد اللہ امت کا عمل ہے مگر خلافت و امامت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ علاوہ ازیں ابن حجر مکی نے اس کی سند بھی نہیں بتائی اور ایک حصے کی سند بتا کر ایک راوی کو ضعیف کہا ہے تو قابلِ استدلال نہ رہی۔

لم حسبنا کتاب اللہ کا بار بار مذاق اڑایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مخالفت رسولؐ کی اور حجیت

حدیث کا انکار کیا۔ حالانکہ یہ مفہوم مخالف خود شیعہ ذہن کی ایجاد ہے ورنہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ کہنے والوں کو رسول اللہ کا منکر تو نہ کہا جائے گا۔ حضرت عمرؓ ہر موقعہ پہ سختی سے سنتِ رسولؐ کے پابند تھے۔ پھر کمالِ ادب سے حضورؐ کو خطاب نہیں کیا بلکہ حاضرین سے کہا دعندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ اور اس سے اشارہ آیتِ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی طرف تھا۔ اس صفائی کے باوجود بھی اگر حضرت عمرؓ پہ ردِ حکمِ رسولؐ کا الزام ہے حالانکہ آپ کو قلم دوات لانے کا خاص حکم نبویؐ نہ تھا تو پھر یہ الزام حضرت علیؓ پہ بھی آئے گا کیونکہ آپ اہلِ خانہ تھے۔ تحریر وصیت میں فائدہ بھی (بقول شیعہ) آپ کا تھا اور آپ کو لانے کا حکم خصوصی تھا۔ حضرت علیؓ کی غیر موجودگی کا شیعی عذر بالکل لغو ہے بلکہ آپ حاضر تھے۔ فرماتے ہیں۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال امرنی النبی صلی اللہ علیہ و سلم ان اٰتیہ بطبق یکتب فیہ مالا تضل امتہ من بعدہ فخشیت ان تفوتنی نفسہ قال قلت انی احفظ واعی قال اوصی بالصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم۔

(دعلیی ج ۱ ص ۶۳ مسند احمد ج ۲ ص ۹۰)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کی خدمت میں ایک طشتری لاؤں جس پر آپ ایسی تحریر لکھ دیں جس کے بعد آپ کی امت گمراہ نہ ہو۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ مجھے خوف ہوا کہ آپؐ کی ذات مجھ سے جدا نہ ہو جائے اس لیے میں نے عرض کی کہ آپ زبانی ارشاد فرمائیں۔ میں حفظ رکھوں گا اور یاد رکھوں گا۔ تو آپؐ نے فرمایا میں تم کو نماز کی اور اپنے ماتحت غلاموں سے حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

اس حدیث نے بخاری و مسلم کی روایات کے ابہام کو دور کر دیا کہ حکم کے اصل مخاطب حضرت علیؓ تھے۔ نیز یہ کہ آپ بھی قلم دوات نہ لانے والے گروہ میں تھے۔ حضرت علیؓ نے نہ لا کر در اصل حضرت عمرؓ کی تائید کی اور دونوں کی رائے حضورؐ نے پسند فرما کر خاموشی اختیار کی۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوموا عنی کا مخاطب وہ گروہ تھا۔ جو لکھوانے کے حق میں تھا مگر شور میں پڑ کر نہ لا سکا۔ تو آپؐ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو میری (مراقبہ حق میں) حالت اس سے بہتر ہے۔ جس (تحریر) کی طرف تم مجھے آمادہ کرتے ہو۔

۵۔ اگر شیعہ کو رد وحی پر اب بھی اصرار ہے تو مجبوراً یہ دو قصے ہم سناتے ہیں کہ ایسا الزام تو حضرت علی رضؓ پر بھی یقیناً آتا ہے۔

ا۔ "حضور علیہ السلام ایک دفعہ حضرت علی رضؓ کے گھر تشریف لے گئے نیند سے اٹھا کر تہجد کی پابندی کی تاکید فرمائی اس پر حضرت علی رضؓ نے کہا۔

واللہ لا نصلی الا ما کتب اللہ لنا — اللہ کی قسم ہم تو فرضی نماز کے سوا اور کوئی ہرگز نہ پڑھیں گے۔ ہمارے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں اگر نمازِ تہجد کی توفیق دیتا تو پڑھتے جب آپ نے یہ جواب سنا تو ران پہ ہاتھ مارتے ہوئے مکان سے لوٹے اور فرماتے تھے۔ انسان سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے (بخاری)

۲۔ شیعہ کی اپنی روایت بھی سنیئے جو محمد بن بابویہ نے امالی میں اور دیلمی نے ارشاد القلوب میں نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہ رضؓ کو ۷ درہم دیئے کہ علی رضؓ کو دو کہ اس رقم سے وہ اپنے اہل کے لیے غلہ خریدے کیونکہ ان پر بھوک غالب ہے۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے وہ علی رضؓ کو دے کر حضورؐ کا حکم سنا دیا جب حضرت علی رضؓ لے کر باہر نکلے تو ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کون ہے جو صحیح وعدہ پہ قرض دے۔ حضرت علی رضؓ نے وہ درہم قرض دے دیئے (بحوالہ حدیث قرطاس از علامہ محمود احمد)

اس قسم کے متعدد واقعات کتب فریقین میں موجود ہیں اگر حضرت علی رضؓ کی شخصیت کا خیال نہ رکھا جائے اور شیعوں کی طرح خارجی ذہن سے سوچا جائے تو حضرت علی رضؓ پر سنگین الزامات قائم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حضورؐ کے حکم کے باوجود فاطمہ رضؓ اور حسنین کریمین پر خرچ نہ کیے آپ کو رنج پہنچایا۔ حکم عدولی کی۔ اپنے عیال کی حق تلفی کی۔ مال غیر میں تصرف کیا۔ اہل بیت کو بھوکا رکھا۔ یہاں اگر جذبہ ایثار کہہ کر اچھی تعبیر کریں تو حضرت عمر رضؓ کے لیے بھی حضورؐ کی سخت تکلیف اور بیماری کے پیش نظر حسبنا کتاب اللہ کو جذبہ محبتِ نبوی سے تعبیر کریں۔

۶۔ امامت و خلافت بلا فصل کے خواب دیکھنے والے نبوت کی تمام تبلیغی زندگی کو اس کی بھینٹ چڑھاتے ہیں مگر پھر بھی کامیابی نہیں ہوتی۔

"دعوتِ ذوالعشیرہ سے لے کر اعلان خم غدیر تک بار بار رسول اللہ نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا اعلان فرمایا لیکن اب آخری تحریر کے ذریعے حضرت امیر ہی کی خلافت کا

تعین وصیت کے ذریعے کرنا چاہتے تھے۔ اگر یہ تحریر قلمبند ہو جاتی تو مخالفین کے منصوبے خاک میں مل جاتے۔ مدتوں کی آس ٹوٹ جاتی۔ خوابوں کی تعبیر الٹ جاتی اور تمام کیے کرائے پر یکمشت پانی پھر جاتا (لیکن اب عمر رضؓ کے بول پڑنے پر حضورؐ کے سب کیے کرائے پر پانی پھر گیا۔ معاذ اللہ)

۷۔ چور کی داڑھی میں تنکا۔ غیر مسلموں کی زبان سے اپنی نبوت دشمنی کا کیسے صاف اقرار کرتے ہیں۔ وہ جب وہ لوگ جن کے لیے وصیت کی جا رہی تھی اس کو معلوم کرنے کے روادار نہ تھے اور سننا تک نہیں چاہتے تھے تو پھر وصیت کیوں کی جاتی۔ اگر کوئی لعید میں تحریر ہوتی تو غیر مفید رہتی۔ مخالفین اسلام کو ہمیشہ کے لیے ایک بہانہ مل جاتا کہ دیکھو وحی و قرآن و نبوت تو محض ایک آڑ تھی محمدؐ تو محض دنیوی اقتدار کے خواہشمند تھے۔ آخر ان کا وہی انجام ہوا جو دنیا طلب لوگوں کا ہوتا ہے۔ ان کے بستر مرگ کے گرد ان کے صحابہؓ میں اس حکومت دنیوی کے لیے تلوار چل گئی۔ یہی کچھ شیعہ آج صحابہ رضؓ کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ شیعہ کی ان ہفوات کو اب بند کر کے قارئین سے معذرت چاہتا ہوں۔

سوال ۹۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ پیغمبر کے انتقال پر امت نے نبی کے جنازے پر خلیفہ کے انتخاب کو فوقیت دی ہو اگر ایسی کوئی مثال ماسلف میں نہ ملے تو امت مصطفےٰؐ نے ایسا کرنا کیونکر مناسب سمجھا۔

الجواب۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے عناد کی وجہ سے معترض نے کیا ہی نیا نکا اعتراض تراشا ہے۔ تدفین سے قبل ہی ہر پیغمبر کے جانشین پر سب امت کا اتفاق ہوتا تھا۔ پیغمبر کے رشتہ دار خلافت کے لیے رسہ کشی یا نزاع پیدا نہ کرتے تھے۔ جانشین پیغمبر کی موجودگی میں تجہیز و تکفین کا اہتمام ہوتا تھا۔ تمام تواریخ اسی حقیقت کا پتہ دیتی ہیں۔ اگر سائل اس کا منکر ہو تو وہی بات بتائے کہ کس پیغمبر کی تدفین خلیفہ کے تقرر و تعین کے بغیر عمل میں لائی گئی؟ عند الناس خلیفہ کے تقرر اور بیعت لینے کے وقت کا سوال اٹھانے کی حاجت نہیں۔ سوال دراصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ آیا خدا اور رسولؐ کے ایماء اور مشیت یا نص سے خلیفہ قرار پائے یا امت نے خدا اور رسولؐ کے حکم کے برعکس زبردستی ان کی بیعت کر لی۔ سو اسی مفہوم کے سوال ۳۰ کے تفصیلی جواب میں ہم وضاحت کریں گے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ خدا کی مشیت، حضورؐ کے ایماء پیشگوئی سے خلیفہ بنے اور سب امت نے آپ کی بیعت کر لی۔ خدا کی مشیت اور وعدہ موعود اور پیشگوئی

پیغمبر کی تصدیق کی۔ خدا و رسولؐ کے وعدوں اور خبروں میں ہرگز تخلف نہیں ہوتا۔ سوالِ بالا کا تحقیقی جواب اسی قدر ہے کہ سابقہ پیغمبروں کی مثال کی ضرورت نہیں۔ وہاں ایک پیغمبر کے بعد دوسرا پیغمبر ہی اس کا جانشین بنتا تھا۔ ان کی نبوت و خلافت پر نصِ جلی کا ہونا ضروری تھا۔ سب امت بیعت کا فریضہ سرانجام دے دیتی تھی۔ مگر شریعتِ محمدیہ کئی اصول و فروع میں ان سے مختلف ہے۔ یہاں صاحبِ شریعت پر نبوت ختم ہو گئی۔ اس کا خلیفہ پیغمبر یا مثلِ پیغمبر معصوم اور خود مختار نہیں ہوگا لہٰذا نصِ جلی کی ضرورت نہیں۔ نصِ خفی اور پیشینگوئی کے ساتھ امت کا اتفاق کافی ہے۔ گو سابقہ امم کی طرح یہاں بھی یہی قانون ہے کہ امت قائد و امام کے بغیر نہ ہو۔ چنانچہ مزاج شناسانِ رسولؐ اور فضلاءِ دبستانِ نبوت صحابہ کرامؓ نے قبل از تدفین چند منٹوں میں بیعتِ صدیقی کر کے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (کہ یقیناً اللہ ان کو خلافتِ ارضی دے گا)، کا وعدہ خدائی سچ کر دکھایا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ "عمرو بن حریث نے حضرت سعیدؓ بن زید (یکے از عشرہ مبشرہؓ) سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ موجود تھے۔ فرمایا ہاں۔ عمرو نے کہا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کب ہوئی فرمایا حضورؐ کی وفات کے دن۔

کرھوا ان یبقوا بعض یوم ولیسوا فی جماعۃ (طبری)	صحابہ کرامؓ نے اسے مکروہ جانا کہ دن کا کچھ حصہ بغیر جماعت ماتحت خلیفہ کے رہیں۔

کیا کسی نے مخالفت بھی کی؟ فرمایا نہیں۔ ہاں دین سے پھرنے والے نے یا جو پھرنے کے قریب ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو انصار سے نہ بچاتا۔ پوچھا کیا مہاجرین میں سے بھی کوئی الگ رہا۔ فرمایا نہیں، سب مہاجرینؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پر از خود ٹوٹ پڑے۔ اگلی متصل روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ گھر میں تھے اور آپ کو اطلاع ملی کہ ابوبکرؓ منبر پر بیٹھے بیعت لے رہے ہیں اسی طرح ٹبے کرتے میں حضرت علیؓ بیعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ تاخیر آپ کو ناپسند تھی۔ بیعت کر کے آپ کے پاس بیٹھ گئے پھر کپڑے منگوا کر پہنے اور مجلس میں بیٹھے رہے (طبری ج ۳ ص ۲۰۷)

خود شیعہ کے یہاں یہ اصول مسلم ہے کہ نبی یا امام کا جانشین اس کے آخری لمحات میں بنایا جاتا ہے۔

متی ینتھی الیہ الامر قال فی آخر دقیقہ من حیاۃ الاول (اصول کافی ج ۱ ص ۲۷۵)

عہدہ امامت اسے کب ملتا ہے۔ تو امام جعفرؒ نے فرمایا پہلے امام کی زندگی کے آخری لمحات میں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی حضرت حسنؓ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

" لوگو! اسی رات قرآن نازل ہوا۔ اسی رات حضرت عیسٰیؑ آسمان پر تشریف لے گئے۔ اسی رات حضرت یوشعؑ بن نون شہید ہوئے اور اسی رات میرے والد امیر المومنینؓ شہید ہوئے۔ (گویا شہادت علیؓ مبارک دن میں ہوئی م) پھر حضرت حسنؓ منبر سے اترے تو سب حاضر لوگوں نے آپ کی بیعت امامت کی۔ (جلاء العیون ص ۲۱۹)

جب شیعہ مذہب میں۔ ہر شیعہ امام موت کے وقت ہی بن جاتا ہے۔ اور قبل از تجہیز و تکفین اس کی بیعت بھی ہو جاتی ہے تو سید الرسلؐ کا جانشین قبل از تدفین بنا دیا جائے تو کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہی سنت اسلام و سنت انبیاءؑ ہے۔

مدینہ کے اس وقت نازک حالات سے قطع نظر۔ کہ اہل نفاق اور اسلام دشمن طاقتیں اسلام کو مٹانا چاہتی تھیں۔ عقلاً یوں بھی خلیفہ کا تعین ضروری ہے کہ امت کا ہر کام امام کی نگرانی میں ہو۔ اور کسی بات میں اختلاف یا بید انہ ہو یا پھر اسے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ دفن پیغمبرؐ کے لیے اختلاف آرا ہوا کسی نے جنت البقیع کا نام لیا۔ کسی نے حرم کعبہ کے جوار کا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ارشاد نبویؐ پیش کرنے پر آپ کو جائے ارتحال پر ہی دفن کیا گیا۔ (طبری ج ۳ ص ۲۱۳)

حضورؐ نے آخری وصایا متعلقہ تجہیز و تکفین آپ ہی کو فرمائی تھیں اور رہا مر نبویؐ آپ نے اس کام کو دوسروں پر تقسیم کیا (جلاء العیون ص ۷۷۔ کشف الغمہ۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۶۹۵) کہا جاتا ہے کہ یہ روایت ثعلبی سے ہے جو سنی ہے حالانکہ ثعلبی شیعہ تھا اور تقیہ کرتا تھا۔ اس کی تالیف "مثالب صحابہؓ" شیعہ ہونے کی گارنٹی ہے۔ اس کے علاوہ صاحبان کتب مذکورہ نے روایت بالا کو توثیق و تائید کے لیے نقل کیا ہے۔ نہ تردید کے لیے

بیعتِ امام ایک اسلامی فریضہ تھا جو بہر حال ادا کرنا تھا۔ اگر قبل دفن وجود میں آگیا تو شیعہ کو کیا دکھ ہے۔ اصول کافی ج ۲ ص ۲۴۴۔ رجال کشی ص ۸ روضہ کافی حیات القلوب کی روایات کی روشنی میں جب سوائے تین شخصوں کے حضرت علی رض کا طرفدار ہی کوئی نہ تھا تو اگر ایک مہینہ بھی بالفرض انتخاب مؤخر ہو جاتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو خلافت نہ ملتی اور جیسے بھی ملتی شیعہ تو اس کے دشمن ہی ہوتے۔ ہاں امت افتراق کا شکار ہو جاتی۔ منافق سازش کرتے۔ فتنہ ارتداد اور کفار کی یلغار کو دفعہ کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ پیغمبر اسلام کی وفات کے ساتھ اسلام کا جنازہ بھی اٹھ جاتا تو آج شیعہ خوشی سے بغلیں بجاتے۔ جیسے آج بھی ان کا قطعی متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے چار آدمیوں کے سب مرتد ہو گئے (روضہ کافی ص ۲۴۶-۲۹۶) یہ ہے ان کی اسلام اور پیغمبر اسلام کی محنت و قربانی اور تعلیم و تربیت سے محبت۔ تُف ایسے عقیدہ و مذہب پر اور امامت کے تکفیر بازی مسئلہ پر۔

جنازہ رسول ﷺ میں سب صحابہ کرامؓ کی شرکت

جھوٹ اور بہتان تراشی میں یہ ماہر فرقہ کہتا رہتا ہے کہ صحابہؓ نے جنازہ نہیں پڑھا، اور خلافت کے جھگڑے میں لگے رہے اس لیے اس مسئلہ پر بھی کچھ روشنی ڈالتا چلوں۔

انتخابِ امام میں چنداں دیر نہیں ہوئی۔ حضرت علی رض بحکم نبویؐ و صدیقی ابھی غسل سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ بیعتِ خلافت تام ہو گئی۔ مرآۃ العقول ص ۳۷۱ احتجاج طبرسی ص ۵۲ اور کتاب الروضہ ص ۱۵۹ پر ہے۔

قال سلمان فاتیت علیا علیه السلام وھو یغسل رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم فاخبرته بما صنع الناس وقلت ان ابا بکر الساعة علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔

حضرت سلمانؓ کہتے ہیں میں حضرت علیؓ کے پاس آیا ابھی وہ غسل نبویؐ دے رہے تھے تو میں نے ان کو سب لوگوں کی کارروائی (بیعت ابوبکرؓ) بتلائی اور کہا کہ ابھی ابوبکرؓ منبر رسول ﷺ پر بیٹھے ہیں۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رض سب مسلمانوں کے ساتھ جنازے پر جمع ہوئے۔ آگے حضرت امام جعفرؒ کی حدیث ملاحظہ ہو۔

حضرت عباسؓ حضرت امیر المومنینؓ کی خدمت میں آئے اور کہا تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ حضرت رسول ؐ کو بقیع میں دفن کریں اور حضرت ابوبکرؓ آگے بڑھ کر حضورؐ پہ جنازہ پڑھائے۔ پھر حضرت علیؓ پہنچ گئے تو فرمایا۔ لوگو! حضورؐ کی زندگی میں آپ کا امام کوئی نہ تھا۔ اب بھی کوئی امامت نہ کرے، فرداً فرداً لوگ دعا پڑھیں (حیات القلوب ص۶۶۴۔ جلاء العیون ص۷۰)

گو اس روایت میں غلط بیانی کر کے حضرت ابوبکرؓ پہ طعن مقصود ہے۔ کیونکہ تاریخی حقائق کے پیش نظر امام نہ بنانے کی رائے حضرت ابوبکرؓ نے ہی دی۔ تاہم جنازہ الرسولؐ پہ حضرت ابوبکرؓ اور سب صحابہؓ کا اجتماع۔ اور صدیقؓ پہ سب کا اتفاق۔ شیعہ کے گھر سے معلوم ہو چکا۔ وللہ الحمد

مزید سب صحابہؓ کی شرکت کی احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اصول کافی باب مدفنہ وصلاتہ میں ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلت علیہ الملائکۃ والمہاجرون و الانصار فوجاً فوجاً (تفسیر صافی ص۴۲۶)

امام باقرؒ نے فرمایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو آپ پر سب فرشتوں نے سب مہاجرینؓ نے سب انصارؓ نے گروہ گروہ ہو کر نماز پڑھی۔

شیعہ کی معتبر کتاب مرآۃ العقول ص۳۷۱ پر ہے کہ دس دس مہاجرینؓ اور انصارؓ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے اور باہر آتے تھے۔

حتی لم یبق احد من المہاجرین والانصار الا صلی علیہ

حتی کہ مہاجرینؓ و انصارؓ میں سے ایک بھی نہ بچا جس نے نماز نہ پڑھی ہو۔

حیات القلوب ج۲ ص۶۶۴۔ حق الیقین ص۱۳۲ پر ان احادیث کا فارسی ترجمہ موجود ہے اور یہ تصریح بھی ہے۔

تا آنکہ خورد و بزرگ مرد و زن اہل مدینہ و اطراف مدینہ ہمہ بر آں حضرتؐ چنیں نماز کردند۔

حتی کہ چھوٹے بڑے۔ مرد و عورتیں مدینہ والے اور آس پاس کی بستیوں والے سب لوگوں نے حضرتؐ پر اس طرح نماز پڑھی۔

ضمیمہ حیات مقبول ترجمہ ص۵۰۴ اور احتجاج طبرسی ص۵۲ پر بھی جملہ مہاجرینؓ و انصارؓ کی شرکت در

جنازہ مرقوم ہے۔

ان صریح احادیث کے باوجود یہ کہنا کہ ابوبکر و عمرؓ اور دیگر صحابہؓ نے جنازہ نہیں پڑھا۔ کتنا بڑا جھوٹ ہے۔ کیا مدینہ و اطرافِ مدینہ مہاجرین و انصار۔ مرد و زن۔ خورد و کلاں کے عموم سے یہ صحابہؓ خارج ہیں۔ پھر حضرت جعفر صادق رحصر کرکے کیوں بیان کرتے ہیں شیخینؓ کی استثناء کیوں نہیں کرتے آخر آپ کو ان سے کیا ڈر تھا؟

جب اپنے گھر سے لاجواب ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کتب اہل سنت میں ان کی شرکت جنازہ کی صراحت نہیں ملتی۔ حالانکہ کتاب کسی بھی مذہب کی ہو ہزاروں صحابہ کرامؓ کی شرکت بتانے کے لیے سب مہاجرینؓ و انصارؓ۔ کل مرد و زن اور مدینہ و اہل مدینہ۔ خورد و کلاں جیسے عمومی الفاظ بیان کیے جاتے ہیں نہ کہ شخصی نام۔ کیا دس دس آدمیوں کے جنازہ خواں گروہوں میں کسی میں حضرت علیؓ اور دیگر چار مومن صحابہؓ کی بھی شرکت کی صراحت ملے گی؟ اگر نہیں تو حضرت ابوبکر و عمرؓ کے لیے یہ مطالبہ کیسے کیا جاتا ہے۔ عموم سے استثناء کے لیے خصوصی اور قوی ترین دلیل درکار ہوتی ہے۔ یہ ایک اصولی بات عرض کی ہے کہ شیعہ حضرات دو طرفہ بے انصافی کرتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے عمومی مناقب سے حضرات خلفاء و اکابرینِ امت کو بلا دلیل خصوص نکال لیتے اور دلیلِ خاص کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مگر اپنا مذہب کشید کرنے کے لیے عموم سے خصوص پر استدلال کرتے ہیں اور دلیلِ خاص کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ لیکن حضرت ابوبکر و عمرؓ اساطینِ امت ہیں۔ ان کا تذکرہ خصوصیت سے بھی یقیناً ملتا ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ہے۔

لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکر وعمر فقالا السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومعہما نفر من المہاجرین والانصار قدر ما یسع البیت فسلموا کما سلم ابوبکر وعمر وہما فی الصف الاول حیال رسول اللہ صلی

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفن دیا جا چکا اور چارپائی پہ آپ کو رکھا گیا تو حضرت ابوبکر و عمرؓ داخل ہوئے اور فرمایا "سلامتی ہو آپ پر اللہ کی اور اس کی رحمتیں اور برکتیں اے اللہ کے نبیؐ"۔ ان دونوں کے ساتھ مہاجرین و انصار کے کچھ لوگ بھی تھے جتنے حجرہ میں آسکتے تھے پس انہوں نے بھی اسی طرح سلام پڑھا جیسے

الله علیه وسلم اللهم انا نشهد انه قد بلغ ما انزل الیه ... ثم یخرجون ویدخل آخرون حتی صلوا علیه الرجال ثم النساء ثم الصبیان (البدایہ ج۵ ص۲۶۵)

حضرت ابوبکر و عمرؓ نے پڑھا حضرت ابوبکر و عمرؓ صفِ اوّل میں حضورؐ کے سامنے تھے اور یوں کہتے تھے اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضورؐ نے وہ وحی پوری پہنچائی جو آپؐ پر کی گئی ... پھر یہ نکلتے تھے اور دوسرے داخل ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ سب مردوں پھر عورتوں اور پھر بچوں نے نماز و سلام کا فریضہ ادا کیا۔

جنازہ مبارک پڑھنے کی یہی کیفیت طبقات ابن سعد ج۵ ق۲ اور سیرتِ حلبیہ ج۳ ص۳۹۴ پر موجود ہے اور بخاری شریف میں حضرت ابوبکرؓ کا گھر سے آتے ہی حضورؐ کا چہرہ کھولنا اور جھک کر بوسہ دینا اور رونا پھر مشہور خطبہ دینا مذکور ہے۔ سنی و شیعہ ان تصریحات کے باوجود کیا اب بھی کسی شخص کو یہ جھوٹ بولنے کی گنجائش ہے کہ شیخینؓ شریکِ جنازہ نہ تھے۔ ان صحیح و معتبر روایات کی روشنی میں اس قسم کی ضعیف و شاذ کوئی روایت کیسے قبول ہو سکتی ہے جس میں لکھا ہو کہ ابوبکرؓ و عمرؓ جنازہ و دفن میں موجود نہ تھے۔ جیسے کہ کنز العمال کی روایت ہشام بن عروہ سے نقل کی جاتی ہے کہ جناب ابوبکر و عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بعد لوٹے۔ حالانکہ ہشام تو عروہ کا بیٹا ہے۔ خود عروہ کی ولادت حضرت عمرؓ کی خلافت کے اخیر میں یا حضرت عثمانؓ کی خلافت کی ابتداء میں ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۵۹ ۔ تہذیب التہذیب ج۷ ص۱۸۳) لہٰذا اس واقعہ میں خود عروہ کی موجودگی محال ہے۔ چہ جائیکہ اس کا بیٹا ہشام موجود ہو۔ بہرحال یہ روایت منقطع اور غیر معتبر ہے۔ نیز شاذ ہے تو روایاتِ مسندہ صحیحہ کے مقابلے میں مردود ہے۔ (بحوالہ جنازہ الرسولؐ از علامہ تونسوی صاحب)

باب چہارم

مسئلہ باغ فدک

سوال نمبر ۱۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی کی مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ پیغمبر کے انتقال پر بلال پر پیغمبر کی اولاد کو باپ کے ترکہ سے محروم کر دیا گیا ہو۔ جیسا کہ رسول زادی کو حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث و لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ خلیفہ وقت نے سنا کر باپ کی جائیداد سے محروم کر دیا تھا۔ دیکھو بخاری ص ۱۶۱۔

الجواب۔ اولاد کے مالی وارث ہونے کے شیعہ مدعی ہیں اہل سنت منکر ہیں۔ مدعی کے ذمے ثبوت ہوتا ہے۔ شیعہ ایک مثال پیش کریں کہ کسی نبی کا اپنا کمایا ہوا ذاتی مال یا ترکہ ان کی سب اولاد میں بطور وراثت شرعی پورا پورا تقسیم ہوا ہو۔ جب ایسی کوئی مثال نہیں ملتی تو منکر کا دعویٰ از خود بلا دلیل و مثال ثابت ہو جاتا ہے۔

مسئلہ فدک

یہ سوال قصۂ فدک کی طرف اشارہ ہے جو شیعہ کا پیدا کردہ معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ بلکہ اہل تشیع کا بزعم خود سنگ بنیاد ہے۔ انقلابات زمانہ سے جب دسویں صدی ہجری میں صفوی خاندان ایران میں برسر اقتدار آیا اور شیعہ کا اصول تقیہ باطل ہو گیا۔ اور شیعہ آئمہ کے ارشادات ۔ کہ شیعو! تم اس دین پر ہو جو اسے چھپائے گا عزت پائے گا اور جو ظاہر کرے گا خدا اسے ذلیل کرے گا۔" نیز جوں جوں امام مہدی کے ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آئے گا تقیہ (اور کتمان دین) کی ضرورت اور سخت ہوتی چلی جائے گی (اصول کافی باب التقیہ)۔ خود شیعہ کے قول و فعل سے جھوٹے ثابت ہوئے۔ تو شیعہ مبلغ سب سے پہلے مسئلہ فدک سے بحث شروع کرتے تھے۔ کشف الغمہ کے مقدمہ میں مؤلف کے حالات میں ہے۔

"یہاں یہ بات معلوم کر لینی چاہیے کہ شیعہ مذہب صفوی زمانہ سے ایران میں شائع ہوا۔ علامہ زواری، شیخ بہاء الدین اور ملا فتح اللہ کاشانی جیسے لوگ دولت صفیہ کے آغاز میں اہل بیت کا طریقہ پھیلانے میں مصروف ہوئے۔"

پھر اس اعتراض ۔ کہ شیعہ مذہب فاتح ایران حضرت عمرؓ کے بغض کی وجہ سے ایران میں پیدا

ہوا۔ کے جواب میں کہتے ہیں۔

(ما گوئیم ایں سخن غلط است والیشاں نمی دانند کہ تشیع از زمان صفویہ باہزاراں رنج و دشواری رواج گرفت و بیش از آں تا ہزار سال کشور عجم مانند سائرہ ممالک اسلامیہ سنی بودند۔ (مقدمہ کشف الغمہ ص۱۳ از مرزا ابو الحسن شعرانی)

ہم کہتے ہیں یہ الزام غلط ہے۔ یہ سنی نہیں جانتے کہ شیعہ مذہب تو صفویہ خاندان کے زمانہ سے ہزار رنج اور مشکلات کے ساتھ شائع ہوا اور اس سے پہلے ہزار سال تک عجمی ممالک تمام دیگر اسلامی ممالک کی طرح سنی المذہب تھے۔

اب ایسے مذہب کی حقیقت و صداقت کا کیا کہنا جو ہزار برس بعد ہی پردۂ عدم سے ظہور میں آتا ہے۔ اور بنیاد عہد نبوی کے بعد فدک جیسے چند اختلافات پر استوار کر کے اتفاق ملی کو پارہ پارہ کرنا اور اپنے فرقہ کے سوا سب مسلمانوں کو دائرہ ایمان سے خارج جانتا ہے۔ حالانکہ بالکل کھلی بات ہے جن اختلافی مسائل پر آج ملت اسلامیہ کو کفر و اسلام میں منقسم کیا جاتا ہے۔ عہد صحابہ رض و اہل بیت رض میں ان کا وجود ایسے تھا ہی نہیں جیسے باور کرایا جاتا ہے۔ یا بات کا بتنگڑ بنا کر تصویر ہی غلط پیش کی جاتی ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ جس وقت یہ مسائل اٹھے یا اٹھائے گئے۔ حضرات اہل بیت سے عقیدت رکھنے والے بھی کروڑوں مسلمان تھے۔ ہزار برس تک ان میں سے کوئی فرقہ شیعہ اہل بیت نہ بنا اور نہ کسی نے ان اختلافات کو ہوا دے کر نیا مذہب تیار کیا مگر ہزار برس بعد یہود و مجوس کے بلخوبہ خاندان صفوی نے ان اختلافات کو مذہب کی شکل میں پھیلا دیا۔ تشیع کے اس اجمالی تعارف کے بعد اور مسئلہ فدک کی تفصیلات میں جانے سے پہلے چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ کی حقیقت

اس مسئلہ کی حقیقت صرف اتنی ہی ہے کہ یہود بنی نضیر۔ قریظہ اور خیبر کے بعض قبائل نے اہل اسلام سے مرعوب ہو کر بلا جنگ جو جائیدادیں اہل اسلام کے سپرد کیں قرآنی اصطلاح میں وہ مال فے کہلاتا ہے اور اس کے آٹھ مصارف سورت حشر میں مذکور ہیں۔ ان ہی میں فدک تھا۔ یہ جائیدادیں صرف حضور کی تحویل میں تھیں کیونکہ کسی مسلمان مجاہد کا ان میں معین حصہ نہ تھا۔ حضور صرف اپنی صوابدید سے مذکورہ بالا مصارف پر کلاً یا جزاً کمی بیشی کے ساتھ خرچ کرتے تھے۔ اپنا ذاتی خرچ۔ رشتہ داروں کا خرچ بھی اسی سے نکالتے تھے۔ اصول کافی میں

تصریح ہے کہ یہ جائیداد پیغمبر کے بعد امام جانشین کی تحویل میں چلی جاتی ہے۔ اور وہ اسی کے مطابق ان میں عمل و تصرف کرتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسی حیثیت سے جانشین پیغمبرؐ ہوئے تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے خلیفہ کی یہ حیثیت تسلیم کرتے ہوئے بذریعہ قاصد یہ مطالبہ کیا کہ فدک نامی شہر کی جائیداد۔ جس کی آمدنی ہم استعمال کرتے ہیں۔ براہِ راست میری تحویل میں دے دیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یہ وراثت کی سی شکل ہے۔ جناب رسولِ مقبول علیہ السلام کا فرمان میں نے سنا ہے کہ پیغمبروں کا ترکہ عام صدقہ ہوتا ہے اس میں کوئی وارث نہیں بنتا۔ آپ کو خرچ کے لیے وہ سب آمدنی ملتی رہے گی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں ملا کرتی تھی۔ حضور علیہ السلام کی رشتہ داری مجھے سب دنیا سے بڑھ کر عزیز ہے لیکن میں بطورِ وراثت و تملیک وہ جائیداد آپ کے حوالے نہیں کر سکتا کیونکہ حضورؐ کی روش کے خلاف کروں تو گمراہ ہوں گا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا یہ معقول جواب سن کر خاموش ہو گئیں۔ پھر اس مسئلہ پر آپ سے بات نہیں کی حتیٰ کہ ۶ ماہ بعد رحلت فرما گئیں۔

جناب رشید اختر ندوی "مسلمان حکمران" ص ۳۲، ۳۳ پر لکھتے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کا مطالبہ تھا انہیں باغ فدک اور خیبر کی زمینیں دی جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہِ راست تابع تھیں۔ جن سے رسول اللہ اپنی بیویوں۔ اہل و عیال۔ عام مسلمانوں مسافروں اور عمال کی تنخواہیں اور دوسرے اخراجات پورے کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ کی نظر منصبِ امامت اور اس کے فرائض پر نہ تھی وہ اپنے باپ کو نبی مانتی تھیں مگر وہ انہیں عرب کا امیر بھی سمجھتی تھیں۔ ....

در حقیقت اسلام بڑے اونچے مقاصد لے کر اس دنیا میں آیا تھا۔ رسول اللہ نے جو طریقِ حکومت رواج دیا تھا اس میں امیرِ ملت یا حاکمِ اعلیٰ کی وراثت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ البتہ اگر رسول اللہ اپنے باپ یا دادا سے کوئی جائیداد پاتے اور یہ جائیداد نبی کی حیثیت سے نہیں ایک عام فرد کی حیثیت سے انہیں ملتی تو بات شاید الگ ہوتی تو شاید ابوبکرؓ فاطمہؓ کے مطالبہ کو رد نہ کرتے۔ بہت ممکن تھا بلکہ یقیناً ایسا ہوتا کہ رسول اللہ یہ جائیداد بیچ کر مستحق مسلمانوں کو کھلا دیتے اور وصال کے وقت اپنے پیچھے کچھ چھوڑ نہ جاتے اور باغ فدک اور خیبر کی بعض زمین تو رسول اللہ کو مسلمانوں کے حاکم

ہونے کی حیثیت سے ملی تھی اور اگر وہ زمینیں اپنی بیٹی یا اپنے نواسوں اور دوسرے عزیزوں کے لیے مخصوص کر جاتے تو ان میں اور دوسرے حکمرانوں میں کیا فرق رہتا۔

سیدہ فاطمہ رضؓ نورِ ملت اور جانِ ملت ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضؓ ہم سب کی آنکھوں کا تارا ہیں ان کی محبت جزوِ ایمان ہے لیکن اسلام کے عظیم مقاصد اس محبت کے باوجود مقدم ہیں اور اس لیے ابوبکر رضؓ نے فاطمہ رضؓ سے کہا تھا یہ باغِ فدک میرے تسلط میں اس طرح رہے گا جس طرح رسول اللہؐ کے تسلط میں تھا اور میں اسے اس طرح خرچ کروں گا جس طرح رسول اللہؐ اسے خرچ کرتے تھے (ابنِ کثیر جزء ۵ صہ ۲۸۹)

اور تاریخ نے جو کسی کے عیوب و محاسن نہیں چھپاتی اور ہر عیب کو ظاہر کر دیتی ہے ابوبکر رضؓ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ انہوں نے باغِ فدک یا کسی اور زمین کی پیداوار اپنے اوپر صرف کی ہو گو انہوں نے باغِ فدک اور دوسری زمینیں اپنے قبضے (و تولیت) میں لے لی تھیں لیکن ان کی پیداوار اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔

وہ جس طرح کی زندگی گزارتے تھے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ ابوبکر رضؓ نے رسول اللہ کی وراثت کے باب میں وہی مسلک اختیار کیا جو اسلام کا منشا تھا انہوں نے وہی راہ اختیار کی جو اسلام کے پہلے حاکمِ اعلیٰ کو منظور و محبوب تھی۔

اور یہ راہ اختیار کرتے وقت انہوں نے رسول اللہ کے ارشاد سے سند بھی لی تھی انہوں نے حضورؐ کا ارشاد حضرت فاطمہ رضؓ اور دوسرے لوگوں کو سنا دیا تھا اور ان سے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا فرأیت ان اردہ علی المسلمین (میرا خیال ہے کہ میں اسے مسلمانوں کو لوٹا دوں) انہوں نے اپنا یہ خیال پورا کیا اور فدک اور خیبر کی مخصوص آمدنی مسلمانوں کے تصرف میں لائے۔ اور یہ باغ فدک اور دوسرے اموال رسول اللہ کی زندگی میں حضورؐ کے ذاتی اور قومی تصرف میں آیا کرتے تھے۔ جن میں سے بنی نضیر کے اموال بھی تھے۔

مؤرخ ابو عبید نے اس سلسلہ میں حضرت فاروق رضؓ کی روایت درج کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

کانت اموال بنی نضیر مما افاء اللہ علی رسولہ مما لا یوجف المسلمون علیہ بخیل ولا رکاب فکانت لرسول اللہ خاصۃ فکان ینفق منہا علی اھلہ نفقۃ سنۃ

وما جعله فی الکراع والسلاح عدۃ فی سبیل اللہ ۔ مسلمان حکمران ص ۳۲-۳۳-۳۴ مؤلفہ رشید اختر ندوی مطبوعہ احسن برادرز لاہور

(ترجمہ) کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی گھڑ دوڑ اور لشکر کشی کے بغیر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو بطور فے دیے تھے تو یہ حضورؐ کے خاص تصرف میں تھے آپ سال کا خرچہ اپنے گھر والوں پر اس سے کرتے اور بقیہ کو جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری میں ہتھیار وغیرہ سامان پر خرچ کرتے تھے۔

شیعہ حضرات حضرت فاطمہؓ کی مفروضہ ناراضگی کو بہت اچھالتے ہیں تو گزارش یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی اپنی زبانی واقعہ کی تفصیل یا ناراضی کا اظہار اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا۔ چونکہ خوشی یا ناراضی دل کا فعل ہے۔ عام راوی اسے بطور ظن ہی بیان کر سکتا ہے۔ چنانچہ بعض رواۃ اہل سنت نے خاموشی کو ناراضی پر محمول کیا اور اسی بنا پر ناراضی بعض روایات میں منقول ہے۔

۲۔ دس تمہیدات

اس سے قطع نظر کہ غضبت جیسے مثبت ناراضی الفاظ راوی کے مدرج الفاظ ہیں جیسے عنقریب بیان ہوگا۔ قابل توجہ بات اس قدر ہے۔ اولاً کہ قرن اول کے دو بڑے بزرگوں، پیغمبرؐ کے خاص رشتہ داروں میں اتنا سا فکری یا نظریاتی اختلاف کیا اس بات کا جواز مہیا کر سکتا ہے کہ اس پر اصولی اختلاف کی طرح ڈال کر امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے۔ خود حضرات اہل بیتؓ نے تو حدیث میراث اور عمل صدیقی کی تغلیط نہیں کی۔ قصہ فدک میں بدستور وہی طریقہ جاری رکھا جو پیغمبر اعظمؐ اور صدیق اکبرؓ نے قائم کیا تھا۔ پھر بعد میں آنے والے لوگوں کو انتشار و اختلاف برپا کرنے کا کیا حق ہے؟

ثانیاً۔ حضرت فاطمہؓ جیسی عابدہ زاہدہ بتول سے عقلاً کیا ممکن ہے۔ کہ وہ صدیق اکبرؓ سے حدیث پیغمبرؐ سن کر ناراض ہو جائیں۔ یہ ادنیٰ مسلمان کی بھی شان نہیں ہو سکتی۔ بالفرض اگر وہ حدیث آپ کے خیال میں درست نہیں تو برملا اس کا انکار کر کے اس کے برعکس قرآن وسنت سے ان کو قائل کریں اور اس کا ثبوت کتب معتبرہ فریقین سے ہونا چاہیے خاموشی تو علامت رضا ہی ہے۔

ثالثاً۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے افضل صحابی ہی نہیں بلکہ حضرت فاطمہؓ الزہراء کے رشتہ میں نانا بھی ہیں۔ حضورؐ کے یار قدیم اور صاحب الغار بھی ہیں۔ عمر بھر جان و مال سے حضورؐ کی

خدمت و نصرت کی۔ حضرت فاطمہؓ کے حضرت علیؓ سے رشتہ کے محرک اول حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہی ہیں۔ آپ کا جہیز خرید کر لانے والے حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔ نکاح کے اہم شاہد بھی یہی حضرات ثلاثہؓ ہیں بلکہ حضرت فاطمہؓ اور علیؓ کے گھر یلو تنازعات کو نمٹاتے وقت بھی حضورؐ شیخینؓ کو شاہد بناتے تھے (سب امور کے لیے قصہ تزویج ملاحظہ ہو کشف الغمہ و جلاء العیون)

کیا حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے متعلق عقل سلیم کسی بھی درجے میں یہ باور کر سکتی ہے کہ آپ اپنے بڑے محسن رشتہ دار پر صرف تولیت فدک نہ ملنے کی وجہ سے ناراض ہو گئی ہوں اور ترک سلام و کلام تک کی ہو۔ ٹھیک ہے فرض کیجئے آپ حساس اور نازک مزاج تھیں۔ خلاف مرضی حضرت ابوبکرؓ کا عمل و ارشاد سن کر طبعی ناراض ہوئیں۔ یا بقول شیعہ حضرت ابوبکرؓ جیسے بزرگ محسن کو اپنے حق کا غاصب سمجھ کر ناراض ہوئیں۔ تو کیا تین دن تک ناراضی کا جواز، پھر ناراضی اور ترک کلام کی حرمت کا متفقہ مسئلہ آپ کو معلوم نہیں۔ پھر اس کی خلاف ورزی کیسے؟ فدک کا مسئلہ مالی حقوق کے متعلق ایک دنیوی مسئلہ ہے عقیدہ اور فرائض شریعت کا مسئلہ تو نہیں جس کے تعلق سے طویل ناراضی کا عذر لنگ تراشا جائے۔

خامساً سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ سیدۃ النساء ہیں۔ اعمال صالحہ اور پرہیز گاری میں اعلیٰ اور معیاری مقام رکھتی ہیں۔ قرآن پاک میں اہل جنت کے اوصاف عالیہ میں وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (اور اہل جنت غصے کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں) آیا ہے۔ گو برائی کا بدلہ اس کی مثل عام لوگوں کے لیے جائز ہے۔ مگر خواص کے لیے فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (پس جو معاف کر دے اور صلح کر لے پس اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے) اور وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (اور البتہ جو صبر کرے اور بخش دے تو یہ پختہ کاری کی بات ہے) جیسے لوگوں کی سیرت اپنانے کی تعلیم نازل کی گئی ہے۔ رحم مجسم اور مہربان کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ پیغمبر نے بڑے بڑے مجرموں کو معاف کر دینے کا اسوہ حسنہ یادگار چھوڑا ہے اور صحابہ کرامؓ کے لیے تو خصوصی طور پر رب رحیم کا حکم اور سفارش ہے۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (ان کو معاف کر دیں ان کے لیے بخشش مانگیں اور اہم کاموں میں ان سے مشورے لیں) خود حضرت سیدہ کے مثالی شوہر اور سبط پیغمبر فرزندوں نے تکالیف سہہ کر صبر و عفو کی مثالیں قائم کیں۔ اب جو لوگ حضرت سیدہ کے ابوبکر صدیقؓ پر ناراضی کا افسانہ مشہور کرتے ہی رہتے ہیں۔ رضامندی یا عفو کی

کوئی روایت تسلیم ہی نہیں کرتے۔ وہی بتائیں کہ مذکورہ بالا آیات کے مصداق سے حضرت سیدہ رضؓ کیوں خارج ہیں۔ آل عبا کے مثالی طرز عمل کی خلاف ورزی حضرت سیدہ کیوں کرتی ہیں۔ کیا سیدہ کی پاکیزہ سیرت پر شیعہ کی طرف سے خوارج سے بڑھ کر یہ ناپاک حملہ نہیں۔ جس کا مقصد وحید صرف حضرت ابوبکر رضؓ پر طعن اور تشیع کے سنگِ بنیاد ہی کو مضبوط کرنا ہے۔

سادساً۔ اگر کوئی بزرگ کسی صاحب سے بلا قصد و ارادہ طبعاً ناراض ہو جائیں تو زیادہ سے زیادہ ناراض کرنے والے کے ذمہ یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ ان سے معذرت اور دلجوئی کر لیں۔ اعتذار اور معافی چاہنے والوں کو معاف کرنا سنتِ خدا و رسول کے علاوہ اخلاقی فریضہ بھی ہے۔ اگر بقول شیعہ یہ طبعی ناراضی تسلیم ہی کی جائے تو شیعہ روایات میں ہی یہ تصریح ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ نے حضرت فاطمہ رضؓ سے جا کر معافی مانگی۔ حالانکہ یہ دونوں نانا جی تھے۔ اولوالامر تھے اور حضرت فاطمہ رضؓ سے افضل تھے مگر پھر بھی قرابتِ نبوی اور تنظیم فاطمہ رضؓ کے جذبہ سے آپ کے گھر چل کر گئے۔ ملاحظہ ہو۔

"حضرت ابوبکر رضؓ نے جب یہ حال (خفگی فاطمہ رضؓ) دیکھا تو خدا سے عہد کیا کہ وہ چھت کے نیچے نہ جائیں گے جب تک کہ حضرت فاطمہ رضؓ کو راضی نہ کر لیں۔ پس ایک رات وہ آسمان کے نیچے سوئے۔ پھر عمر رضؓ امیر المومنین رضؓ کے پاس آئے اور کہا ابوبکر رضؓ بوڑھے آدمی اور نازک دل ہیں۔ رسولِ خدا کے غار میں ساتھی تھے اور حضور سے پرانی صحبت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بھی کئی مرتبہ آئے ہیں اور حضرت فاطمہ رضؓ سے ملاقات کی اجازت مانگی ہے مگر وہ نہ مانیں اگر آپ مفید جانتے ہیں تو ہمارے لیے رخصت مانگیں ۔۔۔۔ پس امیر المومنین نے فاطمہ رضؓ سے کہا میں ضامن ہوا ہوں کہ ان کے لیے اجازت چاہوں۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے فرمایا۔ آپ کا گھر ہے اور آپ کو اختیار ہے۔ عورتیں مردوں کے آڑے نہیں آتیں۔ میں کسی بات میں آپ کی مخالفت نہیں کرتی جس کو چاہیں اجازت دیں ۔۔۔۔ پس حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ آئے۔ ابوبکر رضؓ نے کہا۔ اے رسولِ خدا کی صاحبزادی! ہم تیرے پاس آپ کی رضا چاہتے اور ناراضی سے پناہ مانگنے آئے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم سے (بروایت شیعہ) کوتاہی ہوئی اسے بخش دیں۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے فرمایا۔ میں ایک بات تم سے نہیں کرتی حتیٰ کہ اپنے والد ماجد سے ملاقات کروں اور تمہاری شکایت کروں۔ (جلاء العیون ص ۱۵۲)

شیعہ روایت کے آخری جملے غلط ہیں۔ مگر حضرت ابوبکر رضؓ تو حق پر تھے۔ مطابق شرع اپنا

فرض ادا کر چکے۔ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (وہ لوگوں کو معاف کرنے والے اور غصہ ختم کرنے والے ہیں) یہ عمل حضرت فاطمہؓ کو کرنا چاہیے تھا جب حضرت علیؓ راضی اور اجازت دے کر گویا ایک قسم کے سفارشی ہیں۔ پھر ناراضی پر اصرار کیوں؟ اگر حضورؐ زندہ ہوتے اور آپؐ سے فاطمہؓ شکایت کرتیں تو کیا آپ صلح صفائی نہ کروا لیتے؟ جیسے حضرت علیؓ پر فاطمہؓ کی ناراضی اور شکایت کو آپ ختم کرا دیتے تھے۔ تو ابوبکرؓ کے ساتھ بھی (بالفرض ناراضگی مانتے ہیں) آخرت میں یہی امید ہے کیونکہ جن پر خدا اور رسولؐ راضی ہوں ان پر بعض دوستوں کی ناراضی کا دفعیہ دوسرے ذریعہ سے ہو جائے گا۔ قرآن وسنت میں یہ مسئلہ مصرح ہے وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (اور جو کچھ ان کے سینوں میں ایک دوسرے کے متعلق کدورت ہوگی ہم دور کر دیں گے اور وہ بھائی بھائی ہو کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (پ ۱۴ الحجر)

سابعاً: یہ حقیقت ہے کہ فدک کے سوال پر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا ساتھ دینے میں پس وپیش کی تو آپ کو اتنا سخت سست سننا پڑا " مانند جنین در رحم پردہ نشین شدہ ومثل خائناں در خانہ گریختہ (حق الیقین ص ۱۲۵)۔ (ماں کے رحم میں بچے کی طرح پردہ نشین ہو گئے ہو اور خائنوں کی طرح گھر میں بھاگ آئے ہو) اور ابھی ہم واضح کریں گے کہ حضرت علیؓ نے بھی باغ فدک ورثاء فاطمہؓ کو نہ دیا اور عمل صدیقی جاری فرمایا۔ کیا شیعہ کا مشہور اصول۔ الحق مع علی حیث دار (حق علیؓ کے ساتھ ہے۔ جدھر بھی جائیں) کے تحت تائید علوی کی وجہ سے حضرت علیؓ برحق نہیں۔ خانگی تنازعات فاطمہؓ وعلیؓ میں اگر حق حضرت علیؓ کے ساتھ ہوتا تھا تو یہاں کیوں ساتھ نہیں۔

ثامناً: حضرت علیؓ پر فاطمہؓ کی ناراضی کے واقعات کئی ہیں۔ مثلاً جلاء العیون ص ۱۲۳-۱۲۶-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۲ طبع ایران ملاحظہ ہو۔

اور شیعہ روایات کی روشنی میں آپ کی خانگی معاشرت اتنی تلخ تھی کہ حضور علیہ السلام کو یوں تنبیہ وسفارش کرنی پڑی۔

ومہربانی کن با زوجہ خود بدرستیکہ فاطمہؓ پارہ تن من است ہرچہ او را بدرد آورد مرا بدرد میاورد (جلاء العیون ص ۱۲۳)

اے علیؓ اپنی زوجہ پر رحم کھایا کرو بلاشبہ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو بات اسے تکلیف پہنچاتی ہے مجھے بھی تکلیف پہنچاتی ہے۔

اس حدیث کو اپنے شانِ نزول سے کاٹ کر حضرت ابوبکر رضؓ پر منطبق کرنے والے دیانتدار فرقہ سے ہم پوچھتے ہیں کیا ان مسلسل ناراضیوں سے حضرت علیؓ کے دین پر حرف آیا یا نہ۔ اگر نہیں آیا۔ تو اصول کہاں گیا؟ اور اگر آیا تو فما هو جوابكم فهو جوابنا۔

تاسعاً۔ اگر یہ کہو کہ یہ وقتی ناراضی ہوتی تھی بعد میں صلح صفائی ہو جاتی تھی تو سوال یہ ہے کہ صفائی سے قبل دو چار گھنٹے کے وقت ناراضی میں حضرت علی رضؓ کے حبطِ اعمال پر فتوٰی دیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں دیا جا سکتا تو ابوبکر رضؓ پر بھی دو ڈھائی ماہ کی ناراضی سے بھی فتوٰی نہیں دیا جا سکتا۔

عاشراً۔ فقد اغضبنی (پس اس نے مجھے ناراض کیا) کیا بنا پر حقیقت ہی ہے یا دھمکی اور اغضاب فاطمہ رضؓ سے روکنا مقصود ہے۔ اول بات پر اصرار ہو تو مندرجہ ذیل آیات کا جواب دیں۔ سود خواروں کے متعلق ہے۔ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ اگر تم سود خوری سے باز نہ آؤ تو خدا اور رسولؐ کے ساتھ اعلانِ جنگ کرو) کیا محاربِ خدا و رسولؐ سود خوار پر آپ حقیقتہً کفر کا فتوٰی لگائیں گے؟۔ غیبت کرنے والوں کے متعلق ہے أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا (کیا کوئی تم سے پسند کرتا ہے کہ مردہ بھائی کا گوشت کھائے) کیا غیبت کرنے والا واقعی مردار خور ہے۔ یتیم کا مال ناجائز کھانے والوں کے متعلق ہے۔ إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا (بے شک وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں) کیا اب وہ حقیقتہً آگ ہی کھاتے ہیں۔

اگر یہاں حقیقت مراد نہیں بلکہ ان گناہوں کی شناعت کے لیے تمثیلات ہیں اسی طرح غضبِ فاطمہ رضؓ پر غضبِ رسولؐ بیانِ شناعت کا ایک طریق ہے اور اغضابِ فاطمہ رضؓ سے روکنا مقصود ہے۔ حقیقت مراد نہیں ہے تو حضرت ابوبکر رضؓ پر ناراضی رسولؐ ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ سادہ بیانِ مسئلہ کی حقیقت ایک خالی الذہن عامی کے ذہن نشین کرنے کے لیے قلمبند کیا گیا۔ علمی موشگافیوں کے دلدادہ اور رد و قدح کرنے والوں کے لیے تحقیقی بیان یہ ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۵ سے حدیثِ میراث ملاحظہ ہو۔

"امام زہری بروایت عروہ از عائشہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضؓ اور عباس رضؓ حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس حضورؐ کا ترکہ مانگنے آئے۔ اور وہ فدک اور خیبر کے حصے کی زمینیں مانگتے

تھے۔ پس حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

یقول لانورث ماترکنا صدقة — حضورؐ فرماتے تھے۔ ہمارا ورثہ نہیں ہوتا جو

انما یاکل آل محمدؐ من ھٰذا المال۔ — ہم چھوڑتے ہیں صدقہ ہوتا ہے۔ آل محمدؐ بلاشبہ

اس مال سے کھاتے رہیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم میں وہ طریق کار نہیں چھوڑ سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کرتے دیکھا ہے۔ بلکہ میں اسے ضرور کروں گا۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے آپ سے گفتگو چھوڑ دی۔ اور تا وفات بات نہیں کی۔"

بخاری ج۲ ص۵۳۵ کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں۔ کہ آپ اس ترکہ کی وراثت مانگتی تھیں جو اللہ نے آپ پر بطور فے لوٹایا تھا"..... نیز یہ خیبر فدک اور مدینہ منورہ کے وقف صدقات تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دینے سے انکار کیا اور فرمایا میں اس طرز عمل کو نہیں چھوڑ سکتا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے مگر میں اسے ضرور کروں گا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے حضورؐ کا طرز عمل چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔" ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔" کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری سب سے زیادہ محبوب ہے۔ بخاری ج۲ ص۵۷۷-۹۹۶ (مگر میں مال فے کی میراث دینے سے معذور ہوں) میرا مال آپ کے لیے حاضر ہے۔"

مسئلہ کی علمی تنقیح

طعن فدک کا سارا دارومدار اسی حدیث پر ہے۔ چند تنقیحات کی شکل میں اس پر بحث کی جاتی ہے۔

۱- مال فے اور فدک کی آمد و خرچ کی کیا پوزیشن ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کس کے تصرف میں آتا ہے۔

۲- حضرت ابوبکرؓ اور دیگر خلفاء اسلام اہل بیت کا راشن ان اموال سے دیتے تھے۔

۳- حضرت فاطمہؓ کے سوال کا منشاء کیا تھا؟

۴- حدیث لانورث متفق علیہ ہے تمام صحابہؓ اور امت کا اس پر اجماع ہے۔

۵- راوی کے الفاظ غضبت الخ مدرج اور اپنے ظن پر مبنی ہیں۔

۶- حضرت سیدہؓ ابوبکرؓ پر خوش ہو کر رخصت ہوئیں۔

۷۔ شیعہ کے دلائلِ وراثت پر تبصرہ

۸۔ روایاتِ ہبہ کی حقیقت

۹۔ جنازہ فاطمہؓ میں شیخینؓ کی شرکت

۱۔ مالِ فے اور فدک کی حقیقت۔ مسلمانوں کو کفار کے جو اموال ملتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ انفال یعنی غنیمت۔ ۲۔ فے۔ انفال نفل کی جمع ہے جس کے معنی فضل و انعام کے ہیں۔ یہ لفظ سورت انفال کے شروع میں استعمال ہوا ہے۔ جب جنگِ بدر کی غنیمت کی تقسیم میں ایک دوسرے سے بڑھ کر مستحق ہونے کا سوال اٹھا تو اللہ پاک نے فرمایا قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ آپ فرمایئے انفال کی تقسیم اللہ اور اس کے رسولؐ کے اختیار میں ہے۔ اس سے مراد مالِ غنیمت ہی ہے جو کفار سے بصورتِ جنگ حاصل ہوا تھا۔ فے مراد نہیں کیونکہ فے اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ و قتال کے کفار سے ملے خواہ وہ چھوڑ کر بھاگ جائیں یا رضامندی سے دینا قبول کریں اور نفل انفال کا لفظ اکثر اس انعام کے لیے بولا جاتا ہے جو امیرِ جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگزاری کے صلہ میں علاوہ حصہ غنیمت کے بطور انعام عطا کرے۔ یہ معنی تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیے ہیں (ابن کثیر) اور کبھی مطلقاً مالِ غنیمت کو بھی نفل اور انفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اکثر مفسرین نے یہی عام معنی لیے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہی عام معنی نقل کیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ عام اور خاص دونوں معنی کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے کوئی اختلاف نہیں اور اس کی بہترین تشریح و تحقیق وہ ہے جو امام ابو عبید نے اپنی کتاب الاموال میں ذکر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل لغت میں نفل کہتے ہیں فضل و انعام کو اور اس امتِ مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ جہاد و قتال کے ذریعے جو اموال کفار سے حاصل ہوں ان کو مسلمانوں کے لیے حلال کر دیا گیا ورنہ پچھلی امتوں میں یہ دستور نہ تھا۔" (تفسیر معارف القرآن ج ۴ ص ۱۷۲)

علماء لغت اور مفسرین کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ انفال بطورِ جنگ و قتال سے حاصل ہونے والے مال کو کہا جاتا ہے اور اسی کو مالِ غنیمت کہتے ہیں۔ خواہ ایک ہی چیز کے دو نام ہوں یا عام خاص کا فرق ہو۔ جیسے اسی سورت میں وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ مصارف

انفال کا بیان ہے لیکن مالِ فے کی حقیقت اس سے جدا ہے کہ وہ بغیر جنگ کے محض رضامندی یا رعب سے حاصل ہوتا ہے اور یہ تعریف قرآن حکیم نے بھی سورت حشر میں کی ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسول ؐ کو ان لوگوں سے بغیر لڑے عنایت کیا ہے تو اس پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں نہ اونٹ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ... لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ ... وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ

دیہات والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ؐ کو بدون جہاد عنایت کیا وہ اللہ کا ہے اور رسول ؐ کا اور (رسول کے) قرابت مندوں کا اور (انہی کے) یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا تاکہ وہ (مال غنیمت) تمہارے دولتمندوں کے مابین چکر کھاتا نہ پھرے ..... نیز یہ (مال فے) ہجرت کرنے والوں میں سے ان ضرورتمندوں کا بھی حق ہے ..... اور ان کا بھی حق ہے جو ہجرت کرنے والوں کے پہلے سے دار ہجرت میں مقیم اور ایمان پر قائم ہیں (ترجمہ مقبول صفحہ ۶۵۳)

انفال وغنیمت اور مال فے کے درمیان اس مباین فرق سے معلوم ہوا کہ شیعہ حضرات جو انفال کو بلاجنگ حاصل شدہ مال سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے "تجلیات صداقت" صفحہ ۴۱۱ پر ہے۔ "اور اگر صرف تیاری جہاد کرنے، گھوڑے دوڑانے اور کچھ عملی تگ وتاز کرنے سے (لیکن جہاد کے بغیر) ملے جیسے اموال واملاک بنی نضیر تو اسے فے کہا جاتا ہے اور اگر ہر قسم کی سعی وکوشش کے بغیر ہی مل جائے تو اسے انفال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جیسے جائیداد فدک۔"

قرآن حکیم کے بیان کے برعکس صریح دھاندلی اور باطل مقصد برآری ہے۔ شاید ان کے پیش نظر اپنے پیشوا علامہ کلینی کا بھی غلط بیان ہو گا۔ "جو خلفاء بغیر جنگ اور غلبہ سے مال واپس ملے وہ فے ہوتا ہے اور اس کا حکم واعلموا انما غنمتم میں مذکور ہے (یعنی غنیمت

وفے ایک مال کے نام ہیں) اور جو ان کے پاس بغیر گھوڑے دوڑانے اور لشکر کشی کے حاصل ہو وہ "انفال" کہلاتا ہے جو خدا اور رسول کا خاص ہوتا ہے کسی کی شرکت نہیں ہوتی (اصول کافی ص۵۳۷ باب الفے والانفال)

حالانکہ۔ قرآن پاک نے جنگ بدر سے حاصل شدہ اموال وغنائم کو۔ انفال۔ اور بلا جنگ ولشکر کشی اموال بنی نضیر کو مال فے سے تعبیر کیا ہے جن میں جائیداد فدک بھی شامل ہے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ۔

اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ جائیداد فدک۔ انفال وغنیمت کے طور پر اہل اسلام کے قبضے میں آئی یا بطور فے بلا جنگ حاصل ہوئی۔ سو تمام سنی شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ فدک مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک بستی کا نام ہے۔ وہاں کے یہودنے از خود صلح میں نصف جائیداد دینے کی حضور کو پیشکش کی آپ نے منظور فرمالی۔ چنانچہ مولف تجلیات صداقت محمد حسین صاحب نے اپنی مختار کے موافق۔ معجم البلدان ج ۶ ص ۳۴۳ تاریخ طبری ج ۳ ص ۹۵۔ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۰۸ فتح الباری کے حوالہ جات سے فدک کی تعریف کے بعد یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

وکانت فدك خالصة لرسول الله لانهم لم يجلبوا عليها بخيل ولا ركاب۔

فدک خالص رسول اللہ کے قبضے میں تھا کیونکہ مسلمانوں نے اس پہ گھوڑے اور سواریاں نہیں دوڑائیں۔

معلوم ہوا کہ فدک مال فے کی قسم ہے جس پہ گھوڑ دوڑ اور لشکر کشی نہیں کی گئی۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو اموال فے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آیت بالا میں فرمایا ہے۔ کہ خالصۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل اور قبضے میں ہوگا۔ اور آپ حاکمانہ حیثیت سے مذکورہ بالا آٹھ مصارف اپنی صوابدید سے خرچ کریں گے۔ اور عام مسلمانوں کو اس تقسیم پہ چون وچرا کا حق نہ ہوگا کیونکہ ان کی جنگ اور لشکر کشی سے یہ حاصل نہیں ہوئے۔ بلکہ منصب نبوت اور حاکمانہ رعب داب سے سپہ سالار اسلام کے قبضے میں آئے ہیں

"فدک خالصہ رسول" تھا۔ اس سے حضور علیہ السلام کی شخصی تملیک پہ استدلال کرنا منصب نبوت پہ صریح حملہ اور قرآن کریم کے بیان کردہ آٹھ مصارف سے استہزاء کے مترادف

ہے (جیسے صاحب تجلیات اور دیگر شیعہ کرتے رہتے ہیں) کیونکہ یہ منصب نبوت سے حاکمانہ حیثیت حاصل ہونے کی وجہ سے آپ کو حاصل ہوئے۔ اس کے خرچ میں آپ خود مختار ضرور ہیں۔ مگر خالص ملکیت کی طرح نہیں۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱- قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔	آپ فرما دیجیے۔ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں سے ہوں۔
۲- قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ (سبا)	آپ فرمائیے جو کچھ میں تم سے اجرت مانگوں وہ تم اپنے پاس ہی رکھو میرا ثواب میرے رب کے ذمہ ہے۔
۳- قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (انعام)	آپ فرمائیے میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔

کسی منصب کی رو سے جو چیز ملتی ہے۔ وہ عام عطیہ ہے اسی منصب کا گویا اجر یا قدر و قیمت ہے۔

سنی شیعہ کتب میں کتاب القضاء کے تحت یہ حدیث آتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک شخص کو ہم حاکم مقرر کرتے ہیں وہ جب بہت سے مال جمع کر لاتا ہے تو کہتا ہے " یہ مجھے ہدیہ ملا اور یہ عطیہ اور یہ بیت المال کے لیے ہے۔

ھلا جلس فی بیت امه فینظر ایھدی الیه ام لا (کما قال)	وہ اپنی ماں کے گھر کیوں بیٹھا رہا تاکہ اسے ہدایا ملتے (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۳)

معلوم ہوا کہ منصب نبوت اور حاکمانہ حیثیت سے فدک وغیرہ جو جائیداد بن اللہ نے آپ کو قبضہ میں دیں وہ محض رفاہی امور اور مصارف ہشت گانہ مذکورہ پر خرچ ہوں گی۔ اگر آپ اسے محض ذاتی تملیک قرار دیں تو شیعہ ہی بتائیں کہ نبی کی حیثیت سے طلب اجر اور تکلف کی اس سے بڑی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا ہزاروں بلکہ لاکھوں مربع ایکڑ کی اتنی بڑی جائیداد یں آپ نبوت و حکومت کے رعب سے حاصل کر کے تنہا اپنی صاحبزادی کو میراث بنا کر دیں یا ہبہ کر دیں تو لوگوں کے سامنے آپ یہ اعلان کر سکیں گے کہ نہ میں اجر مانگتا ہوں۔ نہ تکلف کرتا ہوں۔ اس صورت میں ہم داعی اسلام کی کفار کے سامنے کیا بے لوثی۔ للہیت اور زہد و قناعت کی بات کر سکیں گے۔

تاریخ و سیرت کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ جناب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب لوگوں سے بڑھ کر زاہد تھے۔ فتوحات اور کثرت غنائم کے باوجود آپ کے گھر میں لسبا اوقات دو دو ماہ تک آگ نہ جلتی۔ ازواج مطہرات رضی پیوند لگے کپڑے پہنتی تھیں آپ خود اور آپ کے اہل بیت رضی فاقوں سے رہتے اور روزہ رکھ کر پانی یا کھجور سے افطار کرتے تھے۔ خود سیدہ فاطمہ رض نے گھریلو خدمت کے لیے خادم مانگا مگر آپ نے سب لوگوں میں تقسیم کے باوجود سیدہ رض کو خالی ہاتھ واپس لوٹا دیا۔ اور تسبیح و تہلیل اور تحمید کی۔۔۔ امر نہ تعلیم دی۔ بروایت شیعہ محدث ابن بابویہ بسند صحیح۔ حضرت فاطمہ رض کو آپ نے زیور پہنے دیکھا تو ناراض ہو گئے اور اتارنے کا حکم دے کر فرمایا۔

پدرتش فدائے او باد دنیا از محمد و آل محمد — اس کا باپ اس پر قربان دنیا محمد اور آل محمد کے لیے نہیں ہے۔
نیست (جلاء العیون ص ۹۲-۱۰۰)

روضہ کافی ص ۱۳۱ پر ہے۔ حضور نے فرمایا۔ میں مکہ کے پہاڑوں کا سونا ہونا نہیں چاہتا بلکہ ایک دن بھوکا اور ایک دن سیر رہنا چاہتا ہوں تاکہ سیری پر شکر اور بھوک پر ذکر و دعا کروں۔

صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ مال خمس میں سے حضرت فاطمۃ الزہرا رض نے باوجود حق دار ہونے کے بخدمت کے لیے خادم مانگا تو آپ نے یہ عذر فرما کر انکار کر دیا کہ میرے سامنے تمہاری ضرورت سے زیادہ اصحاب صفہ کی ضرورت ہے جو انتہائی فقر و افلاس میں مبتلا ہیں۔ ان کو چھوڑ کر میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ بخاری ص ۴۳۳ پر ہے کہ حضور کی وفات ہوئی میرے گھر میں ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جگر والا حیوان کھاتا بجز نصف صاع جو کے۔ حضرت عمرو بن الحارث کی روایت میں ہے کہ حضور نے صرف ہتھیار۔ سفید خچر اور کچھ صدقہ کی زمین ترکہ میں چھوڑی۔

کیا اس سیرت اقدس کی روشنی میں اتنے بڑے بہتان کی گنجائش ہے کہ حضور نے فدک وغیرہ مال فے کو ذاتی ملکیت بنا لیا ہو اور حضرت فاطمہ رض کو سب میراث بنا دی ہو یا ہبہ کر دیا ہو۔ شیعہ کتاب علل الشرائع میں امام حسن رض سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ماں سے کہا کہ آپ نماز کے بعد مومنین و مومنات کے لیے دعا مانگتی ہیں اپنے لیے کیوں نہیں؟ فرمایا یا بنی الجار ثم الدار اول ہمسایہ کا کام کرنا ہے پھر اپنا (یہ ایثار آپ کو حضور نے ہی سکھلایا تھا تو ہبہ فدک اس سیرت سے مطابقت نہیں رکھتا)

شیعہ کتاب عیون الاخبار میں حضرت زین العابدینؒ از اسماءؓ بنت عمیس راوی ہیں کہ حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا گلوبند دیکھا جو حضرت علیؓ نے مالِ فے سے خریدا تھا تو آپ نے فرمایا اے فاطمہؓ! کیا لوگ نہ کہیں گے کہ فاطمہؓ محمدؐ کی بیٹی جبابرہ (متکبر امیروں) کا سا زیور پہنتی ہے حضرت فاطمہؓ نے اسی وقت اسے توڑ کر بیچ ڈالا۔ اور اس سے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا۔ اس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے۔ (بحوالہ باغ فدک از نواب مہدی علی خان)

اموالِ فے میں حضورؐ کا طرزِ عمل

اس تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ اموال فے کو جناب حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ قرآنی آٹھ مصارف (بنام خدا، رسولؐ رشتہ دار، یتامیٰ، مساکین، مسافر، فقراء مہاجرین، فقراء انصار) میں حسب صوابدید خرچ کرتے تھے۔ اپنا اور اپنے گھر والوں کا خرچ بھی اسی سے نکالتے تھے اور اہم ملی کاموں میں اسے صرف فرماتے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ بھی اسی سنتِ نبوی پر عمل پیرا تھے۔ لہٰذا مطالبہ کے باوجود حضرت سیدہؓ کو قبضہ مالکانہ نہیں دیا۔ جیسے خود حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں دیا تھا اور نہ یہ دنیا ان کے لیے پسند بھی نہ کرتے تھے۔

اس پر سنی شیعہ احادیث ملاحظہ ہوں۔

سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۹ پر ہے کہ حضرت سیدہؓ نے ارضِ فدک کا سوال خود آنحضرتؐ سے بھی کیا تھا مگر آپ نے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ غالباً اسی واقعہ کی مؤید یہ شیعی روایات بھی ہیں۔

اتت فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی شکواه الذی توفی فیه فقالت یارسول الله هذان ابنای تورثهما شیئاً فقال اما الحسن فله هیبتی واما الحسین فله جرئتی۔

(خصال ابن بابویہ ص ۳۹ ط ایران)

حضرت فاطمہؓ بنت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں حضورؐ کے پاس آئیں جس میں آپؐ کی وفات ہوئی تو فرمایا یا رسول اللہ یہ میرے دو صاحبزادے ہیں ان کو کچھ وراثت دے جائیں تو آپؐ نے فرمایا حسنؓ کی میراث میری ہیبت و رعب اور حسینؓ کے لیے میری بہادری ہے۔

نیز شیعہ کے محدث فرات بن ابراہیم بن فرات کوفی تفسیر فرات مطبوعہ نجف اشرف ص ۱۲ پر لکھتے ہیں جو علی بن ابراہیم قمی کے استاذ اور کلینی کے استاذ الاستاذ ہیں کہ حضرت علیؓ کو طلب وراثت کے سوال پر آپ نے کتاب اللہ اور سنتِ نبوی میراث بتائی۔ صحیح بخاری میں قصہ کئی دفعہ آیا ہے کہ فدک

وغیرہ بعض اموالِ فے پر حضرت عمرؓ نے حضرت علی و عباسؓ کو متولیانہ قبضہ دے دیا۔ کچھ عرصہ تو وہ اتفاق سے رہے مگر پھر طبائع کے اختلاف سے جھگڑا پڑ گیا اور ہر ایک نے حضرت عمرؓ سے علیحدہ تقسیم کا مطالبہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اسے وراثت کا سا مطالبہ سمجھتے ہوئے تقسیم سے انکار کیا اور فرمایا۔

فکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینفق علی اھلہ من ھذا المال نفقۃ سنۃ ثم یاخذ ما بقی فیجعلہ مجعل مال اللہ فعمل بذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ حیاتہ انشدکم باللہ ھل تعلمون ذالک قالا نعم ثم قال لعلی وعباس انشدکما باللہ ھل تعلمان ذالک قالا نعم فتوفی اللہ نبیہ (بخاری ج ۲ ص ۵۷۶-۹۹۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر والوں پر پورے سال کا خرچہ اس مال سے نکال لیتے تھے پھر بقیہ کو اللہ کے مال کی جگہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ حضورؐ نے اپنی زندگی میں یہی عمل کیا میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ کیا تم اسے جانتے ہو سب نے کہا ہاں پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علی و عباسؓ سے کہا۔ میں تم کو بھی قسم دیتا ہوں کیا تم یہ بات جانتے ہو۔ کہنے لگے ہاں۔ اسی طرح اللہ نے اپنے نبی کو وفات دے دی۔

فتوح البلدان بلاذری ص ۲۹ اور ۳۱ پر ہے۔

فکان نصف فدک خالصا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان یصرف ما یاتیہ منھا الی ابناء السبیل وفی روایۃ ان فدک کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان ینفق منھا ویاکل ویعود علی فقراء بنی ھاشم ویزوج ایمھم۔ (بحوالہ الفاروق ص ۵۶)

نصف فدک خالص حضورؐ کے قبضے میں تھا اس سے جو آمدنی آتی اسے مسافروں پہ خرچ کرتے اور ایک روایت میں ہے کہ فدک حضورؐ کے قبضے میں تھا آپ اس سے خود خرچ کرتے کھاتے اور فقرائِ بنی ہاشم کو دیتے اور ان کے بے نکاحوں کی شادیاں کرتے وغیرہ۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مالِ فے میں طریق کار معلوم ہو چکا اور واضح ہو گیا کہ اس مال کی آمد پر قبضہ نبوی سب متولیانہ تھا۔ نہ خالص مالکانہ۔ اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ مال

حضورؐ کے بعد کس کے قبضے اور تولیت میں جانا چاہیے۔ اصولِ سیاست اور طریقِ تمدن سے آجکل یہ سمجھنا مشکل نہیں رہا۔ کہ سربراہِ مملکت کو جو اموال و جائیداد حکومت کی حیثیت سے ملتی ہیں۔ ان میں ذاتی ملکیت نہیں چلتی۔ وفات کے ساتھ شخصی استحقاق ختم ہو جاتا ہے۔ کتبِ شیعہ میں بھی یہ مسئلہ واضح ہے۔ اصولِ کافی ج ۱ ص ۴۳۶ باب الفئ والانفال کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

ان اللہ تبارک وتعالٰی جعل الدنیا کلھا باسرھا لخلیفتہ حیث یقول للملائکتہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ فکانت الدنیا باسرھا لآدم وصارت بعدہ لابرار ولدہ وخلفائہ۔	بیشک اللہ تعالٰی نے سب زمین خلیفہ کے لیے بنائی ہے جیسے فرمایا فرشتوں سے بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانیوالا ہوں۔ پس روئے دنیا سب حضرت آدمؑ کے لیے تھی اور اس کے بعد آپؑ کے نیک صاحبزادوں اور خلیفوں کو ملی۔

معلوم ہوا کہ وہ زمین آدم کی سب اولاد میں بطورِ میراث تقسیم نہ ہوئی۔ بلکہ صرف نیک جانشین صاحبزادوں کو ملی۔

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں۔

الانفال مالم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب او قوم صالحوا او قوم اعطوا بایدیھم وکل ارض خربۃ وبطون الاودیۃ فھو للرسول صلی اللہ علیہ و سلم وھو للامام من بعدہ یضعہ حیث یشاء۔	انفال وہ مال ہیں جن پر گھوڑ دوڑ اور لشکر کشی نہ کی جائے یا کوئی قوم صلح میں دے دے یا اپنے ہاتھوں کوئی قوم (مرعوب ہو کر) دے دے اور ہر خراب زمین اور وادیوں کے پیٹ سب رسول اللہ کے قبضے میں ہوں گے پھر اس کے قبضے میں جو آپ کا جانشین ہو گا جہاں چاہے گا خرچ کرے گا۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا اور رسولؐ کا حصہ۔ اولی الامر کو بطورِ وراثت ملے گا اور ایک اس کو اپنا حصہ منجانب اللہ ملے گا۔ (اصول کافی ص ۵۳۹) ابوداؤد ج ۲ ص ۵۹ پر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فاطمہؓ سے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالٰی جب کسی نبی کو خوراک دکھلانے کے لیے، دیتے ہیں۔ فھو للذی یقوم من بعدہ تو اس میں تصرف کا حق اس خلیفہ کو ہے جو اس کا قائم مقام ہے۔

اِس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وہ مالِ فے یا باصطلاحِ شیعہ انفال بلا جنگ حاصل ہونے والا مال حضورؐ کے بعد آپؐ کے خلیفہ کے قبضے میں آئے گا تو آپ کا اس پر قبضہ متولیانہ وحاکمانہ ہوا نہ مالکانہ۔ فھو المقصود۔ ورنہ رشتہ داروں کو ملنا چاہیئے۔ ہمارے اعتقاد میں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ رسولؐ ہیں تو اس متفقہ بین الفریقین اصول کی رو سے فدک وغیرہ کے متولی آپ ہوئے۔ اور یہ تولیت بطورِ میراث کسی کا حق نہ ہوا۔ فھو المقصود۔

ابوداؤد کتاب الخراج الفئی ج ۲ ص ۵۹ (مالک بن اوس الحدثان سے) روایت ہے کہ حضرت علی وعباسؓ حضرت عمرؓ کے پاس (اموالِ فدک کے علیحدہ علیحدہ متولی بننے کا) جھگڑا لے کر آئے حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ اور حضرت عثمانؓ بھی پاس بیٹھے تھے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کیا تم جانتے نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

كل مال النبي صلى الله عليه وسلم صدقة الا ما اطعمه اهله وكساهم انا لا نورث قالوا بلى

نبی علیہ السلام کا ہر مال (مقبوضہ) صدقہ ہوتا ہے مگر جو کچھ اپنے گھر والوں کو کھلا پہنا دیں۔ ہم کسی کو وارثِ دنیوی نہیں چھوڑتے سب نے کہا جی ہاں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے تھے اور بقیہ صدقہ کر دیتے تھے۔ اللہ نے جب اپنے نبی کو وفات دے دی تو دو سال حضرت ابوبکرؓ والی بنے وہ بھی وہی عمل کرتے رہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے (میں بھی ایسا کرتا رہا۔ پھر تم کو تقسیم بین المسلمین کا متولی بنایا۔ اب تم علیحدہ تقسیم کا مطالبہ کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں تا قیامت ایسا نہ کروں گا تم اگر (مشترکہ تولیت سے) عاجز ہو تو مجھے یہ اموال واپس کر دو۔ (کذافی ج ۲ ص ۵۷)

۲۔ حضرت ابوبکرؓ سنتِ نبوی کے مطابق اہلِ بیتؓ کو خرچ دیتے تھے

جب فدک کا مال فے ہونا۔ آٹھ مصارف میں قابلِ تقسیم ہونا۔ حضورؐ کا ذاتی ملکیت نہ ہونا پھر جانشین پیغمبر کا اس پر قابض ہونا اور مالکانہ حقوق وتقسیم کسی کو نہ دینا تنقیح اول سے معلوم ہو چکا۔ تو اب واضح ہو کہ حضرت ابوبکرؓ اور اسی طرح حضرت عمر۔ عثمان۔ علی حسن رضی اللہ عنہم بھی سنتِ پیغمبرؐ کے مطابق خرچ کرتے اور اہلِ بیت کو راشن دیتے تھے صحابہؓ سے بھرے مجمع میں قسم دے کر حضرت عمرؓ کا حاضرین سے پوچھنا

اور حضرت علی و عباس رضہ سے پوچھ کران سب سے اس بات کی تصدیق کرانا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سال کا خرچ اپنے اہل بیت کو اس مال سے دیتے تھے اور بقیہ دیگر اللہ کی خرچ کی جگہوں میں خرچ کرتے تھے۔ گزر چکا ہے اور اس میں یہ تصریح ہے۔

فقال ابوبکر انا ولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقبضتها فعمل بما عمل به رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم توفی اللہ ابابکر فقلت انا ولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقبضتها سنتین اعمل فیها بما عمل فیها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر۔ (بخاری ج ا ص ۹۹۶)

پس حضرت ابوبکر رضہ نے کہا میں حضور کا خلیفہ ہوں۔ میں نے ان مالوں کو لے کر وہی عمل کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ پھر اللہ نے حضرت ابوبکر رضہ کو وفات دے دی تو میں نے کہا کہ میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں پس دو سال تک ان مالوں پر قابض ہو کر وہی کرتا رہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضہ کرتے تھے۔

عام مورخین کے علاوہ شارحین نہج البلاغہ بھی حضرت ابوبکر رضہ کے نفقہ اہل بیت کو دینے کا ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ ابوبکر رضہ غلہ و سود آنرا گرفتہ بقدر کفایت باہلبیت علیہم السلام مے دادو خلفاء بعد از وہم براں اسلوب افتاد نمودند تا زمان معاویہ (ج ۲ ص ۹۶ فیض الاسلام از سید علی تقوی)

خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکر رضہ غلہ اور دیگر آمدنی ان مالوں کی لیکر اہل بیت کو پورا خرچ کی مقدار دے دیتے تھے اور دیگر خلفاء بھی اس کے بعد (عمر رضہ عثمان رضہ علی رضہ۔ معاویہ رضہ) اسی طور پر کرتے رہے۔

علامہ میثم بحرانی بھی حضرت ابوبکر رضہ کے اعتذار اور رضاء فاطمہ رضہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

وذلک ان لک ما لابیک کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ من فدک قوتکم ویقسیم الباقی ویحمل منه فی سبیل اللہ ولک علی اللہ ان

اور وہ یہ کہ آپ کو وہ کچھ ملے گا جو رسول اللہ سے ملا کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فدک سے تمہاری خوراک لیتے تھے اور باقی تقسیم کر دیتے تھے اور جہاد میں سواریاں فراہم کرتے تھے تیرے

اصنع بها كما كان يصنع فرضيت بذلك
واخذت العهد عليه به وكان
يأخذ غلتها فيدفع اليهم منها ما
يكفيهم ثم فعلت الخلفاء بعده
كذلك (ومثله في درة النجفية شرح نهج البلاغة ص ۳۳۲)

لیے میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں فدک
میں وہی کروں گا جو رسولِ خدا کیا کرتے تھے۔
حضرت فاطمہؓ اس معاہدہ پر خوش ہو گئیں اور
وعدہ پختہ لے لیا۔ حضرت ابوبکرؓ فدک کا غلہ لیکر
اہلبیت کو اتنا دے دیتے جو ان کو پورا ہوتا پھر
دوسرے خلفاء بھی اسی طرح کرتے رہے۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۵ پر ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ مالِ فے کے صدقات حضرت علیؓ کے ہاتھ میں رہے۔ حضرت عباسؓ کو تصرف کرنے سے روکا اور ان پر غالب ہوئے پھر یہ حضرت حسن بن علیؓ کے پاس پھر حضرت حسین بن علیؓ کے پاس۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی جائیداد متروکہ) کے صدقات تھے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے کہ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فے کے صدقات کو شیخینؓ کے طرز سے بدلایا نہیں پھر اس کے بعد حضرت حسنؓ، حسینؓ، علی بن حسینؓ کے ہاتھ میں آتے رہے کسی سے مروی نہیں کہ اس نے ملکیت کا دعویٰ کیا ہو۔

قارئین کرام! غور فرمائیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ شیعہ ترجمان کی روشنی میں۔ سنتِ نبوی کے مطابق حضرت اہلبیت کو پورا خرچ دیتے تھے اور حضرت فاطمہؓ اس پر راضی بھی ہو گئی تھیں اور معاہدہ بھی ہو گیا تھا اور سنی ترجمان کے مطابق یہ اموال حضرت اہلبیت ہی کے تصرف و ولایت میں رہے۔

نہ معلوم اب ۱۴۰۰ سال تک جھگڑا کس بات پر ہے۔ "مدعی سُست گواہ چست" کی مثال اس پر صادق آتی ہے۔ کیا یہ سب کچھ فرقہ پرستی اور ابوبکرؓ دشمنی کا آئینہ دار نہیں۔ ان حقائق سے قاضی نور اللہ شوستری (مجالس المومنین ص ۵۳) جیسے لوگوں کے اس سوال کا بھی جواب ہو گیا۔ "کہ ابوبکرؓ نے بطورِ تبرع ہی دے کر حضرت فاطمہؓ کیوں خوش نہ کر دیا۔"

اگر حضرت ابوبکرؓ اموالِ فے (فدک، خیبر، صدقاتِ مدینہ) حضرت فاطمہؓ کو سب دے دیتے تو خلاف اصول ہوتا کیونکہ دیگر چھ مصارف کا بھی حصہ تھا نیز حضرت ابوبکرؓ پر جانبداری اور خویش نوازی کا الزام آتا۔ کہ مسلمان خلیفہ نے اپنے پیغمبرؐ کی صاحبزادی کا لحاظ کیا۔ یا اپنی نواسی کو اتنی بڑی جائیداد سب مسلمانوں سے کاٹ کر دے دی۔ یہاں یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا

کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے جب یہ دعویٰ کیا کہ مجھے حضور ؐ نے کچھ مال دینے کا وعدہ فرمایا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو تین دفعہ مٹھی بھر کر دراہم دیئے (بخاری) اس لیے کہ برعکس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دعویٰ فدک، خیبر اور مدینہ کے صدقات پر تھا۔ کما فی بخاری۔ اور شیعہ روایات کی روشنی میں تو بہت بڑی جائیداد تھی۔ ایک روایت کے مطابق یہ بڑا شہر تھا، جہاں کھجوروں کے بہت باغات تھے (شرح ابن ابی الحدید ج۲، ص۳۴۶ مناقب فاخرہ ص۱۷۸) اصول کافی ص۲۵۵ کی روایت کے مطابق حد اول عریش مصر۔ حد دوم دومۃ الجندل۔ حد سوم تیما۔ حد چہارم جبل احد (گویا سب مملکت اسلامیہ) پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دعویٰ تھا۔ تیسری روایت کے مطابق (امام موسیٰ کاظم ؒ نے ہارون الرشید کے دربار میں جو حدود فدک بیان کی تھیں) حد اول عدن۔ حد دوم سمرقند۔ حد سوم افریقہ اور حد چہارم سیف البحر یعنی جزر اور ارمینیہ تمام ملک، گویا سب خلافت عباسیہ۔

ان ھٰذا کلہ مما لم یوجف علی اھلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخیل و لا رکاب فقال کثیر انظر فیہ (اصول کافی ص۴۶ باب الفیء)

دیکھیر امام موسیٰ ؒ نے فرمایا، یہ سب وہ (فدک والی) جائیداد ہے جس پر حضور ؐ نے گھوڑ دوڑ اور لشکر کشی نہیں کی۔ ہارون نے کہا یہ تو بہت ہے۔ اچھا میں غور کروں گا۔

حضرات! یہ شیعہ تصریحات کی روشنی میں بنام حق فدک سب ملت اسلامیہ کے رقبہ پر دعویٰ ہے اس کو تسلیم کرنے کا معنی یہ ہے خلیفہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے نام حکومت کا سب رقبہ انتقال کر دے۔ اور زمام خلافت آپ کو دے دے اور سب مسلمان مصارف حکومت کے لیے دریوزہ گری کریں۔ کیا اس کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے تین مٹھی دراہم پر دعویٰ سے موازنہ کرنے کا کوئی تک ہے (جو تجلیات صداقت میں کیا گیا ہے)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوال کا منشاء کیا تھا

یہ سوال واقعی اہم ہے ہم شیعہ دماغ سے اس کا جواب نہیں دے سکتے کیونکہ ان کے ہاں جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منصب نبوت اور شاہانہ رعب سے یہ صوبے کفار سے لے کر (العیاذ باللہ) خود اپنی ملکیت خاص بنا لیے اور پھر لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کو ہبہ کر دیئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ۶ ماہ یا ۵، دن کی زندگی کے لیے۔ اتنی بڑی جائیداد۔ دنیا کو بلا شرکت غیر اپنا ہی حق سمجھ کر مطالبہ کی

زحمت اٹھائی۔ گواہ بھی دربارِ خلافت میں پیش کیے۔ جب نصاب نامکمل ہونے کی وجہ سے رد ہو گئے۔ تو لوگوں کے سامنے فریاد کرتی پھریں۔ حسنین رضؓ وغیرہ معصوم بچوں کو خچر پر بٹھا کر لوگوں سے استغاثہ اور ہمدردی چاہتیں۔ مگر کوئی سننے والا نہ تھا۔ غصبِ فدک کے غم میں رو رو کر جان نڈھال کر دی۔ پھر اسی صدمہ سے جاں بحق ہو گئیں۔ "شیعہ ذاکرین بالکل اسی انداز میں مظلوم فاطمہ رضؓ" کی یہ صورت و سیرت فخریہ طور پر پیش کر کے ہزاروں روپے کے نذرانے پنج تن کے نام پر بھکاری کی طرح قوم سے وصول کرتے ہیں۔ "جیسے امام ویسے مقتدی" کتبِ اہلِ سنت میں مطالبہ کی صورت بظاہر حضرت فاطمہ رضؓ کی زاہدانہ سیرت کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ اہلِ سنت والجماعت چونکہ اپنے مذہبی اصول کی رو سے بزرگانِ دین خصوصاً صحابہ کرام رضؓ و اہلِ بیت سے وقائع باعثِ سعادت جانتے ہیں لہذا بظاہر قادح یا منافی سیرت اعمال میں مناسب توجیہ و تاویل کے قائل ہیں۔

۱۔ شیعہ اعتقاد کے علی الرغم ذاتی حق یا دنیوی لالچ کے پیشِ نظر یہ مطالبہ نہیں کیا بلکہ مقصد یہ تھا کہ مالِ فے کی جن جائیدادوں سے یہیں آمدنی ملا کرتی تھی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحویل میں تھیں اب بطورِ وراثت و قرابت میری تحویل میں آجائیں تو میں رفاہی اور ملی کاموں میں صرف کر کے خدمتِ اسلام بجا لاؤں چونکہ یہ منصب جانشینِ پیغمبر کا تھا جیسے امام جعفر صادق رحؒ کے ارشاد (وھو للامام من بعدہ یصنعہ حیث یشاء) (وہ امام کے قبضے میں رہے گا جہاں چاہے رکھیگا) اور فرمانِ نبوی بروایت صدیق رضؓ گزر چکا ہے۔ لہذا آپ نے معذرت فرمادی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عباس رضؓ بھی آپ کے ساتھ مطالبہ میں شریک تھے۔ اور معین جائیدادِ فدک کا مطالبہ نہ تھا خیبر، فدک، مدینہ تینوں مقامات کے صدقات کی تولیت کا مسئلہ تھا۔ بقول شیعہ اگر حیاتِ نبوی میں ہبہ ہو چکا ہوتا۔ تو نہ عباس رضؓ ساتھ ہوتے نہ میراث کا سوال اٹھتا اور نہ خیبر و مدینہ کے صدقات کی صراحت ملتی۔ علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحؒ نے عرف الشذی ص ۱۵ پر علامہ سمہودی رحؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ کا سوال صرف ان اموالِ فے میں بطورِ قرابت و رشتہ داری متولی بننے کے متعلق تھا۔

۲۔ میراثِ فدک و فے کا سوال اس وجہ سے اٹھا کہ ان اموال کی حیثیت ذو الوجہین تھی اس لحاظ سے کہ یہ صرف حضور علیہ السلام کی تحویل اور قبضے میں تھے اور کسی مسلمان کو تصرف کا حق نہ تھا۔ ملکیتِ خاصہ کا شبہ ہوتا تھا اور اس لحاظ سے کہ یہ قرآن کے آٹھ مصارف اور دیگر رفاہی و ملی کاموں

میں آپ صرف فرماتے تھے۔ یہ اموالِ خالصہ در تصرف پیغمبر ہو بیت المال کا حق معلوم ہوتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذہن میں پہلی وجہ آئی تو آپ نے دعویٰ فرمایا۔ حافظ ابن القیم زاد المعاد ج۲ ص۱۶۳ پر رقمطراز ہیں۔

مالِ فے ایک ایسی مِلک تھی جس کا حکم دوسری املاک سے مختلف تھا۔ اموال کی یہی وہ قسم ہے جس میں بعد وفات نبوی نزاع پڑا اور آج تک ختم نہ ہوا اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہی اشتباہ نہ ہوتا تو حضرت فاطمۃ الزہراء آپ کے ترکہ سے میراث نہ مانگتیں اور یہ گمان نہ کرتیں کہ دوسرے مالکوں کی طرح یہ بھی ملکیت پیغمبر ہے۔ جس میں وراثت چلے گی اور سیدہ رضی اللہ عنہا پر اس ملکیت کی یہ حقیقت مخفی رہ گئی کہ اس قسم کی ملکیت میں وراثت نہیں چلتی (جیسے اصول کافی کی ایسی حدیث گزر چکی ہے) یہاں یہی سوال ہوتا ہے اور شیعہ بڑے طمطراق سے اچھالتے بھی ہیں۔ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی عالمہ فاضلہ کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔ یا ان کو وراثتِ انبیاء کا مسئلہ معلوم نہ تھا تو جواب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق مذہب حقہ اہل سنت والجماعت میں جملہ کلیات و جزئیات کے ظاہر و باطن سے واقف اور عالم الغیب والشہادۃ صرف اللہ کی ذات ہے۔ شریعت کے اصول و ارکان کا علم تو ضروری ہے مگر غیر محدود فروع اور ضمنی جملہ مسائل کا ہر وقت نہ کاملین کے لیے علم شرط ہے نہ اس کا استحضار ضروری ہے۔ ۲۳ سال بتدریج نزولِ قرآنی اسی پہ دال ہے۔ حسب منشاء خداوندی ان میں اضافہ یا ذہول ہوتا رہتا ہے جیسے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ شاہد ہے اور بسا اوقات کاملین سے اصابت فہم میں چوک ہو جاتی ہے۔ حضرت آدم علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام سے شجرہ منہی عنہ کی تعیین میں چوک ہوئی۔ ہوا جو کچھ ہوا۔ آل کے مفہوم میں حضرت نوح علیہ السلام نے صلبی بیٹے کو سمجھا۔ مگر قرآنِ پاک نے اس کی نفی فرما دی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو خلافتِ موسیٰ علیہ السلام کا حق ادا کرنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خاطی سمجھا اور سختی کی مگر حضرت ہارون علیہ السلام بے قصور تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے زعم میں تادیب کی خاطر قبطی کو مکا مارا۔ مگر فی نفسہٖ قتل جیسا فعل سرزد ہو گیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے معافی مانگی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کمالِ حلم اور ایفائے عہد کے لیے والد کے لیے دعاءِ مغفرت کی۔ مگر بعد میں بیزاری اختیار کرنی پڑی۔ خود سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام (روحی فداہ ابی و امی) نے اپنے خیال کی رو سے۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پہ۔ بہانہ ساز منافقین کو شرکت نہ کرنے کی چھٹی دے دی۔

نابینا صحابی کے اچانک آنے پر ناگواری ظاہر فرمائی۔ اساریٰ بدر کو اپنے خیال میں فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ ان تمام واقعات میں قرآن حکیم نے اس کے خلاف فیصلہ دے کر آپ کی رائے کی تصویب کی۔ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں مجھے حق مشورہ دینے سے نہ رکو کیونکہ میں اپنے نفس میں غلطی کرنے سے بالا نہیں ہوں (روضہ کافی صـ۳۵۵ نہج البلاغہ صـ۳۶۶ ج۱ خطبہ صفین)، خود سیدہ فاطمہ رضؓ نے کئی مرتبہ غلط فہمی کی بنا پر دربار رسالت میں حضرت علی رضؓ کی شکایت کی۔ مگر آپ نے یکطرفہ وکالت کرنے اور معاملہ کو طول دینے کے بجائے صلح صفائی ہی کرائی۔ کیا ان تمام واقعات و شواہد کے پیشِ نظر ہم اس مسئلہ میں حضرت علی رضؓ، صدیق اکبر رضؓ اور جملہ صحابہ کرام رضؓ کے موقف کی تائید کریں اور نیک نیتی کے باوجود حضرت فاطمہ رضؓ کے خیال کو درست قرار نہ دیں۔ جس سے بعدِ رنجِ خاموشی آپ نے رجوع کر لیا۔ تو کیا کفر کی بات ہو جائے گی۔ سنتِ نبویؐ کے دلدادہ اہلِ اسلام کے لیے درد رکھنے والے تو ان بزرگوں کے اجتہادی اختلاف میں طرفین کے کمالِ ادب کے باوجود مصالحت اور قطعِ نزاع پر ہی صرف ہمت کریں گے۔ مگر روزِ اول سے تا ہنوز مسلمانوں میں جنگ و جدال اور اصولی اختلافات کو ہوا دیکر ملتِ اسلامیہ میں انتشار پھیلانے والے آج بھی ان مسائل میں تمام تر قوتیں صرف کر دیں گے۔

۳۔ میراث کا سوال اٹھانے کی تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی حکمت نفی میراث انبیاءؑ کے مسئلہ کو واقعہ کے ضمن میں مشہور کرنا چاہتی تھی کیونکہ اخبار کی بہ نسبت واقعات دیرپا نقوش چھوڑتے ہیں۔ ممکن ہے سیدہ فاطمہ رضؓ کا بباطن یہی مقصود ہو۔ جیسے حدیبیہ کی بظاہر عاجزانہ مصالحت سے اسلام کو دراصل غالب اور شائع کرنا مقصود ایزدی تھا۔ حضرت موسیٰؑ کا حضرت خضرؑ کی شاگردی اختیار کرنا پھر نباہ نہ ہو سکنا اس سے امورِ تکوینیہ کے اسرار کو کھولنا مقصود تھا۔ دنیائے امن کے محسن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت اور بیعت در دستِ معاویہ رضؓ شیعہ کے علی الرغم بہت بڑی خدمتِ اسلام اور مسلمانوں کے خون کا تحفظ مقصود تھا۔ جیسے علی العکس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بچوں تک کو قربان کرا دینا شیعہ کے خیال میں ہزار برس بعد میں پھیلنے والے شیعی اسلام کے لیے تخم کاری کا سبب تھا کیونکہ منافقین کوفہ کے ہاتھوں سانحہ کربلا سے اہلِ بیت رضؓ اور محمدی اسلام کی عزت و عظمت کی بنیادیں حسب اعتراف حضرت سجادؒ اور ملا مجلسی صاحب پیوندِ خاک ہو گئی تھیں۔

حدیث لانورث متفق علیہ ہے

شیعہ حضرات بلا دلیل اس حدیث کو قول صدیق رضؓ کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ فرمانِ نبویؐ ہے اور صحابہ کرام رضؓ کا گویا اس پر اجماع ہے۔ کتب شیعہ میں بھی یہ قطعاً ثابت ہے۔ حافظ محب الدین طبری ریاض النضرۃ میں لکھتے ہیں کہ نفی میراث کی حدیث کو جماعتِ صحابہ رضؓ نے حضورؐ سے روایت کیا ہے۔ ان میں حضرت ابوہریرہ رضؓ بھی ہیں جن کے مرفوع الفاظ یہ ہیں۔

لا یقتسم ورثتی دینارا ولا درهما ما ترکت بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۹)

میرا ورثہ نہ دینار تقسیم ہوں گے نہ دراہم۔ میری بیویوں کے خرچ اور خادموں کے نفقہ سے جو بچے وہ صدقہ ہوگا۔

اس کی امام بخاری نے ج ۱ ص ۴۳۶ پر اور مسلم نے ج ۲ ص ۹۰ پر تخریج کی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ، عثمان رضؓ، عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ، سعد بن ابی وقاص رضؓ، زبیر بن عوام رضؓ، عباس رضؓ بن عبدالمطلب نے روایت کیا ہے۔ تفسیر معارف القرآن ج ۶ ص ۱۳ پر ہے۔ "اس کے علاوہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرام رضؓ کا اجماع ثابت ہے اس میں ہے۔

ان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما وانما ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر (رواہ ابوداؤد واحمد وابن ماجه والترمذی)

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ بلاشبہ انبیاء نہ دینار کا وارث بناتے ہیں نہ دراہم کا وہ تو صرف علم کا وارث بناتے ہیں جو اسے لے لیتا ہے وہ بڑا حصہ کا لیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تولیت صدقات میں حضرت علی رضؓ و عباس رضؓ کا نزاع ختم کرتے وقت سب صحابہ رضؓ سے فرماتے ہیں۔

انشدکم باللہ الذی باذنه تقوم السماء والارض هل تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لا نورث ما ترکنا صدقة یرید بذلك نفسه قالوا

میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم وارث کسی کو نہیں بناتے جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا

قد قال ذالک فاقبل عمر الی علی وعباس فقال انشدکما باللہ هل تعلمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد قال ذالک قالا نعم (بخاری ج۲ ص۵۷۵-۹۹۶)

ہے اس سے حضورؐ کی اپنی ذات مراد تھی۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت علیؓ و عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تم کو قسم دے کر پوچھتا ہوں تم جانتے ہو کہ رسول اللہ نے ایسا فرمایا ہے وہ کہنے لگے ہاں۔

ان ہی صفحات میں دوسری سند سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی مروی ہے۔ مذکورہ بالا مصدقین صحابہؓ میں حضرت عثمانؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ زبیر۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور حضرت عمرو بن حارث خزاعی سے بھی مروی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی موافقت حضرت عمر عثمان۔ علی۔ عباس۔ عبدالرحمٰن بن عوف طلحہ بن عبیداللہ۔ زبیر بن العوام۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابوہریرہ اور حضرت عائشہؓ (یعنی دس صحابہؓ) رضی اللہ عنہم نے کی ہے اگر ابوبکر صدیقؓ تنہا بھی ہوتے تو سب اہلِ زمین پر آپ کی روایت کو ماننا لازم تھا (البدایہ والنہایہ ج۵ ص۲۸۷)

کتبِ شیعہ سے ثبوت

حدیث نفی میراثِ انبیاءؑ کتبِ شیعہ میں بھی موجود ہے۔

۱۔ محمد بن یحییٰ سلمۃ بن خطاب سے وہ عبداللہ بن محمد سے وہ عبداللہ بن القاسم سے وہ زرعہ بن محمد سے اور وہ مفضل بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے اور محمدؐ سلیمانؑ کے وارث بنے اور ہم محمدؐ کے وارث ہیں۔ ہمارے پاس علم تورات، انجیل اور زبور کا ہے اور الواح موسیٰؑ کا علم بھی ہے۔

۲۔ احمد بن ادریس محمد بن عبدالجبار سے وہ صفوان بن یحییٰ سے وہ شعیب بن الحداد سے وہ فریس الکنانی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ابوعبداللہ (صادقؒ) کے پاس تھا اور ابوبصیر بھی بیٹھا تھا کہ امام جعفر نے فرمایا کہ داؤدؑ تمام انبیاء کے وارث ہوئے سلیمان داؤد کے وارث بنے اور محمدؐ سلیمانؑ کے وارث بنے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ ہمارے پاس صحفِ ابراہیم اور الواح موسےٰ ہیں۔ (اصول کافی ج۱ ص۲۲۵ طا ایران باب ان الائمۃ ورثوا علم النبی وجمیع الانبیاء)

خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

۳- ان العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر (اصول کافی ص۳۲)

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑتے لیکن وہ علم کا وارث بناتے ہیں جو وہ لیتا ہے وہ بڑی دولت حاصل کر لیتا ہے۔

باب ثواب العالم والمتعلم میں ایک لمبی حدیث کے آخر میں روایت بخاری کی طرح نفی میراث کی حدیث موجود ہے۔

۴- عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثة الانبياء وذالك ان الانبياء لم يورثوا درهما ولا دينارا وانما اورثوا احاديث من احاديثهم فمن اخذ بشيء منها فقد اخذ حظا وافرا فانظروا علمكم عمن تاخذونه (باب صفة العلم ص۳۲)

امام جعفر صادق رح نے فرمایا بے شک انبیاء کے وارث علماء ہیں اس لیے کہ انبیاء درہم و دینار کا کسی کو وارث نہیں بناتے۔ بلاشبہ وہ احادیث ہی وراثت میں چھوڑتے ہیں جو ان میں سے کچھ لے لیتا ہے وہ بڑا حصہ لے لیتا ہے تم اپنے علم میں غور کرو کن لوگوں سے لے رہے ہو۔

۵- حضرت علی رض نے اپنے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کو وصیت فرمائی۔

وتفقه في الدين فان الفقهاء ورثة الانبياء ان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكنهم اورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر (من لا يحضره الفقيه ج ۲ ص۳۴۶)

اور دین میں سمجھ حاصل کر اس لیے کہ فقہاء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑتے لیکن صرف علم کی وراثت چھوڑتے ہیں جو اس سے حاصل کرتا ہے وہ بڑا حصہ حاصل کرتا ہے

۶- خصال ابن بابویہ ص۳۹ سے وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں خود حضرت فاطمہ رض نے حضور سے حسنین رض کے لیے میراث کا مالی مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا حسن رض کے لیے میرا رعب اور حسین رض کیلئے میری شجاعت میراث ہے۔

۷۔ حضرت سلیمانؑ کے وارثِ داؤد۔ اور حضورؐ کے وارث سلیمان اور حضرت یحییٰ کے وارث زکریا ہونے کی اصول کافی کی احادیث عنقریب آجائیں گی جن میں صراحۃً مالی وراثت کی نفی اور علم و نبوت کی میراث کا اثبات ہے۔ محدث شیعہ فرات بن ابراہیم الکوفی جو علامہ کلینی کے استاذ الاستاذ ہیں اور علی بن ابراہیم قمی کے استاذ ہیں اپنی تفسیر فرات ص ۸۲ مطبوعہ نجف اشرف پر یہ حدیث لکھتے ہیں۔

۸۔ قال علی ما ارث منک یا رسول اللہ قال ما ورثت الانبیاء من قبلی قال وما ورثت الانبیاء من قبلک فقال النبی علیه الصلوٰۃ والسلام کتاب ربهم وسنة نبیهم (بحوالہ عبقات ص ۲۳ از علامہ خالد محمود) (کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۷۴)

حضرت علیؓ نے پوچھا میں آپ سے کیا میراث پاؤں گا آپؐ نے فرمایا جو مجھ سے پہلے پیغمبروں نے میراث دی۔ پوچھا آپ سے پہلے انبیاءؑ نے کیا میراث دی تو حضورؐ نے فرمایا اپنے رب کی کتاب اور نبی کی سنت میراث میں دی۔

۹۔ فضیلؒ بن عیاض حضرت امام باقرؒ سے سماعی حدیث بیان کرتے ہیں۔

یقول لا واللہ ما ورث رسول اللہ العباس ولا علی ولا ورثته الا فاطمة علیها السلام (من لا یحضرہ الفقیه ج ۲ ص ۲۱۷)

امام باقرؒ فرماتے تھے اللہ کی قسم رسول اللہ کے وارث نہ عباسؓ بنے نہ علیؓ اور نہ دیگر وارث بنے بجز فاطمہؓ کے۔

اس حدیث سے وراثت علمی و خلقی کا ثبوت اور مالی کی نفی معلوم ہوئی کیونکہ مالی وراثت کی رو سے ازواج مطہراتؓ بھی وارث تھیں پھر اس حدیث میں ان کی نفی درست نہیں۔

بعض شیعہ کہتے ہیں کہ فقہ جعفری میں عورتوں کو جائیداد کا ترکہ نہیں ملتا تو نفی درست ہے حالانکہ قرآنی ارشاد فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ترکہ عقار کو بھی شامل ہے تو خلاف قرآن فقہ جعفری کو کون مانتا ہے اگر کسی اپنی روایت سے تخصیص کرتے ہو تو ہم بجا کہتے ہیں کہ یُوصِیکُمُ اللّٰہُ حدیث میراث سے مخصص اور حضورؐ کو شامل نہیں ہے۔ یہ تمام احادیث صیغہ حصر و استثناء

کے ساتھ۔ انبیاء علیہم السلام کی مالی وراثت کی نفی اور علم و نبوت کی وراثت پر قطعی دال ہیں۔ لہٰذا صاحبِ تجلیات جیسے لوگوں کا یہ کہنا کہ "انبیاءؑ کے وارث دو قسم کے ہیں۔ مالی کے رشتہ دار اور علمی کے علماء۔ یہاں علمی وراثت اور علماء کا ذکر ہے مالی وارثوں کی نفی نہیں"، صراحتہً جہالت اور سینہ زوری ہے کیونکہ وانما اورثوا العلم و لکنهم اورثوا العلم کا معنی ہی علم نحو کے مطابق لم یورثوا شیئًا الا العلم والاحادیث۔ خصوصًا جبکہ ماقبل ان الانبیاء لم یورثوا دینارا و لا درهما (بے شک انبیاءؑ دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے) سے مالی وراثت کی نفی کی گئی ہے۔

پیش کردہ احادیث میں سے بعض شیعہ حدیث نمبر ۳ پر طعن کرتے ہیں کہ اس کا راوی ابوالبختری کذاب ہے۔ تو قابلِ استدلال نہیں۔ مگر یہ بوجوہ باطل ہے۔ ا۔ دیگر صحیح اسناد والی احادیث جب کتب شیعہ سنی میں موجود ہیں تو ایک سند کے کذاب راوی سے اس حدیث پر فرق نہیں پڑتا۔ یہ ان کی مؤید بھی جائے گی۔

ب۔ اصولِ کافی کو مصدقہ امام مہدی بھی کہا جاتا ہے۔ پھر موافق مذہب حقہ اہلسنت احادیث کو غلط بھی۔ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ یا امام کی تصدیق پر اعتماد کرو یا پھر کافی میں موضوع احادیث کا وجود تسلیم کر کے اہلسنت کی تصدیق اور امام کی تغلیط کرو۔

ج۔ اصولِ جرح و تعدیل اور کتب رجال شیعہ کی رو سے بھی۔ اصول کافی کا شاذ و نادر راوی تنقید سے محفوظ ہو۔ ورنہ ابوبصیر، زرارہ، ہشام جیسے ہزاروں احادیث شیعہ کے مرکزی رواۃ بھی نہایت مطعون بلکہ آئمہ کی زبانی کذاب ملعون اور بدعقیدہ بتائے گئے ہیں۔ تو ان کو اپنی سب احادیث سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور یہ سودا شیعہ کو مہنگا پڑے گا۔

۱۰۔ حضورؐ کی نفی میراث کے متعلق آخر میں ایک اور اہم حدیث بھی ملاحظہ کر لیں۔ شیعہ کتاب قرب الاسناد حمیری ص ۴۵ پر ہے۔ امام باقرؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وراثت میں نہ درہم چھوڑا نہ دینار نہ باندی نہ غلام نہ بکری نہ اونٹ آپ کی روح اس حالت میں قبض ہوئی کہ آپ کی زرہ مدینہ کے یہودی کے پاس ۲۰ صاع جو کے بدلے میں گروی تھی جو آپ نے اہل و عیال کے خرچ کیلئے ادھار لیے تھے۔ تلك عشرة كاملة

ایک شبہ کا ازالہ

جب ناقابلِ انکار دلائل سے یہ واضح ہو چکا کہ حدیث لانورث لفظاً یا معناً قطعی اور متفقہ علیہ الفریقین ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے اور ہر شیعہ اسے اٹھاتا ہے کہ کیا مائی صاحبہ کو اس حدیث کا علم نہ تھا حالانکہ وہ قریب ترین رشتہ دار اور اس حدیث سے متعلقہ تھیں ان کو تو ضرور معلوم ہونا چاہیے تھا۔ اس کا ایک جواب تو تقریباً گزر چکا ہے کہ کسی غیر اصولی مسئلے کا علم یا اس کے متعلق حدیث کا علم نہ ہونا کمالِ علم کے منافی نہیں ہزاروں باتیں ایک شخص کے علم میں ہوتی ہیں مگر دوسرا ان میں سے بعض نہیں جانتا۔ علی العکس دوسرے کی معلومات میں سے پہلے کو کئی باتیں معلوم نہیں ہوتیں۔ مگر کسی کو ناقص العلم نہیں کہا جاتا اغلب یہ ہے کہ مردوں کے مجمع میں حضرت رسولِ خدا نے یہ ارشاد فرمایا ہوگا۔ حضرت علی المرتضیٰ، صدیقِ اکبر رضہ جیسے حضرات کو معلوم ہو گیا۔ مگر سیدہ فاطمہ رضہ کو اطلاع نہ ہوئی اور نہ حضرت علی رضہ نے بتلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن و سنت کے مطابق عالم الغیب نہ تھے کہ آپ کو بعد از وفات مطالبہ فاطمہ رضہ کا علم ہو تو ضرور ان کو بھی حدیث لانورث سنا دیں۔ اور وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ بھی نفی میراث کی حدیث سنانی لازم نہ تھی تاکہ منصبِ نبوت پر حرف آئے۔ کیونکہ آیت کا مقصد فکرِ آخرت پیدا کر کے اعمال بجالانا ہے اور رشتہ داری پر بھروسہ نہ کرنا ہے۔ اور یہ چیز اور سینکڑوں احادیث و آیات سنانے سے حاصل ہو چکی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو علم تو تھا مگر نفی کے عموم سے اپنے کو کمالِ تقرب کی بنا پر مستثنیٰ جانتی تھیں۔ گویا حدیث بھی عام مخصوص عنہ البعض کے درجے میں تھی۔ مگر حضرت صدیقِ اکبر رضہ اور جملہ صحابہ کرام رضہ نے اس کو عام ہی سمجھا تو یہ اختلاف حدیث کے ثبوت وصحت کے متعلق نہ تھا بلکہ مفہوم کی تعیین میں اختلاف تھا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

"حضرت ابوبکر رضہ کے حدیث سے استدلال کے باوجود حضرت فاطمہ رضہ کی ناگواری کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا خیال حضرت ابوبکر رضہ کے استدلال کے برعکس تھا۔ گویا آپ نے حدیث لانورث کے عموم سے تخصیص جائز سمجھی اور یہ خیال کیا کہ حضور کے زمینی متروکہ میں وارث بننے کی نفی اس حدیث میں نہیں۔ حضرت ابوبکر رضہ نے عموم سے استدلال کیا اور اسی بات میں اختلاف ہوا جس میں

تاویل کی طرفین کو گنجائش تھی جب حضرت ابوبکر رضؓ اپنے موقف پر جمے رہے تو حضرت سیدہ رضؓ نے اس وجہ سے میل ملاپ بند کر دیا۔ اگر امام شعبی کی حدیث (بروایت بیہقیؒ) ثابت ہو (احادیث رضا ثابت ہیں کما سیاتی) تو اشکال دور ہو جاتا ہے حضرت فاطمہ رضؓ کے اخلاق کے مناسب یہی ہے کہ آپ راضی ہو گئی ہوں کیونکہ آپکی عقل کی زیادتی اور دینداری ہر کسی کو معلوم ہے۔ آپ پر سلامتی ہو۔" (بحوالہ حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۵)

لفظ غضبت راوی کا مدرج ہے

حضرت سیدہ فاطمہ رضؓ کے مطالبہ فدک کی روایت تقریباً ۱۵ عدد باسند کتب حدیث و تاریخ میں پائی جاتی ہے بخاری شریف میں پانچ عدد اور مسلم شریف میں دو عدد۔ ترمذی شریف میں دو عدد۔ ابو داؤد میں چار عدد نسائی میں ایک عدد وغیرہ ان تمام مقامات میں یہ روایت تقریباً ۳۶ عدد مروی ہے اور ۲۵ عدد صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے مروی ہے اور ۱۱ عدد حضرت عائشہ رضؓ کے ماسوا صحابہ رضؓ سے چھ عدد ابوہریرہ رضؓ سے۔ ام ہانی رضؓ سے دو عدد اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضؓ سے تین عدد مروی ہے حضرت عائشہ رضؓ کے علاوہ باقی صحابہ رضؓ سے روایت میں لفظ غضبت مذکور نہیں ہے۔ پھر حضرت عائشہ رضؓ کی روایات بھی دو قسم ہیں۔ بعض روایات میں ناراضی کا ذکر پایا جاتا ہے اور بعض میں نہیں جن میں پایا جاتا ہے ان سب اسانید میں ابن شہاب زہری موجود ہے کوئی ایک روایت بھی تاحال دستیاب نہ ہو سکی کہ ناراضی کا ذکر ہو اور اس میں ابن شہاب زہری نہ پایا جاتا ہو۔
دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں تدبر کرنے سے معلوم ہوا کہ اس میں غضبت کے الفاظ کا ابن شہاب سے ادراج پایا جاتا ہے۔ اس میں قرینہ بعض روایات سے دستیاب ہو گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا جواب ختم ہوا لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ اس کے بعد رواۃ کی طرف سے قال کا لفظ روایات میں مذکور ہے۔ اور قال کے بعد غضبت فاطمہ رضؓ ہجران اور عدم کلام ذکر کیا گیا ہے یہ تینوں چیزیں اسی قال کا مقولہ ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے کلام سے یہ تینوں چیزیں خارج ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضرت فاطمہ رضؓ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا جواب سن کر مطمئن ہو کر خاموش ہو گئیں۔ روایت کرنے والے نے اپنے گمان سے اس خاموشی کو ناراضی پر محمول کیا اور اپنے ظن کو اس طرح روایت کے ساتھ ملا کر ذکر کر دیا جو قال کے بعد مذکور ہے۔ محدثین

کی اصطلاح میں اس کو ظنِ راوی یا وہمِ راوی سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا اصل روایت اور اس سے مستنبط مسئلے سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ روایت مدرج ہے اور ادراج کنندہ ابنِ شہاب زہری ہے۔ علمائے اصولِ حدیث کا اتفاق ہے کہ عمداً ادراج حرام ہے بجز اس کے کہ اس سے کسی لفظ کی لغوی تشریح کر دی جائے یا مرجعِ حدیث اور مسئلہ مستنبطہ کا ذکر کیا جائے اور شرح الفاظ کو کبھی قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ بعض اوقات عمداً ادراج کرنیوالا ساقط العدالۃ ہوتا ہے (دیکھیے تدریب الراوی) یہاں عمداً ادراج نہ سہی مگر اپنے ظن کی بنا پر خطاءً خاموشی کو ان الفاظ مدرجہ سے ادا کر دیا ہے۔

مندرجہ ذیل مقامات پہ قال کا لفظ پایا جاتا ہے۔ ۱۔ بخاری شریف ج۲ ص۹۹۵ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقۃ) ۲۔ مسلم شریف ج۲ ص۹۱ باب حکم الفیٔ ۳۔ تاریخ ابن جریر طبری حدیث سقیفہ ج۳ ص۲۰۲ ۴۔ سنن الکبریٰ بیہقی ج۶ ص۳۰۰ ۵۔ مسند لابی عوانہ ج۴ ص۲۵۱-۱۴۰ ۶۔ مصنف لعبد الرزاق ج۵ ص۴۷۲ ص۴۷۳۔ ۷۔ البدایہ والنہایہ ج۵ ص۲۸۵ پھر یہ الفاظ مدرج ہیں۔ قال فہجرتہ فاطمۃ ولم تکلمہ فی ذلک حتی ماتت فدفنہا علی لیلا ولم یؤذن بہا ابا بکر الخ۔

۸۔ اہلِ تشیع کی کتاب شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ج۴ ص۱۱۲ تحت الخطبۃ فی کلامہ علیہ السلام الی عثمان بن حنیف الانصاری۔ اس کتاب کا مصنف معتزلی شیعہ ہے مسئلہ فدک پر تین فصلیں لکھی ہیں۔ پہلی فصل میں قال ابوبکر الجوھری کے بعد مذکورہ بالا الفاظ مدرج ہیں۔ (از افادات علامہ عبد الستار صاحب تونسوی مدظلہ العالی)

بالفرض حدیث کا جملہ ہی مانا جائے۔ تو راوی اول حضرت عائشہ رضؓ کے اپنے گمان پہ مبنی ہے۔ گمان میں خطاء غلطی ممکن ہے۔ اس پہ اتنے بڑے قضیے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ غضبت کا معنےٰ طبعاً ناگواری بھی ممکن ہے۔ جیسے قصہ مواخات میں حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا غضبت علی حین آخیت (کشف الغمہ ص۹۲) ولم تکلمہ کا معنیٰ یہ ہے کہ پھر فدک یا نگنے کے متعلق بات نہیں کی۔ (فتح الباری ج۱۲ ص۱۴ شرح مسلم نووی ج۲ ص۹) اور ہجران سے ملاقات عمومی کا ترک مراد ہے نہ کہ جیا تا سلام و کلام کا چھوڑنا کیونکہ یہ شرعاً تین دن سے زیادہ بہر صورت درست نہیں۔

چھٹی تنقیح کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا حضرت ابوبکر رضہ پر خوش ہوکر رخصت ہوئیں۔
علامہ ہیثم بحرانی کی شرح نہج البلاغہ اور شرح درہ نجفیہ وغیرہ کے حوالجات سے گزر چکا ہے کہ حضرت سیدہ رضہ ابوبکر رضہ پر راضی ہوگئیں مبین راشن پر معاہدہ بھی ہوگیا۔
درہ نجفیہ صہ ۳۳۱ مولفہ ابراہیم بن حاجی حسین بن علی بن الغفار الدنبلی مولفہ ۱۲۹۱ھ طبع ایران کی عبارت یہ ہے۔

ذالک ان لک ما لابیک کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأخذ من فدک قوتکم ویقسم الباقی ویحمل منہ فی سبیل اللہ ولک علی اللہ ان اصنع بھا کما کان یصنع فرضیت بذالک و اخذت العھد بہ۔

(یعنی ابوبکر صدیق رضہ نے حضرت فاطمہ رضہ سے کہا) آپکے والدمحترم کے لیے جو حق تھا وہی حق آپکے لیے ثابت ہے حضور علیہ السلام فدک کی آمد سے تمہارے اخراجات لے لیتے تھے اور باقی کو ضرورتمند لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر مجھ پر آپ کا حق ہے کہ فدک کے متعلق بیں وہی طریق کار جاری رکھوں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاری رکھتے تھے پس اس معاملہ فدک کے متعلق فاطمہ رضہ راضی اور خوش ہوگئیں اور اس چیز پر ابوبکر رضہ سے پختہ وعدہ اور عہد لے لیا (بحوالہ رحماء بینہم جز اصہ ۱۵۲)
یہ خالص شیعوں کی روایت ہے اگر سنیوں کی ہوتی ضرور شیعہ اس کی نسبت ان کی طرف کر دیتے نیز اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد سابق مصنفین اور مجتہدین نے کوئی تنقید و تردید نہیں کی معلوم ہوا کہ یہ بڑی سچی اور مقبولِ عام روایت ہے جو شیعہ پر حجت ہے۔

سنی کتب سے حضرت سیدہ رضہ کی رضامندی

کتب اہل سنت میں بھی حضرت فاطمہ رضہ کا راضی ہونا ثابت ہے۔

۱۔ عامر شعبی کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضہ شدت مرض میں حضرت فاطمہ رضہ کے پاس آئے اور اجازت مانگی حضرت علی رضہ نے فاطمہ رضہ سے فرمایا ابوبکر رضہ دروازے پر اجازت چاہتے ہیں۔ آپ چاہیں تو اجازت دیدیں۔ فرمایا کیا آپ کو بھی یہ پسند ہے؟ حضرت علی رضہ نے فرمایا ہاں۔ پھر حضرت ابوبکر رضہ داخل ہوئے اور عذرخواہی کی اور گفتگو کی۔ فرضیت عنہ۔ پس حضرت فاطمہ رضہ راضی ہوگئیں (ریاض النضرہ صہ ۱۵۶)
۲۔ طبقات ابن سعد جز ۸ صہ ۵۱ (اردو) میں اسی قسم کی روایت میں ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضہ

حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور ان کے آگے عذر پیش کیا اور ان سے باتیں کیں اور حضرت فاطمہؓ آپ سے راضی ہو گئیں۔

۳۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم حضرت ابوبکرؓ سے ناخوش ہو گئیں تو حضرت ابوبکرؓ گھر سے نکل پڑے اور سخت گرمی کے دن آپکے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا میں اپنی اس جگہ سے نہ ہٹوں گا جب تک کہ اے دختر رسولؐ آپ راضی نہ ہو جائیں پھر حضرت علیؓ نے اندر جا کر حضرت فاطمہؓ کو قسمیہ کہا کہ آپ راضی ہو جائیں چنانچہ حضرت فاطمہؓ راضی ہو گئیں

(اخرجہ ابن السحاق فی الموافقۃ، ریاض النضرۃ ص ۱۵۶)

۴۔ حضرت فاطمہؓ سے مطالبہ کے وقت حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔

ولك علی ان افعل فیھا ما کان ابوك یفعل قالت واللہ لتفعلن ذالك قال واللہ لافعلن ذالك قالت اللھم اشھد قال فکان ابوبکر یعطیھم منھا قوتھم ویقسم الباقی فی الفقراء والمساکین وابن السبیل ثم ولی ذالك عمر ففعل مثل ذالك ثم فعل ذالك علی بن ابی طالب فقیل لہ فی ذالك فقال انی لاستحی من اللہ ان انقض شیئا فعلہ ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما)

(ریاض النضرۃ ص ۱۷۱)

تیرے لیے مجھ پر لازم ہے کہ میں اموال فدک میں وہی کروں جو تیرے والد کرتے تھے۔ فرمانے لگیں خدا کی قسم آپ ایسا ہی کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا بخدا میں ایسا ہی کروں گا۔ فرمانے لگیں اے اللہ تو گواہ رہنا پس حضرت ابوبکرؓ اہلبیت کو ان کا راشن دیتے اور باقی فقراء، مساکین اور مسافروں میں بانٹ دیتے پھر حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ کسی نے اس میں ترمیم کا مشورہ دیا تو فرمایا۔ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اس طریقہ کو توڑوں جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے رائج فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکالمہ اول ہی کامیاب ثابت ہوا ناراضی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح

۵۔ سنن الکبریٰ بیہقی ج ۶ ص ۳۰۱، شروح بخاری، شروح مشکوٰۃ۔ نبراس شرح شرح عقائد ص ۵۵ البدایہ والنہایہ اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں سیدہ کی رضامندی ثابت ہے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت سیدہؓ کی خدمت میں حضرت علیؓ کی موجودگی میں آئے اور فرمایا

واللہ ما ترکت الدار والمال والاهل والعشیرة الا ابتغاء مرضاة اللہ و مرضاة رسولہ ومرضاتکم اهل البیت ثم ترضاها حتی رضیت وهذا اسناد جید قوی (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸۹)	اللہ کی قسم میں نے اپنا گھر، مال، بال بچے اور خاندان صرف اللہ کی رضا، اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی اور تم اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی رضامندی کی خاطر ہی چھوڑا ہے۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رضا چاہی اور وہ راضی ہو گئیں، اس حدیث کی سند جید اور قوی ہے۔

۲۔ علامہ ابن کثیر اس بحث میں فرماتے ہیں۔

واحسن ما فیہ قولها انت وما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهذا هو الصواب والمظنون بها واللائق بامرها وسیادتها وعلمها ودینها	اس باب میں سب سے بہتر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد ہے اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ارشادِ رسول پر عمل کریں جو حضور ﷺ سے سنا ہے (میں راضی ہوں) یہی درست ہے آپ سے اسی کا گمان ہے اور یہی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے مرتبہ، مقام اور علم و دین کے شایانِ شان ہے۔

پھر مذکورہ بالا معذرت صدیقی نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "ظاہر یہ ہے کہ عامر شعبی نے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یا ان لوگوں سے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا سنا ہے اور بلاشبہ علماءِ اہلِ بیت نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ جیسے حافظ بیہقی نے اپنی سند سے حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔

اما انا فلو کنت مکان ابی بکر لحکمت بما حکم بہ ابوبکر فی فدک (البدایہ ج ۵ ص ۲۹۰)	حضرت زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتا تو فدک کا وہی فیصلہ کرتا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا

بلکہ اس سے زیادہ واضح سیدہ سلام اللہ علیہا کی رضامندی بلکہ ترکِ دعویٰ پر دلیل وہ حدیث ہے جو تمام ثقات راویوں عہ سے مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶ پر مروی ہے اور مقصودی جملہ خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

عہ۔ اس حدیث کے رواۃ کی توثیق یہ ہے ۱۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل الشیبانی ولد الامام ثقہ متوفی ۲۹۰ھ
۲۔ عبداللہ بن محمد بن ابی شیبۃ الکوفی ثقہ صاحب التصانیف المتوفی ۲۳۵ھ، ۳۔ محمد بن فضیل بن غزوان

سے مروی ہے۔ تو یہ روایت صحیحین کی روایت پر بھی راجح ہو گی جس میں راوی نے اپنے گمان سے حضرت سیدہ کی طرف ناراضی کی نسبت کی ہے۔

عن ابی الطفیل قال لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسلت فاطمۃ الی ابی بکر انت ورثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام اھلہ فقال لا بل اھلہ قال فاین سھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فقال ابوبکر انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ عز وجل اذا اطعم نبیا طعمۃ ثم قبضہ جعلہ للذی یقوم من بعدہ فرئیت ان اردہ علی المسلمین فقالت فانت وما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم۔

(مسانید ابی بکر)

حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رض فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ وفات پا گئے تو حضرت فاطمہ رض نے حضرت ابوبکر رض کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ حضورؐ کے وارث ہیں یا حضورؐ کے گھر والے، فرمایا گھر والے ہوتے ہیں، فرمانے لگیں پھر حضورؐ کا حصہ کہاں ہے، تو حضرت ابوبکر صدیق رض نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ پاک کسی نبی کو جب کچھ رزق دیتے ہیں پھر اسے وفات دے دیں تو وہ مال اس شخص کے تصرف میں آتا ہے جو آپ کا قائم مقام ہوتا ہے تو میرا خیال ہے کہ میں اسے مسلمانوں پہ وقف کر دوں تو حضرت فاطمہ رض نے فرمایا آپ جانیں اور حضورؐ سے شنیدہ فرمان کیونکہ آپ اسے خوب جانتے ہیں۔

شیعہ کے دلائل وراثت

سنی نقطہ نظر سے مسئلہ فدک۔ مثبت و منفی پہلوؤں سے مبرہن ہو چکا اب ذرا ان دلائل پر بھی غور کریں جن سے شیعہ صدیق اکبر رض پر طعن کرنے کے لیے اپنی احادیث کے بھی خلاف توریث انبیاء کے قائل ہیں۔

۱۔ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ

اللہ تم کو تاکید کرتا ہے اولاد کے متعلق کہ لڑکے کو لڑکی کا دوہرا حصہ ملے۔

۲۔ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ

عورتوں کا بھی حصہ ہے جو والدین اور قریبی

(گذشتہ سے پیوستہ) الکوفی صدوق رمی بالتشیع المتوفی ۹۵ھ۔ ۴۔ ولید بن جمیع الزھری المکی نزیل کوفہ صدوق یہم من الخامسۃ۔ ۵۔ ابو الطفیل عامر بن واثلہ رض آخر من مات من الصحابۃ ۱۱۰ھ (تقریب التہذیب)

وَالْاَقْرَبُوْنَ (نساء) چھوڑ کر مریں۔

۲۔ وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ (پ۵) ہر ایک (مسلمان) کے لیے ہم نے وارث بنائے اس ترکہ کے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں۔

کہتے ہیں کہ یہ آیتیں توریث اولاد میں عام ہیں اور انبیاء کو بھی شامل ہیں جیسے دیگر احکام۔

الجواب۔ الفاظ تو عام ہیں مگر عام مخصوص عنہ البعض ہیں اور بالاتفاق سنی شیعہ علماء اصول چار قسم کے لوگوں کو وراثت نہیں ملے گی۔ کافر و مرتد اولاد کو۔ قاتل اولاد کو۔ غلام اولاد کو۔ ولد لعان کو۔ اہلسنت کی سراجی اور شیعہ کی شرائع الاسلام میں ہے۔ المانع من الارث اربعۃ الرق والقتل والارتداد واللعان۔ فقہ شیعہ کی کتاب جامع المسائل ص۳۶۵ میں ہے۔ موانع ارث قتل کفر اور غلامی اور لعان ہیں۔ یہ موانع قرآن پاک میں صراحۃً نہیں۔ بلکہ اخبار آحاد احادیث سے ماخوذ ہیں جب ان احادیث سے تخصیص ہو گئی تو علماء اصول فقہ کا یہ قاعدہ بھی ہے کہ عام میں پھر وہ قطعیت باقی نہیں رہتی کیونکہ احتمال ہے کہ کسی خاص خبر واحد سے اور افراد بھی خارج ہو جائیں (اصول الشاشی و نور الانوار) نیز تیسری آیت میں کل اضافی مراد ہے جیسے ملکہ بلقیس کے محدود شاہی ساز و سامان کے متعلق آیا ہے۔ وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ع (پ۱۹) بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ حدیث نفی میراث حسب تصریح سابق سنی و شیعہ کی متفقہ اور اجلہ صحابہ کرامؓ کے اجماع سے مروی ہے اسے خبر واحد نہیں بلکہ خبر مشہور اور تواتر معنیٰ و طبقہ کا درجہ حاصل ہے لہٰذا اس سے تخصیص درست ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حکم سے خارج ہیں جیسے فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (پس نکاح کرو جو عورتیں تم کو پسند ہوں چار تک) کے تحت آپ ہم عورتوں کی پابندی سے خارج ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چار سے زیادہ کی اجازت کی تخصیص ایک دوسری آیت یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ (احزاب ۶) سے ماخوذ ہے تو آیت کی تخصیص آیت سے ہوئی۔ مگر یہ قلت تدبر کا نتیجہ ہے کیونکہ سورۃ نساء مدنی زندگی کے اوائل میں نازل ہوئی۔ اور سورت احزاب غزوۂ خندق ۵ھ کے بھی بعد نازل ہوئی اور اس وقت آپ ام سے زائد متعدد شادیاں کر چکے تھے۔ آیت اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ ، (بے شک ہم نے حلال کی ہیں آپ کے لیے وہ عورتیں جن کے مہر آپ دے چکے الخ) نے تو ان سابقہ نکاحوں

کی صحت اور لوگوں کے شبہات کا ازالہ فرمایا۔ بلکہ مزید نکاحوں پہ پابندی لگا دی۔ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ (اس کے بعد آپ کو اور عورتیں حلال نہیں اور نہ ان ازواج میں آپ رد و بدل کر سکتے ہیں اگرچہ آپ کو اوروں کا حسن پسند ہو۔ بجز باندیوں کے) الحاصل جیسے فَانْكِحُوا کے حکم سے آپ مستثنیٰ ہیں اسی طرح آیتِ میراث سے بھی آپ مستثنیٰ ہیں۔

۴۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (مریم ۱۶)

اے اللہ میرے اپنی جانب سے بخش دے ایسا ولی جو میرا وارث بنے اور آلِ یعقوب کا بھی اور اللہ اس کو پسندیدہ بنا۔

۵۔ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ الاٰیۃ (نمل ۲۶)

اور حضرت سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث بنے تو فرمایا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہر چیز دی گئی ہے (یہ تو اللہ کا کھلا انعام ہے)

شیعہ کا خیال ہے کہ دونوں آیتوں میں اور پہلی آیت میں دونوں جگہ وراثت سے مال مراد ہے کیونکہ حسن بصریؒ نے یہ تفسیر کی ہے اور ابنِ عباسؓ اور ضحاک کا بھی یہ قول ہے (تفسیر فخر الدین رازی ج ۲۱ ص ۱۸۴)

نیز "رضیا" پسندیدہ کا لفظ چاہتا ہے کہ وہ وارث غیر نبی ہو نبی کے لیے اس دعا کی حاجت نہیں۔ خِفْتُ الْمَوَالِيَ۔ چچازادوں سے خوف ضیاعِ نبوت کی وجہ سے نہیں ہو سکتا مال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ایک ہزار گھوڑے باپ سے وراثت میں پائے۔ نیز لفظ ارث کا استعمال مال میں حقیقتہً ہے اور باقی چیزوں میں مجازاً جب تک حقیقت متعذر نہ ہو مجاز مراد لینا درست نہیں۔

الجواب۔ شیعہ مذہب کی رو سے آیاتِ بالا کی یہ تفسیر اجتہاد فی مقابل النص ہونے کی وجہ سے مردود ہیں اس لیے کہ جب ان آیات کے مصداق کی تعیین ائمہ معصومین سے ہو چکی ہے۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں نکالنا کیا معنیٰ؟

امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے۔

ان سلیمان ورث داؤد وان محمدا ورث سلیمان وانا ورثنا محمدا وان عندنا علم التورٰۃ والانجیل والزبور وتبیان ما فی الالواح۔ (اصول کافی ص۲۲۵)

بلاشبہ سلیمانؑ ہی وارثِ داؤدؑ بنے اور حضرت محمدؐ سلیمانؑ کے وارث بنے اور ہم محمدؐ کے وارث ہوئے۔ بیشک ہمارے پاس تورات انجیل زبور اور الواح موسیٰؑ کی تفصیل کا علم ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا حضرت داؤدؑ انبیاءؑ کے علم کے وارث ہوئے۔

وان سلیمان ورث داؤد وان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ورث سلیمان وانا ورثنا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم وان عندنا صحف ابراہیم والواح موسیٰ (ایضاً ص۲۲۵) باب ان الائمۃ ورثوا علم النبی وجمیع الانبیاء)

حضرت سلیمان داؤد (علیہما السلام) کے وارث بنے اور حضرت محمدؐ سلیمانؑ کے وارث ہوئے اور ہم حضورؐ کے وارث ہوئے۔ بیشک ہمارے پاس ابراہیمؑ کے صحیفے اور حضرت موسیٰؑ کی تختیاں ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت کے متعلق امام باقرؒ کا ارشاد ہے۔

ثم مات زکریا فورث ابنہ یحیٰی الکتاب والحکمۃ وآتیناہ الحکم صبیا (اصول کافی ج ا ص۳۸۲)

پھر زکریاؑ فوت ہوئے تو ان کے صاحبزادے یحییٰؑ کتاب اور حکمت کے وارث بنے اور ہم نے ان کو حکم بچپن میں ہی دے دیا تھا۔

کیا ہلی دو احادیث کی روشنی میں حضرت داؤدؑ کی وراثت کا سلیمانؑ کو انتقال اور پھر حضورؐ اور ائمہ اہلِ بیت تک پہنچنا۔ وراثتِ علمی و پیغمبری یقیناً ثابت نہیں ہوئی۔ ان کے مقابل حسن بصری کا قول کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ہزار گھوڑے پانا شاہی ترکہ بطورِ حکومت مراد ہے نہ کہ ذاتی وراثت۔ حضرت داؤدؑ تو خانگی نفقہ کے لیے زرہ بنا کر بیچتے تھے۔ کیا اس معمولی مزدوری سے وہ ایک ہزار اعلیٰ نسل کے گھوڑے خریدتے یا پال سکتے تھے؟ پھر کل ۱۸ بیٹے تھے تو اٹھارہ ہزار

گھوڑے ہوں تب فی بیٹا ایک ہزار گھوڑے تقسیم میں ملے۔

قرآن پاک میں وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ داؤد کے بعد فَقَالَ یٰاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ الآیۃ کیا یہ وراثت علمی پر قطعی دلیل نہیں ہے؟ اگر وراثت مالی ہو تو بقیہ ۱۸ بیٹے بھی بدستور عالم منطق الطیر ہوں۔ اور ہر بڑی چیز کے مالک اور تذکرہ قرآنی سے مشرف ہوں۔ یہ کہنا کہ حضرت سلیمان کا ذکر خاص بلند رتبی کی وجہ سے ہے لغو ہے۔ کیونکہ یہ بلند رتبی۔ نبوت اور سیاست میں والد ماجد کی جانشینی سے ملی ہے تو وراثت نبوت و سیاست ثابت ہو گئی۔ فھو المقصود

علامہ رازی نے تفسیر میں پانچ قول لکھے ہیں۔ بمفید مطلب ایک قول کو شیعہ لے اڑاتے ہیں۔ حالانکہ اس کا مطلب بھی ہے کہ نبوت اور شاہی خزانوں اور اموال کے جانشین و وارث حضرت سلیمانؑ ہی ہوئے تو ذاتی مال کی وراثت باطل ہوئی اور پھر اس کے شخص واحد میں انحصار نے نبوت و حکومت کے لیے مخصوص کر دیا۔

یہ کہنا کہ "نبوت تو حضرت سلیمانؑ کو اس سے پہلے بھیڑوں کا قضیہ چکاتے وقت مل ہوئی تھی تو وراثت مالی مراد ہے۔" درست نہیں، کیونکہ اس وقت آپ نابالغ بچے تھے۔ احکام شرعیہ ہی کے مکلف نہ تھے چہ جائیکہ نبوت کے منصب عظیم کے بالفعل حامل ہوں ہاں نبوت کے تحمل کے لیے فطری استعداد اور عقل و فراست کا اعلیٰ درجہ حاصل تھا پھر تفہیم خداوندی نے سونے پر سہاگہ کر کے وہ بہتر فیصلہ آپ سے کروا دیا۔ اس وقت حکمت اور علم سے یہی مراد ہے۔ علاوہ ازیں منصب نبوت کیلیے نامزد ہونا یا موصوف ہونا اور بات ہے اور بالفعل فرائض نبوت کو تعلیم تبلیغ جہاد۔ سیاست امت وغیرہ میں ادا کرنا اور بات ہے۔ حضرت داؤدؑ کے جانشین اور وارث بننے میں فرائض نبوت اور ادائیگی سیاست امت مراد ہے جو پہلی بات کے منافی نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت نبوت تو اور واضح تر ہے امام باقرؒ کے الفاظ "وہ کہ حضرت زکریا کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے یحییٰؑ کتاب و حکمت کے وارث ہوئے اور ہم نے ان کو حکم بچپن میں عطا کر دیا تھا۔" کا آیت کریمہ کے ان الفاظ سے موازنہ تو کریں۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ اے یحییٰ! مضبوطی سے کتاب پکڑ لو اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی حکم دے دیا۔" کیا بارشاد امام وراثت علمی و پیغمبری متعین ہونے میں اب بھی کوئی شک و شبہ باقی ہے؟

تفسیر فخر الدین رازی میں حضرت ابن عباسؓ، حسن بصری اور ضحاک کا یہ قول بھی مروی ہے کہ یَرِثُنِیْ سے مال اور یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ سے نبوت کی وراثت مراد ہے۔ سدی، مجاہد اور شعبی کا بھی یہی قول ہے۔ تو وراثت مالی کی تخصیص باطل ہو گئی۔ دونوں کے معاً وارث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی امت کے لیے ایک قسم کا حاکم و منتظم بھی ہوتا ہے۔ امت کے نظم و نسق کے سلسلے میں خرچ ہونے والا جو مال بطور فنڈ آپ کے پاس تھا۔ وہ بھی نبوت کے ساتھ حضرت یحییٰؑ کو منتقل ہوا۔ بعینہ جیسے حسب تفصیل سابق حضورؐ کے بعد امام ان چیزوں کا وارث و متولی ہوگا۔ امام رازی نے باقی اقوال یہ ہیں۔ وراثت یحییٰؑ سے مراد۔ سرداری۔ علم۔ نبوت اور اخلاق حسنہ مراد لیے ہیں یہ چاروں چیزیں غیر مالی ہیں اور یہاں مراد ہو سکتی ہیں۔ لفظ ارث ہر ایک میں (بطور حقیقۃ) مستعمل ہے جیسے مال کے لیے وَاَوْرَثَکُمْ اَرْضَھُمْ وَدِیَارَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ (اور تم کو وارث بنا دیا ان کی زمینوں مکانوں اور مالوں کا) علم کے لیے وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ (ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔) العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں) وان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا (انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑتے) حکومت اور نبوت کے لیے وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا (اور بلاشبہ ہم نے داؤد و سلیمانؑ کو علم عطا کیا۔) معنوی خصائل کے لیے جیسے کہا جاتا ہے اورثنی ھذا اغما وحزنا (اس چیز نے میرے اندر غم اور فکر چھوڑ دیا ہے) پھر امام رازی فرماتے ہیں کہ پختہ بات یہ ہے کہ یہ لفظ ان تمام معانی کا احتمال رکھتا ہے..... اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس وراثت سے مراد ہر وہ چیز ہو جس میں دین کی بہتری اور نفع ہو اور یہ نبوت۔ علم۔ سیرت حسنہ حکومت برائے نفع دینی اور دین کے لیے کام آنے والا مال۔ سب کو شامل ہے۔ (تفسیر رازی پ ۱۶ ص ۱۸۴) پھر اس سے زیادہ وضاحت اور مالی وراثت کا ابطال وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ کے تحت پ ۱۹ ص ۱۸۶ پر علامہ رازی نے کر دیا ہے۔

قارئین کرام! اس تفصیل سے شیعہ کی خیانت اور سینہ زوری کا پتہ چل گیا کہ صرف ایک قول کو لے کر اپنا الو سیدھا کرتے اور مفسر علیہ الرحمۃ کا اپنا فیصلہ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہو چکا کہ ان تمام معانی میں یہ لفظ بطور حقیقت مشترک لغوی ہے تو وراثت غیر مالی کو مجازی کہنا باطل ثابت ہوا۔ ہاں فقہاء کی اصطلاح میں زیادہ تر اس کا استعمال منقولات عرفیہ کی طرح وراثت مالیہ پر بولا جاتا

ہے۔ بالفرض اسے مجاز تسلیم کیا جائے تو عموم مجاز ہے جو حقیقت کی مانند شائع و ذائع ہوتا ہے مثلاً ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ پ ۲۲ ۱۶۶۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ پ ۹ ۱۱۶۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ پ ۲۵ ۳۶۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا پ ۹ ۵۶۔ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پ ۴ ۹۶۔

رہا یہ شبہ کہ مجاز میں استعمال کے لیے داعیہ چاہیے تو داعیہ یہ ہے کہ معصوم کے قول کو جھوٹ اور نامناسب بات سے بچانا ہے۔ اگر حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا منشاء یہ ہو کہ میرے مال کے وارث چچا زاد بھائی ہیں ان سے مجھے مال ضائع کرنے کا اندیشہ ہے۔ مجھے ایسا فرزند عطا فرما جو میرے مال کا وارث بنے تو ایک پیغمبر کی طرف اس کی نسبت بھی معیوب ہے۔ انبیاء کا ذہن دنیا کے لیے حریص یا متفکر نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر وہ موالی برے ہوں اور برائی میں مال خرچ کرنے کا اندیشہ ہو تو یہ بھی مفید نہیں کیونکہ جب ان تک وراثت پہنچے گی وہ خود مالک ہوں گے اور بھلائی برائی کے ذمہ دار ہوں گے۔ حضرت زکریا کی ملکیت میں مال نہ رہے گا۔ پھر تفکر کا کیا فائدہ؟ ہاں نبوت و تبلیغ کے متعلق اندیشہ درست ہے۔ ممکن ہے وہ نااہل ثابت ہوں اور پیغمبری کے لائق نہ ہوں تو یہ میری اور آلِ یعقوب کی نعمت نبوت ضائع ہو جائے گی۔ تو الٰہی مجھے وارث عطا فرما۔ آج گئے گزرے دور میں بھی جو اولوالعزم قسم کے خاندانی شریف ہوں اور مخصوص فن یا کمالات میں شہرت رکھتے ہوں وہ اولاد اس لیے نہیں مانگتے کہ ہمارے کمائے ہوئے مال و جائداد یا مکانات کے مالک بنیں بلکہ وہ اپنے ہنر اور فن کے بقا۔ خاندان کی عظمت و شہرت اور باپ دادے کی اقدار کو زندہ رکھنے کے لیے اولاد مانگتے ہیں۔ عالم کی اولاد عالم ہو۔ مرشد روحانی کی اولاد متقی و پرہیزگار ہو۔ معلم و پروفیسر کی اولاد علم دوست اور استاذ بنے۔ تاجر کی اولاد تاجر بنے۔ زمیندار کی اولاد زمیندار اور کھیتی باڑی میں دلچسپی لینے والی بنے۔ ہر ایک کو یہی تمنا اور آرزو ہوتی ہے۔ اور اسی فن و ہنر میں جانشینی کے لیے اولاد مانگتا یا اس کی تربیت کرتا ہے۔ اگر کسی کی اولاد اس کے ہنر و کمال میں وارث نہ بنے۔ خواہ مال و دولت یا دیگر امور میں بڑھ ہی کیوں نہ جائے باپ کی نظر میں وہ ناخلف ہی ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر حضرت زکریا جیسے بڑھئی پیشہ غریب پیغمبر، نبوت کا وارث بننے کے لیے دعا مانگیں تو زیادہ بہتر ہے یا تیشہ آری جیسے آلاتِ نجاری کو سنبھالنے کے لیے بیٹا مانگیں تو وہ ان کی شان کے

لائق ہے۔ اور وہ بھی محض اس خدشہ سے کہ حجاز لو او لاد یہ ہتھیار نہ لے لیں ۔ شیعہ کو اللہ تعالیٰ عقل و فہم نصیب کرے۔ ان کو حضرت ابوبکرؓ سے دشمنی میں انبیاء کرامؑ کے لیے کتنی گھٹیا سوچ کرنی پڑی ہے ۔ آخر ایک مزدور پیشہ پیغمبر کے پاس ضروریات زندگی سے زائد بچت آ کہاں سے گئی اور ان ضروریات کمانے سے ان کو فرصت کیسے ملتی تھی پھر وہ سیرت انبیاءؑ کے برعکس پس انداز کر کر کے اثاثے جمع کیسے کر چکے تھے ۔ جس کے ضیاع کا بنی اعمام کے ہاتھوں اندیشہ پیدا ہو گیا تھا ۔ رہا یہ شبہ کہ انبیاء تو خدائی پسندیدہ ہوتے ہیں ۔ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا کی دعا تحصیلِ حاصل ہوئی ۔ تو وضاحت یہ ہے کہ یہ صفت کشف حال اور وضاحت مقصد کے لیے ہے ۔ صفت احترازی نہیں ہے ۔ اسی سورت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق ہے ۔ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا کہ وہ اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے ۔ سورۃ ص میں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کے متعلق ارشاد ہے وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ بے شک وہ ہمارے ہاں بہترین چنے ہوئے بندوں سے ہیں ۔ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا کی دعا ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (اے اللہ ان میں سے ایک رسول بنا) کے بعد يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (جو تیری آیتیں ان پر پڑھے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے) سے وضاحت فرمائی ۔ کیا لفظ رسول کافی نہیں تھا ؟ کوئی ایسا رسول بھی ہوتا ہے جس کا فریضہ تلاوت آیات اور کتاب وحکمت کی تعلیم و تزکیہ نہ ہو ؟ یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي (ہارون میرے بھائی کو میرا وزیر بنا اور میری کمر اس سے مضبوط کر) کے بعد وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي (اور اس کو میرے کام میں شریک کر) سے اپنے مدعا کی وضاحت فرمائی ۔ جیسے یہاں تحصیلِ حاصل لازم نہیں آتی اسی طرح رَبِّ رَضِيًّا سے بھی نہیں آتی ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان الفاظ سے مقبول و معزز عند الناس ہونے کی دعا کی ہو ، چنانچہ وہ مقبول بھی ہوئی جیسے آل عمران میں ارشاد ہے ۔ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ (آپ کو یحییٰؑ کی بشارت ہو جو خدا کے کلمہ (عیسیٰؑ) کے مصدق ، لوگوں میں سردار ، پاکدامن اور نیک پیغمبروں سے ہوں گے)

راقم کے علم میں ان آیات سے متعلق شیعہ کی جو کٹ حجتیاں تھیں ان کا جواب ہو چکا ۔ وللہ الحمد ۔

اور اظہر من الشمس ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت مالی نہیں ہوتی بلکہ علمی اور منصب پیغمبری اور اسکے متعلقات کی ہوتی ہے اور یہاں بھی مراد ہے۔

روایاتِ ہبہ کی حقیقت

شیعہ جب دعویٰ وراثت میں ناکام ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے آپ کو زندگی میں ہبہ کر دیا تھا۔ پھر سیدہ نے ہبہ کا دعویٰ فرمایا اس پر گواہ بھی پیش کیے مگر خلیفہ نے رد کر دیئے۔ اس کا بطلان کئی وجوہ سے ہے۔

اولاً۔ ہبہ اور میراث دو متضاد باتیں ہیں مجامع ہو ہی نہیں سکتیں۔ ہبہ کا معنیٰ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنی ملکیت سے خارج کر کے سیدہ کی ملکیت اور قبضے میں دے دیا۔ اگر واقعی ہبہ تھا تو وراثت کا سوال کیسے؟ یہ تو اس مال میں ہوتا ہے جو مورث کی تاوفات ملکیت میں ہو اور اگر حضورؐ کی ملکیت میں تھا اور سوال وراثت درست تھا تو ہبہ کی کہانی خود بخود غلط ہوئی۔ کیونکہ ایک چیز معاً دو ملکیتوں میں متضاد اسباب سے جمع نہیں ہو سکتی۔ خلافاللشیعۃ فانہا بسبب واحد بعض شیعہ اسے حصولِ مقصد کی خاطر عنوان بدلنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے ساتھ مناظرہ میں ایک دلیل "میرا رب مارتا جلاتا ہے۔" چھوڑ کر دوسری دلیل "میرا رب سورج مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لا۔" پیش کی۔ مگر یہ نری جہالت ہے۔ یہاں دونوں دلیلیں خدا کی صفت ہیں ان میں تضاد نہیں۔ دلیلِ ہبہ اور دلیلِ میراث میں ذاتی تضاد ہے۔ فافترقا۔

ثانیاً۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خاوند، بیٹے اور اپنی باندی کی گواہی نصاب نامکمل ہونے کی وجہ سے مسترد کر دی تو یہ قرآنی اصول شہادت فَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ (پس تم مردوں سے دو گواہ بناؤ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہونی چاہییں۔ جن گواہوں کو تم (عادل) پسند کرو۔) پر عمل کیا۔ سیدہ اور اس کے گواہ سچے سہی مگر قاضی ظاہر قانون پر فیصلہ دیا کرتا ہے قاضی کے ذاتی علم پر فیصلہ بعض مخصوص حالات میں ہوتا ہے۔ قاضی شریح نے ایک یہودی سے نزاع میں حضرت علیؓ جیسے سچے کا نہ دعویٰ تسلیم کیا نہ حسنینؓ کی گواہی مانی۔ حضرت علیؓ نے بادلِ نخواستہ نہ صرف فیصلہ تسلیم کیا بلکہ قاضی کو اپنے منصب پر برقرار رکھا (کشف الغمہ) چنانچہ یہ اصول پسندی دیکھ کر یہودی مسلمان ہو گیا۔ آج مسئلہ فدک کی مثال سے مسلمان اپنے قانون کی عظمت تاریخ سے

سربلند کر سکتے ہیں۔

ثالثاً۔ ہبہ اور عطا کے متعلق روایات ہماری مستند امہات کتب میں نہیں بلکہ بعض کتب تاریخ میں چھان بین کے بعد بلا سند یا منقطع و مردود سندوں کے ساتھ ان کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اس اہم مسئلہ پر ان سے استشہاد ناانصافی ہی ہے۔ اس سلسلہ کی اصل سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جو تفسیر درمنثور، کنز العمال، مسند ابو یعلیٰ اور مجمع الزوائد میں سورت اسراء کی آیت وآت ذا القربیٰ حقہ کے تحت تفسیراً روایت کی گئی ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت هذه الاية وآت ذا القربی حقه دعا رسول الله فاطمة فاعطاها فدك عن ابن عباس قال لما نزلت وآت ذا القربی حقه اقطع رسول الله فاطمة فدكا (تفسیر در منثور ج۴ ص۱۷۷)

ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ جب آیت وآت ذا القربیٰ اتری تو حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کو بلا کر فدک دیا۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضرت فاطمہؓ کو حضورؐ نے جائداد دے دی (حالانکہ آیت مکی ہے فدک کا تصور و وجود ہی نہ تھا پھر آیت پر عمل کی شکل میں چاہیئے کہ مسکین اور ابن السبیل کو بھی مخصوص جائداد دی جائے جب یہ نہیں ہوا تو پہلا بھی نہیں ہوا۔)

یاد رہے کہ یہ روایت ابو سعید خدریؓ سے نقل کی جاتی ہے، جیسا کہ درمنثور، کنز العمال اور مجمع الزوائد میں ہے۔ اور ابو سعیدؓ سے راوی عطیہ عوفی ہے۔ یہ مشہور مدلس ہے۔ یہ محمد بن سائب کلبی کا شاگرد خاص تھا۔ (اور وہ مشہور کذاب تھا) یہ اس کی کنیت ابو سعید رکھتا تھا۔ پھر جب کلبی کی صراحت کیے بغیر عن ابی سعید کہتا تو لوگ ابو سعید خدری ہی سمجھتے اور صحابیؓ سے روایت کرتے۔ حالانکہ یہ دجل و تلبیس عطیہ عوفی کا کرشمہ ہے۔ میزان الاعتدال ج۲ ص۲۰ عطیہ عوفی کے ترجمہ میں ہے۔

قال سالم المرادی کان عطیة یتشیع قال احمد ضعیف الحدیث وقال احمد بلغنی ان عطیة کان یاتی الکلبی فیاخذ عنه التفسیر وکان یکنیه بابی

سالم مرادی کہتے ہیں عطیہ شیعہ تھا امام احمدؒ سے ضعیف الحدیث کہتے ہیں، نیز کہتے ہیں مجھے پتہ چلا ہے کہ عطیہ کلبی کے پاس آتا تھا اس سے تفسیر لیتا اور اس کی کنیت ابو سعید مشہور کرتا

سعید فیقول قال ابو سعید فیوھم انه الخدری۔

تھا۔ جب کہتا ابو سعید نے فرمایا تو یہ وہم ہوتا کہ ابو سعید خدری صحابی مراد ہیں۔

امام نسائی اور ناقدین آئمہ کی جماعت اسے ضعیف کہتی ہے فریقین کے ہاں عطیہ عوفی شیعہ مسلم ہے۔

شیعہ علامہ مامقانی کی تنقیح المقال فی احوال الرجال ج ۲ صفحہ ۲۵۳ پر ہے۔

عطیة عوفی کوفی من اصحاب باقر

عطیہ عوفی کوفی تھا۔ امام باقرؒ کے شاگردوں سے تھا۔

تو عند زمرہ فیہ مسئلہ میں ایسے راوی کی روایت بالکل مردود ہے۔ جب یہ امام باقرؒ کا شاگرد ہے تو حضرت ابو سعید خدریؓ کے زمانے میں شاید اس کا والد بھی نہ ہو۔

فتوح البلدان بلاذری بحث فدک میں جو عطاء فدک کے متعلق مذکور ہے اور صواعق محرقہ۔ شرح مواقف۔ معجم البلدان کے متاخر مؤلفین تو محض ان کتب قدیمہ سے بلا سند نقل کر دیتے ہیں۔ اس سے روایت کی صحت تو ثابت نہیں ہوتی۔) وہ رواۃ کے اعتبار سے مجروح ہیں، صحیح السند نہیں۔ کنز العمال میں جو روایت ہے اس کا ایک راوی محمد بن میمون ہے جس کو حافظ ذہبی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

ابراھیم من اجلاء الشیعة روی عن علی بن عابس خبرا عجیباً

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۳۰)

ابراہیم بڑے شیعوں سے ہے علی بن عابس سے ایک عجیب روایت کی ہے۔

علامہ عینی اس مفہوم کی روایات ذکر کر کے کہتے ہیں۔

قلت ھذا لا اصل له ولا یثبت به روایة انها ادعت ذالك وانما ھو امر مفتعل لا یثبت

(عمدۃ القاری شرح بخاری باب فرض الخمس تحت حدیث دوم)

میں کہتا ہوں یہ باطل ہے اور ایسی کوئی روایت ثابت نہیں ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے ایسا دعویٰ کیا ہو۔ یہ تو ایک من گھڑت بات ہے جو کبھی ثابت نہیں ہو سکتی۔

علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں عطیہ اور ہبہ کی روایات کو ان لفظوں میں رد کیا ہے۔

قلت هذا باطل ولو كان وقع ذالك لما جاءت فاطمة تطلب شيئا وهو في حوزها وملكها ج ۲ ص ۲۲۸

میں کہتا ہوں یہ باطل ہے اگر ہبہ ہو چکا ہوتا تو سیدہ فاطمہؓ کچھ مانگنے نہ آتیں جبکہ وہ آپ کی تحویل و ملکیت میں تھا۔

تحت علی بن عباس)

کتب اہل سنت کی طرف نسبت کر کے ہبہ فدک کے بارے میں جو روایات شیعہ علماء نے اپنی کتب مناظرہ میں نقل کی ہیں ان کی تفصیل علامہ نواب مہدی علی خان (سابق شیعہ مجتہد) نے آیات بینات میں بحث فدک میں پیش کی ہے۔ وتشددرہ۔ وہ پوری سند اور رواۃ کی تفصیل والی ۸ روایات بتاتے ہیں۔ اور بعض سند کے ساتھ یا صرف منقول عنہ کا ذکر کرنے والی ۵ روایات بتاتے ہیں۔ پھر ہر راوی کا کتب رجال سے شیعہ۔ کمزور یا کذاب ہونا بتاتے ہیں ان سب کا سر اور ماخذ عطیہ از ابوسعید ہے۔ وہ ابوسعید سے ابوسعید خدریؓ کا وہم دلاتا ہے اور بعض پچھلے راویوں نے غلطی سے اسے خدری سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ کلبی کذاب شیعہ ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں ہے۔ محمد بن السائب کلبی ابو النضر اخباری نساب مفسر مشہور ہے۔ ثوری کہتے ہیں کلبی سے بچو۔ بخاری کہتے ہیں اسے یحیٰ اور ابن مہدی نے چھوڑ دیا ہے۔ یزید بن زریع کہتے ہیں کلبی سبائی تھا جو علیؓ کی وفات کے قائل نہیں دوبارہ رجعت کے قائل ہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ہشام بن کلبی کے ذکر میں اس کے باپ کو رافضی لکھا ہے۔ یاقوت حموی نے معجم الادباء میں محمد بن جریر طبری کی کتابوں کے حال میں لکھا ہے کہ طبری نے غیر معتبر تفسیروں سے تعرض نہیں کیا کہ اس نے محمد بن سائب کلبی مقاتل بن سلیمان اور محمد بن عمر واقدی کی کتابوں سے تفسیر نہیں لی۔ کیونکہ یہ لوگ اس کے نزدیک مشکوکین سے ہیں۔ محمد طاہر گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں کلبی کی نسبت لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے کہا کلبی کی تفسیر از اول تا آخر جھوٹی ہے دیکھنا بھی جائز نہیں۔ ایک روایت ابن عباسؓ سے نقل کی جاتی ہے مگر وہ بھی بلا سند ہے اور در منثور تو طبقہ چہارم کی کتاب ہے جس میں صحیح ضعیف موضوع ہر قسم کی روایات ہیں۔ بہرحال ایسی ہر روایت معیار صحت پر جانچے بغیر حجت

نہیں ہے۔

اس کے برعکس ہبہ کی نفی پر اہل بیت کی یہ مشہور روایت شاہد ہے۔

کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا تھا۔ آپ اس میں سے خرچ کرتے۔ بنی ہاشم کے چھوٹے ناداروں پہ لوٹاتے اور ان کے بیواؤں کی شادیاں کراتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے آپ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ان کو دے دیں تو آپ نے انکار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسی دستور پہ (بنو ہاشم اور فقراء و مساکین میں) تقسیم ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ مسافر آخرت ہوگئے پھر جب حضرت ابوبکر (صدیق رضؓ) خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنی زندگی میں وہی عمل جاری رکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے۔ پھر جب حضرت عمر رضؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی وہی عمل جاری رکھا جو حضورؐ اور صدیق رضؓ نے کیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بھی چلے گئے۔ (پھر عثمان رضؓ و علی رضؓ و معاویہ رضؓ نے بھی یہی دستور جاری رکھا) پھر مروان نے (اپنے دور میں) اسے اپنا قطعہ بنا لیا۔ پھر یہ عمر بن عبد العزیز رحؒ کے قبضے میں آگیا تو میں نے فیصلہ کیا کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضؓ سے روک لی تھی میرا بھی اس پہ کوئی حق نہیں۔ میں تم کو گواہ بنا کر اسے اسی طرح پر لوٹاتا ہوں جس پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کے زمانے میں تھا۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۹ مشکوٰۃ ص ۳۵۶)

یہ روایت گو مرسل ہے اور مرسل حدیث جمہور علماء کے نزدیک حجت ہوتی ہے۔ چونکہ یہ مجمع عام میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ جیسے فاضل خلیفہ راشد نے بیان کی کسی نے اختلاف بھی نہیں کیا۔ تو یہ حکماً متصل اور مرفوع کے قائم مقام ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ

۱۔ فدک حضورؐ نے حضرت فاطمہ رضؓ کو ہبہ نہیں کیا تھا بلکہ طلب کے باوجود نہ دیا جیسے خصال ابن بابویہ ص ۳۹ کی شیعہ حدیث بھی گزری۔

۲۔ شیخین رضؓ وغیرہ خلفاء اسلام نے طریقہ نبوی سے نہیں بدلا یا نہ اہلبیتؓ و بنو ہاشم کے مالی حقوق بند کیے بلکہ بدستور ان کو دیتے رہے۔

ایک لغو رسالہ کا جائزہ

بحمد اللہ و عونہ۔ ہم نے مسئلہ فدک پر سیر حاصل بحث کر کے ہر پہلو کو روشن کر دیا۔ شیعہ مؤلفین کے اعتراضات کا منبع بند کر دیا۔ ایک صاحب

نے "مقدمہ باغ فدک" پر افسانوی رنگ میں قلم کاری کی ہے بقول اس کے "اس کتاب میں انتہائی رواداری و شائستگی کے ساتھ حضرات شیخین رض پر تنقیدی قلم کاری کی گئی ہے" یہی نہیں بلکہ بے اصولی، ثقلین کی خلاف ورزی۔ بد تہذیبی۔ دروغ گوئی اور بے فائدہ لایعنی باتوں کے تکرار میں اپنی مثال آپ ہے۔ کہ "وہی مجرم وہی مصنف" کا آئینہ ہے۔ اس کی اکثر باتوں کا جواب آگیا۔ کچھ ہفوات لائق توجہ ہی نہیں۔ آخر میں بطورِ خلاصہ کتاب جو دعاوی اس نے بزعم خویش ثابت کیے ان سے اور چند اہم باتوں سے ہم آپ کو متعارف کرا دیتے ہیں۔

۱۔ قولہٗ۔ "الغرض ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر رض کا مقدمہ فدک میں صادر کردہ فیصلہ نہ ہی اخلاقی لحاظ سے درست تھا نہ ہی قانونی مراتب سے۔"

سبحان اللہ۔ گالیوں اور لعن طعن کو مذہب بنانے والے اور کتاب و سنت چھوڑ کر اپنے دین کے منبع آئمہ سے لعن طعن کی ہی تعلیم پانے والے لوگ اہل سنت اور ان کے اکابر کو اخلاقی لحاظ سے نادرست بناتے ہیں۔ درج ذیل مکالمہ سے آپ خود فیصلہ کرلیں کہ کس کا اخلاق درست ہے۔

"فاطمہ رض نے فرمایا قسم بخدا میں ہرگز تجھ سے کلام نہ کروں گی۔ ابوبکر رض نے کہا واللہ میں ہرگز تجھ سے دوری اختیار نہ کروں گا۔ فاطمہ رض نے کہا واللہ میں خدا کے حضور تجھ پر نفرین کروں گی۔ ابوبکر رض نے کہا واللہ میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔" (حق الیقین از شیعہ علامہ مجلسی ج ۲ صفحہ ۵۶) بغض و قطع رحمی کا کتنا بڑا بہتان حضرت فاطمہ رض پر شیعہ نے لگایا مگر حضرت ابوبکر رض کا تو متفر فاطمہ رض اور دعا گو ہونا خود روایت کیا۔ قانون کتاب و سنت کا نام ہے اسی کے مطابق آپ نے فیصلہ کیا۔

۲۔ قولہٗ۔ "یہ فیصلہ فطرت کے فیصلوں کے بھی خلاف ہوا اور عقل و دانش کی کسوٹی پر بھی پورا نہیں اترتا۔"

جواب۔ یہ ہوائی گپ ہے اور پورا رسالہ اسی ہوا سے بھرا ہوا غبارہ ہے جو احمقوں کی نگاہ میں اڑ تو سکتا ہے مگر کتاب اللہ، سنت نبوی، عمل اہل بیت رض اور عقل سلیم کے سامنے پرِ کاہ کا وزن نہیں رکھتا۔ فطرۃ اللہ کا فیصلہ مالِ فے کی ذوی القربیٰ۔ غرباء، مساکین اور مسافروں میں تقسیم کا ہے۔ عقل و دانش کی کسوٹی۔ انبیاء اور اہل بیت رض کو زاہد بناتی ہے۔ نہ کہ

جاگیر دار ہو تا کہ اگر وہ نہ ملے۔ فقراء و مساکین کا حق بنا دیا جائے تو پوری امت سے دشمنی رکھ لی جائے۔

۲۔ قولہ۔ "اس فیصلہ کو نہ ہی کتابِ خدا سے کوئی تائید حاصل ہے نہ ہی سنتِ رسولؐ سے توثیق میسر آتی ہے۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس کے خلاف خود مصنف نے عمل کیا۔ اس فیصلہ کو اکابر صحابہ رضؓ نے مسترد کر دیا۔"

جواب۔ تینوں دعوے بالکل جھوٹ اور بہتان ہیں۔ سورت حشر پ۲۸ کی آیات پھر دیکھ لیں کہ مال فے (فدک وغیرہ) ۸ قسم کے لوگوں کا حق ہے۔ کسی فردِ واحد کی میراث و ملکیت نہیں۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (تاکہ وہ اموال و جاگیریں تمہارے غنیوں کے درمیان نہ پھرتی رہیں) اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ (آپ رشتہ داروں کو حق الخدمت دیں اور مساکین و مسافروں کو بھی دیں) بھی یہی بتاتی ہے کہ مالِ فے صرف ذوی القربیٰ کا حق نہیں کہ ان کو ہی ہبہ کر دو بلکہ وہ مسکینوں مسافروں کا بھی حق ہے جب وہ لاتعداد اور غیر معین ہیں تو یہ ذوی القربیٰ کو ہبہ کے بجائے تینوں اقسام پہ وقفِ عام قرار پائے گا۔ اور یہی فیصلہ خود حضورؐ نے اور شیخین رضؓ نے کیا۔ اب مؤلف اپنی ہی تحریر اور روایت سے یہ فیصلہ پڑھیں جسے سچا کہتے ہیں۔

"(اے فاطمہ رضؓ!) تم نہ اپنے حق سے روکی جاؤ گی اور نہ سچ بولنے سے باز رکھی جاؤ گی خدا کی قسم میں نے نہ تو رسولِ خدا کی رائے سے تجاوز کیا ہے اور نہ ان کے حکم کے بغیر کوئی کام کیا ہے۔ آپ وہ دانہ کی تلاش میں آگے جانے والا اپنے اہل و عیال سے جھوٹ نہیں بولتا۔ میں خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں اور وہ گواہی کے لیے کافی ہے کہ میں نے رسولِ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم گروہ انبیاء نہ تو سونے چاندی کو میراث میں چھوڑتے ہیں اور نہ مکان جائداد، ہم نبی لوگ تو کتاب حکمت علم نبوت کو وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں اور جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ ہمارے بعد ولی امر (حاکم) کا ہوتا ہے۔ جیسے کافی کی حدیث بھی گزر چکی۔ اسے اختیار ہے کہ وہ اس میں اپنا حکم جاری کرے اور جو تم مانگ رہی ہو یعنی فدک اس کو ہم نے جنگی گھوڑوں اور سامان جنگ کے لیے مخصوص کر دیا جس کے ذریعے سے مسلمان کافروں سے

جہاد کریں گے اور سرکش فاسقوں کا مقابلہ کریں گے اور یہ چیز میں نے تنہا اپنی رائے سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے اجماع کی مدد سے کی ہے اور میرا مال آپ کا مال ہے اور یہ آپ کے سامنے حاضر ہے۔ آپ کی فضیلت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ آپ کے فرع و اصل کو پست نہیں سمجھا جا سکتا۔ آپ کا حکم اس مال میں نافذ ہے جو میری ملکیت ہے پس کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں نے ان باتوں میں آپ کے والدِ محترم کی مخالفت کی ہے۔" (مت ۳۶ سا ۳ وحق الیقین ج ۲ ص ۵۲ اردو)

یہ شیعہ روایت صدیق رضؓ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کہ آپ نے مجمع عام میں واضح کیا کہ میں نے حضورؐ کے قول و فعل کے ذرہ بھر بھی خلاف نہیں کیا اور سب مسلمان اسی کی تائید کر رہے تھے۔ تبھی بہ روایت شیعہ حضرت فاطمہ رضؓ نے (معاذ اللہ) فرمایا "کیا تم لوگوں نے اللہ کے رسولؐ پہ جھوٹ باندھ کر اس کے ذریعہ دغابازی کا اجماع کر لیا ہے۔" پھر جب اس کے جواب میں ہو سراپا رأفت و رحمت صدیق رضؓ نے فرمایا۔ خدا بھی سچا اللہ کا رسولؐ بھی سچا اور رسولؐ کی بیٹی بھی سچی۔ تم حکمت کا معدن، ہدایت و رحمت کا مسکن اور دین کا رکن ہو۔ تمہاری درست باتوں کو حق سے دور نہیں سمجھتا اور تمہارے کلام کا انکار نہیں ہے لیکن میرے اور تمہارے درمیان یہ مسلمان ہیں جنہوں نے مجھے حاکم بنایا ہے اور میں نے جو کچھ...... اپنے قبضے میں لیا ہے وہ ان ہی مسلمانوں کے اتفاق سے ہوا ہے۔ اس میں نہ میں نے ہٹ دھرمی کی ہے اور نہ تنہا اپنی رائے سے کام لیا ہے اور یہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔" (ایضاً ص ۳۸ وحق الیقین ج ۲ ص ۵۳) پھر اس کے جواب میں جو جلی کٹی اور سخت سست صلاتیں حضرت فاطمہ رضؓ نے (معاذ اللہ) بہ روایت شیعہ مسلمانوں کو سنائیں ہمارے قلم میں ان کے نقل کرنے کی تاب نہیں۔ پھر ان مسلمانوں میں آپ کے بزرگوار خاوند اسد اللہ حضرت علی رضؓ بھی تھے۔ وہ خیر سے آج تو باعتقادِ شیعہ ہر فاسق و فاجر شیعہ کے مددگار و مشکل کشا ہیں جو ان کو اپنے گناہوں کی پاداش میں پھنس کر کسی بھی مصیبت میں پکارے۔ مگر انہوں نے مخدرہ مظلومہ لختِ جگر رسولؐ کی زوجہ ہونے کے باوجود کوئی مدد و اعانت نہ کی حتیٰ کہ تنہا ان مجمعوں سے خطاب کر کے جب سیدہ گھر پہنچیں تو گرجتی ہوئی شیرنی کی طرح حضرت علی رضؓ کو جو کچھ برا بھلا کہا وہ بھی شیعہ روایات وحق الیقین ج ۲ ص ۵۳ سے ہم نقل کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔

ہمارا مقصد یہ شیعہ اقتباسات نقل کرنے سے صرف یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ کے دعویٰ کی تائید کسی مسلمان نے نہیں کی اور شیعہ کے تینوں دعوے غلط ثابت ہوئے کیونکہ کتاب و سنت کے بعد سب اکابر و اجماعِ صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی تائید و حمایت کی۔ یہ تو سب کچھ شیعہ روایات نے بنایا۔ جبکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ سیدہ فرمانِ رسولؐ سن کر فیصلہ پر مطمئن، ابوبکرؓ سے راضی، مسلمانوں سے خوش اور فدک سے معین حصہ کے ملنے پر راضی و شاکر تھیں۔ یہ خطبہ بالا اور یہ غیر اخلاقی نہ شایانِ شان گفتگو آپ پر بہتانِ محض ہے جو دشمنِ اسلام و اہلبیت شیعوں نے تمام صحابہؓ کو گالیاں دینے سیدہ کو بے وقار اور طالبِ دنیا بنانے کے لیے خود بنا کر اپنی کتب میں مشہور کیا ہے۔ (معاذ اللہ منہ)

۴۔ قولہ۔ اس فیصلہ سے اہلِ بیت کو اذیت پہنچی۔ عمِ رسولؐ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کو ایک کاذب آثم غادر اور خائن منصف کا فیصلہ قرار دیا۔ دامادِ رسولؐ حضرت علی علیہ السلام نے اسے ہرگز قبول نہ کیا۔

جواب۔ اتفاقاً بلا ارادہ کسی بزرگ کے قول و فعل سے کسی بزرگ کو صدمہ پہنچنا قابلِ طعن نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے بچھڑا پوجنے اور حضرت ہارونؑ کے فہمائش کے سوا کوئی سخت اقدام نہ کرنے سے حضرت موسیٰؑ کو صدمہ ہوا اور بھائی پر گرفت فرمائی (القرآن) حضرت فاطمہؓ کو شادی کے بعد بروایت جلاء العیون شکایات پیدا ہوئیں۔ حضرت حسینؓ، قیس بن سعد اور دیگر شیعانِ حسنؓ کو حضرت حسنؓ کے فیصلہ صلح و بیعت سے ناگواری اور اذیت ہوئی۔ مگر کسی پر کوئی طعن نہیں کیا جاتا۔ یہاں بھی طعن کا موقعہ نہیں۔ بقول مجلسی "بزرگوں اور مقربانِ الٰہی کے معاملات میں دخل نہ دینا چاہیے۔" (جلاء العیون)

دوسری بات بالکل بہتانِ محض ہے۔ مسلم کی روایت کے مطابق یہ الفاظ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے حق میں فرمائے جبکہ دونوں حضرت عمرؓ کی طرف سے صدقاتِ فدک تقسیم کرنے میں متولی تھے۔ مگر مزاج کے اختلاف سے نزاع اور مخالفت کی نوبت آجاتی تو حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا کہ مجھے اس ...... شخص سے چھٹکارا دلائیے۔ یعنی میرا حصہ تولیت الگ کر دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے اسے منظور نہ کیا۔ حضرت عباسؓ مستغنی

ہو گئے۔ حضرت علی رضؓ تنہا صدقات کے متولی اور قاسم قرار پائے۔" حضرت عمر رضؓ نے چچا بھتیجے کی جب یہ تلخی دیکھی تھی تو اس مطالبہ کو شخصی میراث اور تملیک کے مشابہ سمجھا اور مطالبہ رد کر کے استفہامیہ انداز میں یہ کہا کہ (کیا) تم ابوبکر رضؓ کو ایسا ایسا سمجھتے تھے (کہ اس نے بطور وراثت و ملک) تقسیم نہ کیا تھا۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ وہ بار۔ راشد۔ تابع الحق تھے (کیا) تم مجھ کو ایسا جانتے ہو حالانکہ میں بھی رسول اللہ اور ابوبکر رضؓ کا ولی اور تابع ہوں۔ خدا کی قسم میں تا قیامت ان کے فیصلے کو ہرگز نہیں بدل سکتا۔ اگر تم مشترکہ متولی نہیں رہ سکتے تو یہ مجھے واپس کر دو (میں کسی اور کو متولی بنا دوں گا) ابوداؤد و مسلم)

یہاں معناً حرف استفہام مقدر رہے۔ جیسے سورت انعام پ۷ میں قوم کے ساتھ گفتگو میں حضرت ابراہیمؑ کے کلام میں حرفِ استفہام مقدر مانا جاتا ہے۔ "وہ یہ سورج میرا رب ہے"، "یہ چاند میرا رب ہے"، "یہ ستارے میرے رب ہیں" یعنی کیا یہ چیزیں میرے خدا ہیں ہرگز نہیں، تو اسی طرح مقولہ عمر رضؓ کا مطلب ہے، کیا تم ابوبکر رضؓ کو یا مجھ کو ایسا ایسا سمجھتے ہو کر اس فیصلہ کے خلاف کروانا چاہتے ہو؟ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ زوجِ بتول حضرت علی رضؓ نے یہ فیصلہ یقیناً قبول کیا تبھی تو حضرت عمر رضؓ کے نائب ہو کر صدقاتِ فدک کے متولی اور قاسم بنے۔ اگر نہ مانتے تو یہ عہدہ کیوں قبول کرتے۔ منکر و مستعفی ہو جاتے۔

۵۔ قولہ: مسلمانوں کی مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت ابوبکر رضؓ کو یہ چاہیے تھا کہ وہ دیگر مقدمات کی طرح اس مقدمہ کو بھی دیگر صحابہ رضؓ کے مشورہ سے کسی فرد عادل صحابی کو قاضی مقرر کر دیتے جو اس تنازعہ پر اپنا فیصلہ صادر کرتا۔

جواب: حضرت ابوبکر رضؓ نے جب تمام صحابہ رضؓ کے مشورہ اور اتفاق سے یہ کام کیا جیسے ابھی گزرا تو اس بے فائدہ لفاظی کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں یہ دعویٰ اور مطالبہ ابوبکر صدیق رضؓ کی خلافت بلا فصل اور حقانیت پر مہر فاطمی ثبت کر رہا ہے کیونکہ جب وہ مدعا علیہ تھے تو حضرت فاطمہ رضؓ کو دعویٰ امامِ حق علی رضؓ کی عدالت میں یا مسلمانوں کے کسی عدالتی بنچ میں کرنا چاہیے تھا۔ مدعی مقدمہ کا فیصلہ مدعیٰ علیہ کے دربار سے کرائے عقل و دانش کے خلاف ہے۔ جب حضرت فاطمہ رضؓ نے یہ عمل کیا حالانکہ ظالموں سے فیصلہ کرانے کی کتب شیعہ میں ممانعت ہے اور حضرت فاطمہ رضؓ ان

کے ہاں معصوم ہیں۔ تو حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ راشد عادل برحق ہونا ثابت ہوا۔

۶۔ قولہٗ۔ "ہم کہتے ہیں۔ نصاب شہادت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جب دعویٰ کی تردید کرنے والا کوئی دوسرا موجود ہو۔ اگر حضرت ابوبکرؓ بفرضِ محال مدعا علیہ نہ تھے بلکہ محض قاضی تھے تو اب شہادت کے نصاب کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہی۔ صرف عادل منصف کو اپنی تسلی درکار ہے۔"

جواب۔ دراصل مدعیٰ علیہ سب فقرا و مساکین اور مسافر مسلمان تھے۔ ان کا حق اس دعویٰ سے متاثر ہوتا تھا۔ بحیثیت ولی و سربراہ حضرت ابوبکرؓ ان کے نمائندے و فریق تھے۔ اب نصابِ شہادت کی باقاعدہ ضرورت تھی اور وہ پوری نہ ہوئی اور "عادل منصف کو درکار تسلی" حاصل نہ ہوئی۔ طبقات ابنِ سعد، ج ۲ ص ۱۵۱ اردو طبع نفیس اکیڈمی کراچی" سے ملاحظہ ہو۔

"ابوبکرؓ نے کہا کہ بخدا آپ کے والد مجھ سے بہتر تھے۔ آپ واللہ میری بیٹیوں سے بہتر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ یعنی اموالِ موجودہ۔ آپ جانتی ہیں کہ آپ کے والد نے وہ آپ کو دے دیا ہے؟ واللہ اگر آپ ہاں کہہ دیں تو میں ضرور ضرور آپ کا قول قبول کروں گا اور ضرور ضرور آپ کی تصدیق کروں گا۔ انہوں نے کہا میرے پاس ام ایمن آئیں اور انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ رسول اللہ نے فدک مجھے دیا ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ پھر آپ نے بھی آنحضرتؐ کو فرماتے سنا کہ فدک آپ کے لیے ہے؟ اگر آپ کہہ دیں گی کہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ فدک آپ کے لیے ہے تو میں آپ کی تصدیق کروں گا۔ فاطمہؓ نے کہا جو دلیل میرے پاس تھی اس سے میں آپ کو آگاہ کر چکی ہوں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام ایمنؓ کے کہنے پر ہی حضرت فاطمہؓ نے مطالبہ کیا تھا۔ اپنا ذاتی سماع از پیغمبرؐ، وثیقہ یا کوئی شہادت نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ نصابِ شہادت نہ تھا۔ پھر آپ کے پاس نفیِ میراث پر حدیث ذاتی سماع سے تھی۔ حضرت فاطمہؓ کے پاس نہ تھی۔ تو منصفِ عادل ثبوت اور تسلی کے بغیر اپنے سماع و علم کے خلاف کیسے فیصلہ دے سکتا تھا۔

۷۔ مؤلف کا دعویٰ ہے۔ "کہ حدیث خلافِ عقل ہے کیونکہ سب لوگ اپنے آباء کی میراث پائیں مگر اولادِ انبیاءؑ محروم رہے اور امت کے رحم وکرم پر چھوڑ دی جائے۔"

تو جواب یہ ہے کہ انبیاءؑ کی عالی رتبی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی وراثت وقفِ عام ہو۔ تاکہ کوئی وارث ان کی موت کی تمنا نہ کر سکے۔ پھر ایسے اموال جو نبوت اور حکومت کے زور سے حاصل ہوں وہ بیت المال کا حصہ ہوں اگر وہ بھی ورثاء میں تقسیم ہوں تو عقل کا فیصلہ ان کے زہد وللّٰہیت کے خلاف ہوگا۔ ہاں وہ امت کے رحم وکرم کے محتاج نہ ہوں گے کہ بیت المال سے بصورت خمس یا فے سے ان کو حصہ باقاعدہ ملے گا اور وہ خلفاء ان کو دیتے رہیں گے پھر عام نفلی تبرع اور ہبہ میں ان کو مقدم رکھا گیا ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ ان پر حرام ہیں تو شریعت کا فیصلہ ان کے متعلق معتدل ہے۔

۸۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ "ابوبکرؓ فدک ذاتی تصرف میں لائے۔ کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ فدک کی آمدنی کو مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔"

جواب۔ یہ ڈھٹائی سے دروغ محض ہے۔ سیرت وتاریخ کا ایک ایک ورق بتاتا ہے کہ آپ حضورؐ کے بعد زاہد ترین تھے۔ بصورت خلیفہ جو رقم بیت المال سے مسلمانوں کے مجبور کرنے پر لی تھی وہ بھی وفات پر زمین بیچ کر واپس کرا دی۔ بیت المال بھی سب تقسیم کر دیا تھا۔ کوئی چیز باقی نہ تھی۔ جب حضرت عمرؓ نے حضورؐ وحضرت ابوبکرؓ کی تقسیم کا حوالہ دے کر صدقاتِ فدک کا ناظم وخازن حضرت عباسؓ وعلیؓ کو بنا دیا اور وہ خود بنوہاشم کے علاوہ تمام فقراء ومساکین پر صرف کرتے تھے تو اس کا انکار دوپہر کے سورج کا انکار ہے۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۰۰ اردو میں ہے کہ (وفات کے وقت) ان کے پاس نہ کوئی دینار تھا نہ درہم صرف ایک خادم ایک دودھ والی اونٹنی اور ایک دودھ دوہنے کا برتن تھا۔ عمرؓ نے اسے اپنے پاس لاتے دیکھا تو کہا۔ اللہ ابوبکرؓ پر رحمت کرے۔ انہوں نے اپنے بعد والے کو مشقت میں ڈال دیا۔

۹۔ کہا جاتا ہے کہ "یہ حدیث واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ خود حضورؐ نے اپنے باپ کی

میراث پائی تھی۔" مگر یہ استدلال تام نہیں ہے۔ کیونکہ آپ اس وقت گو فی علم اللہ نبی مقرر تھے مگر بزعم خویش اور بالفعل نہ تھے۔ تمام سنی و شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بعثت نبوی ۴۰ سال کے بعد ہوئی پھر قرآن اترنا شروع ہوا اس سے قبل نبی کی حیثیت سے آپ نہ مامور تھے نہ نبوت سے متعلقہ خصوصی احکام آپ پر جاری تھے۔ بجز اس کے کہ مروجہ برائیوں سے آپ پاکدامن اور معصوم تھے۔

۱۰۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے خود اس حدیث کے خلاف کیا کہ عمرؓ کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے حضرت عباسؓ و علیؓ کو اس کا متولی بنا دیا۔ حالانکہ بطورِ وارث مالک بنانا اور ہے اور بحیثیت متولی و خازن تقسیم کا ذمہ دار بنانا اور ہے۔

۱۱۔ مؤلف کا دعویٰ ہے "کہ حدیث نفی میراث لاورث ہے۔ اپنی نوعیت کی واحد حدیث صرف ابوبکرؓ، عمرؓ اور عائشہؓ سے مروی ہے۔ اس کا شانِ نزول بھی معلوم نہیں۔" حالانکہ اس کی سنی و شیعہ کتب سے بالمعنیٰ تخریج ہم کر چکے ہیں۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۱ اردو میں ہے۔ عائشہؓ، عمر بن الخطابؓ، عثمان بن عفانؓ، علیؓ بن ابی طالب، زبیرؓ بن العوام، سعدؓ بن ابی وقاص اور عباسؓ بن عبدالمطلب سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ اس سے رسول اللہ کی مراد اپنی ذات تھی۔ پھر ابوہریرہؓ کی حدیث "لا یقسم ورثتی دینارا ولا درھما" پیش کی ہے۔ اصولاً ایک صحابی سے روایت بھی حجت ہے، چہ جائیکہ وہ ایک اکابر جماعت صحابہؓ سے مروی ہے، ہر آیت یا ہر حدیث کا شانِ نزول پایا جانا نہ ایمان و عمل کے لیے ضروری ہے نہ معلوم کرنا ممکن ہے۔ اصول و کلیات بغیر شانِ نزول کے بیان ہوتے رہتے ہیں کسی خاص سبب و واقعہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے کہ حدیث غدیر و ولایت حضرت علیؓ سے شکایت کے ازالہ کے لیے ارشاد فرمائی گئی تھی۔ حدیث منزلت ان کی تسلی کے لیے اور حدیث ثقلین (قرآن و سنت) بطورِ وصیت ارشاد فرمائی تھی۔

۱۲۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ ابوبکرؓ نے اہلِ بیتؑ کا خمس بند کر کے عمل رسولؐ کے خلاف کیا۔

جواب۔ یہ مغالطہ ہے ورنہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ سب سہم ذوی القربیٰ (خمس الخمس)

کو حضور کے اقربا، اور بنی ہاشم میں تقسیم کرتے تھے اور تقسیم خمس کے متولی حضرت علی المرتضیٰ رض ہوتے تھے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

"حضرت علی رض فرماتے ہیں۔ میں نے حضور سے درخواست کی۔ آپ ہمارے حق خمس پر مجھے والی بنا دیں تو میں آپ کی زندگی میں تقسیم کروں تاکہ آپ کے بعد ہم سے کوئی جھگڑا نہ کرے تو حضور نے مجھے والی بنا دیا تو میں نے آپ کی زندگی میں اسے تقسیم کیا۔ ثم ولانیه ابوبکر فقسمته فی حیاتہ ثم ولانیه عمر فقسمته فی حیاتہ۔ پھر مجھے ابوبکر رض نے والی بنایا تو میں نے ان کی زندگی میں تقسیم کیا۔ پھر عمر رض نے مجھے والی بنایا تو میں نے ان کی زندگی میں بھی تقسیم کیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رض کے آخری سال تھے آپ کے پاس بہت مال آیا انہوں نے ہمارا حق جدا کیا اور میری طرف قاصد بھیجا کہ لے لو اور تقسیم کرو میں نے کہا اے امیر المومنین رض ہم مالدار ہیں اور مسلمان حاجتمند ہیں یہ ان کو واپس کر دیجئے۔" (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۰ باب فی قسمۃ الغنائم طبع مصر)

بالکل یہ روایت[۲] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۱ باب مواضع قسم الخمس میں ہے اور امام احمد نے[۳] اپنی سند کے ساتھ مسندات علی رض مسند احمد ج ۱ ص ۸۴[۴] میں ذکر کی ہے۔ فاضل بیہقی نے سنن الکبریٰ ج ۶ ص ۳۴۳ باب سہم ذوی القربیٰ من الخمس میں اپنی سند سے اور مسند ابی یعلیٰ[۵] ص ۲۴۳ میں باسند حضرت علی رض سے مروی ہے۔ نیز امام بخاری[۶] نے تاریخ کبیر ق ۲ ج ۱ ص ۳۸۱ میں بالفاظ ذیل یہ روایت درج کی ہے۔

عن بن ابی لیلیٰ قال سمعت علیا قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یولینی الخمس فاعطانی ثم ابوبکر فاعطانی ثم عمر فاعطانی۔	ابن ابی لیلیٰ نے کہا میں نے حضرت علی رض سے سنا۔ فرمایا میں نے حضور سے سوال کیا تھا کہ خمس پر مجھے نگران بنا دیں تو مجھے بنا دیا پھر ابوبکر رض نے بھی بنایا۔ عمر رض نے بھی بنایا۔

(بحوالہ رحماء بینہم حصہ دوم)

اور شیعہ بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ حق الیقین ج ۲ ص ۵۹ پر ہے۔ "ابوبکر رض نے کہا میں اس آیت سے یہ نہیں سمجھتا کہ وہ تمام تمہیں کو دوں مگر جس قدر تم کو کافی ہو میں دیتا ہوں

اور عمرؓ نے بھی اس باب میں اس کی تصدیق کی۔"

اور یہ حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ کان ابوبکر یأخذ غلتھا فیدفع الیھم منھا ما یکفیھم و یقسم الباقی وکان عمر کذالک ثم کان عثمان کذالک ثم کان علی کذالک کہ حضرت ابوبکرؓ فدک وغیرہ کی جائیدادوں کا غلہ لے کر بقدر کفایت وضرورت اہل بیتؓ کو دیتے باقی تقسیم کر دیتے۔ پھر حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ نے اسی طرح عمل جاری رکھا (۱۔ حدیدی شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۹۶۔ ۲۔ شرح نہج البلاغہ لابن ہیثم بحرانی ج ۵ ص ۱۰۷ طبع جدید طہرانی ۳۔ درہ نجفیہ ص ۳۳۲ ۴۔ فیض الاسلام تقوی ص ۹۶ شرح نہج البلاغہ)

۱۳۔ کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے مدعیہ سے قسم لے کر نصاب شہادت کیوں مکمل نہ کر لیا۔ ایک گواہ کو صادق جان کر ڈگری کیوں نہ دی۔ از خود تبرع سے حضرت فاطمہؓ کو دے کر خوش کیوں نہ کیا۔ یا مسلمانوں سے اجازت لے کر کیوں نہ دیا۔ جیسے حضورؐ نے ابوالعاصؓ کو حضرت زینبؓ کا فدیہ میں بھیجا ہوا ہار مسلمانوں سے اجازت لے کر واپس کر دیا۔"

جواباً گزارش یہ ہے کہ یہ سب خصوصی ایمرجنسی حالات ہیں۔ ان سے نہ کوئی قاعدہ کلیہ اخذ ہو سکتا ہے نہ ان کی پابندی سنت یا واجب ہے۔ جیسے روزہ توڑ کر دوسرے کا دیا ہوا کفارے کا مال بحکم نبوی خود کھانے والے غریب صحابیؓ کے واقعہ سے کوئی عام قانون نہیں نکلتا۔ اگر ابوبکرؓ ایسا کر دیتے تو ان کی صوابدید ہوتی۔ جب قاضی و حاکم کی حیثیت سے شرعی قانون پر عمل کیا اور بحکم قرآن و سنت مال فے کو ۸ قسم کے مسلمانوں کا حق وقف قرار دیا تو آپ پر طعن کیوں کیا جائے۔

بحمد اللہ مسئلہ فدک پر ہر قسم کے قدیم و جدید مطاعن کا تصفیہ ہو چکا۔ اب حضرت سیدہؓ کے جنازہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

جنازہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ اور شیخینؓ

شیعہ یہاں تک کہتے ہیں کہ سیدہؓ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو اپنے جنازے پر نہ آنے کی وصیت کی تھی اور جنازہ رات کو اٹھانے میں یہی مقصود تھا کہ صحابہؓ نہ آنے پائیں۔ حالانکہ جب رضامندی کی احادیث اور سیدہ کے کریمانہ اخلاق کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ بات دل کو نہیں

لگی کہ سیدہ باغِ فدک کے چند ٹکڑے نہ ملنے کی وجہ سے سب صحابہؓ سے ناراض ہو کر رخصت ہوں۔ رات کو دفن کی وصیت پردہ پوشی اور پرسکون وقت میں ملائکہ کے استقبال کرنے کی خاطر ہے یا یہ تاثر دینا ہے کہ رسولِ خدا کی صاحبزادی دنیا سے رخصت ہو کر گویا اہل وعیال اور مسلمانوں کو اپنے نور سے محروم کر کے جا رہی ہیں۔ صحیحین کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رات کو حضرت علیؓ نے دفن کیا اور ابوبکرؓ کو اطلاع نہ کی اور حضرت علیؓ نے جنازہ پڑھا۔ اس سے یہ تاثر تراشنا کہ شیخینؓ سے ناراض تھیں۔ اور گویا جنازہ میں شرکت سے منع فرما گئیں، شیعہ کا غلط استدلال ہے۔ کیونکہ وفات وجنازہ کی اطلاع خود خاوند گھر گھر جا کر نہیں دیتا بلکہ ایسی خبر جنگل میں آگ کی طرح از خود پھیل جاتی ہے۔ جہاں تک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ اور مسلمان جنازہ میں شریک تھے "بضعہ رسولؐ" کا جنازہ ہو اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جان ومال قربان کرنے والے اور خدا سے رضا وجنت کی سندیں پانے والے صحابہ کرامؓ غیر حاضر ومحروم رہیں۔ یہ کوئی دشمنِ اسلام تو کہہ سکتا ہے جو سیدہؓ کو مسلمانوں کے دلوں میں اتنا بے وقعت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ صحیح العقیدہ مسلمان اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنا کہ حضرت ابوبکرؓ کو نہ وفات کی اطلاع ملی نہ وہ شریکِ جنازہ ہوئے درایتہً بھی غلط ہے۔ کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ کی اہلیہ محترمہ اسماءؓ بنت عمیس سب بیماری میں سیدہؓ کی تیمار دار اور واحد خدمتگار تھیں اور تجہیز وتکفین اور غسلِ سیدہؓ کا کام بھی صدیقِ اکبرؓ کی بیوی نے سر انجام دیا اور ان کے جنازہ کے پردہ کا گہوارہ بھی صدیقؓ کی زوجہ محترمہ نے بنایا۔ آلِ صدیقؓ کے شرف کے لیے یہ معمولی بات نہیں۔

اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زوجہ محترمہ اس حد تک تیمار دار حاضر اور خادمہ ہوں اور خاوند کو ان کی وفات وجنازہ کا بھی علم نہ ہو سکے۔ مسلم کی روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے جنازہ پڑھایا اور حضرت ابوبکرؓ وغیرہ مقتدی بنے ہوں تو کیا اعتراض کی بات ہے۔ حضرت علیؓ والی تھے اور اگر اس کے برعکس حضرت ابوبکرؓ نے امامت کرائی تو یہ خلیفہ وقت کو اس وقت امام بنایا جاتا تھا تو انکار کی بات نہیں جیسے حضرت امام حسینؓ نے حضرت حسنؓ کے جنازہ پر حاکم مدینہ سعید بن عاص اموی کو امام بناتے وقت فرمایا لولا انہ

سنۃ ماتقدمتہ (اگر حاکم سے نماز پڑھانے کی سنت نہ ہوتی تو میں ان کو آگے نہ کرتا)

بہر حال اصولی طور پر روایات نفی پر روایاتِ اثبات کو ترجیح ہوتی ہے۔ تو جن روایات میں حضرت علیؓ یا حضرت عباسؓ کے متعلق صلی علیہا کے الفاظ وارد ہیں ان سے جنازہ پڑھنا مراد ہے۔ امامت مراد نہیں۔

اب امامتِ صدیقی کے متعلق صریح احادیث ملاحظہ ہوں۔

عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال ماتت فاطمۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء ابوبکر وعمر لیصلوا فقال ابوبکر لعلی بن ابی طالب تقدم فقال ماکنت لا تقدم وانت خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتقدم ابوبکر فصلی علیہا اربعا (کنز العمال ج ۶ کتاب الفضائل من قسم الافعال ص ۳۱۸)

حضرت امام باقرؒ اپنے والد سے راوی ہیں کہ جب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئیں تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نمازِ جنازہ پڑھنے آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ آگے ہوں اور جنازہ پڑھائیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں آگے نہیں ہو سکتا۔ جب آپ رسول اللہ کے خلیفہ موجود ہیں۔ پس حضرت ابوبکرؓ آگے بڑھے اور چار تکبیروں سے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷ اردو پر ہے۔

باخبار محمد بن عمر بتحدیث قیس بن ربیع از مجالد از شعبی "فاطمہؓ پر ابوبکرؓ نے نماز پڑھی تھی۔

۲۔ طبقات ابن سعد ج ہشتم ص ۲۹ پر ہے۔

عن حماد عن ابراہیم قال صلی ابوبکر الصدیق علی فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر علیہا اربعا۔

حماد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہؓ بنت رسولؐ پر نمازِ جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

اسی طرح یہ روایت بعینہ سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۹۰ پر بھی ہے۔ (رجوع مائل الی التشیع

بھی ہیں۔ (وللہ الحمد)

آخری گزارش

قارئین کرام! یہ ہے مسئلہ فدک کی حقیقت جس سے شیعہ کا مقصود صرف صحابہ رضؓ کے متعلق اپنی دشمنی کو پختہ کرنا ہے اور بس۔ ورنہ فی نفسہٖ حضرت فاطمہ رضؓ اور ان کی اولاد سے ہمدردی ان کو مقصود نہیں۔ اگر ہمدردی ہوتو وہ اس مسئلہ میں ایسے کیوں نہیں سوچتے اور بحث کرتے جس سے سیدہ خاتونِ جنت کی شان دوبالا معلوم ہو۔ چند دن کی خاطر دنیا کے چند ٹکوں کے لیے حضرت سیدہ کو نامحرموں کی عدالت میں چڑھایا جائے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضؓ جیسے نانوں سے مناظرہ کرایا جائے۔ پھر ناراضی اور دشمنی پیدا کر کے سب مسلمانوں کو جنازہ کی شرکت سے بھی روک دیا جائے۔ صلہ رحمی۔ استغناء۔ صبر اور قناعت جیسی صفات کی نفی پہ زور دیا جائے۔ اہلِ اسلام کی نظر میں ان کو بے قدر اور بے وقعت ثابت کیا جائے پھر ...ہم اسال تک مسلمانوں میں غیر مختتم جدال و مناظرہ کا بازار گرم رکھا جائے۔ بقولِ شیعہ یہ مذکورہ بالا کارروائی درست ہے۔ یا اس واقعہ کو نیک نیتی سے صرف ایک غلط فہمی پر محمول کر کے طبعی شکر رنجی کو رضا و صلہ رحمی سے دور کر دکھایا جائے۔ حضرت علی رضؓ اور جملہ اہلِ بیتؓ کے طرزِ عمل کی تصدیق کی جائے اور ان کی اتباع کی جائے۔ ان کو ظاہر و باطن میں یکساں جان کر نفاق و تقیہ کی تہمت سے بچایا جائے۔ ان کو رحماء بینھم کا مصداق جان کر ان میں جھگڑے اور اختلافات ثابت نہ کیے جائیں۔ ظنی یا اجتہادی اختلافی امور میں دیانت و انصاف کا مصالحانہ فیصلہ دے کر اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (بے شک مومن بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو) پر عمل کیا جائے۔ ہم تو مسلمان ہیں اور وَالصُّلْحُ خَیْرٌ (صلح ہی بہتر ہے) ہی پسند کرتے ہیں۔ تعلیمِ قرآنی کے مطابق اگلے پچھلے سب مسلمانوں کے لیے یہ دعا مانگتے ہیں "اے اللہ! ہمیں بخش دے اور ہمارے پہلے مومن بھائیوں کو بھی۔ اور ایمان والوں کے حق میں ہمارے دل میں کینہ نہ رکھ۔ رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (حشر پ ۲۸)

باب پنجم

حادثہ جمل و صفین

سوال ۱۱۔ قرآنِ پاک میں قدرت کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ (النساء پ۵ ۹۶)

جو کوئی مار ڈالے مسلمان کو جان کر پس سزا اس کی دوزخ ہے ہمیشہ رہنے والا بیچ اس کے اور غصہ ہوا اللہ اوپر اس کے اور لعنت کی اس کو اور تیار رکھا ہے واسطے اس کے عذاب بڑا۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ)

ارشاد فرمایا ہیں کہ اگر مومن کو عمداً قتل کرنے والا لعنتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا تو جمل و صفین اور نہروان کے کل مقتول ستاون ہزار آٹھ سو سات ۵۷۸۰۷ کے قاتل کہاں جائیں گے۔ کیا کلام مجید کے قوانین سے صحابہ کرامؓ مستثنیٰ ہیں۔ فیصلہ دو۔

خلافتِ مرتضویؓ میں خانہ جنگیوں کا حکم

الجواب۔ اہلِ سنت کا متندل فیصلہ اور مختصہ جواب اس سلسلہ میں صرف اسی قدر ہے کہ یہ آیت صحابہ کرامؓ کے وقائع کو شامل نہیں۔ اولاً۔ اگر شامل مانا جائے تو قرآنِ پاک کی ان بیسیوں آیات سے تعارض اور مخالفت لازم آتی ہے جن میں صحابہ کرامؓ کو مقبول الایمان قطعی جنتی اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی بشارات دی گئی ہیں۔ پھر تاویل و توجیہ ایک آیت کی آسان ہے لیکن اور سینکڑوں محکم آیات سے اعراض خالص بے دینی ہے۔ لہٰذا اس آیت سے ان آیاتِ

کثیرہ کے معارض استدلال باطل ہوا۔ ثانیاً آیت ہذا کی شرطیں وقائع صحابہ رضی اللہ عنہم پر صادق نہیں آسکتیں۔ کیونکہ اہلِ نہروان میں بالاتفاق ایمان کی شرط نہیں تھی۔ اہلِ جمل کے ساتھ معرکہ میں قصد وارادہ نہ تھا جیسے عنقریب بیان ہوگا۔ اہلِ صفین میں گو ایمانِ کامل اور فی الجملہ قصد و تعمد پایا گیا مگر وہ تاویل پر مبنی تھا۔ سورت حجرات کی آیت میں تاویلاً قتال کا جواز ہے۔ مع ہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نہج البلاغہ میں اہلِ صفین کے متعلق فیصلہ تو ان کو قطعی مومن و مسلمان بتاتا ہے۔ بالاتفاق مومن آخر کار جنتی اور جہنم سے آزاد ہوگا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اعتقاد میں بھی یہ آیت اہلِ صفین کو شامل نہ رہی۔ ثالثاً صحابہ کرام میں نیک نیتی سے قتال ہو گیا۔ آیت میں قتل پر وعید ہے۔ قتل و قتال میں فرق نہ کرنا بے انصافی ہے۔ لیکن افسوس کہ شیعہ حضرات اس معقول فیصلہ کو "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے" کا مصداق درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے۔ مجبوراً انہی کے گھر سے تحقیقی و الزامی جواب سپردِ قلم کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بغض میں مست اور مدعی حب علی رضی اللہ عنہ سوال میں تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ہی (العیاذ باللہ) اپنا بالا فتویٰ لگا رہا ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت بہادر اور شیر جنگ تھے۔ شیعہ کے ہاں افضلیتِ علی رضی اللہ عنہ کی اہم وجہ یہی ہے۔ ان جنگوں میں سفک دماء سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی طرف سے ہوا۔ بلکہ بروایتِ شیعہ خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تمام ذمہ داری اپنے اوپر لینے کا اعتراف فرمایا ہے۔

عن زر انہ سمع علیا علیہ السلام قال انا فقات عین الفتنۃ ولولا انا ما قتل اهل النهروان واهل الجمل (کشف الغمہ، ص ۳۳۱)

زر بن حبیش کہتے ہیں۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے ہی فتنہ کی آنکھ پھوڑی ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو اہلِ نہروان قتل ہوتے نہ جمل والے۔

اہلِ نہروان کے قاتل

اہلِ نہروان بھی کوئی کافروں کی قوم نہ تھی۔ نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص الخاص شیعہ اور اصحاب تھے جو امامت کو منصوص من اللہ عہدہ کہتے تھے اور اس کے متعلق کسی ثالثی، پنچایت یا شوریٰ کے فیصلوں کو باطل جانتے تھے۔ علی بن عیسیٰ اردبیلی کشف الغمہ میں رقمطراز ہیں۔

اذا انخذل طائفة من خاصة اصحابہ فی اربعة آلاف وهم العباد والنساک فخرجوا من الکوفة وخالفوا علیا علیه السلام وقالوا لا حکم الا لله ولا طاعة لمن عصی الله وانحاز الیهم نیف عن ثمانیة آلاف ممن یری رأیهم فصاروا اثنی عشر الفا (کشف الغمہ ص ۲۶۴)

جب حضرت علی رضؓ کے خاص اصحاب میں سے ... ہم کی جماعت الگ ہو گئی جو بڑے نیک اور عبادت گزار تھے تو کوفہ سے نکل کر حضرت علی رضؓ کی کھلی مخالفت شروع کر دی اور کہتے تھے فیصلہ تو صرف اللہ کا مانا جاتا ہے جو بندے اللہ کی نافرمانی کریں ان کی اطاعت کیسی۔ ان کے ساتھ آٹھ ہزار ان کے ہم خیال اور بھی لشکر علوی سے مل گئے تو ان کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔

ان ہی شیعہ غداروں سے حضرت علی رضؓ کو وہ جنگ لڑنی پڑی جس کے متعلق صحیح احادیث میں پیشین گوئی موجود ہے کہ ان کو وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کے قریب ہو گی۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ نے ان کو قتل کر کے اللہ کا شکریہ ادا کیا۔

عن ابی الدرداء قال کان علی لما فرغ من اهل النهروان حمد الله واثنی علیه (تاریخ طبری ج ۵ ص ۸۹)

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی رضؓ اہل نہروان (خارجیوں) کی جنگ سے فارغ ہو گئے تو لشکر میں خدا کی حمد و ثنا کی

شیعہ کا خارجی بن کر قاتل علیؓ ہونا

انہی خاصانِ علی رضؓ اور شیعہ غداروں سے عبدالرحمن بن ملجم مرادی جیسا بدبخت تھا جو کوفہ کا باشندہ تھا حضرت عثمان رضؓ کے مخالف گروہ کے ہاتھوں مصر میں محب علی رضؓ ہونے کی ٹریننگ حاصل کی۔ پھر خاص شیعہ علی رضؓ میں بھرتی ہو کر مدینہ اور کوفہ میں کئی سال حضرت علی رضؓ کی خدمت اور پہرداری کی خدمت ادا کرتا رہا۔ پھر مذکورہ بالا اسباب کی وجہ سے خارجی ہوا۔ پھر علی رضؓ کو شہید کیا۔ بغض عثمان رضؓ و معاویہ رضؓ میں اس قدر پکا تھا کہ قتل علی رضؓ کے بعد حضرت معاویہ رضؓ کو قتل کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ لیکن حسن المجتبیٰ رضؓ نے یہ کارِ خیر تو شیعہ ادا نہ کرنے دیا۔ اس "محب علی رضؓ" نے قتلِ مرتضیٰ رضؓ کے بعد "شہادتِ علیؓ" پہ رونے اور ماتم کرنے کی طرح ڈالی۔

جلاء العیون کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ در بصائر الدرجات بسند ہائے معتبر روایت کردہ است چوں محمد بن ابی بکر گروہے از اشراف مصر را بخدمت امیر المومنین فرستاد عبد الرحمٰن بن ملجم درمیان ایشان بود۔ صہ ۱۸۳

کئی معتبر سندوں کے ساتھ بصائر الدرجات میں روایت ہے کہ جب محمد بن ابی بکر رضؓ نے مصر کے معززین کی ایک جماعت حضرت امیر المومنین رضؓ کی خدمت میں بھیجی ان میں عبد الرحمٰن بن ملجم بھی تھا۔

۲۔ حضرت علی رضؓ کی اس نفرین کے باوجود اس نے تین مرتبہ حضرت علی رضؓ کے دوستدار ہونے کی قسم کھائی۔

تا آنکہ سہ مرتبہ بخدمت آنجناب آمد در مرتبہ سوم با حضرت بیعت کرد چوں پشت کرد حضرت بار دیگر او را طلبید و سوگند ہا داد کہ بیعت نشکند۔ صہ ۱۸۵

تین مرتبہ وہ حضرت امیر کی خدمت میں آیا تیسری مرتبہ حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی جس وقت واپس ہوا تو حضرت نے پھر بلا کر قسمیں دلوائیں کہ بیعت نہ توڑتا۔

۳۔ (بعد از قتل) آں ملعون گریست و گفت یا امیر المومنین آیا تو نجات میتوانی داد کسے را کہ در جہنم است۔ پس امیر المومنین برائے آں ملعون بہ امام حسن رضؓ سفارش کرد صہ ۲۰۳

حضرت علی رضؓ پر حملہ کے بعد وہ رونے لگا اور کہتا تھا اے امیر المومنین کیا آپ جہنم میں جانے والے کو نجات دے سکتے ہیں (شیعہ کا آج بھی یہی عقیدہ ہے م) امیر المومنین رضؓ نے اس ملعون کے لیے امام حسن رضؓ سے سفارش کی۔

اسی سلسلہ میں ہے کہ ابن ملجم نے کہا میں نے تمہارے باپ کو قتل کرنے کا خدا سے عہد کر رکھا تھا وہ پورا کر دیا۔ آپ (اے حسن رضؓ) مجھے چاہیں تو قتل کریں۔ اگر معاف کریں تو میں معاویہ رضؓ کے پاس جاتا ہوں اور اس کو قتل کر کے اس کے شر سے تجھے راحت دیتا ہوں۔ صہ ۲۱۸

کوفی۔ مصری اور بصری بلوائیوں کو "اصحاب رسول" سے جھوٹی تعبیر کر کے حضرت عثمان رضؓ پر طعن کرنے والو! اپنے اس بڑے قسم خور محب علی رضؓ، دشمن معاویہ رضؓ اور عزادار علی رضؓ کے مذہب پر بھی غور و فکر کر کے حسرت و ندامت کے آنسو بہایا کرو۔

یہاں تک اہلِ نہروان کا بیان ہوا جن کے قاتل حضرت علی رضؓ پر معترض صاحب۔۔۔۔ کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ شاید اس وجہ سے ان سے عقیدت و ہمدردی ہو گی کہ وہ شیعہ کے پیشوایانِ اوّل اور عقیدہ امامت کو منجانب اللہ خدائی عہدہ مانتے تھے اور شوریٰ اور رائے ملی کے قائل نہ تھے جو آج بھی شیعہ کا عقیدہ ہے۔ ے قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا۔ اور شاید یہی وجہ ہو کہ نماز پنجگانہ کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ عمر رضؓ۔ عائشہ رضؓ حفصہ رضؓ وغیرہم بزرگانِ دین پر شیعہ لعنت بھیجتے ہیں۔ لیکن اس فہرست میں ابن ملجم کا نام نہیں ہے (فروع کافی ج۲ ص۲۶)

اہلِ جمل کے قاتل

شہداء جمل کی داستان بڑی دردناک ہے۔ جب شہادتِ ذوالنورین رحؒ کے بعد بلوایانِ عثمان رضؓ مدینہ منورہ پر قابض ہو گئے اور حضرت عثمان رضؓ کے حامیوں اور جمہور مسلمانوں پر سختی ہونے لگی اور لوگ مدینہ سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ جیسے ایک فراری عبید بن ابی سلمہ نے ام المومنین عائشہ رضؓ کے استفسار پر فرمایا۔

اخذوا اھل المدینۃ بالاجماع علی علی والقوم الغالبون علی المدینۃ (طبری ج ۵ حوادث ۳۶ھ)	بلوائیوں نے پکڑ دھکڑ سے اہلِ مدینہ سے حضرت علی رضؓ کی بیعت کروائی ہے اور وہ مدینہ پر پوری طرح قابض ہیں۔

اور اس حالت کے عینی شاہد حضرت طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ جیسے بزرگ صحابہ رضؓ نے بھی ام المومنین رضؓ سے آکر عرض کی۔

فقالا ورائنا انا تحملنا بقلتنا ھربا من المدینۃ من غوغاء و اعراب وفارقنا قوما حیاری لا یعرفون حقا ولا ینکرون باطلا ولا یمنعون انفسھم (طبری ج ۵ ایضاً)	کہنے لگے ہمارے پیچھے مدینہ کی حالت یہ ہے کہ ہم اپنی قلت کی وجہ سے مدینہ سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ وہاں اجڈ گنواروں کا زور ہے ہم ایسی قوم سے جدا ہو کر آئے ہیں۔ جو حیران ہیں۔ حق نہیں پہچانتے باطل کا انکار

نہیں کرتے۔ نہ فساد سے اپنے نفسوں کو روکتے ہیں۔

ان تاریخی شہادتوں کے علاوہ نہج البلاغہ میں بھی یہ حقیقت مسطور ہے کہ جب حضرت علی رضؓ سے اہلِ مدینہ نے قصاصِ عثمان رضؓ کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے ابھی یہ کیسے ممکن ہے،

هم يملكوننا ولا نملكهم۔ ہمارے وہ مالک بنے ہوئے ہیں (گویا حکومت ان کی کٹھ پتلی ہے) اور ہم ان پر قابو یافتہ نہیں ہیں۔

ان حالات میں حضرت ام المومنین عائشہ رضؓ نے مدینہ کے سفر سے واپسی کا رخ کیا، خلافت اسلامیہ کے وقار، حضرت عثمان مظلومؓ کے قصاص، نیز حضرت علیؓ کی اعانت اور بلوائیوں سے ان کی رہائی جیسے مقاصدِ حسنہ کے پیشِ نظر مکہ مکرمہ میں لشکر کی فراہمی شروع کی۔ لیکن فتنہ بازوں نے حضرت علی رضؓ کو غلط رپورٹ پہنچائی، آپ نے بھی عجلت سے کام لیتے ہوئے اہل مدینہ کو طلحہ رضؓ و زبیرؓ اور ام المومنینؓ کے ساتھ جنگ کے لیے ابھارا۔ مگر اہل مدینہ نے تنِ چند کے سوا ساتھ نہ دیا (البدایہ وابن اثیر ج ۵ ص ۱۶۳) مجبوراً آپ نے کوفہ سے بلوائیوں کے رشتہ داروں کا لشکر فراہم کر کے بصرہ پر چڑھائی شروع کر دی۔ بزرگ صحابہ رضؓ کے روکنے سے بھی نہ رُکے۔ طبری سے کچھ تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

"محمد اور طلحہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ مدینہ میں تھے آپ کو خبر ملی کہ طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ قصاص عثمان رضؓ کی تیاری میں بصرہ جانا چاہتے ہیں اور مقصد آپ کو معلوم ہوا جس پر حضرت طلحہ رضؓ زبیرؓ، عائشہ رضؓ اور ان کے سردار اور تابعدار متفق تھے (یعنی قصاص عثمان رضؓ)، تو حضرت علی رضؓ نے جو تیاری شام پر چڑھائی کے لیے کر رکھی تھی اسی تیاری میں بصرہ پر چڑھائی کے لیے نکل کھڑے ہوئے آپ کے ساتھ کوفیوں، بصریوں کے۔۔۔ فوجی تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ کا محاصرہ کر کے ان کو اس اقدام سے باز رکھیں گے۔" (طبری ج ۴ ص ۴۵۵ و ص ۴۷۷)

اسی دوران حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر فرمایا۔

يا امير المومنين لا تخرج منها فوالله ان خرجت منها لا ترجع اليها ابدا ولا يعود اليها سلطان المسلمين ابدا فسبوه فقال دعوا الرجل فنعم الرجل من اصحاب محمد۔	اے امیر المومنین رضؓ آپ مدینہ سے نہ نکلیں اللہ کی قسم اگر آپ یہاں سے نکل پڑے تو کبھی پلٹ کر نہ آئیں گے اور مسلمانوں کی خلافت کبھی مدینہ نہ آئے گی۔ لوگ حضرت عبداللہ رضؓ کو گالیاں دینے لگے، تب علی رضؓ نے فرمایا اس

آدمی کو کچھ نہ کہو حضورؐ کے صحابہ رضؓ میں سے یہ بہت اچھا آدمی ہے۔

اسی روایت میں ہے کہ (اور تو اور) آپ کے فرزندِ اکبر حضرت حسنؓ بھی اس خروج کے مخالف تھے اور روتے ہوئے فرمایا۔ اباجان! آپ میری ہر بات میں مخالفت کرتے ہیں۔ میں نے محاصرۂ عثمانؓ کے وقت آپ کو باہر چلے جانے کا کہا تاکہ لوگ قتل کا الزام آپ پر نہ لگائیں۔ میں نے کہا اس وقت تک لوگوں سے بیعت نہ لیں جب تک باہر کے لوگ بیعت نہ کر لیں۔ میں نے کہا طلحہؓ و زبیرؓ کے آپ کے ہاتھوں سے نکل جانے پہ آپ خاموشی سے گھر بیٹھ رہیں تاآنکہ وہ صلح کر لیں۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔

واللہ مازلت مقهورا منذ ولیت منقوصا لا اصل الی شی مما ینبغی و اما قولك واجلس فی بیتك فکیف بما قد لزمنی او من تریدنی الخ
(طبری ج ۴ ص ۴۵۶ ابن اثیر والنہایہ، ج ۷، ص ۲۳۴)

اللہ کی قسم جب سے میں حاکم بنا ہوں مجبور کیا جا رہا ہوں اپنے مرتبے سے کم ہو رہا ہوں۔ کرنے کے کام تک میری رسائی نہیں رہی تیری یہ بات کہ میں گھر میں بیٹھ رہوں تو خلافت کی ذمہ داری سر پر پڑنے کے بعد یہ کیسے ہو سکتا ہے کیا تو چاہتا ہے کہ عورتوں کی طرح دبک بیٹھوں۔

الغرض ان تلخ حقائق کی روشنی میں بلوائیوں کے اصرار اور دباؤ سے آپ بصرہ کی طرف جلدی میں چل تو پڑے لیکن جب فریقین کے بزرگ آپس میں ملے تو پتہ چلا کہ اختلاف فی نفسہ کچھ بھی نہیں۔ حضرت علیؓ قصاص لینے کے منکر نہیں۔ نہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و ام المؤمنینؓ حضرت علیؓ کے باغی اور مخالف ہیں بلکہ وہ تو فراہمی لشکر سے حضرت علیؓ کی حکومت سے قصاص کے مسئلہ پر تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مصالحت کی بات چیت مکمل ہو گئی۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کی طرف قاصد بھیج کر بتلایا کہ وہ بلاشبہ صلح و اتفاق کے لیے آئی ہیں۔ پس یہ لوگ بھی خوش ہو گئے اور وہ لوگ بھی (الطبری ج ۴ ص ۴۸۹) پھر حضرت علیؓ نے لوگوں میں خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد زمانہ جاہلیت کی بدبختی اور بد اعمالی کا ذکر کیا۔ پھر اسلام کا ذکر کرتے ہوئے اس کی وجہ سے مسلمانوں کی آپس میں محبت اور ایک جماعت ہونے کا ذکر کیا۔

وان اللہ جمعهم بعد نبیهم — اور بے شک اللہ نے اپنے نبیؐ کے بعد مسلمانوں

على الخليفة ابى بكر الصديق ثم بعده
عمر بن الخطاب ثم على عثمان ثم حدث
هذا الحدث الذى جرى على الامة
اقوام طلبوا الدنيا وحسدوا على الفضيلة التى من
الله بها وارادوا رد الاسلام والاشياء على
ادبارها والله بالغ امره ثم قال الا انى
مرتحل غدا فارتحلوا ولا يرتحل معى احد
اعان على قتل عثمان بشئ من امور
الناس (طبری ج۴ ص۴۹۳ البدایہ ج۷ ص۲۳۹ -
ابن خلدون ج۲ ص۱۰۷۹ ابن اثیر ج۳)

کو خلیفہ ابی بکر صدیقؓ پر پھر حضرت عمرؓ پر
پھر حضرت عثمانؓ پر جمع کر دیا۔ پھر امت پر
یہ اختلاف کا حادثہ پیش آیا۔ یہ فتنہ باز دنیا
کے طالب ہیں اس امت پر اللہ کی نعمت اتفاق
پر حسد کرتے ہیں۔ اسلام اور اس کی اصلاحات
کو پس پشت ڈال کر جاہلیت کا دور لانا چاہتے
ہیں پھر فرمایا۔ سنو! میں کل واپس ہونے والا
ہوں۔ تم بھی واپس چلو اور میرے ساتھ ان
میں سے کوئی بھی نہ چلے جنہوں نے کسی قسم کی
قتل عثمانؓ میں مدد کی ہے۔

یہی تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ "اس خطبہ کے بعد ہی بلوائیوں (جو حضرت علیؓ کے لشکری تھے) کے لیڈر اکٹھے ہوئے جیسے اشتر نخعی۔ شریح بن ابی اوفیٰ۔ عبداللہ بن سبا المعروف بابن سودا۔ سالم بن ثعلبہ۔ علباء بن الہیثم وغیرہ۔ ڈھائی ہزار نفوس کے لگ بھگ۔ ان میں صحابی کوئی نہ تھا۔ الحمد للہ۔ تو کہنے لگے یہ کیا بات ہے۔ علیؓ اللہ کی قسم کتاب اللہ کو قصاص عثمانؓ کے طالبوں سے زیادہ جانتے ہیں اور اس بات پر عمل کرنے کے زیادہ قریب ہیں اور تم انکا فرمان سن چکے ہو۔" بالآخر اس فیصلہ پر متفق ہوئے کہ دونوں لشکروں میں گھل مل کر سو جاؤ۔ رات کو کسی وقت اٹھ کر تلوار چلانا شروع کر دو۔ علیؓ کے لشکری کہیں طلحہؓ و زبیرؓ نے غداری کی۔ اور وہ کہیں علیؓ نے غداری کی۔ تم اس تدبیر سے قصاص سے بچ جاؤ گے۔ وہ مسلمان اس فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے جو تمہارا مقصود ہے۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ ہر ایک نے فریق مخالف سے غدر سمجھ کر دفاعاً تلوار چلائی (جملہ تواریخ) تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

قعقاع بن عمرو کی کوشش سے حضرت عائشہؓ، طلحہؓ و زبیرؓ نے اپنے "اصلاحی اقدام" کو مصالحت کی شکل دی اور ہر شر انگیز مشورہ کو رد کر دیا، حضرت علیؓ نے اپنی جماعت کو

پرامن رکھنے کے لیے ایک دن اس کے سامنے تقریر کی کہ" ان لوگوں (طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ) کے بارہ میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ پیش آنے والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار کرو اور پیش دستی سے بچو آج جو شخص جنگ کی ابتدا کرے گا۔ کل خدا کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا۔ غرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے۔ اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے۔ چنانچہ احنف بن قیس چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علیحدہ ہو گئے۔ اب حضرت علی رضؓ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے۔ آپ اور حضرت طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی۔ اور مختلف فیہ مسائل پر بحث و مباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے۔ مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکر گاہوں پر مسرور و مطمئن واپس گئے اور اطمینان و سکون کے ساتھ سو گئے (مگر) سبائیوں کے لیے یہ صلح بڑی شاق تھی...... اس لیے انہوں نے طے کیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا جائے...... چنانچہ ان لوگوں نے راتوں رات اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ بپا ہو گیا اس غیر متوقع حملہ نے دونوں کو گھبرا دیا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ واقعہ کیا ہے۔ حضرت علی رضؓ اور عائشہ رضؓ نے اس وقت بھی روکنے کی کوشش کی۔ حضرت علی رضؓ پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو رک جاؤ۔ حضرت عائشہ رضؓ فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کے لیے پہنچیں۔ لیکن اس ہنگامہ میں کون کسی کی سنتا۔ اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی۔ اس لیے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بدعہدی کی۔

ام المومنین رضؓ کے جاں نثاروں کی جانبازی اور جنگ کا خاتمہ

(حضرت عائشہ رضؓ کی اونٹ پر سواری آل کا)

جاں نثاروں کی حوصلہ افزائی میں تبدیل ہو گئی) اور ہر طرف سے محمل پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ تیروں کی کثرت سے محمل ساہی بن گیا تھا۔ جاں نثاروں نے جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ قبیلہ بنی ضبہ اور ازد نے اونٹ کو اپنے حصار (بچاؤ) میں لے لیا۔ اس کی حفاظت میں دو ہزار سات سو ازد اور دو ہزار بنی ضبہ کے جانیں فدا کیں۔ اونٹ کی مہار پکڑنا گویا موت کے منہ

میں جاتا تھا۔ لیکن جاں نثاروں نے تانتا نہ ٹوٹنے دیا۔ جیسے ہی ایک گرتا تھا فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا۔ اس طریقہ سے چالیس آدمیوں نے یہ سعادت حاصل کی۔ حضرت علی ؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا اس وقت تک یہ خونریزی بند نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انہوں نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے اس حکم پر چند آدمی آگے بڑھے اور ایک شخص ابجین بن ضبعہ نے اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیے وہ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہ ؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی۔ (تاریخ اسلام ندوی ج۲)

القصہ۔ قاتلانِ عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ کے فوجیوں کی سازش سے یہ خونی معرکہ پیش آیا جس میں دس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ کشف الغمہ کے شیعہ مؤرخ نے بڑے فخر سے اس خونریزی کے متعلق لکھا ہے۔

"جنگ خوب گرم ہوئی حتیٰ کہ (ام المومنین ؓ عائشہ کے) اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں اور وہ گر پڑا سب میدان خون سے سرخ ہو گیا۔ جمل والے (البصری) شکست کھا گئے۔ جمل کے مقتول لشکر کی تعداد ۱۶۷۹۰ تھی اور وہ کل ۳۰ ہزار تھے۔ حضرت علی ؓ کے ساتھیوں سے ۱۰۷۰ قتل ہوئے جبکہ ۲۰ ہزار تھے۔ (کشف الغمہ ص۲۳)

فریقین کے مقتولوں کے متعلق اس میں جانبداری اور کذب و مبالغہ ضرور کار فرما ہے لیکن وجہ ظاہر ہے کہ جمل والوں پر اچانک صلح کے بعد یہ سوتے ہوئے حملہ ہوا اور حضرت علی ؓ کا مقتول لشکر بیدار اور فتنہ بھڑکانے میں تھا۔ اس نے نیند میں غافل مسلمانوں کو ذبح کر کے بہادری کا بڑا ڈھنڈورا حاصل کیا۔

تاریخ کے ان حقائق کی روشنی میں یہ خونی معرکہ قاتلانِ عثمان ؓ کی سازش کا مرہونِ منت تھا۔ اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے مطابق ذمہ دار اور گنہگار وہی بلوائی ہیں جو حضرت علی ؓ کے فوجی تھے۔ نہ حضرت علی ؓ پر ہم کوئی طعن کرتے ہیں نہ بلوائیوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کرنے والے حضرت طلحہ ؓ و زبیر ؓ پر کوئی ذمہ داری یا الزام ہے۔ شیعہ کو اگر زیادہ اصرار ہی ہے تو ان تفصیلات میں۔ حضرت علی ؓ کا مخالفتِ صحابہ ؓ کے باوجود مدینہ سے لشکر لانا پھر

اپنے لشکریوں کے مکر سے بقول شیعہ عالم الغیب اور مشکل کشا ہونے کے باوجود۔ بے خبر رہنا اور سازش کو ختم نہ کرنا۔ حتی کہ ۱۸ ہزار یا ۱۰ ہزار مسلمانوں کا گاجر مولی کی کٹ جانا۔ آج بھی ان خونی معرکوں کو مزے سے بیان کرنا اور حضرت علی رضی کی اس بہادری پہ فخر کرنا۔ محاسبہ کر کے انصاف سے شیعہ ہی بتلائیں کہ اس خونریزی کا ذمہ دار کون ہوا۔ قیامت کے دن یہ ۱۸ ہزار کا خون کس کے سر ہوگا۔ اور ان کا منقولہ فتویٰ قرآنی کس پر چسپاں ہوا۔

پس منظر جنگِ صفین

صفین کی نوعیت بھی یہی ہے کہ قاتلانِ عثمانؓ کی سازش سے رونما ہوا۔ آپ غور کریں کہ حضرت علیؓ کے بر سر اقتدار آنے کے بعد ہی جنگِ جمل سے پہلے اہل شام پر لشکر کشی کی مدینہ سے تیاریاں کیوں ہو رہی تھیں۔ حضرت معاویہؓ نے تو خونریزی سے بچتے ہوئے اہلِ جمل کی بھی اگر مدد نہیں کی۔ پھر بھی ایک عظیم لشکر یہیں سے شام کو پہل قدمی کرتا ہے۔ اور صفین کے مقام پر اس کو جنگ پر ابھارا جاتا ہے۔

ان علیا حرض الناس یوم صفین فقال ان اللہ قد دلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم۔

(طبری ج ۵ ص ۱۶)

بے شک حضرت علی رضی نے لوگوں کو صفین کے دن جنگ پر ابھارا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی تجارت بتائی ہے جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے گی۔

طبری ج ۴ ص ۵۶۳ پر ہے کہ حضرت علیؓ نے (جمل سے فراغت کے بعد ہی) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو بصرہ پر خلیفہ بنایا اور وہاں سے ہی کوفہ چلے وہاں جنگِ صفین کیلئے تیاری کی اور لوگوں سے مشورہ لیا۔ ایک جماعت نے مشورہ دیا کہ خود نہ جائیں لشکروں کو بھیج دیں۔ دوسروں نے جانے کا مشورہ دیا۔ حضرت علیؓ نے جانے پر ہی اصرار کیا۔ پھر لوگوں کا لشکر تیار کر کے چل پڑے۔ جب حضرت معاویہؓ کو یہ خبر ملی تو اس نے حضرت عمرو بن العاص رضی کو بلا کر مشورہ کیا۔ تو اس نے کہا جب آپ کو خبر ملی ہے کہ وہ خود آرہے ہیں تو آپ بھی خود چلیں اور اپنی عقل اور تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیں (طبری ج ۴ ص ۵۶۳)

شانِ صحابیت کا تقاضہ تھا کہ مصالحت کی گفت و شنید ہو۔ چنانچہ بہت سے حضرات نے مصالحت کی کوشش کی مگر سبائی جماعت نے اپنی تمام تر قوتیں اس میں صرف کر دیں کہ

طرفین میں محبت اور رعایت کے بجائے دشمنی اور نفرت کا جذبہ تیز ہو جائے۔ چنانچہ یہ غدار اور مفسدہ پرداز گروہ اپنی مکروہ کوششوں میں کامیاب ہو گیا اور مصالحت کی ساری جد وجہد نقش بر آب ثابت ہوئی۔ (تاریخ اسلام اردو از نشتر ج ۲ ص ۲۲۷)

چند تاریخی حقائق ملاحظہ ہوں۔

ا۔ شام کے ایک عابد و زاہد بزرگ ابو مسلم خولانیؒ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور حضرت علیؓ کی مخالفت سے باز رہنے کا اصرار کیا تو امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ میں فضیلت میں ان کی برابری کا مدعی نہیں ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں۔ امیر معاویہؓ نے کہا بس ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلوں کو ہمارے حوالے کیا جائے ہم ان کی خلافت تسلیم کریں گے ابو مسلم خولانی نے کہا تم اسے لکھ کر دے دو۔ میں علیؓ کے پاس لے کر جاؤں گا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے یہ خط لکھا۔ "اما بعد! خلیفہ عثمانؓ تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل کیے گئے۔ تم ان کے گھر کا شور و غل سنتے رہے اور اپنے قول و عمل سے نہ روکا۔ میں سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کیے ہوتے تو ہم میں کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلین عثمانؓ کو پناہ دی اور وہ اس وقت تمہارے قوت و بازو تمہارے اعوان و انصار اور تمہارے مشیر کار ہیں۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم عثمانؓ کے خون سے برأت کرتے ہو اگر تم اس میں سچے ہو تو قاتلوں کو قصاص کے لیے ہمارے حوالے کر دو ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لیے تیار ہیں۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار ہے۔ خدائے واحد کی قسم ہم لوگ بحر و بر سے عثمانؓ کے قاتلوں کو تلاش کر کے قتل کریں گے یا خود جان دے دیں گے۔

ابو مسلم یہ خط لے کر کوفہ گئے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ آپ خلیفہ ہیں اگر آپ اس کے حقوق پورے کریں تو اللہ کی قسم یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے پسند نہیں کرتے۔ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالے کیجیے۔ آپ ہمارے امیر ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی مخالفت کرے گا تو ہم آپ کے مددگار رہیں اور آپ کے لیے بھی دلیل اور معقول عذر ہو جائے گا۔

یہ مطالبہ سن کر حضرت علیؓ نے ابو مسلم کو ٹھہرا لیا اور فرمایا کل اس کا جواب دوں گا دوسرے دن ابو مسلم جامع کوفہ میں آپ سے ملے۔ یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرہ لگا رہے ہیں کہ "ہم عثمانؓ کے قاتل ہیں۔" یہ رنگ دیکھ کر ابو مسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے انہیں میرے آنے کا سبب معلوم ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے ہر چند اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی لیکن قاتلوں کا حوالہ کرنا میرے امکان ہی میں نہ تھا اور امیر معاویہؓ کے خط کا یہ جواب دیا کہ

"عثمانؓ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا۔ البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں خانہ نشین ہو گیا۔ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلینِ عثمانؓ کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصولِ مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو۔ اگر تم اس فتنہ انگیزی سے بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیوں سے کیا جاتا ہے وہ تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔

(تاریخ اسلام ندوی بحوالہ اخبار الطوال ص ۱۷۳-۱۷۴)

۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۹۹ تاریخ طبری وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابو درداؓ اور حضرت ابو امامہ باہلیؓ جیسے بزرگ حضرت علیؓ کی طرف سے نمائندے بن کر حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا اے معاویہؓ آپ اس شخص سے کیوں لڑتے ہیں جو بخدا آپ سے اور آپ کے باپ سے اسلام لانے میں مقدم ہیں۔ آپ سے بڑھ کر حضورؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں اور اس امر کے تجھ سے زیادہ مستحق ہیں — شاید ان بزرگوں کا خیال ہو گا کہ اس طرز سے حضرت معاویہؓ کو شوق خلافت ہے۔ مگر حضرت معاویہؓ نے اپنی زبان سے اس خدشہ کی تردید کر دی۔ آج بھی کچھ لوگ یہی سمجھتے ہیں۔ مگر انسان کا قول و عمل جب اس کے خلاف ہو تو دلوں پہ بدگمانی جائز نہیں۔ اسے علیم بذات الصدور ہی خوب جانتا ہے — تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا میں خلافت کے لیے نہیں لڑتا۔ میں تو صرف حضرت عثمانؓ کے خون پر آپ سے لڑ رہا ہوں کیونکہ آپ نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ تم دونوں حضرت علیؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے ہمیں قصاص دلاؤ پھر اہل شام میں سے سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرت علیؓ کے پاس گئے اور یہ پیغام پہنچایا تو حضرت علیؓ

نے فرمایا۔ وہ یہ ہیں جن کو تم دیکھ رہے ہو۔ پس ایک انبوہِ کثیر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگے ہم سب حضرت عثمانؓ کے قاتل ہیں جو کوئی چاہے ہم سے قصاص لے لے۔ حضرت ابو الدرداءؓ اور ابو امامہؓ یہ ماجرا دیکھ کر واپس ہو گئے۔ اور کسی طرف سے جنگ میں شرکت نہ کی۔ (البدایہ وغیرہ) مزید تفصیل ہماری کتاب عدالتِ صحابہ کرامؓ میں دیکھیں۔

۳۔ حضرت امیر المومنین معاویہؓ و حضرت عمرو بن العاصؓ کے اپنے گمان میں دیندار اور نیک نیّت ہونے کا حضرت علیؓ نے اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ شیعہ کتاب کشف الغمہ صفحہ ۵۰۶ پر ہے۔

الا ان اعجب العجب ان معاویۃ بن سفیان وعمرو بن العاص السہمی یحرضان الناس علی طلب الدین بزعمھما وانی واللہ لم اخالف رسول اللہ قط ولم اعصہ فی امرہ قط۔	کیا ہی عجیب تر بات ہے کہ معاویہ بن سفیانؓ اور عمرو بن عاصؓ اپنے گمان کے مطابق لوگوں کو دین کے مطالبہ پر ہی ابھارتے ہیں حالانکہ میں نے کبھی کبھی حضورؐ کی مخالفت اور کسی حکم میں آپ کی نافرمانی نہیں کی۔

۴۔ اسی طرح حضرت علیؓ کی طرف سے جو سفراء حضرت معاویہؓ کے پاس آتے تھے وہ ایسے تلخ اور تہدید آمیز گفتگو کرتے تھے جس سے بجائے صلح اور سکون کے خواہ مخواہ جنگ اور اشتعال انگیزی کی فضا پیدا ہو جاتی۔ ان میں شبث بن ربعی کی تلخ کلامی اور فساد انگیزی سب مورخین نے لکھی ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ کے یہ معتمد سفیر وہی صاحب ہیں جو تحکیم کے موقعہ پر خارجی بن گئے پھر حضرت حسنؓ کے ساتھ مل کر بھی مخالف ہو گئے۔ پھر شیعان حسینؓ میں سے ہو کر کوفہ میں حضرت حسینؓ کو بلایا تھا۔ پھر بر وقت آپ سے غداری اور بے وفائی کر کے نصرت سے باز رہے اور آپ نے اسے اس کا دعوتی نوشتہ دکھا کر شرمندہ کیا تھا (جلاء العیون) افسوس کہ بد قسمتی سے یہ قاتلانِ عثمانؓ اور بلوائی نام نہاد ایسے شیعانِ اہل بیتؓ بنے جن کی سازشوں اور غداریوں بلکہ تلواروں سے اہل بیتؓ اور دیگر مسلمانوں کے خون سے تاریخ کا ایک ایک ورق رنگین ہے۔ مگر غضب یہ ہے کہ شیعہ آج بھی انہی لوگوں کی عقیدت کا دم بھرتے اندوہناک حادثات کو اچھالتے اور اپنے تخریب کار وجود پر فخر کرتے ہیں۔

جب صلح کی کوشش ناکام ہو گئی تو جنگ کا آغاز بھی سنیئے۔

فاخذ علی یامر الرجل من الشرف فیخرج معه جماعة ویخرج الیه من اصحاب معاویة آخر معه جماعة فیقتتلان فی خیلیهما ورجالهما	پس حضرت علی رضہ ایک ایک بہادر مرد کو حکم دیتے تھے اس کے ساتھ ایک جماعت نکلتی تھی۔ پھر حضرت معاویہؓ کی طرف سے بھی ایک ایک آدمی با جماعت نکلتا تھا تو یہ سوار اور پا پیادہ جنگ کرتے تھے۔
(طبری ج ۴ ص ۵۷۴)	

بایہ ناز شیعہ علیؓ اور آپ کا باڈی گارڈ شمر ذی الجوشن (قاتل حسینؓ) بھی حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتا اور عربی کے اشعار پڑھتا تھا (طبری ج ۴ ص) جن کا ترجمہ اردو شاعر نے یہ کیا ہے۔

علی میرا امام ہے اور میں علی کا غلام ۔۔۔ علی کے واسطے لڑتا ہوں میں بلشکر شام

ان متفرق جھڑپوں میں مسلمان ایک دوسرے کے احترام میں تیزی نہ دکھاتے۔ پھر ایک دوسرے کے مقتولوں کی تجہیز و تکفین میں بھی رات کو شریک ہوتے تھے۔ سات ماہ اسی حالت میں گزر گئے تا آنکہ ایک رات حضرت علی رضہ نے فیصلہ کن جنگ کی ٹھانی اور لیلۃ الحریر میں مشہور حملہ کیا۔ اور اتنی خوفناک جنگ ہوئی کہ ستر ہزار نفوس کام آئے فانا للہ وانا الیہ راجعون اس کے باوجود حضرت علی رضہ کو حسب منشاء فتح نہ ہوئی۔ قاضی نور اللہ مجالس المومنین ص ۲۰۴ میں لکھتے ہیں۔

گر در صفین ظفر نیافت او در حنین فتح نیافت۔	اگر حضرت علی رضہ نے صفین میں فتح نہ پائی تو حضورؐ نے بھی حنین میں فتح نہ پائی۔

واضح رہے کہ جنگِ جمل و صفین میں حضرت علی رضہ کے بالمقابل حضرات تو صرف خونِ عثمان رضہ کا بدلہ چاہتے تھے۔ اہل جمل کا نظریہ گزر چکا ہے۔ حضرت معاویہ رضہ کا خط بھی آپ نے پڑھا۔ ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو۔

واما الطاعة لصاحبکم فانا لا نراها ان صاحبکم قتل خلیفتنا وفرق جماعتنا وآوی ثارنا وقتلتنا وصاحبکم	تمہارے صاحب (حضرت علی رضہ) کی اطاعت ہم جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اس نے ہمارے خلیفہ کا قتل کیا۔ ہماری جماعت کو تتر بتر

يزعم انه لم يقتله فنحن لا نرد ذلك عليه اذا نتم قتلة صاحبنا الستم تعلمون انهم اصحاب صاحبكم فيدفعوا الينا فنقتلهم به ثم نحن نجيبكم الى الطاعة والجماعة۔

(طبری ج ۵ ص ۶)

کر دیا ہمارے قاتلوں اور حملہ آوروں کو پناہ دی۔ تمہارے بزرگ کا خیال ہے کہ اس نے حضرت عثمان رضؓ کو قتل نہیں کیا تو ہم اس کے منکر نہیں ہیں لیکن بتلاؤ تو تم نے حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں کو دیکھا۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ وہ تمہارے صاحب کے فوجی ہیں۔ وہ ہمارے سپرد کر دیئے جائیں تاکہ ہم ان کو قصاص عثمان رضؓ میں قتل کریں۔ پھر ہم تمہاری اطاعت اور جماعت میں شرکت کریں گے۔

صحابہ کرام رضؓ پر (العیاذ باللہ) لعنتی اور جہنمی کا فتویٰ لگانے والے شیعہ معترض آنکھیں کھول کر دیکھیں اور انصاف سے کہیں کیا حضرت معاویہ رضؓ نے حضرت علی رضؓ کی اطاعت مشروط بالقصاص نہ کر دی۔ پھر بھی قصاص نہیں لیا گیا جبکہ نہج البلاغہ کی تصریح کے مطابق آپ قصاص لینا واجب جانتے تھے۔

قارئین کرام! کتب شیعہ و تاریخ کے حوالوں سے تمام حقائق آپ کے سامنے ہیں۔ آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حضرات طالبین قصاص اپنے موقف میں کس قدر معذور اور درست تھے اور کس قدر غلطی پر تھے۔

یہی وہ تلخ حقائق ہیں جن کی بنا پر مشاجرات صحابہ رضؓ کی بحث میں پڑنے سے علماء اہلسنت نے منع فرمایا ہے کیونکہ فریقین سے بدظنی پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک فریق مشکلات کی بنا پر معذور ہے تو دوسرے گروہ کو بھی محترم صحابیت اور حد شرعی کے نفاذ کا مطالبہ اور "اصلاحی اقدام" کرنے میں معذور جاننا چاہیے اور زبان طعن نہ کھولنی چاہیے۔ اہلسنت نے ان جنگوں کے اس اندرونی پس منظر کو جانتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضؓ اور آپ کے مخلص ساتھیوں اور طالبین قصاص کے حق میں یہ متفقہ فیصلہ دیا کہ یہ خانہ جنگیاں اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہیں طرفین سے طلب صواب ہی میں یہ کام ہوا۔ نیت ہر ایک کی نیک تھی دونوں کے مقتول بھی جنتی ہیں۔ اور طعن و تشنیع بھی کسی پر روا نہیں (کتب عقائد اہلسنت) کیونکہ خدائے علام الغیوب ان کا یہ

حال جاننے کے باوجود ان کو رضا و جنت کی سند قرآن میں دے چکا تھا تو آیت تمدنِ قتل کی زد میں صحابہ رضؓ آتے ہی نہیں، تفصیلی مواد کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب عدالت حضرات صحابہ کرام رضؓ باب پنجم)، اگر اہلِ سنت کا یہ فیصلہ نہ ہوتا تو مسلمانوں کی عظیم اکثریت حضرت علی رضؓ سے اسی طرح الگ یا بدظن ہوتی جیسے خود ان کے عہدِ حکومت کے آخر میں سوائے صوبہ حجاز اور کچھ عراق کے باقی حضرت معاویہ رضؓ کی طرفدار ہوگئی تھی۔ (ازالۃ الخفاء)۔ (کیونکہ شاذ و نادر ہی کوئی گھر یا قبیلہ ایسا ہوگا جس کا کوئی آدمی ان جنگوں میں نہ مارا گیا ہو) طبری میں تصریح ہے کہ حضرت علی رضؓ نے معاویہ رضؓ کی درخواست پر مصالحت کرکے ان کی حیثیت مستقل طور پر تسلیم کر لی تھی (گویا آخری عمل نے اوّل کو منسوخ کر دیا)

عن ابی اسحاق لما لم یعط احد الفریقین صاحبہ الطاعۃ کتب معاویۃ الی علی اما اذا شئت فلک العراق ولی الشام وتکف السیف عن ھذہ الامۃ ولا تھرق دماء المسلمین ففعل ذالک وتراضیا علی ذالک فاقام معاویۃ بالشام بجنودہ یجبیھا وما حولھا وعلی بالعراق یجبیھا ویقسمھا بین جنودہ (طبری ج ۵ ص ۱۴۰)

محدث ابو اسحاق کہتے ہیں جب فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے کا مطیع نہ ہوا تو معاویہ رضؓ نے حضرت علی رضؓ کو لکھا آپ چاہیں تو عراق پہ آپ حکومت کرتے رہیں۔ اور میں شام پہ حاکم ہوں۔ آپ اس امت پر تلوار چلانا چھوڑ دیں اور مسلمانوں کا خون نہ بہائیں۔ حضرت علی رضؓ نے اسے مان لیا اور دونوں اس فیصلہ پر رضامند ہوگئے۔ حضرت معاویہ رضؓ اپنے لشکر سمیت شام میں حاکم رہے۔ وہاں کے محاصل جمع کرتے اور حضرت علی رضؓ عراق میں محاصل جمع کرتے اور لشکر میں تقسیم کرتے تھے۔

بڑے درد سے یہ لفظ لکھنے پڑتے ہیں کہ جب سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو صوبہ شام کے سوا سب مستحکم و پائیدار مملکت اسلامیہ آپ کے زیرِ نگیں آئی لیکن آخری ایام میں مؤرخین کی تصریح کے مطابق کچھ عراق و حجاز کے علاوہ سب مملکت آپ کے تصرف سے نکل کر حضرت معاویہ رضؓ کے زیرِ نگین آگئی۔ جیسے طبری کے حوالہ بالا سے بھی معلوم ہوچکا۔

شیعہ پر حضرت علیؓ کی ناراضگی

قدرت کی یہ نیرنگی بھی دیکھیے۔ آغازِ خلافت میں جو لوگ آپ کے معتمد خاص اور شیعہ علیؓ کہلائے اور ان کی موجودگی میں طلحہؓ و زبیرؓ و عبداللہ بن عمرؓ جیسے حضرت علیؓ کے قدیم رفقاء کو بھی دربارِ علوی میں جگہ نہ مل سکی۔ اور جمل و صفین کے خونی معرکوں میں انہوں نے ہیرو کا پارٹ ادا کیا۔ آج وہ حضرت علیؓ کے معتوب بداعتماد اور غدار ثابت ہوئے اور آپ ان سے جان چھڑانے کے لیے موت کی آرزو کرتے تھے۔ شیعہ کے خاتم المحدثین لکھتے ہیں۔

در احادیث معتبرہ وارد شدہ است کہ چوں علی از نافرمانی و نفاق و کفر و شقاق اصحاب خود دل تنگ شد و لشکر معاویہؓ بر اطراف و نواحی ملک آنحضرت غارت میاوردند و احدی آنحضرت یاری او نمی نمودند بر منبر فرمود بخدا سوگند مے دارم کہ حق تعالٰی مرا از میان شما بیروں برد و در ریاض رضوان جا دھد ... پس فرمود خداوندا من از ایشاں بتنگ آمدہ ام و ایشان از من بتنگ آمدہ اند۔ و من از ایشاں ملال یافتہ ام و ایشاں از من ملال یافتہ اند۔ خداوندا مرا از ایشاں راحت بخش و ایشاں را بتلا کن بکسے کہ مرا یاد کنند (جلاء العیون صہ ۱۸۴)

معتبر حدیثوں میں وارد ہے کہ جب حضرت علیؓ اپنے ساتھیوں کی نافرمانی، منافقت، کفر اور مخالفت سے تنگ دل ہو گئے اور معاویہؓ کا لشکر حضرت کے ملک پر یلغار کر رہا تھا اور حضرت کے ساتھی آپ کی مدد نہیں کر رہے تھے (خود مشکل کشا ہو کر غیروں سے طلبِ مدد؟ شیعہ کے لیے معمہ ہے) تو آپ نے منبر پر فرمایا اللہ کی قسم کھا کر دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے تم سے اٹھالے اور جنت کے باغوں میں جگہ دے ... پھر فرمایا اے اللہ میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آگئے ہیں۔ میں ان سے دل برداشتہ ہو گیا ہوں اور یہ مجھ سے دل برداشتہ ہیں۔ اے اللہ مجھے ان سے وفات دے کر آرام بخش اور ان کو ایسے شخص سے مبتلا کر کہ مجھے یاد کریں (بقول شیعہ عہدِ معاویہؓ میں شیعہ پر سختی کی وجہ دعائے مرتضوی ہی ہے م)

نہج البلاغہ۔ فروع کافی روضہ کافی وغیرہ کے جو خطبات ان شیعہ علیؓ کی مذمت اور غداری و نفاق پر آپ نے دیئے ہیں یہاں ان کی تفصیل کا موقعہ نہیں۔ صرف اتنا اشارہ کافی

ہے کہ اور تو اور اشتر نخعی جیسے خاص مصاحب علوی کے متعلق بھی خود علماء شیعہ نے نفاق و تردد کا اظہار کیا ہے حالانکہ بہ روایت صاحب مجالس المومنین حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اشتر کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو مجھے حضورؐ سے تھی۔ شوستری صاحب لکھتے ہیں۔ "اشتر کے ان اوصاف و کمالات کے باوجود سید عارف میر مختوم قدس سرہ نے اشتر کے متعلق تردد (نفاق) اور تزلزل کی نسبت کی ہے...... وہ شخص بڑا کمینہ ہے جو امتحان و آزمائش کے وقت ثابت قدم نہ رہے۔ حضرت شاہِ اولیا سے ان کی زندگی میں اس قدر خوارق باتیں اور ظاہری زندگی کے کاموں میں کمزوری ظاہر ہوئی کہ آپ کے تمام دوستوں کے قدم ڈگمگا گئے حتیٰ کہ مالک اشتر بھی۔ بجز حضرت سلمان فارسیؓ کے جو آپ کے فرزند روحانی اور یکے از اسماءِ حسنیٰ تھے اور جو لوگ ولایت خاصہ کا دودھ نہیں پیتے وہ نفاق و (ارتداد سے) محفوظ نہیں رہتے۔ (مجالس المومنین ص ۲۸۹) نہج البلاغہ کے ایک خطبہ کے موافق آپ چاہتے تھے کہ اپنے دس دس فوجی دے کر معاویہؓ سے ایک ایک فوجی کا سودا کر لیں۔ کیونکہ اس کے فوجی اور عمال وفادار و منتظم تھے۔ اور حضرت کے بے وفا و نالائق تھے۔ (و نحوہ فی البدایہ)

کہا جاتا ہے کہ معاویہؓ نے ان پر عطایا کی بارش کی ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ دولت کے لیے اتنے وفادار تھے۔ مگر دولت کی عطاء میں حضرت علیؓ معاویہؓ سے کم فیاض تو نہ تھے۔ پانچ پانچ صد درہم انعام پر صفین کے لشکر کا بھرتی ہوئے تھے۔ نصر بن مزاحم نے وقعہ صفین میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی فوج میں سے ایک شخص بھاگ گیا تو اس کی لڑکی نے پوچھا یا ابت این الخمسمائۃ۔ ابا! ۵۰۰ روپیہ کہاں ہے؟ کہنے لگا میں تو بھاگ آیا ہوں وہ ثابت قدموں کے لیے ہے۔

تعجب ہے کہ شیعہ کے خیال میں معاویہؓ کے پاس صرف دنیا تھی۔ مگر وہ وفاداری اور اطاعت میں ضرب المثل تھے۔ حضرت علیؓ کے پاس دنیا و آخرت دونوں تھیں مگر وہ غداری کرتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہی نہ ہو کہ صحابہ رسولؐ پر طعن و بدگمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان بلوائیوں سے وفا۔ اطاعت اور ایمان و اخلاص کی دولت چھین لی تھی۔

ایک شبہ کا ازالہ ممکن ہے شاید آپ کہیں کہ پھر حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ کیسی تھی۔

یا حضرت علی المرتضیٰ رضؓ میں خلافت و حکومت کی صلاحیت کم تھی؟ مگر یہ رائے سطحی اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ گو حضرت شاہ ولی اللہ جیسے محققین کی نظر میں خلافت کے دو درجے ہیں۔ خلافتِ خاصہ اور خلافتِ عامہ۔ خلافتِ خاصہ تو حضرت عثمانؓ پر ختم ہو گئی جس میں خلفاء کے مثالی اوصاف کے ساتھ مملکت میں نہایت امن و استحکام تھا۔ مگر خلافتِ عامہ حضرت علیؓ پر ختم ہوئی جس میں خلیفہ کے مثالی اوصاف کے باوجود ملک کا نظم و نسق خلل پذیر ہو گیا تھا لیکن درحقیقت حضرت علیؓ بہت معذور تھے۔ ان منافقین کے جھرمٹ میں پھنسے رہنے کے باوجود جس طرح حضرت علیؓ نے خلافت کے وقار کو سنبھالا اور کانٹوں کے درمیان اس گلِ تر کی حفاظت کی وہ آپ کی کمال لیاقت اور مدبری کی دلیل ہے۔ اگر ان کی جگہ کوئی ایسا شخص خلیفہ ہوتا جو اہلیت میں ان سے کم ہوتا تو یقیناً مدینہ کی طرح مملکت اسلامیہ سے بھی خلافت کا خاتمہ ہو جاتا اور اس کی جگہ سبائیوں کی فاسق اور گمراہ حکومت قائم ہو جاتی۔ سبائیوں کے پیدا کردہ حالات میں جتنا کام آپ نے کیا اور جس حد تک انہوں نے مفسد گروہ کے شر سے امت کو محفوظ رکھا اس سے زائد کا تصور نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ آپ کا یہ بڑا کارنامہ ہے۔ باقی یہ بات صحیح ہے کہ جس طرح فضیلت عند اللہ کے اعتبار سے ان کے پیش رو خلفاء ثلاثہ رضؓ کا مرتبہ ان سے بلند ہے۔ اس طرح تدبیرِ مملکت کی حیثیت سے بھی وہ حضرات حضرت علیؓ سے بلند و برتر نظر آتے ہیں۔ (از افادات مولانا سندیلوی شیخ الحدیث لکھنؤ)

عہدِ مرتضوی پر ایک نظر

مولانا شاہ معین الدین ندوی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں: "تعمیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد آپ کے پیشروؤں کے مقابلہ میں ناکام رہا۔ اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا جن میں آپ کو منصبِ خلافت ملا تھا اور جو بعد میں پیش آتے رہے۔ ایسے مخالف حالات میں بڑے سے بڑا مدبر فرمانروا بھی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا اور جس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا وہ بھی کسی دوسرے فرمانروا سے ممکن نہ تھا۔ پھر علل و اسباب کے تجزیہ میں مشکلات کا حضرت ابوبکرؓ کے دور سے موازنہ کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں۔

"عہدِ رسالت کے بعد سے اسلامی روح مضمحل ہو چکی تھی۔ بہت سے اکابر صحابہ رضؓ جو

خلافت کے رکن اعظم تھے۔ اٹھ چکے تھے اور ان کی جگہ نئی پود لے رہی تھی جس میں اپنے اسلاف کا سا اخلاص اور سچا جوش و ولولہ نہ تھا۔ ان کے اغراض بالکل مختلف تھے۔ متعدد اکابر صحابہؓ کو حالات نے حضرت علیؓ سے جدا کر دیا تھا۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ میں تھے آپ سے الگ ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ جو بزرگوار تھے ان کا دین و تقویٰ مسلم لیکن ان میں بہت کم صاحب تدبیر و سیاست تھے۔ پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلہ میں حضرت علیؓ صاحب تدبیر و سیاست بزرگوں کا مشورہ تک نہ قبول کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت عبداللہ عباسؓ نے آپ کو آغاز خلافت میں مشورہ دیا کہ بغیر بیعت لیے امیر معاویہؓ کو معزول نہ کیجئے ورنہ وہ آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیں گے لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں ظاہر ہوا۔ قیس بن سعدؓ جیسے مدبر کو بعض نوجوانوں کے ورغلانے سے مصر سے ہٹا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر ہاتھوں سے نکل گیا۔ تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے اپنے خلاف بنا لیا۔ آپ کے حاشیہ نشینوں اور مشیروں میں صحابہؓ کے ساتھ نوجوان نسل جدید الاسلام عرب اور نومسلم عجمی بھی تھے۔ جن کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی تڑپ نہ تھی بلکہ وہ صرف اپنی غرض کے لیے ساتھ تھے۔

آپ میں نہ حضرت ابوبکرؓ جیسا تحمل اور تواضع تھا جو مخالفین کو بھی اپنا بنا لیتا تھا اور نہ حضرت عمرؓ جیسا دبدبہ و شکوہ تھا جس سے بڑے بڑے لوگ تھراتے تھے۔ حضرت عمرؓ جب امیر معاویہؓ کو طلب کرتے تھے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ لیکن وہی امیر معاویہؓ آپ کے خلاف اٹھ کر ایک انقلاب عظیم برپا کر دیتے ہیں۔ آپ میں خود اعتمادی بہت تھی جو رائے قائم کر لیتے تھے پھر اس میں کسی کا مشورہ نہ قبول فرماتے تھے جس سے بعض اوقات نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نومسلم مجوسی تھے جو محبت اہل بیت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے جنہیں حضرت علیؓ کیا اسلام سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی۔ بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کے لیے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ انہی لوگوں نے اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی کا خاتمہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے خانہ جنگی کا دروازہ کھولا۔ پھر حضرت علیؓ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی آگ بھڑکائی اگر یہ عنصر نہ ہوتا تو جمل و صفین کے واقعات پیش

نہ آتے ....

ضمیر کے فیصلہ کے مقابلہ میں آپ مصلحت اندیشی کو بالکل راہ نہ دیتے تھے گو یہ صداقت کا بڑا درجہ ہے اور اگر ان دونوں میں تصادم نہ ہو تو ایک فرمانروا کے لیے مصلحتِ وقت کا لحاظ ضروری ہے لیکن آپ پر دل کے جذبات کی سچائی کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں مصلحتِ وقت کو نظر انداز فرما دیتے تھے۔ مثلاً عمالِ عثمانی کی معزولی خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی برطرفی مصلحت کے بالکل خلاف تھی لیکن آپ نے تخت نشین ہونے کے ساتھ یک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا جو کل آپ کے خلاف ہو گئے۔ آپ جس تقویٰ دینداری اور عدل کیساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے حالات کے تغیر سے لوگوں میں اس کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی۔

(تاریخ اسلام ندوی ص ۲۹۴، ۲۹۵ ملخصاً)

ایران کے شیعہ محقق محمد جواد مغنیہ نے فی ظلال نہج البلاغہ ج۱ ص۲۵ "علی والخلافۃ" کے عنوان سے لکھا ہے "امام کی بیعت خلافت ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی اور رمضان ۴۰ھ میں شہادت پائی خلافت پانچ سال رہی۔ چار ماہ بعد اصحاب جمل سے جنگ کی پھر صفین میں معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام سے جنگ کی پھر نہروان میں خوارج سے لڑے تو کیا فضا چھٹ گئی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مسائل سلجھ گئے اور ان (عظیم) جنگوں کے بعد ہر مشکل ختم ہو گئی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اسکے بعد اور خوفناک درکٹ و امر حا پیش آیا کہ خوارج وغیرہ حق سے منحرفین لوگوں کے اندرونی حملے علی الاعلان تھے جو بندوں کے امن کو تہ و بالا کرتے تھے معاویہ رضی اللہ عنہ باہر سے حملہ آور تھا۔ ہلاکت موت۔ گھبراہٹ اور بزدلی لگاتار تھی (حضرت کا) لشکر سست کم ہمت اور ناکام ہو چکا تھا آپ کے ساتھی کہتے تھے ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔ جیسے بنی اسرائیل کہتے تھے۔ خوبیاں صرف اللہ اور اس کے کلام کی ہیں (ج۱ ص۱۴۶ طبع بیروت)

شیعہ حضرات اپنے ممدوح اعظم کے متعلق جیسا کچھ کہیں ہمیں اس سے بحث نہیں ہم اہلسنت کو بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکریم و تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ چہارم خلیفہ راشد عادل تھے۔ شیعہ رافضی اگر ان کو خدا اور رسول کی صفات میں شریک کر کے غالی محب و گمراہ ہیں۔ خارجی ان کے ایمان و اعمالِ صالحہ کی نفی کر کے موردِ لعن ہیں۔ تو من کل الوجوہ آپ کی ناکامی اور خلیفہ راشد نہ ہونے پر پروپیگنڈہ کرنے والے سنی نما ناصبی مؤلفین بھی راہِ راست پر نہیں ہیں جبکہ آپ کی خلافت کی درستی پر اجماعِ امت ہے اور مندرجہ ذیل علماء نے

اس پر شافی بحثیں کی ہیں۔ علامہ نوویؒ۔ ابن ہمامؒ امام غزالیؒ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ۔ ابن تیمیہؒ علامہ سیوطیؒ حضرت شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء ص ۳۲ پہ لکھتے ہیں "اثبات خلافت عامہ برائے خلفاء اربعہ از اجل بدیہیات است۔"

مقام کی مناسبت سے خلافت مرتضوی کا ذکر خیر ہوا مگر حضرت امیر معاویہؓ کو شرعی باغی اور مطعون قرار دینا درست نہیں۔ گو شیعہ لوگ حضرت معاویہؓ اور اہل جمل و صفین کو نشانہ طعن بناتے رہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کو بدستور انتصار قصاص عثمانؓ میں حسن نیت کی بدولت کامیابی دے رہے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ اندیشہ صحیح ثابت ہو کر رہا کہ حضرت معاویہؓ پوری ملت اسلامیہ کے ایک دن خلیفہ بن جائیں گے کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (پ ۱۵ ع ۴)

جو ظلماً قتل کیا جائے اس کے وارث کو ہم قوت بخشتے ہیں۔ پس وہ قتل میں حد سے نہ گزرے بلاشبہ منجانب اللہ اس کی مدد ہو گی۔

حضرت علیؓ کا قطعی فیصلہ

شرکاء اور شہداء جمل و صفین کے متعلق معترض کو قاضی امت حضرت علیؓ کے اس قطعی فیصلہ پر ایمان لا کر اپنے کفر سے توبہ کر لینی چاہیے جسے آپ نے گشتی مراسلہ کے طور پر پوری مملکت میں پھیلایا۔

ومن کتاب له علیه السلام کتبه الی الامصار یقص فیه ماجری بینه و بین اهل صفین وکان بدء امرنا التقینا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستزیدهم فی الایمان بالله والتصدیق برسوله ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فیه من دم عثمان ونحن منه براء

(نہج البلاغۃ جزء ۳ ص ۱۲۵ طبع مصر)

آپ کا ایک خط یہ بھی ہے جو آپ نے گشتی مراسلہ کے طور پر اپنی مملکت میں پھیلایا اور اس میں جنگ صفین کی روئیداد بیان کی ہے "کہ ہماری اور شامیوں کی جنگ ہو گئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے اور ہمارا پیغمبرؐ ایک ہے۔ ہماری اسلام میں دعوت ایک ہے ہم ان سے خدا اور رسولؐ پر ایمان میں اضافہ نہیں چاہتے اور نہ ہم سے یہ اضافہ چاہتے ہیں۔ مذہب و عقیدہ میں سب اتفاق ہے بجز اس کے کہ دم عثمانؓ میں ہمارا اختلاف ہو گیا۔ اور ہم اس الزام سے

ے خلفاء اربعہ (راشدین) کے لیے خلافت عامہ کا ثبوت بالکل واضح ترین بات ہے۔

پاک ہیں

حضرت علیؓ کے اس فرمان نے حضرت معاویہؓ اور اہلِ شام کو برحق اور کامل مومن بنا دیا اور اختلاف کی وجہ بھی بتادی کہ وہ قصاصِ عثمانؓ ہے نہ کہ خلافتِ علوی کا انکار اور اپنے لیے دعویٰ خلافت۔ اس فیصلہ کا منکر منکرِ علیؓ ہے اور منکرِ علیؓ شیعہ کے ہاں جہنمی ہے۔ اب بتلایئے جب اہلِ شام مومن کامل ہوئے تو ان کے قاتل پر کیا فتویٰ ہو گا۔ معترض صاحب فتویٰ تو صحابہ کرامؓ پر لگانا چاہتے ہیں مگر اپنے ممدوح سمیت خود اس کی زد میں آ گئے ہے

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔

ہمارے نزدیک قرآنی آیت اور اس کا فتویٰ جماعتِ صحابہ کرامؓ پر نہیں لگ سکتا۔ جیسے عنقریب سوال ۱۳ کے تحت مفصل آئے گا۔

سوال ۱۲ کلام مجید شاہد ہے وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ (توبہ ۱۲۶)

اور ان لوگوں سے کہ گرد تمہارے ہیں بادیہ نشینوں سے منافق ہیں اور بعض لوگ مدینہ کے بھی سرکشی کرتے ہیں اوپر نفاق کے۔ تو نہیں جانتا ان کو ہم جانتے ہیں ان کو شتاب عذاب کریں گے ہم ان کو۔ پھر پھیرے جاویں گے طرف عذاب بڑے کے۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ)

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی رسول خدا کے زمانے میں منافق رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ مدینۃ الرسولؐ میں کثرت سے منافق رہا کرتے تھے۔ انتقالِ مصطفےٰؐ کے بعد مسلمانوں کی دو پارٹیاں معرضِ وجود میں آئیں ایک حکومت کی اور دوسری بنی ہاشم کی پارٹی۔ ارشاد فرمائیں کہ منافقین کس پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔ جو لوگ رسول اللہ کے زمانے میں منافق تھے انتقالِ رسولؐ کے بعد ان منافقین کو کیا آسمان نے اٹھا لیا یا انہیں زمین نگل گئی۔ یا تمام منافقین حکومت سے تعاون کرتے ہی فرشتے اور مومن بن گئے۔ ان منافقین کی نشان دہی تو کرو کہ وہ کہاں غائب ہو گئے جبکہ تاریخ شاہد ہے ان دو پارٹیوں کے علاوہ کوئی تیسری پارٹی ہی نہ تھی۔ تحقیق ضروری ہے۔

الجواب۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عہدِ نبوی میں بالعموم یہود میں سے منافق ضرور تھے۔ مگر مسلمانوں کی مجموعی تعداد کے مقابلے میں وہ ایک فیصد بھی نہ تھے۔ غزوہ بدر کے وقت ۳۱۳ - احد ۳ھ کے وقت ۷۰۰ - غزوہ خندق کے موقعہ پر تقریبا ۳۰۰۰ صحابہ کرامؓ تھے صلح حدیبیہ کے سفر میں ۱۵۰۰ یا ۱۸۰۰ کا نہایت ہی پاکیزہ لشکر تھا جن کو بیعتِ رضوان کا شرف حاصل ہوا اور بالاتفاق سنی شیعہ روایات یہ حضرات قطعی دوزخ سے نجات یافتہ اور جنتی ہیں فتح مکہ کے موقعہ پر دس ہزار کا لشکر مدینہ سے آیا تھا۔ پھر اہلِ مکہ اور دیگر اہل عرب یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا مصداق۔ فوجوں کی فوجیں مسلمان ہوتے گئے۔ غزوہ تبوک میں ۳۰۰۰۰ یا ۴۰ یا ستر ہزار صحابہؓ تھے اور حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے بھی زائد تھے۔ قاضی نور اللہ مجالس المومنین میں لکھتے ہیں۔

صاحبِ روضۃ الصفا آوردہ کہ تعدادِ صحابہ در عدد معین معلوم نیست ولیکن ضبط عدد ایشاں در بعضے غزوات واسفار وارد شدہ مانند تبوک وحجۃ الوداع در تبوک سی ہزار یا چہل ہزار یا ہفتاد ہزار و در حجۃ الوداع زیادہ از صد ہزار ملازم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بودند (مجالس المومنین ص ۱۵۳)

(شیعہ محقق) صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی معین تعداد معلوم نہیں لیکن بعض غزوات اور سفروں میں ان کی تعداد کا ذکر ملتا ہے۔ جیسے تبوک اور حجۃ الوداع۔ تبوک میں علی اختلاف الروایات ۳۰ ہزار یا ۴۰ ہزار یا ۷۰ ہزار تھے اور حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زیادہ حضورؐ کے متبع صحابہؓ تھے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم)

اس کے برعکس مشہور منافقین میں عبداللہ بن ابی۔ جُد بن قیس۔ ودیعہ بن ثابت۔ خذام بن خالد۔ ثعلبہ بن حاطب مدنی (غیر بدری ومہاجر) مجمع وزید جارثہ کے بیٹے معتب بن قشیر۔ عباد بن ازھر۔ نبتل بن حارث۔ بجاد بن عثمان (تفسیر خازن پ ۱۱ ص ۲۶۵) وغیرہم کے نام ملتے ہیں۔ یہ مسجدِ ضرار کے بانی تھے۔ عدد کے لحاظ سے بعض روایات میں ۳۰۰ بعض میں کم وبیش بہر صورت چند صد سے متجاوز نہ تھے۔ گویا وہ مسلمانوں کی بہ نسبت ایک دو فیصد بھی نہ نکلے۔ وہ باوجود سازشی ذہن رکھنے کے مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ سازشوں کا وبال خود انہی پر پڑتا تھا۔

منافقوں کے متعلق ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَشَاقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدٰی لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیْئًا وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَھُمْ (محمد پ ۲۶ ع ۶)

بے شک جو لوگ کافر ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو راہِ خدا سے باز رکھا اور بعد اس کے کہ ہدایت ان پر کھل چکی تھی۔ انہوں نے رسولؐ کی نافرمانی کی۔ وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ ان کے اعمال بہت جلد اکارت کرے گا۔

شیعہ خیال کے برعکس منافقوں کے عزائم کو کامیاب بنانے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ان کی تحمیق و تجہیل کی۔

۱۔ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

۱۔ حالانکہ حقیقی عزت (غلبہ) اللہ کی ہے۔ اور اس کے رسولؐ کی اور مومنین کی لیکن منافق (اتنا بھی) نہیں جانتے۔

۲۔ قٰتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ۔

۲۔ خدا ان کو غارت کرے کدھر بہکے جاتے ہیں۔

۳۔ فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ۔

۳۔ اب اس کا ان کے دلوں پر چھاپہ لگا دیا گیا تو وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

منافقوں کی تحمیق اور ناکامی کے متعلق مشتے نمونہ از خروارے یہ اس لیے پیش کی ہیں تاکہ شیعہ کے اس خیال کا بطلان واضح ہو جائے کہ "صحابہ کرامؓ (ماسوائے چند) العیاذ باللہ منافق اور دشمنِ علیؓ تھے۔ وہ دن بدن اس پالیسی اور مخالفتِ رسولؐ میں بڑھتے اور کامیاب ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ حضورؐ ان کی سازشوں کی وجہ سے استخلافِ علوی میں کامیاب نہ ہو سکے اور دل برداشتہ رخصت ہوئے (ملاحظہ ہو جلاء العیون صـ ۳۹) بعد وفات تو حضرت علیؓ مقہور اور صحابہؓ غالب اور خلافت راشدہ کے بانی تھے۔" کیونکہ خدا اور رسولؐ کے بالمقابل کسی کا مکر نہیں چلتا۔ گویا یہ آیات آج شیعہ پہ منطبق ہوتی ہیں۔

معترض صحابہؓ دشمنی کی وجہ سے قرآنِ پاک میں غور و فکر کی نعمت سے محروم ہے۔ ورنہ خود اس کی پیش کردہ آیت میں اس اعتراض کا جواب موجود ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ - (پ ۱۱ ع ۲)

اور بعض اہل مدینہ میں سے (بھی) نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ اے رسولؐ تم ان کو نہیں جانتے ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔ عنقریب ہم ان کو دوہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

بڑے عذاب سے مراد بعد از موت قبر اور حشر کا عذاب مراد ہے۔ اس سے قبل ان کو جلد ہی زندگی میں جو دوہرا عذاب خدا ان کو دے گا۔ کیا وہ آسمان پر اٹھا لینے یا زمین میں دھنسا دینے کے لیے کافی نہیں؟

منافقین حضورؐ کے زمانہ میں ہی اپنے عزائم میں ناکام اور مقتول و مردود ہوئے اور کچھ بعد وفات نیست و نابود کر دیئے گئے۔ اس پر ارشاداتِ ربانی ملاحظہ ہوں۔ (اس بحث میں تمام آیات کا ترجمہ شیعہ مقبول دہلوی کا ہے۔)

۱۔ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (احزاب)

تم یہ کہہ دو کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگتے ہو تو یہ بھاگنا تم کو ہرگز نفع نہ پہنچائے گا اور اس صورت میں تم کو فائدہ حیات بھی کم دیا جائیگا۔

۲۔ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (احزاب ۸۶)

تو ہم ضرور تم کو ان کے درپے کر دیں گے پھر اس شہر میں تمہارے پڑوس میں نہ رہیں گے۔ مگر بہت ہی کم اور ہر طرف سے ان پر لعنت ہوتی رہے گی۔ وہ جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ایسے قتل کیے جائیں گے جیسے قتل کیے جانے کا حق ہے۔

۳۔ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ

اور منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کی نسبت برے (برے) گمان کیا کرتے ہیں خوب سزا دے ان کی بدیوں کا پھیر ان ہی

جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (فتح ۶) پر پڑے گا اور اللہ ان پر غضبناک ہو گا اور ان پر لعنت کرے گا اور ان کے لیے جہنم تیار کر رکھا ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

جہنم کا برا ٹھکانا تو اخروی سزا ہے۔ لیکن غضب خداوندی اور لعنت تو حیات دنیا میں سے ہی ان پر شروع ہو گئی۔ حضور نے حکم قرآنی وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کی تعمیل میں ان پر سختی کی۔ محفلوں سے نکالا۔ جمعہ کے اجتماع میں ایک مرتبہ ۳۶ آدمیوں کو نام بنام الگ کیا۔ وہ مسلم معاشرہ میں علانیہ رسوا اور ذلیل ہوئے اور ذلت کی موت سے بلاجنازہ زیر زمین ہوتے گئے۔ حتی کہ بقایا عہد صدیقی میں کھلے ارتداد۔ انکار زکوٰۃ اور جھوٹے متنبیوں کی اتباع کی وجہ سے مقتول و ملعون ہوئے۔

منافق مخذول و مردود ہوئے

"گلے از گلزار سے" کے تحت ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ منافقوں کو اللہ نے دنیا میں شتاب و ہرا عذاب دیا۔ ان کا رشتہ حیات ختم کر دیا گیا۔ وہ بجز معمولی عرصہ کے مسلمانوں کے آس پاس رہ ہی نہ سکے۔ بایں صورت بھی ان پر لعنت و پھٹکار پڑتی رہی۔ وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے۔ کما حقہ قتل و غارت سے برباد ہوئے۔ مشرکین کی طرح اللہ نے منافقوں کو دنیا میں عذاب دیا۔ سازشوں کا وبال خود ان پر ہی پڑا اور وہ خدا کے غضب و لعنت کے شکنجے میں گرفتار ہوئے۔ جہنم کا آخری عذاب اس پر مستزاد ہو گا۔

بغض صحابہؓ کی وجہ سے بصارت قرآنی سے محروم معترض بصیرت قلبی سے غور کریں کہ قرآن پاک نے منافقوں کی نشاندہی میں کوئی دقیقہ باقی چھوڑا؟ اور کیا ان کو آسمان کا اٹھانا اور زمین کا نگلنا قرآن نے بیان نہ کر دیا؟

معلوم ہوا کہ بموجب قرآن حکیم منافق حضور کے زمانہ میں ہی ختم ہو گئے اور کچھ وفات نبوی کے بعد کھلے مرتد ہو کر مقتول و مردود ہوئے۔ منظم جماعت کی شکل میں ان کا وجود باقی ہی نہ رہا کہ وہ علی الاعلان اسلام کی مخالفت کرتے یا بقول شیعہ مرتضیٰ دشمنی ان کے قول و عمل سے ٹپکتی یا وہ منافقانہ اسلامی حکومت میں ملکر اپنا اثر پھیلاتے کیونکہ ایسا ناممکن تھا۔ قرآن حکیم کی کھلم کھلا تکذیب لازم آتی۔ لہذا گنتی کے چند افراد نامعلوم طور پر ۹/۱۰ حصے دین تقیہ پر عمل کر کے

رہتے ہوں گے۔ مرنے پہ صاحب السر حضرت حذیفہؓ بن الیمان ان کی نشاندہی کر دیتے تو ان کا جنازہ بھی نہ پڑھا جاتا۔ حضرت عمر فاروقؓ مزید سختی کرتے (البدایہ والنہایہ زاد المعاد وغیرہ) رہا یہ کہ "کیا تمام منافقین حکومت سے تعاون کرنے ہی فرشتے اور مومن بن گئے" تو گزارش یہ ہے کہ مندرجہ ذیل آیت کی روشنی میں امکان ضرور ہے کہ بچے کھچے منافقین میں سے کچھ افراد مخلص تائب ومومن ہو گئے ہوں۔

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (احزاب ع ۳)	اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کر لے بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اگر شیعہ بھائی کو یہ آیت چبھے تو وہ قرآنی الفاظ میں ہی رسی آسمان کی طرف لٹکا کر گلے میں پھندا ڈال لے۔ شاید اس کا غیظ و غضب اس تدبیر سے ختم ہو جائے (حج ع ۲)

بنو ہاشم کو وفاتِ نبویؐ کے بعد حکومت کے مدمقابل ایک پارٹی کہنا صریح جھوٹ ہے۔ طبری کی معہودہ روایت کے پیش نظر جب بنو ہاشم کے سردار حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی بیعت کر لی تو سب بنو ہاشم نے بھی کر لی۔ بنو ہاشم سمیت سب امت کا حضرت ابو بکرؓ پہ اتفاق اور ان کی بیعت۔ سوال ۲ کے جواب میں باحوالہ گزر چکی ہے۔ ہاں شیعہ کا یہ خیال ہے کہ سب امت میں سے حضرت علی۔ ابوذر۔ مقداد۔ اور سلمان و عمار (رضی اللہ عنہم) نے تقیہ کر کے بغیر رضا حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی تھی (ملاحظہ ہو روضہ کافی ص ۱۱۵۔ احتجاج طبرسی ص ۴۸۔ اصول کافی ص ۲۲۶ رجال کشی) مگر بیعت تو سب نے کر لی۔ بنو ہاشم بھی مستثنیٰ اور الگ نہ رہے اور سوائے مشہور متعصب کے کسی شیعہ کی یہ تصریح (کہ بنو ہاشم حکومت سے الگ پارٹی تھی) میرے ناقص مطالعہ سے نہیں گزری۔ بلکہ متعصب مجتہد قاضی نور اللہ شوستری نے کئی جگہ لکھا ہے۔

حضرت امیر و سائر بنی ہاشم از روئے اکراہ با ابی بکرؓ بظاہر بیعت کردند (مجالس المومنین ص ۲۲۴)	کہ حضرت علیؓ اور سب بنو ہاشم نے مجبوراً حضرت ابو بکرؓ کی بظاہر بیعت کر لی۔

بغیر ثبوت و دلیل کے ان بزرگوں کی ظاہری بیعت کو با جبر و اکراہ اور دل کے مخالف

کہنا گویا مسلمانوں کے ساتھ صرف ظاہری موافقت کا نفاق حضرت علیؓ اور آپ کے دوستوں کے لیے ثابت کرنا صرف شیعہ کو زیبا ہے کسی مسلمان کی جرأت نہیں

قرآن میں منافقوں کی علامات

ہے۔ منافقوں کی تحقیق و تعیین دو طرح ہی ہو سکتی ہے۔ ۱۔ قرآن میں مذکور ان کے اوصاف و کردار کی روشنی میں۔ ۲۔ قرآن میں مذکور ان کے انجام کی روشنی میں۔ پہلی بات میں قرآن نے ان کے یہ اوصاف بیان کیے ہیں۔

۱۔ وہ بقول خود بڑے مومن و پاکباز بنتے ہیں۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقرہ ۱) اور آل عمران میں ہے کہ "وہ یہودی منافق مومن کہلا کر صحابہ رسولؐ سے دشمنی اور جلن رکھتے تھے۔" وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ

۲۔ وہ اپنے کفریہ عقائد پر تقیہ و کتمان کا غلاف چڑھا کر مسلمانوں کو اپنے متعلق دھوکہ میں رکھتے ہیں۔

يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا (بقرہ ۱) وہ خدا کو اور مومنوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

۳۔ وہ اصحاب رسول اللہ سے دشمنی رکھتے ان کی حمایت و مدد سے مسلمانوں کو روکتے ہیں تاکہ صحابہؓ کی جمعیت منتشر ہو جائے۔

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا (منافقون پ ۲۸)

یہ وہی تو ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا کے پاس جو لوگ ہیں ان پر اپنا پیسہ خرچ نہ کرو تاکہ وہ بھاگ جائیں۔

۴۔ وہ خود کو معزز شریف قوم کہتے اور صحابہؓ کو ذلیل و برا کہہ کر مدینۃ الرسولؐ سے بے دخل کرنا چاہتے ہیں۔

يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ

وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ پلٹ کر گئے تو جو زیادہ عزت دار ہے وہ مدینہ سے زیادہ ذلیل کو ضرور بر ضرور نکال دے گا۔

۵۔ وہ عہدِ نبوی کے عام لوگ (صحابہ کرامؓ) کی طرح ایمان نہیں لاتے نہ ان کی علمیت وبزرگی کے قائل ہیں، بلکہ ان کو نادان و بے وقوف کہتے ہیں۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۔ تو انہوں نے یہ کہہ دیا کیا ہم اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بے وقوف ایمان لے آئے۔

۶۔ وہ سنتِ رسولؐ کی پیروی سے روکنے جماعتِ رسولؐ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے اور فساد پھیلاتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۔ خبردار رہو یہ لوگ بلاشک مفسد ہیں ولیکن سمجھتے نہیں۔

۷۔ وہ توحید و رسالت کے کلمۂ اسلام کو پڑھ کر بے اعتبار و بے نجات ماننے اور دعوے ایمان میں جھوٹ بولتے ہیں۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۔۔۔ اِلٰی لَكٰذِبُوْنَ ۔ جب منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم ضرور اللہ کے رسول ہو ۔۔۔۔۔ یہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

۸۔ وہ سابقون اولون مہاجرین و انصار اور ان کے نیکی میں پیروکاروں (اہلِ سنت والجماعت) کو خدا کے پسندیدہ اور جنتی بالکل نہیں مانتے بلکہ ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ تبھی تو اللہ نے پ ۱۱ ع ۲ میں آیت والسابقون کے بعد ان کٹر منافقوں کا ذکر کیا ہے جو معترض نے لکھا۔

۹۔ وہ اہلِ بیتِ نبوی ازواج الرسول امہات المومنین کی عصمت و کردار پر طعن و شبہ کرتے۔ حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کو برا بھلا کہہ کر خدا و رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ (احزاب) ۔ بالتحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ اللہ نے ان پہ دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے۔

۱۰۔ وہ ایک زرعِ محمدی سے اگ کر فصلِ بہاری کی طرح تمام روئے زمین پہ چھا جانے والے صحابہ رسولؐ وانقلاب نبوت کی تعمیر و ترقی سے جل سڑ کر لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ

ذیاکر ان کے ذریعہ سے کفار کو غصہ دلائے) کا طوق گلے میں لٹکاتے ہیں۔ منافقین ان دس خصوصیات کے حامل تھے وہ تو انجام قرآنی قتل ذلت اور دوہرے عذاب سے مر مرا گئے۔ اب اگر شیعہ اسے نہ مانیں تو وہ خدارا بنظرِ انصاف دیکھیں کہ یہ اوصافِ عشرہ خود ان میں پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ اور وہ منافقین کے سچے جانشین بنے یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ حضرت جعفر صادق رح کا ارشاد ہے "کہ اللہ نے منافقوں کے متعلق کوئی آیت نہیں اتاری مگر وہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔" (رجال کشی ص ۱۹۳)

رہی دوسری بات کہ منافقوں کا انجام قرآنی کیا ہوا تو

شیعوں پر علاماتِ نفاق منطبق ہیں

منافقوں کی نشان دہی چاہنے والے شیعہ دوست اپنے اس عقیدہ پر غور کریں کہ بعد وفات نبوی اہلِ بیت اور ان کے شیعوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گئے۔ چن چن کر قتل کر دیئے گئے۔ ان پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا۔ عہدِ صحابہ رض میں وہ پنپ ہی نہ سکے۔" پھر ان مظالم پر آج شیعہ کا ہزاروں صفحات کا لٹریچر گواہ ہے۔ اور شیعہ کی گریاں و نالاں ماتمی شکلیں شاہد عدل ہیں۔ شیعہ کے خاتم المحدثین بھی روتے ہوئے ایک شیعہ امام سے ناقل ہیں۔

حضرت امیر علی رض کی بیعت، پھر قتل و غدر، حضرت حسن رض کی بیعت۔ پھر اہلِ کوفہ کا ان پر قاتلانہ حملہ، حضرت حسین رض کی بیعت، پھر مریدوں کے ہاتھوں ان کی شہادت جیسے

و آنہا کہ با او بیعت کردہ بودند شمشیر بر روئے او کشیدند ہنوز بیعتہائے آنحضرت در گردنِ ایشاں بود کہ او را شہید کردند بعد ازاں پیوستہ با اہلِ بیت ستم کردند و مارا ذلیل گردانیدند و از اموال خود محروم ساختند و سعی در کشتن ما کردند و مارا خائف و ترساں داشتند وایمن نبودیم بر خونہائے خود و خونہائے

اور جن لوگوں نے (بواسطہ مسلم بن عقیل) حضرت حسین رض کی بیعت کی تھی خود انہی نے حضرت حسین رض پر تلوار اٹھائی اور شہید کر ڈالا حالانکہ حضرت کی بیعت ابھی ان کی گردن میں تھی۔ اس کے بعد مسلسل ان لوگوں نے اہلبیت پر ظلم کیے اور ہم کو ذلیل کیا اور اپنے مالوں سے ہمیں محروم کیا۔ ہمارے قتل کی کوششیں کیں ہم کو خائف اور ڈرنے والا بنا رکھا ہم اپنے

دوستان خود الخ (جلاء العیون ص ۲۶۴) اور مخلص دوستوں کے خون سے مطمئن نہ رہے۔

سوال یہ ہے کہ منافقوں کے متعلق قرآنی پیشینگوئیاں، بدترین سزائیں اور خوفناک انجام بقول شیعہ ان لوگوں پر تو صادق نہیں آگئے۔؟ انصاف مطلوب ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اگر ان پر صادق نہیں مانتے تو ان لوگوں پر بھی صادق نہیں آسکتے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق تاجِ خلافت پہنایا۔ اپنے مرتضیٰ و پسندیدہ دین کو ان کے ہاتھوں سے مضبوط کیا۔ ان کے خوف کو امن سے بدلا۔ ان کو صرف اپنا عابد اور شرک سے بیزار بنایا۔ (النور ع ۷) نصف دنیا میں اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھوں سے لہرایا۔ قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں میں ڈال دیئے۔ سوائے رافضی شیعہ کے سب لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت و عظمت ڈال دی اور تا دمِ زیست اللہ کا فضل و احسان ان کے شاملِ حال رہا۔

تو معلوم ہوا کہ منافقوں کا معمولی ٹولہ عہدِ نبوی اور اس کے متصل ہی خدائی اطلاعات کے مطابق نیست و نابود ہو گیا۔ اس کا مصداق نہ خلافتِ راشدہ کے بانی اور فاتح عرب و عجم اور عالمی مبلغینِ اسلام صحابہ کرامؓ ہیں۔ نہ حضراتِ اہلِ بیت کرامؓ۔ شیعوں کا جھوٹ شیعہ کو مبارک ہو۔

سوال ۱۳۳۔ مذہبِ اہلِ سنت والجماعت کی بنیاد چار اصولوں پر ہے۔ ۱۔ قرآن مجید ۲۔ حدیث المصطفےٰ ۳۔ اجماع ۴۔ قیاس۔ سقیفہ کی کارروائی کو پیش نظر رکھ کر ارشاد فرمائیں۔ کیا خلافتِ ثلاثہؓ قرآنِ مجید سے اور حدیث سے ثابت ہے یا کہ اجماع کی مرہونِ منت ہے۔ ہاں اگر اجماعی خلافت ہے تو قرآن مجید لا رطب و لا یابس الا فی کتٰب مبین (پ ۷) پر غور فرما کر ارشاد فرمائیں۔ ان بزرگوں نے قرآنِ پاک سے اپنی خلافت کو کیوں ثابت نہ کیا جبکہ قرآنِ مجید میں ہر خشک و تر کا ذکر موجود ہے اگر سقیفہ کی کارروائی میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کی تصدیق میں کوئی آیت و حدیث پیش نہیں کی تو آج کا مسلمان کیا حق رکھتا ہے کہ وہ ان بزرگوں کی خلافت قرآن و حدیث سے ثابت کرے۔

الجواب۔ شیعہ دوست کے اعتراف کے مطابق الحمد للہ اہلِ سنت کے مذہب برحق

بنیاد چار چیزیں ہیں۔ جیسے مکان کی چار دیواریں بنیاد ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم اور حدیثِ مصطفیٰ کا بنیادِ مذہب حقہ ہونا تو واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (پ ۶ ع ۷)
اور یہ کتاب جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔ بابرکت ہے پس اس کی پیروی کرو

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر ۱۶)
جو تمہیں رسول دیں لے لو اور جس سے منع کریں باز آجاؤ۔

اجماعِ امت بھی تیسرے نمبر پہ بنیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت کے کسی ذو معانی یا مشکل مسئلہ کا فیصلہ کرنا ہو تو سب امت کے اتفاق سے یا اہلِ علم حضرات کی اکثریت سے جو فیصلہ ہوگا وہی برحق اور مرادِ خدا و رسول سمجھا جائے گا۔ یا کوئی نیا مسئلہ درپیش ہو اور قرآن و سنت سے اس کا واضح حکم نہ مل سکے تو امت کے معتمد علماء اس کا جو فیصلہ بالاتفاق کریں گے وہ حجت سمجھا جائے گا۔

اجماع کا جواز عقلاً بھی ہے اور سمعاً بھی۔ عقلی دو دلیلیں ہیں۔ ۱۔ قرآنِ حکیم اور جملہ دینِ خداوندی ہم پچھلوں تک چند وسائط سے پہنچا۔ اور ان وسائط کا قطعی یقینی اور محفوظ عن الخطاء والعصیان ہونا ضروری ہے۔ پہلا واسطہ جبریل علیہ السلام کا ہے۔ جو قطعی امین ہیں۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ بے شک وہ روایت ہے ایک بزرگ فرشتے سے جو صاحبِ طاقت۔ خدا کے ہاں معزز اپنے حلقہ میں متبوع و رئیس ہے اور پھر امانت دار ہے۔ دوسرا واسطہ خود سرورِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے جن کا جملہ گناہوں سے اور تبلیغ رسالت میں ہر قسم کی بھول چوک سے معصوم و محفوظ ہونا متفقہ مسئلہ ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ دین کے بارے میں پیغمبر اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان کو بھیجی جاتی ہے۔

تیسرا واسطہ صحابہ کرام کا ہے جو نزولِ قرآن و شریعت کے عینی شاہد ہیں براہِ راست زبانِ رسالت مآب سے تحصیل۔ سماع اور تلقی بالقبول کر کے دین و دنیا کی تمام کام لیا۔

سمیٹنے والے ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ان کو مبلغ امت ہونے کی سند اور اجازت بھی مل گئی۔ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ حاضرین غائبین تک میرے یہ احکام پہنچا دیں (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۳۶ خطبہ حجۃ الوداع)

اس طبقہ اولی کی طرح بدستور ہمارے زمانہ تک اور تاقیام ساعت آئندہ نسلیں اس بات کی مکلف ہیں کہ وہ پہلوں سے دین و شریعت سیکھ کر پچھلوں تک پہنچائیں۔ ہر زمانہ میں کروڑوں نفوس کا ایک چیز سیکھنا۔ اعتقاد رکھنا اور پھر عمل کر کے دوسروں تک پہنچا دینا، یہی اجماع امت کی حقانیت و صداقت پر دلیل ہے۔ اگر جبریلؑ و مصطفیؐ کی طرح یہ واسطہ قطعی نہ ہو اور امت مجموعی طور پر تبلیغ دین میں غلطی اور سہو سے پاک نہ ہو تو ہم لوگ ایمان لانے کے مکلف نہ ہوں۔ اس لیے کہ کس یقین سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قرآن خدائی کلام ہے۔ حضرت محمد رسول اللہؐ سچے پیغمبر تھے۔ اور یہ وہی بعینہ دین و شریعت ہے۔ جو چودہ سو سال قبل حضورؐ پر نازل ہوا لہذا اجماع امت اور تواتر کا یقینی حجت ہونا ضروری ہے۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نبوت ختم ہو گئی۔ اب آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہو گا نہ کتاب اترے گی جس میں زمانے کے نئے مسائل تفصیلی جزئیات کی شکل میں بیان کیے جائیں گے۔ اسلام قیامت تک رہے گا۔ کروڑوں مسلمان بھی قیامت تک رہیں گے۔ زمانہ کے انقلابات۔ مختلف قوموں کے ساتھ میل جول۔ بین الاقوامی تہذیب و تمدن۔ سائنس کی روز افزوں ترقی۔ برقی ایجادات۔ دشمن اسلام طاقتوں کے بالمقابل تحفظ اسلام کیلئے عصر حاضر کے سائنٹفک طریقے۔ وغیرہ ہزاروں مسائل ہیں جو رفتار زمانہ کے ساتھ عہد صحابہؓ سے لے کر تاہنوز پیدا ہوتے آ رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ان مسائل کے حل کے لیے بنیادی ماخذ گو قرآن و سنت ہی ہیں اور سینکڑوں دفعات ان میں مل سکتی ہیں۔ لیکن ان کی نشاندہی۔ جزئیات کی تفصیل و تشریح اور ان کا تعین۔ ان پر عمل کے طریقے سب امت کے معتمد علماء کے اتفاق و اجماع سے منصۂ شہود پر آئیں گے۔ مسائل جدیدہ کے حل کے لیے اگر اجماع امت اور قیاس کا لچک آمیز اصول موجود نہ ہو تو اسلام ایک جامد مذہب ہی۔ قرن اول کے لیے بن کر رہ جائے گا۔ اور زمانہ کی ترقی و رفتار کا چیلنج قبول نہ کر سکیگا۔

ہاں شرط یہ ہے۔ کہ اجماع وقیاس قرآن وسنت کے تابع ہی ہوں گے۔ گویا ان کی نسبت یہ دو فرعیں ہیں۔ قرآن وسنت کی کسی واضح تعبیر اور حقیقت کے برعکس نہ اجماع ہوسکتا ہے اور نہ معتبر ہے۔ اور نہ قیاس واجتہاد کی گنجائش ہے۔

سمعی اور نقلی دلائل۔ اجماعِ امت کی حقانیت پر دلائل تو بے شمار ہیں۔ یہاں چند پر اکتفا کی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (نساء ۱۲۶)

اور جو شخص وضوحِ ہدایت کے بعد رسول اللہ کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے سے الگ چلے ہم اسے ادھر پھیریں گے جدھر جائے اور جہنم میں داخل کریں گے۔

دخولِ جہنم کے لیے مخالفتِ رسول کافی ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مومنین کے راستہ کی مخالفت اور غیر اتباع کو ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ سبیل المؤمنین اتباعِ نبوی سے جدا نہیں بلکہ اسی طرح واجب الاتباع راستہ ہے۔ بلکہ اتباعِ نبوی کی یہ واضح اور عملی تفسیر ہے۔ فرض کرو ایک شخص خوارج کی طرح پیغمبرؑ کے کسی قول یا فعل سے (کلمۃ حق ارید بہا الباطل کا مصداق) ناجائز استدلال کرتا ہے اور کوئی مسلمان اس کی تائید نہیں کرتا۔ تو وہ کھلا گمراہ ہے۔ کیونکہ اپنے دعویٰ میں گو اتباعِ رسولؐ کرتا ہے۔ مگر جب اتباعِ سبیل المؤمنین کی اسے سند حاصل نہیں یا وہ سبیل المؤمنین کا کھلا منکر و مخالف ہے۔ تو آیتِ بالا کی رو سے وہ گمراہ اور جہنمی ہے۔ شیعہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ دخولِ جہنم کا یہ حکم۔ مخالفتِ رسولؐ اور مخالفتِ جماعتِ مومنین کے مجموعہ پہ لگایا گیا ہے جیسے تنہا اتباعِ رسولؐ کا حکم قرآنِ پاک میں آیا ہے۔ اسی طرح تنہا جماعتِ مومنین کی اتباع کا حکم دکھایا جائے۔ تب اہلِ سنت کا استدلال تام ہوگا (ملاحظہ ہو تفسیر مجمع البیان طبرسی زیر آیت ہذا ۵)

لیکن اس اعتراض میں کوئی جان نہیں کیونکہ اتباعِ سبیل المؤمنین کو قرآنِ پاک نے یہ درجہ تو دے دیا کہ وہ اتباعِ نبویؐ کے ساتھ مذکور ہے۔ تو دونوں واجب الاتباع

ٹھہرے فھوالمقصود۔ اگر مسلمانوں کے طریقہ کی مخالفت مضر نہ ہو اور اس مخالفت سے اتباعِ نبوی پر حرف نہ آئے تو یہاں اس کے ذکر کا کوئی معنی ہی نہیں۔ قرآن پاک تو بیانی سے پاک ہے۔

علاوہ ازیں اتباعِ مومنین کا صراحتہً اور حکماً بھی امر موجود ہے اور ان کی مخالفت حرام ہے۔ ارشاد ہے

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔ — اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

شانِ نزول اور سیاق و سباق کی روشنی میں یہاں صادقین سے مراد وہ تمام (۳۰- ۴۰، ۷۰ ہزار علی اختلاف روایات) صحابہ کرامؓ مراد ہیں جنہوں نے غزوۂ تبوک میں حضورؐ کا ساتھ دے کر اپنے قول و فعل کو سچ کر دکھایا۔

۲۔ نیز سابقون اولون۔ مہاجرین و انصار کی اتباع کرنے والے بعد کے مومنین کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ (توبہ ع ۱۲)

(اسلام قبول کرنے میں) سب سے پہلے اور آگے جانے والے تمام مہاجرین اور تمام انصار سے اور ان لوگوں سے جنہوں نے نیکیوں میں ان کی پیروی کی۔ خدا ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ ان کے واسطے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

معلوم ہوا کہ بعد والوں کے لیے خدا کی رضا، جنت میں داخلہ اور بڑی کامیابی۔ مہاجرین و انصارؓ کی اتباع پر ہی منحصر ہے اور اتباع اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان کو قابل اعتماد، سچا اور گمراہی سے محفوظ نہ مانا جائے۔ مہاجرینؓ و انصارؓ اور عام امت کے اجماع کی حقانیت پر اس سے واضح دلیل کیا ہو سکتی ہے۔

چند احادیث بھی کتب شیعہ سے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت علیؓ مہاجرین و انصارؓ کے متعلق یہی فرماتے ہیں۔

ماکنت الا رجلا من المهاجرین اوردت کما اوردوا و اصدرت کما اصدروا وماکان اللہ لیجمعھم علی الضلال (شرح نہج البلاغہ بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص۱۹۵)

میں بھی مہاجرین رض کا ایک فرد تھا جہاں وہ گئے میں بھی گیا۔ جہاں سے وہ پلٹے میں بھی پلٹا (یعنی بالاتفاق ہم مہاجرین رض نے خلفائے ثلاثہ رض کی بیعت کی) اللہ پاک نے ان کو گمراہی پر متفق نہیں کر دیا تھا۔

۲۔ نیز اہلِ شام کی مذمت میں کہتے ہیں۔ لیسوا من المہاجرین والانصار (شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص۲۸۶) وہ نہ مہاجر ہیں نہ انصار۔ تاکہ ان کی بات حجت سمجھی جائے۔ (معلوم ہوا مہاجرین والانصار رض کا اجماع حجت ہے۔ نیز حضرت امیر کا ارشاد ہے۔

۳۔ الزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان۔ (نہج البلاغۃ ص۲۶۱)

بڑی اکثریت کا دامن پکڑ لو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ علیحدگی اور تفرقہ بازی سے بچو۔ کیونکہ جماعت سے الگ شیطان کا شکار ہے جیسے ریوڑ سے الگ بکری بھیڑیے کا شکار بن جاتی ہے۔

کیا ان ارشاداتِ مرتضوی سے خلافتِ ثلاثہ رض، مہاجرین رض والانصار رض اور اجماع امت اور مذہب اہلِ سنت والجماعت کی صداقت وحقانیت اظہر من الشمس نہیں ہے؟ ایک معجزہ میں حدیثِ قدسی کے طور پر من جانب اللہ حضور ؐ کو فرمایا گیا کہ تیری آل کی طرح

۴۔ وصحابہ تو بہتر انداز صحابہ ایشاں وامت تو بہتر انداز امتہائے ایشاں (حیات القلوب ج ۲ ص۱۶۴)

تیرے صحابہ رض بھی اور پیغمبروں کے صحابہ رض سے اور تیری امت بھی دوسروں کی امتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔

معراج کی رات آپ ؐ نے شراب اور دودھ میں سے دودھ کو اختیار کیا تو حضرت جبریل ؑ نے بشارت دی۔

ہدایت یافتی وامت تو ہدایت یافتند (حیات القلوب ج ۲ ص۲۷۱)

آپ نے بھی ہدایت پائی اور آپ کی امت نے ہدایت پائی۔

حضورؐ نے فرمایا حق تعالیٰ کی طرف سے میری امت کو تیسرا عطیہ یہ ملا کہ پہلی امتوں پر ان کے رسولؑ گواہ تھے مگر

۶۔ امت مرا گواہ بر جمیع خلق گردانید چنانچہ میفرماید لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۷۷)	میری امت کو تمام مخلوق پر گواہ بنایا چنانچہ ارشاد ہے۔ تاکہ ہو جاؤ تم (اے امت محمدیہ) سب لوگوں پر قیامت کے دن گواہ۔
۷۔ و ایشاں را بر گمراہی جمع نمی کند (حیات القلوب ص ۱۳۸)	آپ کی امت اور صحابہ کو اللہ گمراہی پر جمع نہ کرے گا۔
۸۔ و ملت تو بہترین امتہا است۔ (حیات القلوب ص ۱۴۱)	آپ کی امت سب امتوں سے بہتر ہے۔

حق تعالیٰ نے سابقہ تمام امتوں پر امتِ محمدیہ کو (حسب روایت مجلسی از حضرت علیؓ در حیات القلوب ص ۱۳۷ تا ۱۳۹) جن ۲۰ باتوں میں فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۹۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ	تم سب امتوں سے بہتر ہو کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے بنائے گئے ہو اسی لیے ہم نے تم کو اعلیٰ امت بنایا کہ تم لوگوں پر روز قیامت گواہی دو۔
۱۰۔ و ایشاں را بر گمراہی جمع نمی کند	اور ان کو خدا گمراہی پر جمع نہ کرے گا۔

(تلک عشرۃ کاملہ) کیا ان واضح ارشاداتِ خداوندی۔ فرامین نبویؐ اور فرموداتِ مرتضویؓ کی موجودگی میں اس امت کی صداقت اور اجماع کی حقانیت میں کسی کو شک و شبہ ہو سکتا ہے کیا اجماعِ امت کو حجت نہ ماننے والے اب بھی مسلمان اور امتِ محمدیہ کہلائیں گے؟

قیاس کی ضرورت اور مشروعیت اجماع کے بیان میں قدرے گزر چکی ہے۔ نقلاً صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے۔

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ	اگر وہ اس بات کو رسولؐ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو صاحبانِ علم ہیں۔ لوٹاتے

يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ (نساء ۶ ۱۱) تو البتہ وہ لوگ جان لیتے جو ان میں سے مسائل نکالتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اولوالامر (صاحبانِ اجتہاد و قیاس) صحابہ کرام ہی سے ہوں گے اور وہ قرآن و سنت سے مشکل مسائل کا استنباط اور حل پیش کریں گے۔ عام امت کو ان کی طرف رجوع اور پھر اتباع کرنی ہوگی۔ شیعہ حضرات اس اصول کو عقل سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا وہ عقل کو قرآن و سنت کے تابع کرنے کے بجائے نصوص کو عقل کے تابع بنا دیتے ہیں اور ان کی تاویلات کرتے ہیں۔ جبکہ اہلِ سنت نئے مسئلے اور نصوص میں ایک مشترک علت تلاش کر کے عقل کے مطابق حلت و حرمت کا حکم اس پر لگاتے ہیں۔

شیعہ حضرات چاروں اصول کے منکر ہیں

قارئین آپ کو تعجب تو ہوگا کہ چاروں اصول جب قرآن و سنت سے قطعاً ثابت ہیں تو شیعہ ان سے کیوں اعراض کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ ان چاروں اصولوں کے منکر ہیں۔ تبھی تو وہ اہلِ سنت مسلمانوں پر غیظ و غضب کے دانت پیستے رہتے ہیں۔ کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

مسئلہ تحریفِ قرآن

ا۔ یہ قرآنِ حکیم ان کے مذہب کی بنیاد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی صحت و صداقت پر ان کو اعتماد ہی نہیں۔ وہ اپنی دو ہزار متواتر احادیث کی رو سے اسے محرف۔ بدلا ہوا۔ اور خدائی تنزیل سے کم و بیش مانتے ہیں۔

۱۔ اصولِ کافی ج ا میں یہ باب مستقل باندھا گیا ہے۔ باب فیہ نکت و نتف من التنزیل فی الولایۃ (اس بات کا بیان کہ قرآنِ کریم میں سے عقیدہ امامت کے متعلق آیات میں خاص الفاظ نکال دیئے گئے ہیں) یہ باب اصول کافی طبع جدید تہران ج ا ص ۴۱۲ سے ص ۴۳۶ تک پھیلا ہوا ہے اس میں سے ۹۱ آیات محرفہ کی فہرست راقم نے تیار کی ہوئی ہے۔ تفصیل کا موقعہ نہیں۔ اسی کتاب میں اور مقامات پر بیسیوں آیاتِ محرفہ کا ذکر اس کے علاوہ ہے۔

۲۔ شیعہ کے نہایت مستند ترجمہ و حواشی از مقبول دہلوی میں مستند کتب شیعہ کے حوالہ جات سے جگہ جگہ ان آیاتِ محرفہ کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تقریباً ۲۴۰ عدد آیات راقم نے اپنی بیاض میں قلمبند کی ہوئی ہیں۔ بطورِ نمونہ ملاحظہ ہو۔ آیت وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا پ وَكَوْ

انهم فعلوا ما یوعظون بہ پ - ان الذین کفروا وظلموا پ ،

۳ - اصول کافی باب النوادر میں ہے -

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ان القرآن الذی جاء بہ جبریل علیہ السلام سبعۃ عشر الف آیۃ -

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ جو قرآن حضرت جبریلؑ حضورؐ پہ لائے تھے وہ سترہ ہزار آیتیں تھیں -

حالانکہ موجودہ قرآن پاک میں ۶۶۶۶ آیات ہیں ۔ شیعہ کے خیال میں دو تہائی قرآن لوگوں نے نکال دیا -

۴ - قال السید المحدث الجزائری ما معناہ ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحۃ الاخبار المستفیضۃ المتواترۃ الدالۃ بصریحھا علی وقوع التحریف فی القرآن (فصل الخطاب ص۳۰)

محدث جزائری کے قول کا حاصل یہ ہے کہ سب شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کی تحریف پر صراحتہً دلالت کرنے والی احادیث صحیح مشہور اور متواتر ہیں -

.... وان الاخبار ذالک تزید علی الفی حدیث -

اور بلا شبہ یہ احادیث دو ہزار سے زائد ہیں -

۵ - انہم اثبتوا فی الکتاب ما لم یقلہ اللہ لیلبسوا علی الخلیقۃ - (احتجاج طبرسی ص۱۲۵)

اور جامعین (صحابہؓ) نے کتاب میں وہ باتیں بڑھا دی ہیں جو اللہ نے نہیں کہیں تاکہ وہ مخلوقات کو دھوکہ دیں -

۶ - فالفہ ذو اختیارھم وزادوا فیہ ما ظھر تناکرہ وتنافرہ والذی بدا فی الکتاب من الازراء علی النبی من فریۃ الملحدین (احتجاج طبرسی ص۱۳۰ بحوالہ اہلسنت پاکٹ بک)

پس (صحابہؓ کے) صاحبان اختیار نے اس قرآن کو جمع کیا ہے اور اس میں وہ باتیں زیادہ کر دی ہیں جن کا صداقت اور فصاحت وبلاغت کے برخلاف ہونا ظاہر ہے۔ حضورؐ کی جو مذمت قرآن میں ظاہر ہے وہ ملحدوں

کے افترا کا نتیجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآنِ پاک میں صرف کمی اور تحریف نہیں ہوئی بلکہ لوگوں نے اپنے کلام کا اضافہ بھی کر دیا ہے (توبہ توبہ)

ایک سوال جب یہ قرآن شیعہ مانتے ہی نہیں تو ماننے کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں۔ پھر سب شیعہ کی تاریخ میں صرف چار عالم ایسے کیوں ہوئے جنھوں نے تحریف کا انکار کیا۔ اور صاحب من لایحضرہ الفقیہ نے اپنے رسالہ اعتقادیہ میں عقیدہ تحریف کا انکار اور مذمت کیوں کی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ کے بقول خود ہزاروں علماء و مجتہدین میں سے صرف لم کا تحریف کا انکار کرنا اس عقیدے کو اور پختہ کرتا ہے ان چاروں کا انکار بھی محض تقیہ کے طور پر ہے۔ ورنہ قائلینِ تحریف پر انھوں نے کفر یا گمراہی کا فتویٰ کیوں نہیں لگایا۔ موجودہ شیعہ علماء کا انکارِ تحریف بھی محض تقیہ اور تلبیس پر مبنی ہے۔ کیونکہ حالیہ علماء میں سے مرزا احمد علی جیسے مجتہدین کے قرآن پر اعتراضات مشہور اور شائع شدہ ہیں۔ مولوی مقبول کا ترجمہ و حاشیہ آیاتِ محرفہ کی نشان دہی کے ساتھ بار بار چھپ رہا ہے اور اس پر دہلوی شیعہ کے متعدد علماء کے دستخط اور تصدیقات موجود ہیں۔ (طبع قدیم دہلی) اور آیاتِ محرفہ کی انھوں نے تردید نہیں کی۔ کیا یہ سب کارروائی اس حقیقت کے جتلانے کے لیے کافی نہیں کہ شیعہ کا اعتقادِ تحریف یقینی ہے اور انکار محض تقیہ اور مسلمانوں کے الزام سے بچنے کے لیے بمنزلہ ڈھال کے ہے۔ اور شیعہ اس قرآنِ پاک کو کیسے مکمل اور کمی بیشی سے محفوظ مانیں جبکہ ان کے اعتقاد میں پورا قرآن صرف حضرت علیؓ نے جمع کیا اور آج امام مہدی کے پاس موجود ہے۔ وہ قریبِ قیامت ظہور فرما کر وہ اصلی قرآن لوگوں کو پڑھائیں گے۔ اصول کافی ص ۲۲۸ پر یہ باب موجود ہے۔

باب انه لم یجمع القرآن کله الا الائمة علیهم السلام وفیه عن ابی جعفر یقول ما ادعی احد من

اس بات کا بیان کہ سوائے آئمہ علیہم السلام کے کسی نے سب قرآن جمع نہیں کیا۔ اس باب میں امام باقرؒ کی یہ حدیث ہے۔ فرماتے

الناس انه جمع القرآن کله کما انزل الا کذاب وما جمعه وحفظه کما انزل الا علی بن ابی طالب والائمة من بعدہ — وفیه عن ابی جعفر انه قال ما یستطیع احد ان یدعی ان عندہ جمیع القرآن کله ظاهرہ وباطنه غیر الاوصیاء

ہیں کہ لوگوں میں سے سوائے کذاب کے کوئی بھی یہ دعویٰ نہ کرے گا کہ اس نے منزل شدہ پورا قرآن جمع کیا۔ تنزیل کے مطابق اس کی جمع اور حفاظت سوائے علی بن ابی طالب اور ان کے بعد والے آئمہ کے کسی نے نہیں کی اور ایک دوسری روایت میں امام باقرؒ نے فرمایا سوائے آئمہ شیعہ کے کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کے پاس ظاہر و باطن پورا قرآن موجود ہے۔

بلکہ قاضی نور اللہ شہید ثالث نے شیعی احادیث کے تعارض کے سلسلہ میں یہ اعتراف کیا ہے۔ کہ آج سنی شیعہ سب کا دین محرف اور غیر منزل من اللہ ہے۔

"امام باقرؒ نے فرمایا...... حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد لوگ پہلی امتوں کے نقش قدم پر چلے پس خدا کے دین میں تغیر و تبدل کر دیا اور کمی بیشی کر دی اور اللہ کے دین میں کچھ اضافہ کیا اور کچھ کمی کر دی۔ آج کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس پر یہ سب لوگ قائم ہیں۔ مگر وہ منجانب اللہ اتری ہوئی وحی کے خلاف ہے۔ زرارہ! جو بات تمہیں کہی جائے مانتے جاؤ۔ خدا تم پر رحم کرے تا آنکہ وہ مہدی آجائے تو تم کو از سر نو اللہ کا صحیح دین پڑھائے گا۔ (مجالس المومنین ج ا ص۳۴۵ ترجمہ زرارہ)

ایک شبہ کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ کتب اہل سنت میں بھی۔ تحریف کی روایات پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ محض جھوٹ اور مغالطہ ہے۔ کتب اہل سنت کی ضعیف ترین روایت بھی اس مضمون کی نہیں ملے گی "کہ قرآن کی فلاں آیت ان الفاظ سے نازل ہوئی تھی اور لوگوں نے اس کو یوں بدل دیا" درحقیقت ہماری روایات میں دو قسم کی باتیں ہیں۔

ا۔ نسخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ بعض آیات اتار کر کچھ عرصہ کے لیے اس پر عمل کروائے۔ پھر اس کے خلاف آیت نازل فرما کر سابق کی مدت عمل ختم کر دے یا اسے بالکل بھلا دے

جیسے ایک پیغمبر کی شریعت دوسری کے لیے نسخ کا سا عمل کرتی ہے۔ یہ حقیقت قرآنِ پاک سے ثابت ہے۔

۱۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا	ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے۔ نہ بھلاتے ہیں جب تک اس سے بہتر یا ویسی ہی نازل نہ کر دیں۔
ب۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ	اے رسول ہم عنقریب تم کو پڑھائیں گے۔ پھر تم نہ بھولو گے مگر جو خدا چاہے

ترجمہ مقبول

ج۔ اور روضہ کافی صلہ ۲۷ پر ہے کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ کا سلسلہ پایا جاتا ہے۔

لہٰذا آیاتِ نسخ کو مبحثِ تحریف میں پیش کر کے جدال کرنا نہایت ناانصافی ہے۔

۲۔ اختلافِ قرأۃ۔ قرآنِ پاک عربی زبان میں اترا۔ ہر زبان میں۔ لغت۔ گرامر اور ادائیگی کے لحاظ سے معمولی سا فرق ہوتا ہے۔ قرآنِ پاک میں بھی۔ بعض قبائل کے محاورات و لہجے۔ لغت اور صرفی نحوی وجوہ کے پیشِ نظر زبر۔ زیر۔ پیش کا سا معمولی اختلاف بعض روایات میں ملتا ہے۔ یہ سب اختلافِ قرأت کے قبیلہ سے ہے۔ کیونکہ اس میں معنوی فرق خاص نہیں پڑتا۔ برخلاف شیعہ کی لفظی تحریف کے کہ اس کی وجہ سے ان کے اعتراف کے مطابق "عقیدہ امامت" ولایتِ اہلِ بیت کو قرآن سے خارج کر دیا گیا اور کفر کے ستون اس میں کھڑے کر دیے گئے (روضہ کافی)

علاوہ ازیں۔ قرآنِ پاک عہدِ نبوی سے تاہنوز قطعی الثبوت اور قطعی التواتر ہے اور ہم اسے ہی قرآن کہتے ہیں۔ نور الانوار وغیرہ میں ہے۔

هو القران المنزل على الرسول المكتوب في المصاحف المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبهة	کتاب اللہ قرآن پاک ہے جو رسول اللہ پر اترا اور مصاحف میں لکھا گیا ہے اور آپ سے منقول ہو کر آ رہا ہے اور بلا شبہ متواتر ہے۔

روایتیں اختلافِ قرأت کی ہوں یا نسخ کی۔ بہرحال وہ اخبارِ آحاد ہیں۔ متواتر اور قطعی قرآن نہیں۔ لہٰذا ان سے معارضہ شیعہ حضرات کے عقیدہ تحریف سے نہیں ہو سکتا۔ جو ان چھ قرارو

کے ساتھ مبنیہ حقیقت ہے۔ ۱۔ روایاتِ تحریف دو ہزار سے زائد ہیں۔ ۲۔ روایاتِ تحریفِ قرآن شیعہ کی مستند سے مستند کتاب اصولِ کافی تک میں ہیں جو امامِ مہدی کی مصدقہ ہے۔ ۳۔ تحریفِ قرآن پر ہی صاف دال ہیں۔ ۴۔ قرآن کی طرح متواتر ہیں۔ ۵۔ شیعہ ان کے مطابق تحریفِ قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ ۶۔ قرآن کا محرف ہونا نقل کے علاوہ عقل کے بھی موافق ہے کیونکہ دشمنانِ شیعہ (صحابہ کرامؓ) کے ہاتھوں جمع شدہ اور منقول ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تشریح "ہم سنی کیوں ہیں؟" ص۱۶۵ تا ص۱۷۱ میں ملاحظہ کریں۔

احادیثِ نبویہؐ کا انکار

۲۔ احادیثِ مصطفیٰ بھی شیعہ مذہب کی بنیاد نہیں ہو سکتیں۔ اولاً گو شیعہ زبانی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرسل من اللہ مانتے ہیں لیکن تبلیغِ رسالت میں کوتاہی کا الزام ضرور لگاتے ہیں۔ جب منصبِ نبوت سے مقصود تبلیغِ احکام کا سلسلہ پورا کامیاب نہ ہوا۔ تو رسولؐ کو ماننا غیر مفید ہی رہا۔ تقیہ کا گھناؤنا الزام حضورؐ پر بھی لگاتے ہیں چند روایات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت صادقؒ سے پوچھا گیا کہ آیا رسولِ پاکؐ لوگوں کے خوف سے تقیہ بھی کرتے تھے۔ فرمایا۔ آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ پاک آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔) نازل ہونے کے بعد تقیہ نہیں کیا۔ پہلے کبھی کبھی کرتے تھے (حیاتُ القلوب ج۲ ص۱۱۸)

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حج کے متعلق جو مختلف احادیث آئی ہیں ممکن ہے بعض تقیہ پر محمول ہوں (الضّا ج۲ ص۵۳۷)

۳۔ حضورؐ کو بار بار ولایتِ علیؓ کی تبلیغ کا حکم ملا اور یہ کہ اس کا منکر کافر اور بیعت میں شریک کرنے والا مشرک ہے۔

پس حضرت رسولؐ ترسید از قومِ خود مبادا اہلِ شقاق و نفاق پراگندہ شوند و بجاہلیت و کفر خود برگردند (الصافی ص۵۴۲)

پس حضرت رسولؐ اپنی قوم سے ڈر گئے۔ مبادا مخالف و منافق بگڑ جائیں اور جاہلیت و کفر کی طرف پلٹ جائیں۔

۴۔ رسولِ خدا از ترسِ قومِ خود بغار رفت وقتیکہ ایشاں را بسوئے خدا دعوت

رسولؐ خدا اپنی قوم سے ڈر کی وجہ سے غار میں چھپ گئے۔ جب ان کو خدا کی طرف دعوت

میکرد۔ (جلاء العیون ص۲۵۹) دیتے تھے۔

۵۔ لشکرِ اسامہ رضؓ کی تیاری اور لوگوں کو جہاد پہ آمادہ کرنا۔ اور فضائلِ قتال وشہادت بیان کرنا محض اِس وجہ سے ہے۔

مدینہ از ایشاں خالی شود واحدے از منافقان در مدینہ نماند (حیات القلوب ج۲ ص۵۵۹) تاکہ مدینہ ان سے خالی ہو جائے اور کوئی منافق مدینہ میں نہ رہے (اور حضرت علی رضؓ سے نزاعِ خلافت کوئی نہ کر سکے)

غور کیجئے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی لوگوں کے ڈر سے تقیہ کریں۔ ارکانِ حج بھی غلط ادا کریں۔ حضرت علی رضؓ کی ولایت کی تبلیغ میں سستی کریں۔ دعوتِ توحید دیتے ہوئے قوم سے ڈر کر غار میں چھپ جائیں۔ تو دین کے کس مسئلہ پر اعتماد رہے گا۔ اور کونسی حدیثِ مصطفیٰ ؐ قابلِ عمل ہوگی۔ جبکہ (العیاذ باللہ) آپؐ کی نیت جیشِ اسامہ رضؓ کے جہاد سے مدینہ کو منافقوں سے خالی کرانا اور حضرت علی رضؓ کے لیے خلافت کی راہ ہموار کرنا ہے۔ مگر صد افسوس آپؐ کی آخری تدبیر بھی ناکام ہوگئی اور وہ منافق خلافت پر قابض ہو گئے۔

کیا حضورؐ کی حسنِ نیت اور کامیابیٔ مقصد پہ اس سے بدترین حملہ بھی ہو سکتا ہے؟ کیا شیعہ نے بعثتِ رسالت کی ناکامی پر صریح شہادت نہ دے دی؟

ثانیاً۔ جب شیعہ حضرات۔ حضورؐ کی عمر بھر تبلیغی جدوجہد کے بعد بھی صرف تین چار آدمیوں کے آپ سے ایمان و ہدایت پانے کے قائل ہیں — حالانکہ یہ بھی مغالطہ ہے۔ کیونکہ کشف الغمہ ج ا ص۱۷۹ کے بیان کے مطابق۔ حضرت ابوذر رضؓ سلمان رضؓ۔ ابو الدرداء رضؓ حضرت علی رضؓ کی شاگردی اور اتباع سے مومن و فیض یافتہ ہیں اور سوائے حضرت مقداد رضؓ کے سلمان رضؓ۔ ابوذر رضؓ اور عمار رضؓ کو بھی ایمان میں شک تھا۔ (حیات القلوب ج ۲ ص۶۷۶ از شیخ کشی بسند حسن از امام باقر رح)۔ باقی سب صحابہ کرام رضؓ کو تو وہ کھلا مرتد کہتے ہیں (اصول کافی ج ۲ ص۲۴۶ وغیرہ) تو وہ حدیثِ مصطفیٰ ؐ کسی صحابیؓ سے حاصل نہیں کر سکتے۔ اور نہ رسالت پہ دعویٔ ایمان کوئی عقلمند تسلیم کرے گا۔ یہ انکار ایسا ہی ہے کہ۔ ایک شخص کہے میں اس ڈاکٹر کو نہیں مانتا کیونکہ یہ جعلی سند رکھتا ہے۔ دوسرا کہے میں بھی علاج نہیں کرواسکتا۔ کیونکہ مستند تو ہے مگر سوائے

گھر کے چند آدمیوں کے ۔ جو بیمار ہی کبھی نہ ہوئے ۔ جن ہزاروں مریضوں کا اس نے علاج کیا سب مر گئے ایک بھی صحت یاب نہ ہوا ۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں اس ڈاکٹر کے منصب کے منکر ہیں ۔ ایک ظاہر دوسرا باطن ۔ مگر دوسرا زیادہ خطرناک ہے ۔

ثالثاً ۔ رہا بواسطہ حضرت علیؓ حدیثِ مصطفےٰؐ کا بنیادِ مذہب ہونا ۔ یہ بھی ناممکن ہے ۔ کیونکہ شیعہ کے اعتقاد میں حضرت علیؓ کا علم حضورؐ کی تعلیم اور واسطہ سے ہے ہی نہیں ۔ بلکہ وہ بیدائشی منجانب اللہ لدنی اور عطائی ہے ۔ حضرت علیؓ پیدائشی جاہل اور کافر نہ تھے ۔ کہ حضورؐ سے علم اور اسلام سیکھتے ۔ باقر علی مجلسی لکھتے ہیں ۔

حضرت علیؓ نے پیدا ہوتے ہی حضرت نوحؑ وابراہیمؑ کے صحیفے ۔ حضرت موسیٰؑ کی تورات اور حضرت عیسیٰؑ کی انجیل ایسے سنا دی کہ ان انبیاء سے بھی افضل یاد تھی جن پر یہ نازل ہوئیں اور اگر وہ ہوتے اعتراف بھی کر لیتے ۔

پس قرآنے کہ بر من نازل شدہ تلاوت نمود بے آنکہ از من بشنود (جلاء العیون ص ۱۸۰)	پس جو قرآن مجھ پر بعد میں نازل ہوا وہ بھی مجھ سے سنے بغیر فر فر سنا ڈالا ۔

جب حضرت علیؓ نے آپ سے سنے بغیر قرآن پڑھا ہوا تھا (حالانکہ ۸ سال قبل از بعثت نزولِ قرآن کا بھی تصور نہ تھا) تو قرآن کی تعلیم اور تشریح میں بدرجہ اولیٰ آپ محتاج پیغمبرؐ نہ تھے ۔ چنانچہ آپ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (وہ نبی ان مومنوں کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے) کے عموم سے خارج ہیں ۔ لہٰذا شیعہ کی منزل بر پیغمبرؐ قرآن اور اس کی تعلیم و حکمت سے محرومی بالکل واضح ہے ۔ یہی نبوت کا کھلا انکار اور حدیثِ مصطفیٰؐ سے حرمان کی دلیل ہے ۔ اور ان کو حدیث مصطفیٰؐ کی ضرورت کیسے ہو ۔ وہ تو نبوت کے برعکس امامت کو مانتے ہیں ۔ اور یہ بھی مثل نبوت منجانب اللہ خدائی عہدہ ہے جو اتباعِ نبویؐ کے بجائے انتخابِ خداوندی سے ملتا ہے ۔ امامت رسالت سے بھی افضل ہے ۔ عصمت نزولِ وحی ۔ حلال و حرام میں خود مختاری ۔ نئی امت (بنامِ شیعہ) کی تاسیس اس کے انکار پر فتویٰ کفر میں نبوت کے ساتھ شریک ہے ۔ لفظاً اصطلاحی فرق کے علاوہ کوئی شیعہ نبوت و امامت میں واقعی امتیاز نہیں بتلا سکتا ۔

شیعہ اور اہل سنت میں فرق

شرع نبویہ کے بجائے شرع امامیہ شیعہ کا معمول ہے۔ کیونکہ مسلمان تو وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (جو تم کو رسولؐ دیں وہ لو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ۔) پر عمل پیرا ہیں۔ مگر شیعہ مذہب کے امام جعفرؒ فرماتے ہیں۔

ماجاء به علی اخذه وما نهی عنه انتهی عنه

جو شریعت علیؓ لائے ہیں میں وہ لیتا ہوں اور جس سے وہ روکیں رکتا ہوں۔

مسلمان تو صرف حضورؐ کو افضل الخلق۔ اور آپؐ کے برابر سب پیغمبروں کو بھی نہیں مانتے مگر شیعہ امام فرماتے ہیں۔

جری له من الفضل ماجری لمحمد ولمحمد الفضل علی جمیع من خلق الله .... وکذلک یجری الائمة الهدی واحد ابعد واحد۔

حضرت علیؓ کی وہی فضیلت ہے جو محمدؐ کی ہے۔ محمدؐ خدا کی تمام مخلوق پر (سوائے علیؓ کے) فضیلت رکھنے میں یہی مساویانہ مرتبہ اور شان یکے بعد دیگرے آئمہ ہدیٰ کی ہے۔

مسلمان تو حدیث مصطفیٰ ؐ کو ہی حرز جان اور واجب العمل جانتے ہیں مگر شیعہ حضرات احادیث آئمہ کے قائل اور ساری شریعت ان سے لیتے ہیں۔

مسلمان تو مصدر اتباع فاتبعونی کے تحت صرف حضورؐ کو مانتے ہیں۔ مگر شیعہ امام حضرت علیؓ کی دعوت دیتے ہیں۔

کان امیرالمومنین الباب الذی لایوتی الامنه وسبیله الذی الامن سلک بغیر لایهلک وامعل کان ط کعنی

امیرالمومنینؓ ہی صرف وہ دروازہ ہیں جس میں داخل ہونا پڑتا ہے اور وہ راستہ ہیں۔ جس پر چلنا ضروری ہے۔ سلو اجو اس راستے کے بغیر چلا، ہلاک ہوا۔

مسلمان تو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو اپنانے میں فخر جانتے ہیں۔ مگر شیعہ امام کا فتویٰ ہے،

لیس شی من الحق فی ید الناس الاما خوج من عند الائمة وان کل شی لم

لوگوں کے ہاتھ میں کوئی بھی سچی بات نہیں بجز اس کے جو آئمہ اہل بیتؓ سے نکلے اور ہر

یخرج من عندھم فھو باطل — وہ چیز جو ان سے نہ نکلے وہ باطل ہے۔

(کذا فی اصول کافی ص۳۹۲)

شیعہ ائمہ کے پاس برحق حسب بیان سابق تعلیمات نبوی سے تو ہو ہی نہیں سکتا اس سے جدا کوئی چیز ہے جو ان ائمہ پر نازل شدہ صحائف سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ شیعہ کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ ہر امام پر ایک مستقل صحیفہ نازل کیا گیا اور وہ اسی پر عمل کرتے تھے۔

کلینی نے سندِ معتبر کے ساتھ روایت کی ہے کہ حریز نے حضرت صادقؒ سے پوچھا آپ لوگ جلد ہی وفات کیوں پا جاتے ہیں حالانکہ لوگوں کو آپ کی احتیاج زیادہ ہے۔ حضرت فرمود ہر یک از ما صحیفہ دارد کہ آنچہ باید در مدتِ حیاتِ خود بعمل آورد در آں صحیفہ است چوں آں صحیفہ تمام مے شود میداند کہ وقتِ ارتحال اوست (جلاء العیون فصل سوم)

حضرت نے فرمایا ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک آسمانی کتاب ہے کہ جو کچھ امام کو اپنی زندگی میں کرنا ہوتا ہے۔ وہ سب اس میں لکھا ہوتا ہے۔ جب وہ صحیفہ تمام ہو جاتا ہے تو امام کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے مرنے کا وقت قریب ہے۔

نیز جلاء العیون ص۱۹۱ امام حضرت حسینؓ کے حالات میں ہے۔ "دوسری معتبر روایت میں ہے کہ رسول جلیلؐ کی وفات کے وقت حضرت جبریلؑ ایک وصیت نامہ لائے (اس کے بارہ اجزا پر) بہشت کی بارہ طلائی مہریں لگائیں۔ کہ ہر امام اپنی مہر کو اٹھائے گا اور جو کچھ اس کے نیچے لکھا ہو گا اسی پر اپنی زندگی میں عمل کرے گا۔

معلوم ہوا کہ شیعہ ائمہ کے پاس حق وہ صحائف اور مہر زدہ وصیت نامے ہیں وہ ان پر ہی عمل کرتے اور شیعہ سے کرواتے ہیں۔ منزل بر پیغمبرؐ قرآن اور تعلیمات نبویہؐ سے ان کو کیا تعلق؟ کیا مرزا غلام احمد قادیانی نے بہ انکارِ ختمِ نبوت۔ ادعاءِ نبوت۔ مسلمانوں سے الگ اسلام کی تاسیس کرتے اور مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ فرقہ شیعہ کی گرد کو بھی پہنچ سکا ہے؟۔ نہیں وہ تو ان کے سامنے طفلِ مکتب ہے۔

اجماع وقیاس کا انکار — یہاں تک قرآن وحدیث مصطفےٰؐ کے شیعہ مذہب کی بنیاد نہ بن سکنے کا بیان تھا اب اجماع وقیاس کا بیان سنیے مسلمان امت

کے اجماع کے شیعہ حضرات کھلے منکر ہیں۔ وہ تقریباً ہر مسئلے ہیں۔ اصول و فروع میں حتی کہ کلمہ طیبہ تک ہیں امت محمدیہ سے الگ ہیں۔ اجماعِ امت ان کا دشمن ہے اور وہ اس کے دشمن ہیں۔ ہاں متعہ (بلا ولی اور گواہوں کے غیر خاوند والی عورت کا کسی مرد سے مقررہ اجرت پر مقررہ وقت ہیں رضامندی سے جنسی تعلق) بدا (خدا کا مستقبل سے بے خبر ہونا) تقیہ (سچائی چھپا کر جھوٹ ظاہر کرنا) تکفیر صحابہؓ جیسے مسائل ہیں وہ اجمعت الامامیۃ۔ اتفق اہل الامامۃ۔ اجمع اہل التشیع فرما کر اجماعِ شیعہ کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کتبِ فقہ واصول شیعہ۔

اہلِ سنت کے سامنے تو قیاس کی مذمت کرتے ہیں۔ مگر قرآن کریم اور حدیث مصطفیٰ کے برخلاف اپنے ہر مسئلہ کو ڈھکوسلوں سے ثابت کرتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ ورنہ تقریر ہو یا تحریر کسی بھی شرعی مسئلہ میں ان کو عقلی دلیل دینے کا اپنے مذہب کی رو سے کوئی حق نہیں پہنچتا

آمدم بر سرِ مطلب

خلفاءِ ثلاثہؓ کی خلافتِ راشدہ قرآنِ حکیم سے بھی ثابت ہے۔ اور حدیثِ مصطفےٰ سے بھی۔ اجماعِ صحابہؓ اور اجماعِ اہلِ بیت سے بھی معلوم ہونا چاہئیے۔ کہ قرآنی آیاتِ خلافت کی پیشنگوئیاں ہیں جس کا مفاد اور اوصافِ خاصہ مجموعی طور پر تمام خلافتِ راشدہ میں پائے گئے۔ پیشنگوئی میں عموماً ابہام اور عدمِ تعیین ہوتا ہے۔ مکمل ہونے پر اس کی صحیح صورتِ حال سامنے آتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ پیشنگوئی فلاں کے حق میں پوری ہوئی۔ اس سے قبل محض آغاز پر کچھ کہنا حاضرین کے علم میں غیر یقینی سا ہوتا ہے اور غیر موزوں لگتا ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کی بعثتِ رسالت کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کی دعا و بشارت حضرت عیسیٰؑ کی بشارت۔ تورات میں حضورؐ کی رسالت کی پیشنگوئی اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ فاران کی چوٹیوں سے آ کر غلبہ پانا۔ مذکور ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ آغاز پر فرمایا کرتے تھے۔

وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ	میں نہیں جانتا کہ (دنیا میں) میرے ساتھ کیا
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ۔ پ۲۶	ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا۔ میں تو صرف

مہ یہ تعریف اصول کافی ابواب المتعہ سے ماخوذ ہے۔

اپنی طرف آنے والی وحی کی پیروی کرتا ہوں۔

اور یہی مناسب تھا کیونکہ تحریک کے آغاز پر محنت سے کام کرنا پڑتا ہے نہ کہ سابقہ پیشینگوئیوں کو اپنے اوپر منطبق کرنے لگ جانا وقت گزرنے پر وہ خود بخود چسپاں ہو جاتی ہیں۔ اور دنیا پر اس تحریک کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ اس سے شیعہ دوست کے اس لغو حملے کا جواب ہو گیا۔ "کہ اگر حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کی تصدیق میں کوئی آیت و حدیث پیش نہیں کی تو آج کا مسلمان کیا حق رکھتا ہے کہ وہ ان بزرگوں کی خلافت قرآن و حدیث سے ثابت کرے۔" کیونکہ سرکار دو عالم نے بھی آغاز نبوت پر۔ انبیاء کی سابقہ پیشینگوئیوں کو نہ اپنے اوپر چسپاں کیا اور نہ اس پر ان کو دلیل بنایا۔ بلکہ بدستور اپنے مشن میں لگ گئے۔

اور سچے لوگوں کی یہی نشان ہوتی ہے۔ کہ وہ خدا کی سونپی ہوئی ذمہ داریوں کو ادا کرنے لگ جاتے ہیں۔ بحث و مناظرہ میں اور پیشینگوئیوں کے اپنے اوپر فٹ کرنے میں ایسے وقت ضائع نہیں کرتے۔ جیسے مرزا غلام احمد قادیانی دعوئ نبوت و مسیحیت کے ساتھ ہی سابقہ پیشینگوئیوں کو بطور کذب اپنے اوپر منطبق کرتا تھا۔ خدا نے اس کا جھوٹ دنیا پر آشکارا کر دیا۔ تو کیا اب ہم بھی یہود و نصاریٰ کے سامنے سابقہ انبیاءؑ کی پیشینگوئیاں بابت نبوت پیش نہ کیا کریں؟۔

مزہ اسی میں ہے کہ اپنے حق میں وہ آیات تلاوت نہ کریں تاکہ خود ستائی اور جاہ طلبی کا وہم نہ ہو بلکہ دیگر حضرات انکے حق میں وہ آیات منطبق کریں۔ جیسے حضرت علیؓ نے سورت نور کی آیت وعد اللہ الخ کو حضرت عمرؓ کی خلافت پر چسپاں کیا (شرح نہج البلاغۃ فیض الاسلام نقوی ج ۲ ص ۴۳۲) صدیق اکبرؓ نے تو بارشاد نبوی فرمایک جملہ سقیفہ کے دن بولا۔ الائمۃ من قریش۔" آسمان و زمین اور تاریخ کا ایک ایک ذرہ گواہ ہے کہ یہ ارشاد سچا ثابت ہوا۔ صدیوں تک ۔ جب تک مسلمانوں کا متحدہ نظام خلافت رہا) ۔ قریش کی حکمرانی دنیا نے دیکھی یہ شیعہ مذہب کی بات نہ تھی۔ کہ حضورؐ تو ان کے بقول) من کنت مولاہ فعلی مولاہ (بقول شیعہ جس کا میں حاکم ہوں اس کے علیؓ خلیفہ ہیں) سے خبر دیں۔ مگر العیاذ باللہ وہ جھوٹی ثابت ہو اور خلافت غصب کر کے خلیفہ کوئی اور بن جائے۔ یا اللہ تعالیٰ تو وعدہ فرما دیں یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ لوگ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونک سے بجھا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے

اگر چہ بنکر اسے برا ہی جانیں (توبہ ع ہم)

اور نور سے مراد باعتقادِ شیعہ حضرت علی رضؓ کی خلافت و امامت کا قیام مراد ہو۔ (اصول کافی صہ ۱۹۶) لیکن اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے سے عاجز آ جائیں اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ حضرت علی رضؓ سے خلافت چھین کر پھر ان کے گلے میں رسی ڈال کر گھسواتے پھریں۔ جلاء العیون صہ ۱۴۳ اور (العیاذ باللہ) خدا ہی اسے مکروہ جان کر خاموش ہو جائے۔

کمال اسی میں ہے کہ خود دعویٰ خلافت نہ کریں۔ دوسرے صحابہ کرامؓ بالاتفاق امام تسلیم کرلیں (ملاحظہ ہو مجالس المومنین ج ۲ صہ ۵۷۶) اس میں کوئی کمال نہیں کہ جگہ جگہ جلوت وخلوت میں از خود کہتے پھریں۔ ہم خدا کے بنائے ہوئے امام ہیں۔ ہم ایسے ویسے ہیں ننھے معصوم حسنینؓ کو کندھے پر بٹھا کر مہاجرین و انصارؓ کے در در پر پھریں مشکل کشا ہو کر ان سے فریاد و نصرت طلب کریں۔ مگر پانچ آدمی بھی ساتھ نہ دیں (جلاء العیون صہ ۱۸۱) بالآخر مفاد پرست اپنے بھی خواہ ہی غداری کریں اور رشتۂ حیات منقطع کرلیں۔ ان اشارات کی روشنی میں کیا شیعوں کو اپنے مذہب کی سخافت اور اہلِ بیتؓ کی توہین نظر نہیں آتی؟ پھر اس عقیدے سے توبہ کیوں نہیں کرتے۔

قرآنِ کریم اور خلافتِ راشدہ (۱۲ آیات کی روشنی میں)

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ سے وعدہ فرمایا۔

۱۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (نور ع ۷)

ان سب لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے۔ اللہ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو اس زمین میں جانشین بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو جانشین بنایا تھا اور ضرور ان کے دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کرلیا ہے ان کی خاطر سے پائیدار کر دے گا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ اس وقت وہ میری ہی عبادت

کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا پس نافرمان وہی ہیں (ترجمہ مقبول ص۲۷۰)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ۔ ۱۔ خلافت اللہ کا وعدہ ہے۔ جو کسی صورت میں ٹل نہیں سکتا۔ ۲۔ نزول کے وقت جو مسلمان موجود اور خطاب کے اہل تھے صرف ان سے وعدہ ہے۔ لہذا حضرت علیؓ کے سوا باقی شیعی آئمہ اس کے مصداق سے خارج ہو گئے۔ شیعہ مفسر طبرسی اسکے شانِ نزول میں کہتے ہیں۔ "حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا جب حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ مدینہ آگئے اور انصارؓ نے ان کو ٹھکانا دیا تو کفار باقاعدہ ان سے جنگیں لڑنے ہر سال آتے تھے اور مسلمان خوفزدہ مسلح ہو کر رہتے تھے۔ ایک مسلمان نے کہا کیا ایسا بھی ہو گا کہ ہم غالب ہو جائیں۔ اور یہ خوف امن سے بدل جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ حضرت مقدادؓ بن اسود حضورؐ سے راوی ہیں۔ آپ نے فرمایا زمین پر کچا اور خیمے کا گھر بھی نہیں رہے گا مگر کلمہ اسلام اس میں اللہ تعالیٰ عزت یا ذلت کے ساتھ داخل کریں گے۔ یا تو اللہ ان کو عزت دے گا اور معززِ اہل اسلام بنا دے گا۔ یا ان کو عاجز کر دے گا۔ تو وہ اس دنیا کے آگے جھک جائیں گے۔

۳۔ وہ خلفاء مومن کامل۔ اور نیک ہوں گے۔ خلفاء ثلاثہؓ کے ایمان و عمل پر شیعی شکوک و شبہات سب زائل ہو گئے۔ مدتِ الہمر تقیہ کامل ایمان و عمل سے مانع ہے لہذا شیعی آئمہ خارج ہو گئے۔

۴۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (یقیناً اللہ ان کو زمین میں حاکم بنائے گا) وہ زمین میں یقیناً صاحب اقتدار خلیفہ بن کر رہیں گے۔ کوئی ان سے غصب نہیں کر سکتا۔ شیعی آئمہ کو نہ حکومت ملی، نہ عوام کے دلوں پر عظمت کا سکہ بیٹھا۔ یہ سب کچھ (بقول شیعہ) ان سے دوسروں نے چھین لیا۔

صاحب تفسیر صافی لکھتے ہیں۔ ای لیجعلنہم خلفاء بعد نبیہم (یعنی یقیناً نبیؐ کے بعد ہی ان کو خلیفے بنائے گا) اگر بقول شیعہ حضرت علیؓ و مہدی مراد ہوں تو نہ لفظ جمع کا استعمال درست ہے نہ بعدیت متصل ہے۔ شیعہ علامہ طبرسی آیتِ ہذا کے تحت فرماتے ہیں۔

لیستخلفنہم۔ ای ارض الکفار من العرب والعجم۔ ان کو خلیفہ بنائے گا یعنی

عرب و عجم کی زمین کا حاکم بنائے گا۔

شیعہ کے معتمد مفسر کاشانی بھی آیت ہذا کے تحت لکھتے ہیں۔

"تھوڑے عرصہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ یہ وعدہ پورا کر دیا۔ جزیرۃ العرب ممالک کسریٰ اور روم کے شہر ان کے حوالے کر دیئے۔" شیعہ مفسر طبرسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں

والمعنیٰ لیورثنھم ارض الکفار من العرب والعجم فیجعلھم سکانھا و ملوکھا۔

معنیٰ یہ ہے کہ ان کو وارث بنائے گا عرب و عجم کے کفار کی زمین کا پس ان کو اس کا حاکم اور باشندہ بنائے گا۔

تاریخ کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ عرب و عجم کے مکین اور فرمانروا اور وارث خلفاء اربعہ راشدین رض ہی بنے۔

۵۔ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (جیسے اللہ نے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی) اس تشبیہ سے معلوم ہوا کہ یہ خلافت نبیوں کی سی حکمرانی ہوگی۔ جیسے شیعہ تفسیر مجمع البیان میں ہے مثل آدم و داؤد و سلیمان۔ اللہ تعالیٰ کی طرف استخلاف کی نسبت اس کے منافی نہیں کہ صحابہ کرام رض ان پر اتفاق کر کے ان کی بیعت کر لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے ان کے دلوں میں عظمت خلفاء ڈال کر خلفاء کا انتخاب کرایا۔ جیسے رزق۔ ملک۔ موت و حیات۔ سب اللہ ہی دیتے ہیں۔ مگر بظاہر معاون اسباب پیدا فرما دیتے ہیں اور کبھی اسباب کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے

۶۔ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ۔ ان کے خدائی پسندیدہ دین کو قوت اور شان و شوکت عطا ہوگی۔ خلفاء ثلاثہ رض کا دین حق ہی عرب و عجم میں شائع اور تمکین پذیر ہوا شیعی آئمہ کا دین تو ہمیشہ تقیہ میں رہا۔ وہ صرف گنتی کے چند نفوس ہی مومن بنا سکتے ہیں۔

۷۔ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا۔ خلفاء ثلاثہ رض کا طبعی خوف امن سے بدلا کیونکہ شیعی آئمہ کو ان کے خیال میں یا خوف ہو ہی نہیں سکتا۔ یا پھر انکو امن نصیب ہی نہیں ہوا۔ اور نہ خدا کے پسندیدہ دین کتاب و سنت کو قائم کر سکے۔

عن ابی جعفر قلت ما منعہ ان یبین للناس فقال خشی ان لا یطاع و

امام باقر رح سے میں نے پوچھا کہ حضرت علی رض کو کیا رکاوٹ در پیش آئی کہ لوگوں کے سامنے

لو ان علیا علیہ السلام ثبتت لہ قدما اقام کتاب اللہ والحق کلہ (فروع کافی ج ۵ ص ۵ ط ایران)

حق مذہب ظاہر نہ کر سکے تو فرمایا وہ ڈر گئے کہ ان کی پیروی نہ کی جائے گی اور اگر حضرت علی رضؓ کے قدم ثابت رہتے تو کتاب اللہ اور سارے حق کو قائم کرتے۔

شیعہ مفسر اس قرآنی جملہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں مدیعنی اسلام کی قوت اور پھیلاؤ کے ساتھ اللہ ان کو امن والا کر دے گا اس کے بعد کہ وہ مکہ (وغیرہ) میں خوفزدہ تھے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کے ساتھ (بلکہ) اس امت کے ان سے پچھلے لوگوں کے ساتھ بھی یہ سلوک کیا ان کو زمین میں اقتدار دیا۔ خوف کو امن سے بدل دیا اور زمین (فتوحات) میں کشادگی عطا فرمائی تو اللہ نے ان سے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا (مجمع البیان ج ۱۸ ص ۶۹)

مگر شیعہ آئمہ اس کا مصداق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ امام باقرؒ نے فرمایا۔

وما را خائف و ترساں داشتند و ایمن نبودیم بر خونہائے خود و خونہائے دوستان خود (جلاء العیون ص ۲۶۴)

اور ہم کو وہ لوگ ڈراتے دھمکاتے رہے۔ ہم اپنے اور اپنے دوستوں کے قتل سے مامون و محفوظ نہ تھے۔

۸۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا۔ دورانِ حکومت وہ صرف خدا کے پرستار اور عابد ہوں گے۔ نشہ اقتدار میں مست ہو کر خدا کو نہیں بھلائیں گے۔ خلفاء کی دینداری اور اخلاص پر یہ بڑی شہادت ہے۔ بالفرض اگر قبل خلافت زمانہ جاہلیت میں کسی سے ایسی غلطی ہوئی بھی تو مضر نہیں۔ کیونکہ دورانِ خلافت وہ ان صفات حسنہ کے ضرور حامل ہوں گے فہو المقصود۔ اہلِ سنت کے علاوہ شیعہ کے امامِ اوّل حضرت علی رضؓ بھی اس آیت کو خلفاءِ راشدین رضؓ پر منطبق فرماتے ہیں۔

حضرت عمر رضؓ کو مشورہ (برائے عدمِ شرکت در غزوہ فارس) دیتے ہوئے حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں۔

وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ وامدہ حتی

اور یہی وہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے ظاہر و غالب کر دیا اور اس کا وہ لشکر ہے جسے اس

بلغ ما بلغ وطلع حیثما طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ و ناصر جندہ (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۷ طبع مصر)

نے تیار کیا اور مدد دی حتیٰ کہ وہ پہنچ گیا جہاں پہنچ گیا اور چڑھ گیا جہاں چڑھ گیا۔ ہم اللہ کے وعدے پر ہیں وہ اپنے وعدے پورے کر رہا ہے اور اپنے لشکر کی مدد کر رہا ہے۔

یہاں حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کو اللہ کا غالب دین۔ لشکرِ فاروقی کو خدا کا ساختہ منصور لشکر فرمایا ہے۔ اور آیت کے وعدہ کے ایفاء کی خبر دی ہے۔ چنانچہ اسی خطبہ کے تحت شارح نہج البلاغہ فیض الاسلام ج ۱ ص ۴۳۳ و ابن میثم بحرانی ج ۱ ص ۱۶۲ و ۱۶۷ پر رقم طراز ہیں۔

معہ کہ یہ وعدہ آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (نور) میں مذکور ہے۔" (قدیم نہج البلاغہ کے نسخوں میں تو آیت بھی تھی مگر اب نکال دی گئی ہے۔ م)

آیت ۲ - اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (ج ۵۶)

وہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں تمکین (اقتدار) دیں گے تو وہ (باقاعدہ) نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیک کاموں کا حکم کریں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ (ترجمہ مقبول ص ۴۳۰)

اس آیت میں ان مظلوم مہاجرینؓ کا ذکر ہے۔ جو اپنے گھروں سے صرف توحید کے جرم میں در بدر کیے گئے اور پھر کافروں کے ساتھ ان کو جنگ و جہاد کی اجازت ملی۔ پھر یہاں تک نصرت و حمایت کا وعدہ فرمایا کہ ان کو خلافت دینے کا بھی وعدہ فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ دولت صرف مہاجرین صحابہ کرامؓ کو ملی۔ غیر صحابہ شیعی ائمہ نہ ان کے اوصاف سے موصوف ہوئے نہ وہ تمکین فی الارض پا کر اقامۃ الصلوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ تقیہ اور خوف کی وجہ سے سرانجام دے سکے۔ کما تقدم۔ شیعہ تفسیر مجمع البیان ج ۴ ص ۹۰ میں ہے کہ اللہ سبحانہ نے یہ مہاجرین کا وصف ذکر فرمایا ہے۔ پس معنیٰ یہ ہے کہ ان کو ہم ایسے کام کرنے کی طاقت دیں گے اور زمین میں حکمران بنائیں گے۔ تو وہ تمام حقوق سمیت نماز ادا کریں گے اور اللہ کا ان پر فریضہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔

آیت ۳ - وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ

اور وہ لوگ جنہوں نے بعد اس کے کہ ان پر

مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ (نحل ۴۱)

ظلم کیا گیا۔ خدا کی خوشنودی کے لیے ہجرت کی، ہم ضرور بہ ضرور ان کو دنیا میں رہنے کی اچھی جگہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہو گا۔

سابقہ آیت کی طرح مہاجرین سے اللہ نے دو وعدے فرمائے۔ ا۔ دنیا میں باعزت مقام اور آخرت کی کامیابی۔ ظاہر ہے کہ دنیا کا باعزت مقام رتبہ اور خلافت ہے۔ الحمد للہ خلفاءؓ کو لوگوں کے دلوں پر حکمرانی نصیب ہوئی۔

شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان پ۱۴ ص۳۶۲ میں ہے۔

ہم ان کو یقیناً دنیا میں اچھی جگہ بٹھلائیں گے اور وہ مدینہ طیبہ ہے۔ از ابن عباسؓ

وقیل لنعطینهم حالة حسنة و هی النصر والفتح وقیل هی ما استولوا علیه من البلاد و فتح لهم من الولایات

ایک تفسیر یہ ہے کہ ہم ان کو اچھی حالت دیں گے جو نصرت اور فتح کی ہو گی نیز تفسیر یہ بھی ہے کہ جو شہر اور ممالک ان کے ہاتھ پر فتح ہوئے حسنہ کے وعدہ سے وہ مراد ہیں۔

معلوم ہوا کہ خلافتِ راشدہ اور اس کی فتوحات موعودہ الٰہی اور آسمانی وحی کی صداقت کا مظہر تھیں۔

آیت ۱۲۔ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (فتح ۱۶)

تم ان پیچھے رہ جانے والے بدوؤں سے یہ کہہ دو کہ عنقریب تم ایک بڑی سخت لڑاکا قوم کی طرف بلائے جاؤ گے (یا تو) تم ان سے لڑو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے۔ پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو بہت ہی اچھا اجر عنایت فرمائے گا اور اگر تم اسی طرح روگرداں ہو جاؤ گے، جیسا کہ تم پہلے روگردانی کر چکے ہو تو تم کو دردناک عذاب سے معذب کرے گا (ترجمہ مقبول)

اس آیت میں یہ پیشینگوئی ہے کہ جہاد سے جی چرانے والے اعراب کو ایک وقت میں پھر دعوت الی الجہاد دی جائے گی۔ یا ان کو لڑنا پڑے گا یا وہ کافر مسلمان ہو جائیں گے۔

سنی شیعی مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد عہدِ نبوی میں صرف غزوہ تبوک ایسا ہوا جس میں اعراب کو دعوت دی گئی مگر اس میں جنگ ہی نہیں ہوئی۔ اور غزوۂ حنین و تبوک اس سے قبل ہو چکے تھے۔ ان میں اعراب کو دعوت نہ دی گئی تھی۔ لامحالہ اس کا زمانہ خلافتِ راشدہ کا ہے۔ غزوۂ شام و فارس کے لیے ان کو دعوت دی گئی۔ شیعہ تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۱۶۱ میں ہے کہ اس سے مراد مسیلمہ کذاب کے پیروکار بنو حنیفہ ہیں۔ از زہری: یا اہلِ فارس ہیں از ابن عباسؓ یا رومی ہیں از حسن بصری و کعب۔ تو یہ تینوں دعوتیں خلافتِ راشدہ میں ہوئیں۔

یہاں داعی کی اطاعت پر اللہ نے اجرِ حسن کا وعدہ فرمایا ہے تو یہ جہاد صحیح ہوا۔ اور داعی خلیفہ امام برحق ہوا۔

حضرت شاہ عبد العزیزؒ صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کے مخاطب بعض قبائلِ اعراب ہیں۔ جیسے۔ اسلم۔ جہینہ۔ مزینہ۔ غفار اور اشجع اور طرفین کے مؤرخین کا اجماع ہے کہ نزولِ آیت کے بعد سرورِ کائنات کے عہد میں بجز غزوۂ تبوک کے ایسا غزوہ نہیں ہوا جس میں اعراب کو دعوت دی گئی ہو۔ اور غزوۂ تبوک اس آیت پر منطبق نہیں ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے۔ تم جنگ کرو گے اپنے حریفوں کے ساتھ۔ یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ مگر ان میں سے ایک بات بھی تبوک میں نہ ہوئی۔ معلوم ہوا وہ دوسرا امر کہ ہے تو یقیناً یہ داعی خلفاءِ ثلاثہؓ میں سے ہے۔ کہ جس نے اعراب کو مرتدین کے مقابلے میں دعوتِ جہاد دی۔ جیسے خلیفہ اول حضرت صدیقؓ کے عہد میں۔ اور خلیفہ ثانیؓ کے عہد میں اہلِ فارس و روم کے ساتھ جنگ کی اعراب کو دعوت دی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء میں تقریر کا حاصل بھی یہی ہے کہ نزولِ آیت کے بعد غزوۂ خیبر میں تو اعراب کو دعوت ہی ممنوع تھی۔ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ۔ فتح مکہ میں جنگ کی صورت نہ تھی۔ غزوہ حنین و طائف میں بارہ ہزار مسلح اسلامی لشکر کے مقابلے میں بنو ثقیف کمزور و ارذل تھے۔ نہ کہ صاحبانِ باسِ شدید۔ گو مسلمانوں کو کثرت کے گھمنڈ میں ابتداءً کچھ نقصان اٹھانا پڑا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ آیت عہدِ نبوی کے بجائے خلافتِ راشدہ کے متعلق پیشینگوئی ہے۔

آیت ۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۱۲ مائدہ ک)

اے ایمان لانے والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا (تو خدا کا کچھ نقصان نہیں) خدا عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہے اور اس کو وہ دوست رکھتے ہیں۔ مومنوں کے لیے وہ رحم دل ہیں (اور) کافروں کے لیے سخت راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ فضل خدا ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور خدا تعالے صاحب علم و وسعت ہے (ترجمہ مقبول ص ۲۴۹)

عہد نبوی کے بعد مرتد ہونے والے لوگوں سے جہاد کرنے والے مومنوں کی اس آیت میں خوب توصیف و تحمید کی گئی ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ان سے جہاد صرف حضرت ابوبکر صدیق رض اور آپ کے لشکر نے کیا۔ منکرین زکوٰۃ۔ مرتدین اور جھوٹے متنبیوں سے بلاخوف ملامت کنندگان حضرت ابوبکر صدیق رض نے اس ثابت قدمی اور جرأت و حوصلہ سے مقابلہ کیا اور ایک دن میں فوج کے ۱۱ دستے تیار کر کے مختلف محاذوں پر بھیجے اور ہر طرف سے فتح پائی۔ یہ ایسا کارنامہ ہے کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت عمر رض کا مقولہ مشہور ہے۔ "کہ میں اپنی عمر کے نیک اعمال ابوبکر رض کو صرف ایک رات اور دن کے عمل کے بدلے میں دینے کو تیار ہوں۔ رات وہ کہ جس میں غار ثور میں حضور ؐ کی تنہا رفاقت و پاسبانی کی۔ اور دن وہ جس میں مرتدین کے ساتھ جہاد کیا (مشکوٰۃ) یہ دولت جہاد صرف حضرت ابوبکر رض کو حاصل ہوئی۔ نہ حضرت علی رض اور دیگر یازدہ شیعی آئمہ کو۔ کیونکہ عہد نبوی کے بعد حضرت علی رض کو بھی نہ کفار سے جہاد نصیب ہوا نہ سختی کرنے کا موقعہ ملا۔ وہ تو ملامت کرنے والوں کے خوف کی وجہ سے بقول شیعہ اصلی اسلام کو بھی ظاہر و نافذ نہ کر سکے (روضہ کافی ص ۵۹، ۶۰)

اہل جمل و صفین پر چڑھائیاں کر کے حضرت علی رض کو اس کا مصداق بنانا بھی قطعاً غلط ہے کیونکہ شیعہ اعتراف کے مطابق اہل جمل صرف باغی تھے اور باغی بنص قرآن مومن ہے کافر و

منافق نہیں (کشف الغمہ ص۔ روضہ کافی ص ۱۸۱) اور اہلِ شام بھی مومن و خاطی تھے۔ جیسے تفصیلاً گزر چکا۔ تو معلوم ہوا۔ اس آیت کے مصداق حضرت ابوبکرؓ اور آپ کا لشکر کا اہل مومن۔ خدا کے محب اور محبوب۔ مومنوں پر مہربان اور کافروں پر سخت۔ مجاہد فی سبیل اللہ طعن و ملامت سے بے نیاز اور خدا کے خصوصی فضل سے مشرف ہیں۔ وللہ الحمد۔

مولانا عبد الشکور لکھنویؒ اس آیت (قتال مرتدین) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اسے حضرت مہدی کے عہد پر بھی چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔ اول یہ کہ آیت لفظِ منکم تبلا رہی ہے کہ یہ پیشگوئی صرف زمانہ نزول کے مخاطبین کے ساتھ خاص ہے۔ اگر عام مانا جائے تو خلاف مشاہدہ اور بطلان لازم آئے گا۔ آج کے مرتدین پر کون سی قوم مسلط ہوتی ہے۔ دوم بفرضِ محال عام بھی مانیں تو بھی آیت میں شرط و جزا کے بیان کے مطابق جب کبھی فتنہ ارتداد ہو تو اس پر قوم مسلط ہونی چاہیئے۔ اور یہ مسلم ہے کہ آخر عہدِ نبویؐ اور خلافتِ اولیٰ میں فتنہ ارتداد ہوا۔ لہٰذا ان پر قوم موصوف کا تسلط ضروری ہوا۔ المختصر متواتر واقعات کا انکار ناممکن ہے۔ شیعہ کے مفسرین و مؤرخین اسے عہدِ صدیقیؓ کے متعلق تسلیم کر رہے ہیں۔ (منہاج الصادقین وغیرہ) (ملخص ص ۳۲۷ تفسیر آیاتِ قرآنی۔)

آیت ۶۔ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ وَعْدَ اللَّهِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (روم ۶)

اور اس دن ایمان والے اللہ کی نصرت سے خوش ہوں گے۔ وہ جس کی چاہتا ہے نصرت فرماتا ہے۔ اور وہ زبردست اور بڑا حکمت والا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کبھی وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں (ترجمہ مقبول ص ۸۱۴)

یہ آیت غزوہ روم اور مسلمانوں کی فتح سے متعلق ہے۔ کہ ایک وقت آئے گا۔ فارس پر مسلمان غالب و حاکم ہوں گے اور وہ مغلوب و محکوم۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو عہد فاروقیؓ میں پورا کیا۔ اگر آپ کی خلافت برحق نہ ہوتی یا وہ ناقص الایمان ہوتے تو قرآن مجید میں ایسی پیشینگوئی قطعاً نہ آتی۔ کافی کتاب الروضہ ص ۲۷ پر ہے۔

کہ ابو عبیدہ نے امام باقرؒ سے اللہ کے ارشاد الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّومُ کے متعلق پوچھا تو

فرمایا۔ اس کی حقیقت اللہ اور آلِ محمدؐ کے پختہ عالموں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس روم سے مراد شام اور اس کے آس پاس کے علاقے مراد ہیں۔ یعنی فارس رومیوں پر غالب ہونے کے بعد عنقریب مغلوب ہو جائیں گے۔

یعنی یغلبهم المسلمون فی بضع سنین لله الامر من قبل ومن بعد یومئذ یفرح المومنون بنصر الله ینصر من یشاء فلما غزا المسلمون وافتتحوها فرح المسلمون بنصر الله قال قلت الیس الله عزوجل یقول فی بضع سنین وقد مضی للمومنین سنون کثیرة مع رسول الله صلی الله علیه وسلم وفی امارة ابی بکر وانما غلب المومنون فارس فی امارة عمر فقال الم اقل لک ان لهذا تاویلا وتفسیرا والقرآن یا ابا عبیدة ناسخ ومنسوخ اما تسمع لقول الله عزوجل لله الامر من قبل ومن بعد یعنی الیه المشیئة فی القول ان یوخر ما قدم فی القول الی یوم القضاء بنزول النصر فیه علی المؤمنین فذلک قوله یومئذ یفرح المومنون بنصر الله ینصر من یشاء ای یوم یحتم القضاء فیه بالنصر

یعنی مسلمان کچھ سالوں میں ان رومیوں پر غالب آجائیں گے (کیونکہ) اختیار پہلے بھی اللہ کو ہے اور بعد میں بھی اللہ کو ہوگا اور جس دن مومن خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد کے ساتھ وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہے۔ پس جب مسلمانوں نے روم والوں سے جنگ کی اور اسے فتح کر لیا تو مسلمان اللہ کی مدد پاکر خوش ہو گئے۔ میں نے کہا کہ کیا اللہ نے چند سالوں کا لفظ نہ کہا تھا؟ حالانکہ مسلمانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں بہت سال گزر گئے۔ اور مومنوں کو فارس پر غلبہ تو حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا تو حضرت باقرؑ نے فرمایا کہ میں نے تجھے نہ کہا تھا کہ اِس آیت کی تاویل و تفسیر ہے اور اے ابوعبیدہ! قرآن میں ناسخ و منسوخ بھی ہے۔ کیا تو نے اللہ کا فرمان نہیں سنا؟ آگے اور پیچھے اختیار اللہ کا ہے یعنی اسی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی بات کو مومنوں پر مدد والے یقینی دن تک لیٹ کر دے پھر تو اس قولِ الٰہی سے یہی (فتحِ روم)

مراد ہے" کہ اس دن مومن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔ اللہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔ یعنی اس دن میں کہ مدد کا یقینی فیصلہ کرے گا۔"

عام روایات کے مطابق تو رومیوں کے غلبے کی بشارت ہے۔ عہد نبوی یعنی جنگ بدر کے دن کہ مسلمانوں کو دوہری خوشی ہوئی تھی۔ مگر امام باقرؒ نے اس شیعہ تفسیر کے مطابق ویومئذٍ کو الگ مستقل جملہ بنا کر عہد فاروقی میں فتح روم کی پیشگوئی بنایا۔ اور لغت و گرامر اس کے متحمل ہیں۔ وللہ الحمد والفضل ما شہدت بہ الشیعۃ)

کس قدر وضاحت کے ساتھ حضرت امام باقرؒ نے نصرت خداوندی۔ مسلمانوں کی خوشی اور فتح فارس کے ضمن میں حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کی حقانیت اور آپ کے لشکر کے ایمان وصداقت کو بیان فرمایا۔

آیت ۷۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ (پ ۲ بقرہ ۱۶۷)

شیعہ مفسر طبرسی سے اس آیت کا ترجمہ و تفسیر یہ ہے۔

"جو لوگ ایمان لائے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کی اور جو لوگ مہاجر بنے یعنی رشتہ داروں کو چھوڑا۔ گھروں سے جدا ہوئے۔ اپنے مال چھوڑ دیئے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یعنی خدا کی فرمانبرداری میں جو اس کے بندوں کے لیے مقرر راستہ ہے۔ کفار سے جہاد کیا.... یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ یعنی دنیا اور آخرت میں اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں جو دنیا میں نصرت و فتح سے ہو گی اور آخرت میں ثواب ملنے سے ہو گی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حسب بشارت الٰہی ان مہاجرین ومجاہدین کو دنیا میں فتح ونصرت حاصل ہو کر رہی۔ اسی کا نام خلافت راشدہ کی صداقت ہے۔ اور آخرت میں ثواب واجر اور رحم و مغفرت ضرور ملے گا۔ جو خلفاء اور ان کے پیروکاروں کے کامل الایمان جنتی ہونے کی ضمانت ہے۔

آیت ۸۔ وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا — اور بے شک زبور میں ہم نے بعد نصیحت کے یہ لکھ دیا تھا کہ (آخر میں) میرے نیک

عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ - (پ ۱۷ ع ۷، انبیاء) بندے زمین کے وارث ہو جائیں گے۔

مولوی مقبول شیعہ زمین سے دنیا کی زمین (فلسطین و شام) مراد لے کر مہدی آخر الزماں کے ساتھیوں کو وارث قرار دیتے ہیں۔

مگر یہ اس کے مخالف تو نہیں کہ مخاطب آیت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہ وسلم کے ساتھی مراد ہوں جن کے ہاتھ پر اللہ نے یہ مقدس زمین بغیر جنگ کے محض حضرت عمرؓ امیر المؤمنین خلیفہ ثانی کی شکل و علامات دیکھ کر یہود و نصاریٰ سے دلا دی تھی، جو تاریخ کا روشن باب ہے۔

شیعہ مفسر طبرسی مفسرِ اہل بیت حضرت ابن عباسؓ سے ایک تفسیر یہ نقل کرتے ہیں۔

وقیل ھی الارض المعروفۃ یرثھا امۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بالفتوح بعد اجلاء الکفار کما قال زویت لی الارض فاریت مشارقھا و مغاربھا وسیبلغ ملک امتی ما زوی لی منھا عن ابن عباس فی روایۃ اخری (پ ۱۷ ص ۶۷)

ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے معروف زمین (فلسطین) مراد ہے جس کے وارث امتِ محمدیہ کے مجاہد ہوں گے جو کفار کو جلا وطن کر کے اسے فتح کریں گے۔ جیسے حضورؐ نے فرمایا میرے آگے زمین کی گئی میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا تو جو زمین (کے ممالک) مجھے دکھلائی گئی وہ میری امت کی بادشاہی میں آئیں گے۔ دوسری روایت میں یہ ابن عباسؓ کی تفسیر ہے۔

شیعہ کو غلطی اس سے لگ رہی ہے کہ وہ الارض سے تمام زمین مراد لیتے ہیں۔

حالانکہ الف لام عہد کا ہے اس سے وہ خاص زمین مراد ہے۔ جسے یہود و نصاریٰ اپنی مقدس جگہ کہتے ہیں جو کنعان و فلسطین ہے۔ اور یہ ذکر کل ارادہ جز ایسے ہے جیسے حضرت یوسفؑ کے اقتدار میں فرمایا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ (اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں اقتدار دیا۔ پ ۱۳ ع ۱) اور بنی اسرائیل کے متعلق ہے وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ (اور ہم ان کو زمین میں اقتدار دیں گے) كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ (کہ ہم نے زمین کے مشرق و مغرب کا مالک و وارث اس قوم کو بنا دیا جو زمین میں کمزور گنے جاتے تھے پ ۹)

تینوں آیات میں الارض سے مراد مصر کی زمین ہے۔

الغرض آیت میں ایسا کوئی قرینہ اور لفظ نہیں کہ اصحاب رسول ؐ کو چھوڑ کر اصحاب مہدی کو عبادی الصالحون کا مصداق بنایا جائے۔ اس سے تو دجل و تلبیس کا الزام (معاذ اللہ) قرآن پر آتا ہے کہ جن کو بشارت و انعام سنایا جا رہا ہے ان کے کسی فرد کا بھی اس میں حصہ نہیں۔ تو ان عقلی و نقلی وجوہ سے ثابت ہوا کہ اس سے مراد اصحاب رسول ؐ اور لشکرِ فاروقی ہے۔ اور ان کی خلافت راشدہ سچی اور موعودہ الٰہی ہے جس کا منکر منکرِ قرآن ہے وللہ الحمد

آیت نمبر ۹۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (مجادلہ ع ۳ پ ۲۸)

یہ تو اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور بالضرور غالب رہیں گے۔

شیعہ مفسر طبرسی اس کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں۔ "روایت ہے کہ جب مسلمانوں کو (خندق میں) دکھلایا گیا کہ خدا ان پر شہر فتح کرے گا تو مسلمانوں نے دعویٰ کیا کہ خدا ضرور بالضرور ان پر روم و ایران کو فتح کرے گا تو منافق کہنے لگے کیا تمہارا خیال ہے کہ روم و فارس ان بعض شہروں کی طرح (معمولی) ہیں جن پر تم غالب ہوئے ہو تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔" (مجمع البیان پ ۲۸ ص ۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ قیصر و کسریٰ کی فتوحات درحقیقت خدا اور رسول ؐ کا غلبہ اور فتح تھی حضرت عمرؓ اور آپ کے لشکرِ مومنین کو اس کا مظہر اور آلہ بنایا گیا تو خلافتِ راشدہ کی حقانیت اظہر من الشمس ہو گئی۔

آیت نمبر ۱۰۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ (فتح ع ۴ پ ۲۶)

وہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول ؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور دیکھ بھال کے لیے اللہ کافی ہے۔ (ترجمہ مقبول)

شیعہ مفسر طبرسی اس کی تین تفسیریں کرتے ہیں۔ "۱۔ یعنی دینِ اسلام کو دلائل و براہین کے ساتھ تمام دینوں پر غالب کر دے۔ ۲۔ دین کو غلبہ، شوکت اور دنیا کے شہروں میں اشاعت و ترقی دے کر غالب کرے۔ ۳۔ کہ اس کی تکمیل مہدی کے نکلنے پر ہو گی۔ پس زمین میں سوائے دینِ اسلام کے اور کوئی دین نہ رہے گا۔" (مجمع البیان پ ۲۶ ص ۹۰)

تبصرہ: پہلی تفسیر کی ضرورت نہیں کیونکہ دلائل و براہین سے غلبہ اسلام تو روزِ ازل

سے حاصل تھا کون سی دلیل کو کفار توڑ سکتے تھے۔ دوسری تفسیر ہی یقینی اور معتبر ہے کہ اسی کی ضرورت تھی تاکہ کفار کو مرعوب و مغلوب کر دیا جائے اور وہ اسلام کو مٹانے کے پروگرام میں ناکام ہو جائیں۔ تیسری تفسیر دوسری کے مخالف نہیں، کیونکہ گو تکمیل خاص مصلحت کے تحت اس وقت ہو مگر دین کے غلبہ و اشاعت کا سلسلہ تو حضرت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور سے شروع ہو چکا ہے اور دشمنان مٹ گئے ہیں۔ اب اگر زمانہ آخر میں یہود و نصاریٰ کا پھر غلبہ ہو جائے۔ زمین ظلم سے بھر جائے اور حضرت عیسیٰ و مہدی علیہما السلام کے ذریعے خدا دوبارہ اسلام کا اظہار و انقلاب بپا فرما دے تو وہ جدا بات ہے اور دیگر دلائل صریحہ سے ثابت ہے اس آیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

آیت ۱۱۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (پ ۲۴ ع ۱۱ مومن)

بے شک ہم زندگانی دنیا میں اپنے رسولوں کی (بھی) مدد کرتے رہتے ہیں اور ان لوگوں کی بھی جو ایمان لائے ہیں (ترجمہ مقبول)

شیعہ مفسر طبرسی فرماتے ہیں "کہ ہم ان کی مدد کئی طرح کرتے ہیں، کیونکہ مدد حجت (اور استدلال) سے ہوتی ہے اور جنگ میں غلبہ سے بھی ہوتی ہے۔ جیسے حکمت کا تقاضا ہو اور اللہ سبحانہ، مصلحت جانتے ہوں اور مہربانی کرنے تائید کرتے اور دل کو مضبوط کرنے سے بھی ہوتی ہے اور دشمنوں کو ہلاک کر دینے سے بھی ہوتی ہے اور یہ سب قسم کی امدادیں منجانب اللہ انبیاءؑ اور مومنین کو حاصل ہوتی تھیں (مجمع ج ۲۴ ص ۲۰۶)

اس آیت کے تحت ہم کہتے ہیں کہ خود حضور علیہ السلام اور مومنین صحابہؓ کو بھی اللہ نے یہ سب نصرتیں عطا فرمائی تھیں۔ وہ حجت و استدلال سے غالب ہوئے، جنگوں میں کفار پر مظفر ہوئے۔ تائیدِ ربانی سے ان کے دل مضبوط ہوئے اور ان کے دشمن ان کی تلواروں سے ہلاک ہوتے رہے۔ اور یہ سب کچھ خلافتِ راشدہ ہی کی تشریح ہے۔ جس کی حقانیت کی یہ آیت بھی ضامن ہے۔ کیونکہ اگر ان کو اس کا مصداق نہ مانا جائے تو یہ مؤکد وعدہ و بشارت نصرت سچی ہوگی کہ مخالفین صحابہؓ شیعوں کو تو نہ ابتو ان میں سے کسی قسم کی مدد حاصل نہ ہوگی۔

آیت ۱۲۔ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ

گروہ کھیتی کے مانند ہیں کہ اس نے اپنی

فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (پ ۲۶ فتح ۴)

کو نیل نکالی پھر طاقت ور اور مضبوط ہو کر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی اب کھیتی کرنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے کفار کو غصہ دلائے (ترجمہ مقبول)

مفسر طبرسی لکھتے ہیں۔ "واحدی کہتے ہیں کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی کی دی ہے۔ پس کھیتی تو محمدؐ ہیں اور پودے اس کے اصحاب اور آس پاس رہنے والے مومن ہیں۔ جو انتہائی کمزوری اور قلت میں تھے جیسے شروع میں کھیتی (فصل) کمزور ہوتی ہے پھر موٹی اور مضبوط ہو کر بوٹا مارتی ہے (یعنی ایک سے کئی شاخیں بن جاتی ہیں) تو اسی طرح مومنین صحابہ کرام ایک دوسرے سے مل کر مضبوط ہو گئے اور خوب سخت طاقتور ہو گئے۔ اور اپنی خلافت (اسلام) پر پورے کھڑے ہو گئے" تاکہ اللہ تعالیٰ ان (کی ترقی کی) وجہ سے کفار کو چڑائے" یعنی خدا نے ان کو بہت کثیر بنا دیا اور مضبوط کر دیا تاکہ یہ خدا (کی) اطاعت پر اتفاق اور اپنی کثرت کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائیں۔" (مجمع البیان پ ۲۶ ص ۸۰)

یہ آیت سورت نور کی آیت استخلاف ہی کی تفسیر و تشریح ہے۔ کہ وہ بکثرت ہو کر فتوحات کے ذریعے دنیا پر لہلہاتی کھیتی کی طرح چھا گئے فصل بونے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ اچھے لگتے ہیں مگر کافر ان سے جلتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ممالک اور علاقے صحابہ رضی کے قبضے میں آگئے اور معلوم دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں ختم ہو گئی تھیں۔ اب شیعہ حضرات ہی انصاف کر کے بتلائیں کہ وہ صحابہ کرام کی تعمیر و ترقی اور فتوحات کے ذکرِ خیر سے چڑتے ہیں اور خلافتِ راشدہ کو بالکل برحق نہیں مانتے اور ان کے عیوب کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کی موجودگی میں ان کو کیا خطاب دیا جائے؟ جب حضورؐ کو ان کی یہ ترقی اور کثرت پسند لگے اور آپ ان کو ۔ ۳ ۔ ۴ ۔ ۱۰ نفوس کہہ کر فصل اجاڑنے کا مشغلہ جاری رکھیں تو کیسے کوئی آپ کو مومن بالرسول اور خیر خواہِ اسلام باور کرے گا؟

احادیثِ مصطفیٰؐ اور خلافت راشدہ

سوال ۲۳ کے جواب میں کچھ ذکر ہو چکی ہیں شیعہ اصول پہ کچھ یہ ہیں۔

۱۔ بعض ازواجِ مطہرات کو بتلایا کہ میرے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ خلیفہ ہوں گے۔
حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۱۔ تفسیر قمی ص ۲۷۶۔ تفسیر مجمع البیان ص ۳۱۴ ج ۳۔ سورۃ تحریم۔
اصل الفاظ یہ ہیں۔ " فقال ان ابا بکر یلی الخلافۃ بعدی ثم بعدہ ابوک فقالت من انبأک ھذا قال نبأنی العلیم الخبیر۔ اس بنیادی مسئلہ پہ یہ سب سے قطعی دلیل ہے کہ فرمان و خبرِ نبوی ہے۔ اگر خلافت صدیق و فاروق کو منجانب خدا و رسول ص سچا اور فیصلہ شدہ مانا جائے تو مذہبِ شیعہ باطل ہے۔ اگر شیعہ سچے ہوں تو خدا و رسول کی صداقت ختم ہو جاتی ہے۔

۲۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو ولیعہد کی طرح امام نماز بنایا (جیسے ابنِ سعد طبری ابن اثیر ابنِ خلدون وغیرہ تمام کتبِ تاریخ میں مذکور ہے۔ اور صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ میں ہے کہ ابوبکر کو امامت کا حکم دیا اور صحابہ کرامؓ نے اس امامت صغریٰ سے امامتِ کبریٰ پہ استدلال کر کے آپ کی بیعت فرمائی۔

۳۔ متعدد مواقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیصر و کسریٰ کی فتح کی بشارت دی اور اپنی طرف نسبت کی۔ علامہ باقر علی مجلسی آیت قل اللھم ملک الملک کے تحت فرماتے ہیں۔

۴۔ معتبر روایات کے موافق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ فتح مکہ یا جنگِ خندق کے موقعہ پر حضورؐ نے خبر دی۔

کہ خدا بمن و امت من بداد ملک بادشاہان عجم و روم و یمن و منافقان گفتند کہ محمد اکتفا بمکہ و مدینہ نمے کند و طمع در ملک بادشاہاں میکند (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۵۸-۱۶۰)

خدا نے عجم روم اور یمن کے بادشاہوں کے ملک مجھے اور میری امت کو دے دیئے اور منافق کہتے تھے کہ محمدؐ مکہ و مدینہ پہ اکتفا نہیں کرتا اور بادشاہوں کے ممالک کا لالچ رکھتا ہے۔

۵۔ حضورؐ کے فرمودہ کے مطابق عجم کے بادشاہ بڑی طاقت و شوکت کے باوجود ختم ہو گئے (حیات القلوب ج ۲ ص ۔۔۔) ۔۔۔ اور حق تعالیٰ نے چند آیات دیگر میں خبر دی ہے کہ بلادِ فارس و روم کے علاوہ دیگر فتوحات اور نصرتیں خدا کی طرف سے ہوں گی۔ جن کا

ذکر یں نے بحارالانوار میں کر دیا ہے۔ (حیات ج ۲ ص ۱۶)

۶۔ ایک عرب کے مشہور عالم عبدالمسیح بن عمر و غسانی نے بشارت دی تھی۔ پیغمبر آخر الزمان کے مبعوث ہونے پر..... ملک شام و عجم ان کے بادشاہوں کے ہاتھوں سے نکل جائیگا۔ اور قیصر کسریٰ کے گرنے والے کنگروں کی مانند وہ بادشاہی کریں گے پھر ان کی بادشاہی ختم ہو جائے گی۔ جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا۔" پھر مجلسی کہتے ہیں کہ ان کے ۱۰ بادشاہ ۴ سال میں ختم ہوئے۔ باقی حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک رہے۔ اور نیست و نابود ہو گئے۔ (حیات القلوب ص ۵۶۔ جلاء العیون ص ۱۴۱)

۷۔ کئی مرتبہ حضورؐ نے اہل عرب کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ خدا اور رسول کو مان لو۔

بادشاہ عرب و عجم شوید و در بہشت بادشاہ باشید (حیات القلوب ص ۲۶۱-۲۶۳-۲۶۵)	تاکہ تم عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ اور بہشت میں بھی بادشاہ رہو گے۔

۸۔ جنگ خندق کے موقعہ پر کھدائی کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا نے پہلی چمک میں یمن کے محل مجھے دیئے۔ دوسری میں شام کے محل مجھے دیئے۔ تیسری میں مدائن کے محلات مجھے ملے اور عجم کی حکومتیں مجھے مل گئیں۔ پھر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۰۹ ج ۲ ص ۲۷۶ وغیرہ)	تاکہ اللہ تعالیٰ اسلام کو تمام ادیان (و ملل) پر غالب کر دے اگرچہ مشرک اسے ناپسند کریں۔

۹۔ جب کسریٰ نے حضورؐ کا مکتوب پھاڑ دیا تو آپ نے فرمایا

امت من بزودی مالک زمین او خواہند شد (حیات القلوب ص ۱۴۱)	میری امت جلد ہی اس کی زمین کی مالک بن جائے گی۔

قیصر و کسریٰ کے قاصدوں سے فرمایا۔ اپنے بادشاہوں سے جا کر کہو۔

کہ بادشاہی من تا منتہائے زمین خواہد رسید و ملک قیصر و کسریٰ بتصرف	کہ میری بادشاہی زمین کی انتہا تک پہنچے گی اور قیصر و کسریٰ کے ملک میری امت کے

امت من درخواہد آمد (حیات القلوب ص۴۱۷) قبضے میں آجائیں گے۔

قیصر و کسریٰ کی فتح کی پیشینگوئی کے متعلق یہ صرف ایک کتاب کی کچھ عبارات ہیں ورنہ یہ قصہ کتب شیعہ میں بھی متواتر ہے۔ باتفاق سنی شیعہ یہ فتوحات عہدِ فاروقی و عثمانی میں ہوئیں۔ آپ نے ان کی نسبتِ فتح خود اپنی طرف یا اپنی امت کی طرف کی ہے جس سے خلافتِ راشدہ کی حقانیت اظہر من الشمس ہو گئی

۱۰۔ شیعہ کی قدیم ترین معتبر تفسیر قمی (مصنفہ علی بن ابراہیم استاذ کلینی) ج ۲ ص۱۸۷ سورت احزاب حالات خندق میں ہے۔

"کہ حضورؐ نے کدال لے کر خود چٹان پر ماری تو بجلی چمکی اور ہم نے شام (و قیصر) کے محلات دیکھے پھر دوسری دفعہ ماری تو بجلی چمکی اور ہم نے مدائن (ایران) کے محلات دیکھے۔ پھر تیسری دفعہ ماری اور بجلی چمکی تو ہم نے یمن کے محلات دیکھے تو حضورؐ نے فرمایا یقیناً اللہ ان ممالک کو تم پر فتح کرے گا جو بجلی میں تم نے دیکھے۔"

خلافتِ راشدہ کی حقانیت پر اہلِ سنت کی ۱۲ احادیث

۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ ایک کنوئیں پر کھڑا ہوں۔ ڈول رکھا ہے۔ میں نے اس سے پانی کھینچا جتنا اللہ نے چاہا۔ پھر ابنِ ابی قحافہ (ابوبکر صدیق رضؓ) نے وہ لے لیا تو ایک دو ڈول انہوں نے نکالے مگر ان کے بھرنے میں کچھ ضعف تھا اللہ ان کو معاف کرے۔ پھر وہ ڈول بہت بڑا بن گیا تو اسے عمر بن الخطاب رضؓ نے لے لیا میں نے کسی زورآور کو نہیں دیکھا کہ وہ عمر رضؓ کی طرح زور و طاقت سے بھرتا ہو۔ یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہو گئے۔ (بخاری و مسلم از ابوہریرہ رضؓ وترمذی از ابنِ عمر رضؓ)

اس حدیث میں صریح اشارہ شیخین رضؓ کی خلافت کی طرف ہے اور حضرت عمر رضؓ کی خلافت

مے کافی کتاب الروضہ ص۲۱۶ طبع تہران میں محشی علی اکبر غفاری صاحب فرماتے ہیں چٹان والی یہ حدیث متواترات میں سے ہے اسے خاصہ اور عامہ سب نے بہت سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ شیخ صدوق نے بھی اپنی سند سے حضرت براء بن عازب رضؓ سے روایت کیا ہے۔ انتہیٰ۔

کی قوت اور کثرتِ فتوحات کا بھی بیان ہے اور حضرت صدیق رضؓ کی خلافت کا ضعف خلافت فاروقی رضؓ کے مقابلہ میں کثرتِ فتوحات نہ ہونے کی وجہ سے بیان فرمایا ہے۔ گو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو مدتِ خلافت صرف دو برس تین ماہ ملی۔

۲۔ ابو داؤد نے حضرت ابوبکرہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا۔ گویا ایک ترازو آسمان سے اتری اس میں آپ اور حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ وزن کیے گئے تو آپ وزنی رہے۔ پھر ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ تولے گئے تو ابوبکر رضؓ وزنی رہے۔ پھر عمر رضؓ اور عثمان رضؓ وزن کیے گئے تو عمر رضؓ وزنی رہے۔ اس کے بعد وہ ترازو اوپر اٹھا لی گئی اس خواب کو سن کر (ترازو کے اٹھ جانے سے) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ خلافتِ نبوت ہے۔ اس کے بعد خدا جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا (ترمذی ابو داؤد۔ مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۰)

ابنِ مردویہ کی روایت میں ہے کہ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترازو میں تولے جانے کا خواب ذکر فرمایا۔ تھوڑا سا فرق عنوانِ بیان کا ہے۔ اس روایت میں خلفاء ثلاثہ رضؓ کی خلافت کا بیان ہے۔

۳۔ حاکم نے حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں مجھے قبیلہ بنو مصطلق کے لوگوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ آپ کے بعد ہم اپنی زکوٰۃ کس کو دیں۔ آپ نے فرمایا ابوبکر رضؓ کو۔ میں نے یہی جا کر ان سے کہہ دیا۔ انہوں نے کہا جاؤ پوچھو کہ اگر ابوبکر رضؓ کی وفات ہو جائے تو پھر کس کو دیں۔ آپ نے فرمایا عمر رضؓ کو۔ ان لوگوں نے کہا پھر عمر رضؓ کے بعد کس کو دیں۔ آپ نے فرمایا عثمان رضؓ کو۔"

مولانا عبد الشکور لکھنوی رحؒ یہ روایت لکھ کر فرماتے ہیں۔ اس مضمون کی روایات بہت ہیں کسی میں زکوٰۃ کا حوالہ اپنے بعد خلفاء ثلاثہ رضؓ پر فرمایا ہے۔ کسی میں اپنے قرض کی ادائیگی کا۔ کسی میں کسی اور معاملہ کا۔ یہ سب ولی عہدی کے دلائل ہیں۔ بعض روایات میں ہے۔ کہ پوچھا گیا۔ حضرت عثمان رضؓ کے بعد تو فرمایا کہ عثمان رضؓ کے بعد ہو سکے تو مر جاؤ یعنی ان کے بعد بڑے بڑے فتنے ہوں گے۔

۴۔ ابنِ عباس رضؓ سے روایت ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کی خلافت کتاب اللہ میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب نبیؐ نے ایک راز کی بات اپنی بعض بی بیوں سے کہی تھی۔ وہ یہ کہ آپؐ نے حضرت حفصہ رضؓ سے کہا کہ تمہارے والد اور عائشہ رضؓ کے والد میرے بعد لوگوں پر حاکم ہوں گے۔ اس کو کسی سے بیان نہ کرنا۔ یہ روایت علامہ واحدی نے لکھی ہے۔ کتب شیعہ سے حوالہ جات گزر چکے ہیں۔

۵۔ حضرتِ عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے فرمایا کہ بہ تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکر رضؓ کو اور ان کے بیٹے کو بلالاؤں اور عہد نامہ لکھوادوں تاکہ دعویدار کچھ نہ کہیں۔ اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کریں۔ پھر میں نے کہا کہ اللہ انکار کرے گا اور مسلمان رد کر دیں گے کہ ابوبکر رضؓ کے سوا اور کوئی خلیفہ بنے (بخاری ج ۲ ص ۸۵)

۶۔ جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کسی معاملہ میں آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ پھر آنا اس نے کہا اگر میں آپ کو نہ پاؤں۔ مطلب یہ کہ آپ کی وفات ہو جائے تو آپ نے فرمایا۔ مجھے نہ پائے تو ابوبکر رضؓ کے پاس آنا۔ (یہ حدیث بخاری ج ۱ ص ۵۱۶ ترمذی۔ ابوداؤد اور ابنِ ماجہ نے روایت کی ہے)

۷۔ بیہقی اور ابونعیم نے حضرت ابنِ عمر رضؓ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تمہارے اندر بارہ (مقتدر) خلیفہ ہوں گے۔ ابوبکر صدیق رضؓ تو میرے بعد تھوڑے دن پائیں گے اور وہ عرب کی چکی چلانے والا اچھی زندگی پائے گا۔ اور شہید ہو کر مرے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ (چکی چلانے والا) کون شخص ہے۔ فرمایا عمر رضؓ بن الخطاب۔ پھر آپ عثمان رضؓ بن عفان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم سے لوگ درخواست کریں گے کہ ایک قمیص جو اللہ نے تمہیں پہنائی ہے اتار دو لیکن قسم اس کی جس نے حق کے ساتھ مجھے بھیجا اگر تم اس کو اتار دو گے تو جنت میں داخل نہ ہو گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نکل جائے (چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے مظلومانہ شہادت پائی مگر قمیصِ خلافت نہ اتاری) حضرت عمر رضؓ کو عرب کی چکی چلانے والا اور قطب حضرت علی رضؓ نے بھی فرمایا ہے۔ فکن قطبا واستدر الرحی من العرب (نہج البلاغۃ قسم اول ص ۲۸۲)

۸۔ حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا رسولِ خدا دنیا سے نہیں گئے۔ یہاں تک کہ مجھے یہ خبر دے گئے کہ ابوبکر رضؓ آپؐ کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ ان کے بعد عمر رضؓ ہوں گے۔ ان کے بعد عثمان رضؓ ہوں گے۔ ان کے بعد میں ہوں گا۔ مگر میری خلافت پر سب کا اتفاق نہ ہوگا۔ (ریاض النضرہ غنیۃ الطالبین)

۹۔ حاکم نے حضرت سفینہ رضؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیاد میں ایک پتھر رکھا تو پھر فرمایا کہ ابوبکر رضؓ ایک پتھر میرے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ پھر فرمایا کہ عمر رضؓ ایک پتھر ابوبکر رضؓ کے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ پھر فرمایا کہ عثمان رضؓ ایک پتھر عمر رضؓ کے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے خلیفہ ہونگے۔

۱۰۔ محدث بزار نے اور طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے حضرت ابوذر رضؓ سے روایت کی ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ میں گیا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا اس کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ آئے اور سلام کہا۔ پھر حضرت عمر رضؓ آئے تو سلام کہا پھر حضرت عثمان رضؓ آئے (سلام کہہ کر وہ بھی بیٹھ گئے) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سات کنکریاں تھیں۔ ان کو آپ نے اٹھایا ہتھیلی میں رکھا تو وہ کنکریاں تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی۔ پھر آپ نے وہ کنکریاں زمین پر رکھدیں تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر آپ نے وہ کنکریاں ابوبکر رضؓ کے ہاتھ میں رکھیں تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی پھر آپؐ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر آپ نے ان کو عمر رضؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر آپؐ نے ان کو اٹھا کر حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ میں رکھا تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔

پس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا   فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ھٰذہ خلافۃ النبوۃ — کہ یہ خلافت نبوت کی ہے۔

اور ابن عساکر نے اس اور زیادہ روایت کیا ہے کہ آپ نے فرداً فرداً ہم لوگوں کے ہاتھ میں ان کنکریوں کو رکھا مگر کسی ایک کنکری نے بھی ہمارے ہاتھوں میں تسبیح نہ پڑھی۔ (بحوالہ تفسیر آیاتِ قرآنی ص۵۵ م۔ ۵۶م۔ از مولانا عبد الشکور لکھنویؒ)

۱۱۔ عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۹)

حضرت حذیفہ رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ کتنا عرصہ تم میں زندہ رہوں گا تو تم میرے بعد ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کی پیروی کرنا۔

ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت حذیفہ رضؓ سے ربعی بن حراش کے واسطہ سے دو سندیں ذکر کی ہیں۔

شیخینؓ کو خلیفہ بنانے پر یہ حدیث مرفوع بالکل صریح دلیل ہے۔ تبھی تو سب صحابہ کرام نے اس پر عمل کر کے ان کی خلافت پر کلی اتفاق کیا۔ بایں معنیٰ ان کی خلافت کو اجماعی یا شورائی کہا جاتا ہے۔

۱۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ آج ایک نیک آدمی (حضورؐ کی ذات مراد ہے) کو خواب آئی کہ ابوبکر رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑ اگیا اور عمر رضؓ کو ابوبکر رضؓ کے ساتھ اور عثمان رضؓ کو عمر رضؓ کے ساتھ جوڑ اگیا۔ جابر رضؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ کے پاس سے اٹھے تو یہ تعبیر دیتے تھے۔ کہ رجلِ صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعضوں کا بعض کے ساتھ جوڑ کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ اس شریعت کے والی اور خلفاء (نبوی) ہیں۔ جو اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۱ باب الخلفاء)

یہ تمام احادیث خلافتِ راشدہ کی حقانیت اور خلفاء کے ولی عہدِ نبوی ہونے پر صاف صاف دلالت کرتی ہیں۔

رہا یہ کہ پھر خلفاء نے بیعت لیتے وقت ان کو پیش کیوں نہ کیا تو اس کی رکاکت ظاہر

ہے۔ کیونکہ خلفاء کو خود میاں مٹھو بن کر اپنے لیے یہ احادیث پڑھنے اور کشمکش برپا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بعض ان میں صرف چند کارناموں اور فتوحات پر مشتمل ہیں۔ جب تک فتوحات عمل میں نہ آئیں تو کوئی کیسے فاتح یا خلیفہ مبشر فی الاحادیث ہونے کا دعویٰ کرے۔ شیعہ کے یہاں احادیثِ مصطفیٰؐ سے احادیثِ آئمہ کا درجہ زیادہ ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں حضرت علیؓ کی بھی ایک حدیث پیشِ خدمت ہے۔ (بقیہ ارشاداتِ آئمہ سوال ۳ کے جواب میں ملاحظہ کریں)

خبردار! میں ان شخصوں سے ضرور جنگ کروں گا۔ ایک وہ جو ناحق پر دعویٰ کرے اور دوسرا وہ جو حق کو دوسروں سے روکے (نہج البلاغہ) تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علیؓ نے خلفاءِ ثلاثہؓ سے جنگ نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک ان کی خلافت برحق اور صحیح تھی

خلافت اور اجماع امت

سنی شیعہ کتب حدیث۔ سیرت اور تاریخ سے یہ مصرح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دیگر سب خلفاء پر حضرات صحابہ کرامؓ اور سب امت نے اتفاق فرمایا۔ شیعہ بھی اس کے معترف ہیں تبھی تو سب صحابہ کرام اور امت سے ناراض اور ان کو گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اجماع سے کوئی خلیفہ نہیں بن سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں بالفرض اگر قرآن وسنت سے کوئی نص اور اشارہ خلفاء ثلاثہؓ کی خلافتِ راشدہ پر نہ ہو تب بھی سب صحابہ کرامؓ کے اتفاق و اجماع سے خلافتِ راشدہ کی حقانیت قطعی اور یقینی ہے۔ اوّلاً۔ امت گمراہی سے محفوظ ہے تو اجماع برحق ہوا۔ جیسے تفصیل گزر چکی ہے۔ ثانیاً صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے

هم الصادقون ــــــ هم الراشدون ــــــ هم المومنون حقا ــــــ

هم المفلحون ــــــ هم الغلبون ــــــ هم الفائزون ــــــ

هم المتقون ــــــ هم الصالحون ــــــ جیسے القابات سے نوازا۔

سب کو کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ــــــ اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ــــــ کی سند عطا کی۔ کیا عقلِ سلیم کسی بھی درجے میں یہ باور کر سکتی ہے کہ العیاذ باللہ یہ سچے۔ راست رو۔ پکے مومن۔ ابدی کامیاب۔ کفار پر غالب۔ کامیابی سے

سرفراز۔ خدا سے ڈرنے والے۔ نیکوکار۔ سب ہی بھلائی کے مستحق۔ خدا کے پسندیدہ و مقبول اور خدا سے راضی و مسرور۔ سب گمراہ ہو جائیں اور مستحق خلافت عند الشیعہ حضرت علی رضؓ کو چھوڑ کر غیر مستحق حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ پر اتفاق و اجماع کر لیں۔ کلا ان ھذا الابھتان عظیم۔

ثالثاً۔ حضرت علی رضؓ المرتضیٰ کے مذہب میں بھی اجماع سے خلیفہ بنتا ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضؓ کو اپنی بیعت کی دعوت دیتے ہوئے اپنی خلافت کی حقانیت پر یہی دلیل پیش کی۔

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار و لا للغائب ان یردوا انما الشوریٰ للمہاجرین و الانصار فان اجتمعوا علی رجل و سموہ اماما کان ذالک للہ رضی (نہج البلاغہ ج۳ ص۷ و اخبار الطوال ص۱۶۲ بحوالہ تاریخ اسلام ندوی ص۲۶۲)

بے شک میری ان مہاجرین و انصار رضؓ لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ و عثمان رضؓ کی بیعت کی تھی۔ اسی منصب خلافت پر جس پر ان کی بیعت کی تھی۔ اب موجود کو اختیار نہیں کہ اور کسی کو خلیفہ چنے نہ غائب کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بیعت رد کرے۔ یہ مشورہ سے استخلاف مہاجرین و انصار رضؓ کا حق ہے۔ وہ اگر کسی آدمی پہ اتفاق کر لیں اور اسے نامزد کر دیں تو اللہ کا پسندیدہ امام بھی وہی ہوتا ہے۔

بطورِ اختصار اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سقیفہ میں انتخاب حدیثِ نبوی کے تحت ہوا کہ آپ نے الائمۃ من قریش فرمایا تھا۔ معلوم ہوا کہ انصار رضؓ کے بجائے مہاجرین رضؓ اور وہ بھی قریشی حقدار ہیں۔ پھر جب سب صحابہ کرام رضؓ نے بنا بر حکم نبوی امامِ نماز ہونے کے سب سے افضل ابوبکر رضؓ کو جانا تو مشورہ سے آپ کے ہاتھ پہ بیعت کی اور شوریٰ و اجماع سے یہ بیعت حجت قطعیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (مسلمانوں کے اجتماعی معاملات باہمی مشورہ سے ہوتے ہیں) اسی پر حضرت علی رضؓ نے اپنی خلافت کی حقانیت جتلائی اور پھر طالبین قصاص پر تلوار اٹھائی۔ جب ایک کام اصولی طور پہ درست ہو جو کسی دلیل سے ثابت ہو تو ضروری نہیں کہ

سب ادلہ شرعیہ سے اس کو اسی وقت ثابت کیا جائے۔ بخصوص اگر وہ زمانہ کے اعتبار سے اپنے اندر ابہام رکھتا ہو۔ جیسے بالعموم پیشینگوئیوں کی یہی صورت ہوتی ہے کہ وعدہ کے ایفاء یا پیش گوئی کے پورا ہو چکنے پر ہی اس کی حکایت کی جاتی ہے۔ قبل از وقت اسے استعمال کرنا یا دلیل بنانا موزوں نہیں ہوتا۔ جیسے فتح خیبر کے موقعہ پر آپ نے فاتح کے محب۔ خدا و محبوب خدا ہونے کی بشارت دی تھی۔ جب حضرت علی رضؓ جھنڈا پانے کے بعد یہ کام کر چکے تب اس کی تعیین ہوئی ورنہ اس سے قبل ہر شخص امیدوار تھا۔ حضرت علی رضؓ بھی جھنڈا لیتے وقت وہ حدیث نہ پڑھتے تھے تو مسئلہ ہذا کو بھی اسی طور پر سمجھیں۔

حق چار یار
رضی اللہ تعالیٰ اجمعین

حق
چار یار
رضی اللہ تعالیٰ اجمعین

باب ششم

جنگِ جمل کے اسباب و علل

سوال ۱۴۱۔ اگر کوئی شخص خلیفہ وقت کو نہ مانے اور اس کی علی الاعلان مخالفت کرے تو ایسے شخص کی کیا سزا ہے۔ مگر یاد رہے۔ بی بی عائشہ رضؓ، حضرت معاویہ رضؓ، طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ نے خلیفہ وقت حضرت علی رضؓ سے جنگیں کی ہیں۔ واقعات جنگ جمل و صفین و نہروان کو پیش نظر رکھ کر فتویٰ صادر فرمائیں کہ خلیفہ رسول صلعم کی مخالفت کرنے والے کی سزا کیا ہے؟ انصاف مطلوب ہے۔

الجواب۔ یہ سوال، سوال ۱۱ ہی کا چربہ ہے۔ وہاں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ پھر ملاحظہ کر کے اور سوچ کر فیصلہ دیں کہ کیا ان حضرات کی طرف سے علی الاعلان خلیفہ وقت کی مخالفت ہوئی یا امام برحق حضرت عثمان رضؓ کے باغی قاتلوں سے قصاص کا جائز اور آئینی مطالبہ تھا؟ ام المومنین رضؓ کا موقف ان کی تقریر میں۔ قاضی نور اللہ جیسے غالی مؤلف نے بھی نقل کیا ہے۔ کہ جب بصرہ کے مرتضوی گورنر عثمان رضؓ بن حنیف نے آپ کے بصرہ آنے کا مقصد پوچھا تو فرمایا۔

جمعے از سفہائے بلاد و بقاع از اطراف و اکناف در باع اجتماع نمودہ و اراقہ دم عثمان رضؓ بن عفان بے گناہ کردہ اند و من در مومنان سپاہ جمع آوردہ ام تا از اں

مختلف مقامات اور علاقوں کے بے وقوف اور جہلا اکٹھے ہوئے اور حضرت عثمان رضؓ بن عفان کا بے گناہ خون بہایا۔ میں مومنوں کی ماں ہوں لشکر اکٹھا کر لائی ہوں تاکہ

جمع انتقام کشتم (مجالس المومنین ج ۲ ص ۲۲۶) اس بلوائی جماعت سے بدلہ لوں۔

حضرت طلحہ رض و زبیر رض نے بھی اپنے اسی موقف پر بصرہ میں تقریر کی تو اہل بصرہ کی ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ ہو گئی (ایضاً ۲۲۶) پھر اسی موقف کی حقانیت پر ایمان کا یہ نتیجہ تھا کہ لاتعداد اصحاب جمل اس دن شہید ہوئے اور جس کجاوے میں حضرت عائشہ رض سوار تھیں وہ مسلسل (لشکر علوی کی طرف سے) تیروں کی وجہ سے چھلنی ہو گیا تھا۔ بنوضبہ اونٹ کی لید ہاتھ میں لے کر یوں کہتے تھے کہ ام المومنین کے اونٹ کی لید مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر فخر کرتے ہوئے اونٹ کی مہار پکڑتے تھے۔ بہادری کے جوہر دکھاتے اور اس کے سامنے شہید ہوتے جاتے تھے۔ اور (قاتل عثمان رض) اشتر نخعی یہ خونریزی کر رہا تھا (مجالس المومنین ص ۲۸۶ ترجمہ اشتر)

تاریخ طبری وغیرہ کے حوالجات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف بھی گزر چکا ہے۔ اور نہج البلاغہ کے حوالہ سے حضرت علی رض کا قصاص عثمان رض کو واجب جاننا اور اپنے اور معاویہ رض کے اختلاف کو صرف دم عثمان رض میں منحصر کر دینا بیان ہو چکا ہے۔ ملا باقر علی مجلسی حق الیقین ج ۲ ص ۱۴۹ اردو میں لکھتے ہیں۔ "مگر فضیلت و مناقب آنحضرت کا وہ (معاویہ رض) بھی منکر نہ تھا اور ماسوائے قتل عثمان رض میں شریک ہونے کے اور کوئی فسق آپ سے منسوب نہ کر سکتا تھا بلکہ وہ اسی پر قانع تھا کہ حضرت امیر اس کی امارت برقرار رکھیں اور وہ حضرت کی بیعت کر کے حضرت کی خلافت کا اقرار کرے اور لوگ حضرت کے مناقب و فضائل مکرر اس کے سامنے ذکر کرتے تھے اور وہ ان کا انکار نہ کرتا بلکہ ان کو اپنے بیان کرتا تھا)

شیعہ کے خاتم المحدثین کی یہ تحریر پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ علی رض و معاویہ رض کا اختلاف صرف دم عثمان رض میں تھا۔ حضرت معاویہ رض حضرت علی رض کی خلافت کے منکر اور آپ کے مخالف ہرگز نہ تھے بلکہ آپ کے ماتحت امیر رہنا اور بیعت کرنا چاہتے تھے لیکن آپ کو تو مجبوراً اپنا دفاع کرنا پڑا جیسے تفصیل سوال ۱۵ میں آ رہی ہے۔

قدیم و جدید تاریخ کی روشنی میں یہ عالمی سیاسی اصول مسلم ہے کہ حکومت رعایا کے جذبات کا احترام کرے ان کو ذہنی سکون مہیا کرتے ہوئے ان کے واقعی مطالبہ کو پورا کرے

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شہادتِ عثمانؓ کے بعد مملکت اسلامیہ میں انتقام اور غیظ و غصہ کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اہل مدینہ اور اطراف و جوانب کے لوگ اس خلیفہ برحق عثمان مظلوم کا قصاص چاہتے تھے جس کا ۱۲ سالہ دورِ حکومت نہایت ہی پُر امن اور مالی فراوانی و خوشحالی کا گہوارہ تھا حتیٰ کہ زکوٰۃ لینے والا بھی کوئی نہ ملتا تھا۔ اور مسلمانوں پر چاروں طرف سے فتوحات کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے افراد جو قصاص عثمانؓ کی شرط پر حضرت علیؓ کے ساتھ ہوئے تھے، مگر جب آپ قصاص پر قادر نہ ہو سکے۔ تو مجبوراً وہ بھی آپ سے علیحدہ ہو گئے۔ اور طالبانِ قصاص کے حق میں اپنا فیصلہ دیا۔ بلوائیوں کے مکر و فریب سے خونی حادثات کے بعد بھی قانونی طور پر حکومت سے یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ اور رعایا مطمئن نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ کوفہ اور اہل حجاز کے سوا سب صوبے حضرت معاویہؓ کی تحویل میں چلے گئے اور شیعہ کے خیال میں تو حضرت علیؓ کے حامی بہت کم تھے۔ اسی حقیقت کو۔ مخالفت خلافت کا غلط رنگ دے کر۔ قاضی نور اللہ صاحب بھی تسلیم کرتے پر مجبور ہیں۔

"جب خلافت حضرت امیر تک پہنچی تو جمہور مسلمان حضرت کی تابعداری سے الگ رہے اور طلحہؓ، زبیرؓ اور معاویہؓ باغی کی موافقت کو امیرؓ کی تابعداری پر ترجیح دی حتیٰ کہ کتب سیرت میں مؤرخین نے لکھا ہے۔

کہ با حضرت امیر از قبیلہ قریش در حرب صفین پنج نفر ہمراہی نمودند و سیزدہ قبیلہ از ایشاں با خانہ و کورہ ہمراہ معاویہ بودند (مجالس المومنین ص ۹، ۲۷)	کہ جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ قریش کے صرف ۵ آدمی تھے اور قریش کے ۱۳ قبیلے مع اپنے افرادِ خانہ اور اسباب کے معاویہؓ کے ساتھ تھے۔

حالانکہ مخالفتِ خلیفہ کا طعن بداہتہً غلط بات ہے۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ تو نہیں کیا تھا۔ وہ تو صرف قصاص عثمانؓ کے طالب تھے پانچ آدمیوں کے سوا قریش کے تیرہ قبائل کا تمام آدمیوں سمیت۔ طالبانِ بدلہ کی صف میں شامل ہونا یہ بتلانے کے لیے کافی نہیں کہ اس وقت کی پوری قوم اور رعایا کا مطالبہ قصاص ہی تھا۔ حضرت علیؓ بوجوہ چند تعجیل میں معذور تھے۔ مگر اس مؤقف پر آپکے

ہم خیال بہت کم لوگ تھے۔ اتنی واضح بات کو مخالفتِ خلیفہ کا طعن دینا یا طالبانِ قصاص کو حضرت علیؓ سے جنگوں کا مرتکب کہنا بہت بے انصافی کی بات ہے۔ کیا عام پبلک سابقہ صدرِ مملکت کے قتل کے قصاص کا نئے صدر سے مطالبہ کرائے تو کیا یہ مخالفت صدر ہو گی۔ اور وہ نہ کر سکے یا نہ کرنا چاہے۔ اور پبلک از خود تنظیم بنا کر مجرموں سے قصاص لینا چاہے تو کیا یہ حکومت سے اس کے فرض کی ادائیگی میں تعاون ہو گا یا اس کی مخالفت ہو گی؟ اور کیا کسی حکومت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس جائز مطالبہ پہ پبلک پر لشکر کشی کر کے ان کو تہس نہس کر دے۔

اگر ان سب امور کا جواب نفی میں ہے تو شیعہ حضرات ان حادثات کو سنی نقطہ نظر سے کیوں نہیں دیکھتے کہ یہ بلوائیوں کے مکر و فریب اور غلط فہمی کا منفی نتیجہ تھیں حقیقۃً اختلاف صرف دمِ عثمانؓ بلکہ اس کے طریقِ کار میں تھا۔ اور باوجود مثبت کثیر مواد ملنے کے اس منفی انداز پہ کیوں سوچتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی سب پبلک مخالف تھی۔ بڑے بڑے اکابر اور سیاستدان صحابہؓ ناراض تھے۔ پانچ آدمیوں کے سوا کوئی قریشی بھی آپ کا ساتھی نہ تھا اس طرزِ تفکر میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور معاویہؓ پہ اتنا حرف نہیں آتا جس قدر حضرت امیرؓ پہ آتا ہے۔ لیکن شیعہ حضرات ہیں کہ "حب علیؓ نہیں بغض معاویہؓ" اور دشمنی صحابہ رسولؐ کی وجہ سے نادان دوستی کے رنگ میں حضرت علیؓ و اہلِ بیتؓ کو مظلوم، مضروب۔ غیر مقبول۔ رعایا کے دل میں غیر محترم۔ اپنے مقاصد میں ناکام۔ دوستوں کی اعانت سے محروم اور سب مسلمانوں کے مخالف و دشمن ثابت کرنے پہ تلے رہتے ہیں۔ اس طرزِ فکر اور اندازِ تحریر سے مقامِ اہلِ بیتؓ میں اضافہ تو درکنار توہین در توہین ہوتی ہے۔ ہاں شیعہ حضرات کو اپنی گروہ بندی اور جہال مسلمانوں میں تفرقہ بازی پھیلانے کا خوب حربہ ہاتھ آتا ہے۔

رہا یہ امر کہ خلیفہ رسول کی مخالفت کرنے والے کی سزا کیا ہے؟ تو اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ حقائقِ بالا کی روشنی میں۔ یہ حضرات مخالفوں کی فہرست میں نہیں آتے اور نہ حضرت علیؓ نے ان کو اپنا مخالف مانا۔ ہاں قصاصِ عثمانؓ کے طریقِ کار میں اختلاف

ضرور تھا۔ جو غلط فہمی اور اجتہادی اختلاف پر مبنی تھا۔ ایسے اختلاف پر گو مار پیٹ اور قتال تک کی نوبت کیوں نہ آجائے۔ اسے مخالفت اور دشمنی نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ پیغمبر اور اپنے بڑے بھائی کی اس خیال پر سر اور داڑھی پکڑ لی اور زدوکوب کرنا چاہا کہ انھوں نے بنی اسرائیل کو تبلیغ میں کوتاہی کی (القرآن)

۲۔ ایک اسرائیلی کی نصرت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو بطور تنبیہ ایک مکا مارا۔ اور وہ مر گیا۔ پھر دوسرے دن اسی اسرائیلی نے آپ کو نصرت کے لیے بلایا تو اس شیعہ کو آپ نے لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ۔ کھلا گمراہ کہا۔ (القرآن پ۲۰)

اگر اس کی شرارت کا آپ کو پہلے دن پتہ چل جاتا تو قبطی کا قتل اور جلاوطنی کی نوبت نہ آتی۔

شیعہ اکابر کے اجتہادی اختلافات

۳۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کو خلافت سپرد کر کے بیعت خلافت کر لی تو حضرت حسینؓ بہت ناراض ہوئے اور فرماتے تھے۔ اگر میری ناک کٹ جاتی تو اس سے بہتر تھا جو میرے بھائی نے کیا۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا۔ بھائی امام میں ہوں۔ چپ رہو ورنہ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دوں گا (اشاریہ یہی) وجہ ہے کہ حضرت حسینؓ کی بہ نسبت شیعہ حضرت حسنؓ کا نام بہت کم لیتے ہیں۔ ان سے ناراض ہیں۔ ان کے نام کی مجلس۔ تعزیہ تکیہ۔ ماتم عزاداری۔ کارناموں اور قربانیوں کی تشہیر وغیرہ شیعہ سے ہم نے نہیں سنی۔ حتیٰ کہ شیعہ کے سب سے بڑے مؤلف کلینی نے کافی کے باب الزیارات میں حضرت حسنؓ کے جنت البقیع میں مزار اور ان پر صلوٰۃ و سلام کا تذکرہ تک نہیں کیا) ظاہر ہے اتنے شدید اختلافات میں بھی ایک بھائی کو دوسرے کا دشمن نہیں کہا جا سکتا۔

۴۔ حضرت حسنؓ کی اسی بیعت کے سلسلہ میں ایک کٹر شیعہ سفیان بن ابی لیلیٰ نے آپ کو یوں سلام دیا۔ السلام علیک یا مذل المومنین (جلاء العیون ص۲۶۳ مجالس المومنین ص۲۱) اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے تجھ پر سلام ہو۔ اس کے باوجود شیعہ کے نزدیک یہ پکا شیعہ اور مومن ہے۔ اس طنز و مخالفت حسنی کے باوجود وہ آپ کا دشمن نہیں۔

۵۔ صلح و بیعتِ حسنی کے دو سال بعد تک بھی شیعانِ کوفہ تأسف و حسرت اور معاویہؓ سے لڑنے کی آرزو کرتے۔ حتیٰ کہ ان کے لیڈر سلیمان بن صرد خزاعی نے حضرت حسنؓ کی خدمت میں آکر کہا۔ آپ کی صلح سے ہمارا تعجب دور نہیں ہوا۔ جبکہ ہم ہزار تنخواہ خور جنگجو آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر حضرت حسنؓ نے ان کو اپنے شیعہ اور دوست کہا (جلاء العیون ص ۲۶۳)

معلوم ہوا کہ نظریہ اور عمل میں دو سال تک حضرت حسنؓ کے مخالف رہنے والے بھی دشمن نہیں بلکہ محب شیعہ ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت حسنؓ کے کمانڈر انچیف حضرت قیس بن سعد کے متعلق شوستری نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسنؓ نے خلافت معاویہؓ کے سپرد کی تو قیس اس عمل سے ناراض اور رنجیدہ ہو گئے۔ اور دل جلے ہو کر (حضرت حسنؓ کے متعلق) گستاخانہ باتیں کرتے اور آنحضرت کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے۔ مگر قیس کی قوم حضرت حسنؓ سے جدا نہ ہوئی اور ان کے لیے حضرت معاویہؓ سے امان لے لی۔ قیس مدینہ جا کر عبادت میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ ۶۰ھ خلافت معاویہؓ کے آخر میں وفات پائی (مجالس المومنین ص ۲۳۹)

یہاں بطور نمونہ صرف پانچ مثالیں پنج تن کے حبداروں کے لیے کافی ہیں۔ یہ اختلافات بظاہر بڑے اختلافات ہیں۔ فریقِ ثانی یا پیغمبر ہے یا امام معصوم۔ جن کی توہین یا قول و فعل کی ناپسندیدگی کفر ہے مگر وہ کونسا شیعہ ہے۔ جو حضرت موسیٰؑ یا حسینؓ۔ سفیان ابن ابی لیلیٰ اور حضرت قیس بن سعد پر خارج از ایمان ہونے کا فتویٰ لگائے گا (دیدہ باید)

ان شدید اختلافات کے باوجود اگر ان پر فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ اور یہی صحیح مذہب ہے۔ کیونکہ یہ اختلافات اور تندی و تیزی البغض فی اللہ کے تحت ایمانی جذبات کے ترجمان ہیں۔ اور علم غیب اور راسرار پر آگاہی نہ رکھنے والوں سے ایسے چیزوں کا صدور ہی ایک گونہ کمال ہے۔ اسی طرح حضرت طلحہ۔ زبیر۔ عائشہ صدیقہ اور معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے قاتلانِ عثمانؓ سے بغض فی اللہ کے تحت قصاصِ عثمانؓ کی تحریک چلائی۔ کیونکہ عند الرسول حضرت عثمانؓ کا مقام۔ اور قصاصِ عثمانؓ پر آمادگی کی وجہ سے ہی بیعتِ رضوان اور ۱۵۰۰ صحابہ کرامؓ کے جنتی ہونے کی قرآنی سند

ﻋـ ۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت عمرؓ کی حضورؐ سے گفتگو کا الزامی جواب یہی ہے۔ منہ

ان کو معلوم تھی۔ اور وہ ایسا کرنے میں معذور تھے۔ حضرت علی رضؓ بھی حضرت عثمان رضؓ کا مقام جانتے اور اس مسئلہ کی نزاکت سے خوب واقف تھے۔ مگر آپ اپنے اجتہاد میں تاخیر مفید جانتے تھے۔ لہٰذا آپ بھی معذور تھے۔ ایک تیسرا گروہ غیر جانبدار رہنے والوں کا بھی تھا جو کسی طرف سے بھی شریک نزاع نہیں ہوا۔ اپنے اجتہاد کی حد تک وہ بھی معذور تھا۔ اہل سنت کے نزدیک تینوں گروہ اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں معذور و ماجور تھے۔ نیت سب کی نیک تھی۔ اللہ کے ہاں تینوں مقبول ہیں۔ جیسے حضرات حسنین رضؓ اختلافِ اعتقاد و عمل کے باوجود عنداللہ مقبول ہیں اور ان کا اختلاف مصلحت سے خالی نہیں۔ ہمارے حنفی علامہ ابن ہمام نے مسامرہ شرح مسایرہ میں کیا خوب کہا ہے تلک دماء طہر اللہ منہا ایدینا فلا نلوث بہ السنتنا۔ ان خونوں سے اللہ نے ہمارے ہاتھ پاک رکھے ہیں۔ تو ہم اپنی زبانیں ان سے ملوث نہیں کرتے۔ اسی طرح منصف مزاج شیعہ بھی کہتے ہیں۔ دو کر ایک جماعت پر حق مشتبہ ہو گیا۔ وہ امام علی رضؓ کی نصرت سے رکے رہے۔ دنیا میں تو وہ اس تخلف سے شرمندہ رہے لیکن آخرت میں عذاب سے محفوظ ہوں گے گو دنیا میں ملامت سے نہ بچ سکے (کشف الغمہ ص ۳۲۲ لاردبیلی)

جو کچھ ہونا تھا خدائی نوشتہ و تقدیر کے مطابق ہو چکا۔ خلافت مرتضوی کی یہ خانہ جنگیاں قلب و جگر کو واقعی کباب بنا دیتی ہیں۔ ان پر مجموعی اظہار افسوس بھی ناکافی ہے۔ لیکن ان واقعات کو اچھال کر اپنے مخصوص مذہب کو رواج دینا۔ مسلمانوں میں ۱۰۰۰ سال بعد نفرت و عداوت کے بیج بونا۔ گڑھے مردے اکھاڑ کر پھر زخم ہرے کرنا۔ نہ دین و دانشمندی کی بات ہے نہ قوم و ملک کی کوئی خدمت ہے۔ جس میں شیعہ حضرات منہمک ہیں۔ جمل و صفین کے ۸۰ ہزار کشتگان کے متعلق ہم حسن ظنی رکھتے ہیں۔ اصولاً ہمیں اس وقت کی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے اپنی مظلومی کا نالہ و شیون کرنا چاہیے۔ مگر جاننا و کلا کوئی مسلمان ان قضیوں میں نہیں پڑتا۔ کیونکہ امیر المومنین، دامادِ رسول، زوجِ بتول، آسمانِ شجاعت و قضاء کے آفتاب، حضرت ابو تراب رضی اللہ عنہ بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں اور ایک سنی مسلمان آپ پر حرف گیری نہیں کر سکتا۔

لیکن تعجب یہ ہے کہ فریق ثانی صرف بعض حضرات شہداء کربلا کی آڑ میں ۱۲۰۰ سال سے

مسلمانوں میں تفرقہ بازی اور شر انگیزی کا مذموم کاروبار اور ر ۲ ء کے علاوہ جملہ صحابہ کرام رضؓ تابعین، ہاشمی و غیر ہاشمی، علوی و غیر علوی بزرگانِ دین پر سب و شتم اور تضلیل و تفسیق کی بمباری کرتے آ رہا ہے مگر اس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں۔

الزامی جواب

باغی اس فرد یا گروہ کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں کی باقاعدہ منظم حکومت کی مخالفت اور مقابلہ کرتا ہے۔ شیعہ فاضل ظل حسنین زیدی نہج البلاغہ اردو کے مقدمہ ص ۴۵ پر تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ بن ابی طالب کے دوست انگلیوں پہ گنے جانے والے تھے اور مخالف و دشمن لاتعداد بہن طبقوں میں منقسم تھے۔" اس شیعہ تصریح کے مطابق جب حضرت علی رضؓ کی جماعت بہت کم تھی اور عام رعایا مخالف تھی تو آپ کی حکومت منظم اور مستحکم نہ تھی۔ ایسی حکومت کے خلاف انقلابی کوشش بھی بغاوت شمار نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ سابق خلیفہ کے قتل کا طلب انصاف اور قصاص تحریک کی شکل میں بغاوت سمجھا جائے۔ حضرت طلحہ رضؓ۔ زبیر رضؓ امیر معاویہ رضؓ باصطلاحِ شرع باغی تھے یا نہ، یہ شیعہ اور مسلمانوں کا اختلافی مسئلہ ہے۔

لیکن حضرت عثمان رضؓ کی بارہ سال سے باقاعدہ منظم خلافت کے خلاف بغاوت کرنے والے بلوائی بالاتفاق باغی تھے۔

نہج البلاغہ اردو ص خطبہ ۱۶۷ میں ہے "آپ کی بیعت ہو جانے کے بعد اصحاب رضؓ کی ایک جماعت نے آپ سے عرض کیا اگر آپ ان لوگوں کو سزائیں دیں جنہوں نے عثمان رضؓ پہ فوج کشی کی تھی تو اچھا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اے بھائیو جو بات تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن یہ قوت کہاں ہے؟ جبکہ فوج کشی کرنے والے (باغی) پوری قوت و شوکت میں ہیں۔ وہ اس وقت ہم پر مسلط ہیں ہم ان پر حاوی نہیں۔ حد یہ ہے کہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

بعض علماء کی تحقیق میں حضرت عمار رضؓ کا قاتل بھی یہی فئہ باغیہ تھا جیسے حضرت علی رضؓ اور حسین رضؓ کے قاتل اسی قماش کے کوفی لوگ تھے۔ اس بالاتفاق فئہ باغیہ کو قتل کی سزا حضرت امیر رضؓ نے کیوں نہیں دی جبکہ آپ ان کا جرم اور قصاص کی فرضیت خوب جانتے تھے۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا۔ لے دے کے بعد اسی نتیجہ پہ آدمی پہنچتا ہے کہ مشاجراتِ صحابہ رضؓ میں خاموش رہے۔

سوال ۱۵۔ دستورِ انسانی اور اصول فلسفہ ہے کہ ایک چیز پہ اگر دو آدمی آپس میں جھگڑ پڑیں تو وہ دونوں جھوٹے تو ہو سکتے ہیں۔ مگر دونوں سچے نہیں ہوا کرتے جب ایسا ہے تو جنگِ جمل وصفین کے طرفین کے بارے میں دونوں کس طرح سچے ہوئے۔ جو صاحب غلطی پر تھے ان کی نشاندہی تو کرو کہ فلاں بزرگ سے خطا ہوئی۔ کیا قاتل و مقتول دونوں جنت میں جائیں گے۔؟

الجواب۔ اس کا جواب بھی سوال ۱۱ اور ۱۲ کے ضمن میں آچکا ہے۔ مزید وضاحت یہ ہے کہ منطقی اصول کے مطابق تناقض و تضاد کے لیے آٹھ وحدتوں کا اجتماع شرط ہے ان میں ایک جہت بھی ہے اگر جہت وحیثیت بدل جائے تو دونوں باتیں صادق ہو سکتی ہیں۔ حضرت علیؓ خلافت کا نظم ونسق بچانے کے لیے تلوار اٹھاتے ہیں اور بحیثیت خلیفہ سچے ہیں۔ حضرات طالبین قصاص۔ انتظامِ مملکت میں خلل یا خلیفہ بدلانے کے لیے یہ اقدام نہیں کرتے۔ بلکہ خلافت کے وقار کو سنبھالنے اور باغیوں سے قصاص لے کر خلافت کو مزید مستحکم کرنے کے لیے ناگزیر یہ راہ اختیار کرتے ہیں۔ جب قتال کی وجہ مختلف ہو گئی تو اختلاف علی شئی واحد نہ رہا۔ اپنے اپنے موقف میں دونوں سچے ہوئے۔ مستفسر صاحب کا خیالی دستورِ انسانی اور اصول فلسفہ باطل ہو گیا۔

ہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ کتبِ عقائدِ اہلسنت میں لکھا ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت علیؓ مصیب تھے اور دیگر حضرات خاطی تھے۔ اس میں صواب وخطا کا یہ معنی نہیں کہ حضرت معاویہؓ و دیگر حضرات کی خلافت غلط تھی اور حضرت علیؓ کی درست تھی۔ کیونکہ وہ سب حضرات اور دیگر مؤرخین تصریح کرتے ہیں کہ خلافت وامامت میں طرفین کا دعویٰ اور نزاع نہ تھا۔ بلکہ نزاعی مسئلہ صرف دمِ عثمانؓ تھا۔ بلوائیوں کے حضرت علیؓ کے ساتھ حسنِ تعلق اور حمایت کی بنا پر اہلِ شام یہ گمان کرنے لگے کہ قتلِ عثمانؓ حضرت علیؓ کی سازش سے (العیاذ باللہ) ہوا۔ حضرت امیرؓ نے اختلاف کو صرف اسی نکتہ میں منحصر کر کے اپنی صفائی پیش کی۔

الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء

ہر بات متفقہ ہے بجز قتلِ عثمانؓ میں اختلاف کے اور ہم اس الزام سے پاک ہیں۔

حاشا و کلا کوئی بھی سنی مسلمان اس گناہِ عظیم میں حضرت علیؓ کو ملوث نہیں مانتا سینہ نا

حضرت معاویہؓ نے بھی اس صفائی کے جواب میں فرمایا۔ فنحن لا نرد ذالک علیہ الخ۔ ہم آپ کی پاکدامنی کا انکار نہیں کرتے لیکن قاتلانِ عثمانؓ جو علیؓ کے ساتھی ہیں ملنے چاہییں تاکہ ہم ان کو قصاصاً قتل کر کے خلیفہ کی اطاعت اور جماعت میں شامل ہو جائیں۔ (طبری ج ۶ ص ۵)

لیکن صد افسوس تو یہ ہے کہ آج کے نام نہاد محبانِ علیؓ۔ اہلِ اسلام اور حضرت عثمانؓ سے کمالِ بغض کی وجہ سے صراحتہً حضرت علیؓ کی پاکدامنی اور قتل سے برأت کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ و عثمانؓ میں ذاتی اور اعتقادی دشمنی تھی وہ قتل کے متمنی تھے۔ بلوائی حضرت علیؓ کے خاص طرفدار تھے اور محمد بن ابی بکر اور اشتر نخعی جو قتلِ عثمانؓ میں شریک تھے (مجالس المومنین ص ۲۸۴) وہ حضرت علیؓ کے خاص مقرب اور سپہ سالار تھے۔

(مجالس المومنین ص ۲۷۹-۲۸۴)

اب آپ ہی غور کریں اگر یہ بیان درست ہے اور شیعہ کو اسی پر بصد افتخار اعتماد ہے، تو حضرت علیؓ پر بالواسطہ قتل کا الزام لگانے میں خود شیعہ نے مواد فراہم نہیں کیا۔ پھر اہلِ شام کا شبہ یا الزام بلا دلیل نہیں کہا جا سکتا۔ جسے غلط کہا جائے۔

ے ہوئے تم دوست جس کے دشمن اسکا آسماں کیوں نہ ہو

خطا و صواب کا معنیٰ

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و ام المومنین رضی اللہ عنہم اجمعین کی خطا کا مطلب یہ ہے کہ وہ قصاص میں جلد باز تھے اور حضرت علیؓ کو قادر علی القصاص جانتے ہوئے ٹال مٹول کا الزام دے رہے تھے۔ حضرت امیرؓ نے اس کے جواب میں یہی کہا کہ میں قادر نہیں ہوں۔ اس قوم سے میں کیسے قصاص لے سکتا ہوں جو ہمارے مالک بنے ہوئے ہیں اور ہم ان پر قابو یافتہ نہیں ہیں۔ (نہج البلاغہ) ورنہ نفسِ قصاص میں اختلاف نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے طلحہؓ و زبیرؓ کے موقف کو سمجھنے اور تسلیم کرتے ہوئے جمل کے موقعہ پر خلفاءِ ثلاثہؓ کی تعریف۔ ان پر امت کا اتفاق۔ قاتلینِ عثمانؓ پر لعن طعن اور ان کو اپنے ساتھ نہ چلنے کی تاکید کر دی تھی (کما تقدم)، ہمارے شیعہ معترض کو اگر یہی اصرار تھا تو ہم نے خاطی کی نشان دہی۔ اور اس کی وجہ بیان کر دی۔ اب ان کو یہ اختلاف

ے محمد بن ابی بکر زبردستی سے حضرت عثمانؓ کے پاس آیا تو مگر آپ کے صبر کرنے سے واپس ہو گیا۔

وشقاق چھوڑ کر دوبارہ اہل سنت مسلمانوں میں مل جانا چاہیے۔ بشرطیکہ حق و انصاف کی طلب ہو۔ اور اگر وہ خاطی کی نشاندہی سے صرف ان پر لعن طعن کرنا چاہتے ہوں۔ تو ایسا کرنا بڑی گمراہی ہوگی کیونکہ خطا و نسیان لازمہ انسانی ہے۔ انسان صرف حسن نیت کا مکلف ہے۔ فکر و عمل میں بھول چوک سے پاکدامن رہنے کا مکلف نہیں۔ ہاں درست کار کو دوہرا اجر ملتا ہے اور خطا کار کو ایک گنا ملتا ہے۔ امامت کو منصوص من اللہ اور زندہ شارع امام کا ہر زمانہ میں وجود تسلیم کرنے والے شیعہ بھی جو غیر منصوص مسائل کے لیے "مجتہدین کے اجتہاد" کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ وہ بھی خطاء و صواب کے دونوں پہلو تسلیم کر کے ایک کو اختیار کرنے اور یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

کاملین سے سہو کا وقوع

اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ متقدمین شیعہ انبیاء علیہم السلام کے خطاء و نسیان تک کے قائل ہیں چنانچہ آیت واما ینسینک الشیطن کی تفسیر میں شیعہ کے سب سے مستند عالم شیخ الطائفہ محقق طوسی نے تفسیر تبیان پ ۷ ص ۱۷۹ میں اور علامہ طبرسی نے مجمع البیان پ ۷ ص ۳۱۷ میں سہو انبیاء کی تصریح کی ہے۔ ملاحظہ ہو "ہم سنی کیوں ہیں" ج ۱ ص ۲۹

پھر جب اہل سنت اور متقدم علماء شیعہ کے اتفاق سے خطاء و نسیان انبیاء تک سے جائز ہے اور قرآن پاک اسی کی تائید کرتا۔ فَنَسِیَ اٰدَمُ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ حضرت آدمؑ بھول گئے ہم نے ان کا ارادہ نہ پایا۔

تو غیر انبیاء حضرت علیؓ و معاویہؓ سے اس کا صدور بدرجہ اتم جائز ہے۔ خود حضرت علی المرتضیٰؓ نے صفین میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

فلا تکفوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطی ولا آمن من ذالک من فعلی الا ان یکفی اللہ من نفسی الخ (روضہ کافی ص ۳۵ و نہج البلاغۃ)	مجھے سچی بات کہنے سے اور منصفانہ مشورہ دینے سے باز نہ رہو۔ کیونکہ میں غلطی کرنے سے بالا نہیں ہوں اور نہ میں اپنے کاموں میں چوکنے سے بے فکر رہتا ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہو۔

قرآن وسنت سے کسی معین گروہ کی بالیقین تصویب اور دوسرے کی تغلیط ثابت نہیں۔ جو کچھ قرآن وسنت میں بالیقین مذکور ہے۔ وہ ﴿كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ (ہر ایک سے اللہ نے بھلائی (جنت) کا وعدہ کیا ہے) کے تحت سب کا نیک مومن، جنتی، مغفور اور مرضی عند اللہ ہونا ہے۔ قرآن نے ان کے مدحیہ پہلو پر زور دے کر بدگوئی کو حرام بنایا ہے تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر طعن تشنیع اور بدگوئی سے منع فرمایا ہے۔ شیعہ مذہب سے تائب ہونے والے ان کے علامہ مجتہد مہدی حسن خاں صاحب آیات بینات ج ا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث نقل فرماتے ہیں۔ من سبنی فاقتلوہ و من سب اصحابی فاجلدوہ۔ جو مجھے برا کہے اسے قتل کر دو اور جو میرے صحابہؓ کو برا کہے اسے کوڑے لگاؤ۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ سب صحابہ کرامؓ کا ذکر بھلائی سے کیا جائے اور مشاجرات میں پڑنے اور کسی گروہ پر طعن و تشنیع سے ضرور ہی بچا جائے۔ (تفصیلات کے لیے عدالت صحابہ رضا از مؤلف ملاحظہ کریں)

خطاء اجتہادی پر دشمنی اور طعن و تشنیع اس بنا پر بھی جائز نہیں کہ بڑے بڑے کاملین بھی اس سے نہ بچ سکے۔ حتیٰ کہ عند الشیعہ معصومین اور خاندان اہل بیتؓ میں بھی یہ باتیں پائی گئیں۔ سابقہ سوال میں گزشتہ پانچ مثالیں اسی نوعیت کی ہیں۔ انہیں پھر ملاحظہ کر کے مندرجہ ذیل مثالوں سے بھی دل و نگاہ روشن کریں۔

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ (بنا بر قول اصح) بزرگ پیغمبرؑ ہیں۔ مگر دونوں کے مخصوص عطائی علم۔ شرعی اور تکوینی میں فرق تھا۔ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضرؑ کی خدمت میں بھیج دیا۔ ان کے ہر کام پر رضا اور خاموشی کا معاہدہ بھی ہو گیا۔ مگر حضرت خضرؑ کا کشتی توڑنا۔ بچے کو مار ڈالنا۔ بغیر مروت لوگوں کی دیوار درست کر دینا۔ صرف یہ تین کام ہی جب حضرت موسیٰؑ نے ملاحظہ کیے تو اپنے علم و اجتہاد سے انہیں غیر شرعی سمجھ کر ہر دفعہ اعتراض کیا اور معاہدہ کی پابندی کا خیال نہ رہا۔ آخر کار حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ میں جدائی ہو گئی (القرآن کہف ۱۰۶)

اس واقعہ میں بڑے فوائد اور مصلحتیں ہیں منجملہ یہ کہ ایک کامل کو اپنے علم و اجتہاد

کی بنا پر دوسرے کا اس سے اختلاف و مناقشہ درست ہے۔ عند اللہ دونوں مقبول ہیں کسی کی تغلیط و تردید نہیں کی جاسکتی۔ مشاجرات گو سنی عقیدہ کے مطابق غیر معصوم کا معصوم پہ قیاس ہے۔ مگر دونوں غیر معصوم فریقین کے پاس اپنے دعویٰ پہ معصوم کی نص اور حجت تو موجود ہے فثبت التشابہ کیونکہ اللہ کا حکم ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے) اور شرعی قانون ہے۔" حد کا جاری کرنا واجب ہے۔"

۷۔ بھیڑوں کے قضیہ میں حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک فیصلہ دیا مگر اس کے برعکس حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دیا۔ قرآن پاک نے فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (وہ فیصلہ ہم نے سلیمانؑ کو سمجھا دیا) سے حضرت سلیمانؑ کی تائید کی کیا حضرت داؤدؑ کے فیصلہ کی تغلیط یا اس پہ طعن و تشنیع عند الشیعہ جائز ہوگی۔؟

۸۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک درخت کا پھل کھانے سے روکا گیا تھا۔ آپ نے خاص جزی درخت سمجھا۔ حالانکہ عند اللہ پوری نوع کی نہی تھی۔ چنانچہ خطاء اجتہادی سے کھا بیٹھے۔ پھر استغفار کی تو اللہ نے معاف فرما دیا۔

۹۔ حضرت سید الرسل علیہ الف الف تحیۃ نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر منافقین کو جھوٹے حیلے بہانوں کی وجہ سے گنجائش سمجھ کر نہ جانے کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اجازت ناپسند تھی معمولی تنبیہ کے بعد معاف فرما دیا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ	اللہ آپ کو معاف کرے۔ آپ نے ان کو کیوں
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ	اجازت دی (اجازت نہ دینی چاہیے تھی)
تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ (توبہ ۶)	تاوقتیکہ سچے آپ کے سامنے نکھر جاتے۔ اور
	جھوٹوں کو آپ جان لیتے۔

بہرحال قرآن پاک میں ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں۔ جن میں بڑے بڑے اکابرین سے بعض اوقات فہم و اجتہاد میں چوک ہوگئی اور ان کا فیصلہ یا عمل مرجوع قرار پایا۔ مگر وہ معتاب ہے۔ نہ اس پر طعن درست ہے۔ اور نہ ان کی شان میں کچھ کمی آئی۔ تو مسئلہ زیر بحث میں بھی صحابہ کرامؓ اکابرین دین کی جنس سے ہیں گو انبیاء علیہم السلام کی نوع سے نہیں۔ علی قدر مراتب

ان کا احترام اور ان سے دفاع بھی ضروری ہے۔ اور ان کی اجتہادی خطائیں بنصِ قرآنی معاف ہیں۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔

۱۰۔ حضرت امام حسینؓ رضی اللہ عنہ نے اہلِ عراق کے ہزاروں خطوط سے متاثر ہو کر اپنے تفکر و اجتہاد سے یزید پر خروج جائز سمجھا۔ مگر خاندانِ مرتضوی اور بنو عبد المطلب میں سے صرف چند افراد نے آپ کی موافقت کی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس وقت موجود کئی فرزندوں اور دامادوں میں سے کسی نے ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ محمد بن الحنفیہؒ۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جیسے فضلاء بھی موجود تھے۔ شیعی مذہب میں یقیناً یہ حضرات خاطی تھے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ ۷۲ نفوس کے سوا (جن میں چالیس افراد غیر اہلِ بیت نسبی ہیں) حضرت علی کی اولاد اور خاندان بنو ہاشم کے سینکڑوں افراد کو شیعہ حضرات۔ کفر۔ نفاق۔ دشمنی اور جہنم کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔

۱۱۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اہلِ شام پر لشکر کشی کی اور صفین کے مقام پر خوفناک جنگ لڑی اور مسلمانوں کی خونریزی کو جائز سمجھا۔ نورِ نظر و فرزندِ اکبر سیدنا حسن المجتبیٰؓ کے روکنے پر بھی نہ رکے۔ لیکن زمامِ امامت جب حضرت حسنؓ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے برضا و رغبت معاویہؓ سے صلح کی۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپنے لشکر کی ناراضی۔ طعنہ بازی اور قاتلانہ حملے کے تیر کے بھی سہے۔ لیکن امت کی خونریزی سے بچنے کی خاطر یہ عظیم کام کیا۔ مسلمانوں کی خونریزی پر دلدادہ شیعوں کی بجز بز اور طعنہ بازی کے جواب میں کیا خوب ارشاد فرمایا۔

غرض من اطاعت امر حق تعالیٰ است بہ حفظِ خونہائے مسلمانان پس راضی باشید بقضائے خدا (جلاء العیون ص ۲۶۳)

اس صلح و بیعت سے میری غرض حق تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہے۔ جو کہ مسلمانوں کے خون کی حفاظت کرنا ہے۔ پس خدا کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ۔

اب شیعہ ہی انصاف سے بتائیں اس کلی تضاد اور بیرو رولیبر کے اختلافِ عمل میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ کیا نانا حسنؓ میں حضرت معاویہؓ اور دیگر مسلمان زیادہ نیک ہو گئے تھے؟ یا عہدِ مرتضوی میں خدا نے مسلمانوں کی خونریزی کی وحی کی تھی اور اب منسوخ ہو گئی؟

۱۲۔ حضرت حسینؓ نے اس بے نظیر حسنی سنت کے برعکس پھر علم جنگ بلند کیا۔ شیعہ کے ہاں حضرت معاویہؓ و یزید میں چنداں فرق نہیں۔ پھر دونوں بھائیوں کے عمل کا یہ تضاد اپنے اپنے اجتہاد اور صوابدید کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہاں کسی ایک کو غلط کار کہا جائے گا یا نہ۔ اگر نہیں تو فریقین جمل و صفین کے متعلق کچھ مت کہیے۔

۱۳۔ عام شیعی پروپیگنڈہ کی روشنی میں حضرت حسینؓ نے اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کو خدا کے سپرد کر دیا۔ مگر یزید کے آگے نہیں جھکے۔ آپ کے جانشین بالغ حضرت علی زین العابدینؒ نہ صرف یہ کہ والد کے ساتھ شریک جنگ ہو کر شہید نہیں ہوئے بلکہ دمشق میں شاہی دستر خوان پر ۱۵ دن تک یزید کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔ تاریخ سے نصرت کا ثبوت نہیں ملتا۔ بالآخر آسمان و زمین نے وہ دن بھی دیکھا کہ آپ نے موافقت کر کے اپنے والد ماجد کے عمل کو منسوخ کر دکھایا۔ حادثہ حرہ میں یزید کے خلاف تحریک میں شریک نہیں ہوئے۔ یزید نے بھی لشکر کو خصوصی تاکید کی تھی کہ زین العابدینؒ میرا وفادار ہے اس کی حفاظت کرنا۔ (تاریخ اسلام نجیب آبادی) شیعہ مؤلف بھی یہ حقیقت یوں مسخ کر کے بیش کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

فقد اقررت لک بما سألت انا	جو کچھ تو نے (بیعت کا) مطالبہ کیا۔ میں نے
عبد مکرہ فان شئت فامسک و	مان لیا۔ میں آپ کا مجبور غلام ہوں آپ چاہیں
ان شئت فبع (روضہ کافی ص ۲۳۵)	تو اپنے پاس رکھیں۔ چاہیں تو بیچ ڈالیں۔

حالانکہ واضح ہے کہ ایک ہی شخص کے متعلق باپ بیٹے کا یہ متضاد طرز عمل ایک کو یقیناً خطا کار ٹھہراتا ہے۔ مگر امامیہ عقیدہ میں دونوں معصوم اور برحق ہیں۔ اس میں تقیہ کا سہارا بھی ان سے مذاق کرتا ہے۔ آخر وہ کون سی نص اور تازہ وحی تھی جس کی بنا پر حضرت حسینؓ کے لیے تقیہ حرام تھا۔ اور حضرت زین العابدینؒ کے لیے واجب تھا۔ یہ کہنا بھی باطل ہے کہ اگر یزید کی مخالفت کرتے تو قتل ہو کر سلسلہ امامت ختم ہو جاتا اس لیے کہ شیعی عقیدہ میں موت و حیات امام کے اختیار میں ہوتی ہے۔ اور امامت کی وصیت بیٹے کے لیے لازم نہیں اپنے بھائی یا بھتیجے کو کر دیتے۔ جیسے حضرت حسنؓ نے حسین رضی اللہ عنہ کو کی تھی۔

۱۴۔ حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے امامت میں اپنے بھتیجے علی بن حسینؒ سے نزاع کیا۔ اور ان کا

پیرو کار فرقہ کیسانیہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح حضرت زید بن زین العابدینؒ نے اپنے بھائی محمد باقرؒ اور بھتیجے جعفر صادقؒ کی امامت کا انکار کیا۔ خود دعویٰ امامت کر کے عباسیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور ان کے متعلق مرفوع حدیث میں حضورؐ نے فرمایا۔ "اے حسینؓ! تیری صلب سے (پوتا) ایک زید نامی شخص پیدا ہوگا۔ جو مقتولاً شہید کر دیا جائے گا۔ وہ اور اس کی جماعت قیامت کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔۔۔ پھر حضرت باقرؒ نے فرمایا۔ میرے باپ (چچا) زید پر اللہ رحم کرے وہ بڑے عبادت گزاروں میں سے تھے۔ رات کو قیام کرتے دن میں روزہ رکھتے اور اللہ کے راستے میں کما حقہ جہاد کرتے تھے۔ (مجالس المومنین ج ۲ ص ۲۵۷ قصہ زید)

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و معاویہؓ پر فتویٰ لگانے والے شیعہ کیا حضرت محمد بن علی (ابن حنفیہؒ) اور زید پر بھی فتویٰ لگائیں گے۔ (دیدہ باید) اگر نہیں تو وہ اصول کہاں گیا۔ "کہ کسی ایک امام کی امامت کا منکر خدا اور رسولؐ کے منکر کی طرح کافر ہے۔" (حیات القلوب ج ۳) اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے خانگی تنازعات جلاء العیون وغیرہ میں بکثرت مذکور اور مشہور ہیں۔ ہمارا ضمیر ان کی نقل مناسب نہیں جانتا۔

غور کا مقام ہے کہ ان سب اختلافات میں یا طرفین شیعہ کے ہاں معصوم ہیں کسی کو خاطی اور غلط کار نہیں کہا جا سکتا۔ یا ایک طرف امام معصوم ہے اور دوسری طرف معزز امام زادہ ہاشمی علوی ہے۔ علی الاعلان شیعہ اس پر کفر و فسق کا فتویٰ نہیں لگاتے۔ جو امور تکفیر اور تخطیہ سے یہاں مانع ہیں وہی حضرات طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ ام المومنینؓ اور حضرت معاویہؓ پر طعن اور بدگوئی سے مانع ہیں۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا۔

رہی یہ بات کہ "کیا قاتل و مقتول دونوں جنت میں جائیں گے۔" تو ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ سوائے ان بلوائی غنڈوں کے جو لشکر علوی میں شامل تھے یا مبہم طور پر بدنیت مفسدین کے وہ سب مقتولین جنت میں جائیں گے جو استحکام خلافت اور حدود اللہ کے اجراء کے لیے لڑے۔ اہل جمل کا قصہ تو واضح ہے۔ بلوائیوں کے مکر سے یہ جنگ خطاء سے ہوئی۔ اور خطاءً قاتل و مقتول جنتی ہوتے ہیں جیسے جنگ احد میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے والد مسلمانوں

کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اہلِ صفین کے متعلق تو ہماری روایات میں حضرت علیؓ نے فرما دیا ہے۔

قتلای وقتلی معاویۃ فی الجنۃ (رواہ طبرانی) ورجالہ وثقوا وفی بعضھم خلاف (مجمع الزوائد ص ۲۵۸ ج ۹)

میرے لشکر کے مقتول اور معاویہؓ کے لشکر کے مقتول جنت میں ہوں گے۔

اور نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۲۵ کے خطبہ میں بھی ان کو کامل مومن فرمایا ہے اور مومن کا جنت میں داخلہ بالاتفاق ہو گا۔

جنگِ جمل کے حالات میں تاریخ طبری ص ۳۱۶ ج ۶ میں ہے کہ آپ سے اپنے ساتھی ابو سلامہ نے پوچھا کہ کل جب ہم اور وہ مقابل ہوں گے تو دونوں کا انجام کیا ہو گا؟ فرمایا جو بھی خالصۃً للہ صاف دلی کے ساتھ قتل ہو گا وہ جنت میں جائے گا (بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۸۵ شاہ معین الدین ندوی)

نیز سیدنا علیؓ سے متواتر یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو حضرت طلحہؓ کی شہادت پر بہت صدمہ ہوا اور ان کے صاحبزادے محمدؒ سے رو رو کر فرمایا کرتے تھے۔ میں اور تمہارا باپ جنت میں ہوں گے اور یہ آیت ہمارے ہی حق میں اتری ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۔ (بحوالہ مختصر التحفۃ الاثنی عشریہ ص ۲۸۰)

جو کچھ ان کے سینوں میں کدورت تھی ہم دور کر دیں گے۔ اور بھائی بھائی ہو کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

اور حضرت عثمانؓ کے متعلق بھی یہی آیت تلاوت فرماتے تھے۔ جب عمرو بن جرموز محب علیؓ سبائی نے لشکر سے الگ نماز وسجدہ کی حالت میں حواری رسولؐ اور پھوپھی زاد برادر پیغمبرؐ حضرت زبیرؓ بن عوام کو شہید کیا۔ اور خوشی سے آکر حضرت علیؓ کو آکر اطلاع دی تو آپ نے غصہ سے فرمایا۔

ابشر یا قاتل ابن صفیۃ بالنار فقال عمرو نقتل اعدائکم وتبشرونا

اے صفیہؓ کے بیٹے کے قاتل تجھے جہنم مبارک ہو۔ عمرو کہنے لگا ہم تمہارے دشمنوں کو قتل

بالنار (اخبار الطوال ص ۱۴۹) اور تم مجھے جہنم کی بشارت دیتے ہو۔ (پھر تنگ دل ہو کر اس نے خودکشی کر لی)

جمل و صفین کے متعلق ان تمام ابحاث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جملہ ارشادات کو پڑھ کر شیعہ حضرات کو اپنے عقیدہ کی اصلاح کر لینی چاہیے۔ آخرت کا معاملہ بڑا سخت ہے۔ زبانی محبت کا دعویٰ اور اعتقاد و عمل میں کھلی مخالفت کہیں ان کو جہنم کا ایندھن نہ بنا دے۔ واللہ الہادی۔

ان حادثات کے بعد تاریخ طرفین کے بعض بعض حضرات کی ندامت اور توبہ کا پتہ بھی دیتی ہے۔ اس پر بھی مغفرت اور قاتل و مقتول کا جنت میں داخلہ ضروری ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان دو بندوں پر ہنستے ہیں کہ ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے۔ اور دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں مقتول اللہ کے راستے میں لڑتا اور شہید ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ قاتل کو توبہ اور اسلام کی توفیق دیتا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستے میں لڑ کر شہید ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۸۳ ط مصر)

سوال ۱۶۔ جناب رسول خدا نے کئی بار فرمایا یا علی انت و شیعتک ھم الفائزون اے علی رضی اللہ عنہ! تو اور تیرے شیعہ ہی نجات یافتہ ہیں۔ کیا ایسی کوئی حدیث حنفی شافعی حنبلی مالکی کے لیے بھی مل سکتی ہے۔ اگر نہیں تو دیوبندی۔ بریلوی۔ نجدی۔ سہروردی۔ چشتی۔ قادری۔ نقشبندی حضرات کے لیے ہی تلاش کر کے اطمینان دلا دیجئے۔

الجواب۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ صحاح ستہ اور دیگر کتب متداولہ اہل سنت میں اس کا وجود نہیں ہے۔ شیعہ دوست کو اس کا حوالہ دینا چاہیے۔ لیکن چور مال مسروقہ کا اتہ پتہ کیسے بتا سکتے ہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب موضوعات سے اسے نقل کر کے دلیل بنا دیا۔ بالعموم شیعہ کی عادت یہی ہے کہ وہ اپنی خود ساختہ حدیثوں کو اس قدر شہرت دیتے ہیں کہ وہ عام لوگوں میں مشہور ہو جاتی ہیں۔ پھر ان کے کید و مکر سے آگاہی کے لیے بڑے بڑے محدثین کو ایسی کتابیں لکھنی پڑی ہیں جن میں صرف بناوٹی حدیثوں اور ان کے گھڑنے والوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ایسی کتابوں کو "کتب موضوعات" کہتے ہیں۔ جیسے علامہ

سیوطی کی اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ اور ملا علی قاریؒ کی تذکرہ موضوعات وغیرہ ان کتابوں سے متہم بالوضع حدیث سے استدلال انتہائی خیانت ہوتی ہے۔ اور شیعہ کو اہلبیتؓ کے فضائل میں حدیثیں بنانے اور اس متاعِ کاسد کو مارکیٹ میں لانے کا اس قدر ملکہ حاصل ہے کہ شیعی معتزلی علامہ ابن ابی الحدید کو شرح نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۷ پر اعتراف کرنا پڑا ہے۔

واعلم ان اصل الاکاذیب فی احادیث الفضائل کان من جهة الشیعة فانهم وضعوا فی مبدء الامر احادیث مختلفة فی صاحبهم حملهم علی وضعها عداوة خصومهم۔

واضح رہے کہ فضائل کے سلسلے میں جھوٹی احادیث بنانے کی بنیاد شیعہ کی طرف سے ہوئی۔ کیونکہ اولاً انہوں نے ہی مختلف حدیثیں اپنے صاحب (حضرت علیؓ) کے حق میں بنائیں اور اس بناوٹ پر ان کو مخالفوں کے ساتھ عناد اور دشمنی نے آمادہ کیا۔

نجاتِ شیعہ کی یہ موضوع حدیث بلفظہٖ تو کتب صحاح یا موضوعات میں نہ مل سکی البتہ اس کے ہم معنی یہ موضوع حدیثیں دستیاب ہوئی ہیں۔

۱۔ شعبی حضرت علیؓ سے راوی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔

"اے علیؓ! تو اور تیرے شیعہ (پیروکار) جنت میں ہیں۔ ایک قوم (بنام شیعہ) آئیگی جن کا بدلقب رافضی ہوگا۔ جب تم ان کو ملو تو قتل کر دو کہ وہ مشرک ہوں گے۔" ابونعیم کہتے ہیں، یہ حدیث غریب ہے۔ شعبی کہتے ہیں، ہم نے اسے عصام سے لکھا۔ ابن جوزی کہتے ہیں۔ اس کی روایت میں سوار ہے۔ جسے امام احمد، یحیٰی اور نسائی متروک کہتے ہیں۔ (العلل المتناہیہ لابن الجوزی ص ۱۵۸) علامہ سیوطی لآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۳۷۹ میں سوار کو متروک بتاتے ہیں۔ اور انت و شیعتک فی الجنۃ کے متعلق لکھا ہے۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ سوار ثقہ نہیں ہے اور جمیع بن عمر بصری کذاب ہے۔ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (ایضاً ص ۳۷۹)

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو خود شیعہ پر حجت ہے۔ کیونکہ جنتی تو حضرت علیؓ کے پیروکار (اہلِ سنت والجماعت) ہوں گے۔ اور نام نہاد شیعہ تو اب بھی رافضی مشہور ہیں۔ شرک سے معمور، قتل میں مہدور اور جنت سے دور ہیں۔

۲- "ہمارے شیعہ قبروں سے نکلیں گے تو ان پر کوئی گناہ و عیب نہ ہوگا الخ" اس میں محمد بن سالم اور محمد بن علی کندی دونوں ضعیف ہیں۔ کنانی کہتے ہیں محمد بن سالم ابو سہل کوفی ہے جو متروک ہے۔ محمد بن علی کو حافظ ذہبی اور ابن حجر نے بقول ازدی ضعیف کہا ہے۔ ذہبی تلخیص موضوعات میں یہ روایت لانے کے بعد کہتے ہیں۔ "اس کی سند اندھیری ہے اور متن جھوٹ ہے۔" (تنزیہ الشریعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ ج ۱ ص ۴۱۹ مؤلفہ علی بن محمد بن عراق کنانی المتوفی ۹۶۳ھ)

سوال والی حدیث کتب صحاح ستہ اہل سنت میں تو نہیں ہے۔ ہاں شیعہ کی کافی کتاب الروضہ ص ۳۰۵ میں مرفوع نبوی ہونے کے بجائے حضرت جعفر صادقؒ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔ "کہ بنی عباس کا اختلاف۔ غیبی نداء۔ قائم کا خروج یقینی باتیں ہیں۔ راوی نے پوچھا۔ وہ نداء کیا ہے امام نے فرمایا۔ اول دن میں آسمان سے ایک منادی نداء دے گا۔ الا ان علیا وشیعتہ ھم الفائزون (حضرت علیؓ اور ان کی پارٹی کامیاب ہیں) اور پھر دن کے آخر میں منادی آواز دے گا۔ الا ان عثمان وشیعتہ ھم الفائزون (سنو! حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی کامیاب ہیں)

اس میں شیعہ کے مقابل حضرت عثمانؓ اور آپ کی جماعت کی کامیابی کا بھی ذکر ہے۔ چونکہ وہ آخری دن میں ہوگا۔ تو شیعہ علیؓ کے متعلق پہلا اعلان۔ باطل یا منسوخ سمجھا جائے گا۔ چونکہ یہ اعلان خروج مہدی کے وقت ہوگا تو آپ کا مذہب بھی تولاء عثمانؓ ہوگا۔ اور آپ کے ساتھ تولاء عثمانؓ رکھنے والی سب مسلمانوں کی جماعت بالآخر کامیاب ہوگی اور نام نہاد شیعہ علیؓ اس وقت بھی ناکام ہونگے۔ وللہ الحمد۔

علی تقدیر التسلیم حدیث کا یہی مفہوم درست ہے۔ کیونکہ اخروی نجات کے متعلق دو فرقوں کا تقابل اور دونوں کی کامیابی کا اعلان غیر معقول ہے۔ اور حدیث کا سیاق و پس منظر امام برحق کی موجودگی میں دنیوی کامیابی کو متعین کرتا ہے۔ ورنہ یہ حدیث درایت کے لحاظ سے موضوع ہے۔ کیونکہ قرآن پاک نے شیعہ کے بجائے ان کے دشمن اصحاب محمدؐ کی کامیابی کی بشارت دی ہے۔

۱۔ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ ... یہ اللہ کا لشکر ہے سنو! اللہ کا لشکر ہی غالب

حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ ہونے والا ہے۔

۲۔ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۔ یہی لوگ درجہ میں اللہ کے ہاں سب سے بڑے ہیں اور یہی کامیاب ہیں۔

قرآنِ پاک کے یہ ارشادات تاریخ کی کسوٹی پر پورے اترے۔ کامیابی نے اصحابِ محمد اور خلفاءِ اسلام کے قدم چومے۔ قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں تلے روندے گئے۔ آج کے ۹۵ کروڑ مسلمان ان کی ہی قربانیوں اور فتوحات کی بدولت اسلام کے سایہ میں ہیں تو ان کے مخالف شیعہ کا وجود خود بخود کذب کا آئینہ ہے۔ اور کبھی ان کو تبلیغ اسلام ہونے کی حیثیت سے کامیابی اور ترقی نہ ہو سکی۔ حتیٰ کہ ان کے سب اماموں نے بقول حضرت حسن رضی و حضرت مہدی مستور فی الغار۔ اپنے اپنے زمانہ کے (ان کے خیال میں) ظالم امام کی بیعت کی۔ (جلاء العیون ص ۲۶۱ و مجالس المومنین ص ۴۴۴) تا بدیگر شیعان چہ رسد۔

اصلی شیعہ اور ان کی تعداد

واضح رہے کہ شیعی ائمہ کی واقعی تعلیمات کی روشنی میں، شیعہ ہر چوڑے بھنگی۔ مراسی۔ گویّے۔ پنج تن کے نام پہ بھکاری۔ مادر زاد ننگے ملنگانِ علی رض۔ تارکِ شریعت قلندر۔ نسب پرست نام نہاد سید۔ متعہ و عیاشی میں مست امراء کو نہیں کہتے۔ جو بالعموم عشرہ محرم میں ماتمی مجالس اور شور و غوغا برپا کر کے فرضی جنت کا ٹکٹ۔ نماز روزہ سے پاک اور مونچھیں لمبی داڑھی صاف۔ ذاکروں سے حاصل کر لیتے ہیں۔ بلکہ ائمہ کے دین میں شیعہ وہ ہوتا ہے جو براہِ راست معصوم امامِ زمانہ سے تعلیم شریعت حاصل کرے۔ پھر اس پر مکمل عمل کرے اور امام سے کما حقہٗ وفاداری کرے۔ چنانچہ کافی ج۲ باب الطاعۃ والتقویٰ میں یہ صراحت ہے کہ خدا کا نافرمان ہمارا دشمن ہے۔ ہماری محبت صرف عمل اور پرہیزگاری سے ملتی ہے۔ بایں معنیٰ حضرت علی رض کے عمر بھر صرف تین یا ۴ شیعہ تھے۔ (روضہ کافی ص ۳۴۳) باقی تمام جمِ غفیر کو وفات سے پہلے آپ نے کفر و نفاق کی سند دی۔ (جلاء العیون ص ۱۶۹) حضرت حسن رض کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا۔ ورنہ خلافت معاویہ رض کے سپرد کر کے شیعستانِ عراق و کوفہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں پناہ گزین نہ ہوتے۔ حضرت امام حسین رض کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا ورنہ ۷۲ اصحاب مکہ اور افرادِ خاندان کے ساتھ۔ کوفی شیعہ کے ہاتھوں

مظلومی کی شہادت نہ پاتے۔

حضرت زین العابدینؒ کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا ورنہ وہ یزید کی غلامی اور بیعت کا طوق گلے میں نہ ڈالتے (روضہ کافی صہ ۲۳۵)

امام پنجم حضرت باقرؒ کے بھی کوئی وفادار شیعہ نہ تھے ورنہ وہ اوصاف شیعہ میں یوں نہ فرماتے۔

قال فیھم التمییز و فیھم التبدیل و فیھم التمحیص تاتی علیھم سنون تفنیھم وطاعون یقتلھم — ان میں چھانٹی ہوگی ان میں مذہب کی تبدیلی ہوگی ان کو پرکھا جائے گا۔ ان کو فنا کر دینے والی قحط سالی ان پر مسلط ہوگی اور طاعون ان کو قتل کرے گا۔

(اصول کافی باب المومن و علامتہ)

امام ششم حضرت جعفر صادقؒ کے بھی تین شیعہ مومن نہ تھے ورنہ وہ تقیہ حلال نہ جانتے اور کوئی حدیث نہ چھپاتے (کافی باب قلۃ المومنین صہ ۲۴۲)

امام ہفتم۔ نہم۔ دہم۔ یازدہم کے بھی کوئی پیروکار شیعہ نہ تھے ورنہ ان کے خیر و شر کا کچھ شیعہ لٹریچر سے ثبوت ملتا۔

امام ہشتم علی رضا۔ کے بھی کوئی مخلص شیعہ نہ تھے ورنہ وہ اپنے شیعوں کے ریزلٹ اور انجام کا یوں اعلان نہ کرتے۔

"اگر آپ میرے شیعہ کی پہچان کریں تو سب کو فیل پائیں اور اگر ان کو پرکھیں تو سب کو مرتد پائیں اور اگر ان کی چھانٹی کریں تو ہزار میں سے ایک بھی نہ نکلے اور اگر ان کو چھاننی سے چھانیں تو کوئی بھی نہ بچے۔ بجز اس کے جو میرا ہو۔ یہ مدت سے تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں، ہم شیعہ علیؓ ہیں۔ حالانکہ شیعہ علیؓ تو صرف وہی ہے جو اپنے قول و فعل کو سچ کر دکھائے" (روضہ کافی صہ ۱۸۳)

حضرت امام العصر والزمان مہدی الغائب کے ۲۵۵ھ سے تا ہنوز علی اختلاف الروایات ۳۔ ۳۰۔ ۳۱۳ مومنین شیعہ بھی یک وقت نہیں ہوئے ورنہ حضرت امام باہر نکل کر ظلم و کفر کا خاتمہ اور عدل و توحید کا ڈنکا بجا دیتے۔

اصول کافی باب التمحیص والامتحان جزء ۲۷ صہ ۳۷ میں ہے۔ "کہ امام جعفر صادقؒ سے سوال ہوا کہ قائم کے ساتھ کتنے لوگ ہوں گے؟ فرمایا۔ نفر یسیر۔ تھوڑے سے آدمی ہوں گے۔ راوی نے کہا لوگوں

ہیں مہدی کی حمایت کا دعوٰی کرنے والے تو بہت ہیں۔ فرمایا یقینی بات ہے کہ (شیعہ) لوگوں کو پرکھا، چھانٹا اور چھانا جائے گا اور بہت سی مخلوق چھاننی سے نکل جائے گی۔"

بارہ آئمہ کے شیعہ کی سب تعداد آپ کے سامنے ہے۔ جو چند صد بھی نہیں بننے کیا صرف یہی واحد مسلمان ہیں جو شیعہ علی رض جنتی اور کامیاب ہیں۔ اور خلفائے ثلاثہ رض کو ماننے والی کروڑوں اربوں کی تعداد میں امتِ محمدیہ شیعہ کے خیال میں جہنم میں جائے گی۔ تو پھر اصول کافی کی اس صحیح حدیث کا کیا مفہوم ہوگا۔

والناس صفوف عشرون و مائة الف صف ثمانون الف صف من امة محمد واربعون الف صف من سائر الامم (کتاب فضل القرآن ص ۵۹۶)	سب لوگوں کی ایک لاکھ بیس ہزار صفیں ہونگی ۸۰ ہزار صفیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہوں گی اور ۴۰ ہزار سب امتوں کی۔

یہ لوگ وہ ہیں جو بالآخر جنت کے حقدار ہوں گے۔ ۸۰ ہزار صف مذہب اہل سنت کے پیروکاروں کی ہی ہو سکتی ہے۔ جو امتِ محمدیہ کہلانے پر فخر بھی کرتے ہیں شیعہ کی فہرستِ بالا کے مطابق ایک صف بھی نہ بنے گی۔ پھر وہ کیسے کامیابی کا دعوٰی کرتے ہیں۔

فائدہ مہمہ حدیث۔ انت و شیعتك هم الفائزون کی حقیقت بیان ہو چکی۔ اب آپ کے افادہ کے لیے چند موضوع احادیث بھی ذکر کی جاتی ہیں۔ جن سے شیعہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں تاکہ آپ ان کی چالوں میں نہ آئیں۔ تقیہ کی آڑ میں شیعہ حضرات نے وضع حدیث کے سلسلے میں بڑا کمال دکھایا۔ اور شریعت محمدیہ کے برعکس آئمہ کے نام سے مستقل شریعت اور دفتر احادیث تصنیف کر ڈالے۔ علامہ نووی رح شرح مسلم ج ۱ ص ۸۳ پر لکھتے ہیں۔ رافضہ سب فرقوں سے جھوٹا فرقہ ہے حضرت علی رض کے ساتھی کا قول ہے۔ اللہ شیعہ رافضہ کو برباد کرے کتنا بڑا علم ضائع کر ڈالا یعنی افترا بر علی رض کی وجہ سے آپ کی طرف ہر منسوب بات مشکوک معلوم ہونے لگی۔)

امام شعبی رح فرماتے ہیں اس امت میں جتنا حضرت علی المرتضیٰ رض پر جھوٹ باندھا گیا۔ اتنا کسی پر نہیں (حضرت علامہ اپنے دور کی بات کرتے ہیں۔ ورنہ شیعہ نے جتنا حضرت باقر رح و جعفر رح

پر افترا کیا اور وہ جز و مذہب بنا حضرت علیؓ پر اس کا عشر عشیر بھی نہیں باندھا گیا یا وہ انقلابات دہر کے بھنور میں پھنس کر موجودہ شیعہ تک بھی نہ پہنچ سکا۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ رافضیوں کا جھوٹ ضرب المثل ہے۔ علامہ ابن مبارک فرماتے ہیں صحیح دین حدیث کے ماننے والوں کا ہے۔ مناظرہ اور حیلہ بازی۔ ڈھکوسلہ بازوں کا حصہ ہے۔ اور جھوٹ رافضیوں کا شعار ہے۔ حماد بن سلمہ کہتے ہیں۔ مجھ سے ایک شیخ نے بیان کیا جو رافضی مذہب سے توبہ کر چکا تھا، کہ جب ہم اکٹھے ہوتے اور ایک بات کو پسند کرتے تو ہم اسے حدیث بنا کر روایت کر دیتے (السنۃ قبل التدوین ص۱۹۷)

شیعہ بن کر آئمہ اہل بیتؓ پر کذب و افترا کا اقرار موجودہ محققین شیعہ کو بھی ہے۔ چنانچہ ایرانی عالم سید احمد الحسینی رجال کشی کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں۔

ولم یسلم الائمۃ ایضاً من ناس دسوا انفسھم فی اصحابھم واخذوا یختلقون علیھم الاکاذیب ویروون عنھم الاحادیث ویوجدون البدع والآراء الضالۃ حتی ان بعض الدجالین وضع الوفا من الاحادیث ونسبھا الی من لم یتفوہ بحرف واحد منھا (تقدیم ص۳ طہران)

آئمہ اہل بیتؓ بھی ان لوگوں سے محفوظ نہ رہ سکے جنہوں نے اپنے آپ کو آپ کے ساتھیوں میں گھسیڑ دیا اور ان پر جھوٹی حدیثیں گھڑنے لگے اور بناوٹی روایتیں ان سے نقل کرنے لگے۔ بدعتوں اور گمراہ عقاید کو ایجاد کیا یہاں تک کہ ان بعض دجالوں نے ہزاروں حدیثیں بنا کر اس امام کی طرف منسوب کیں جس نے ان کا ایک حرف بھی منہ سے نہ نکالا۔

احادیث شیعہ میں واقعی اختلاف و تضاد اور اصولی مختلف فرقوں کے وجود کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ کیا وہ یہی شریعت بابے عیب واسطہ ہے جس پر شیعہ فخر کرتے اور مسلمانوں کو اہل بیتؓ سے انحراف کا طعنہ دیتے ہیں۔

شیعہ کی موضوع احادیث

۱۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔ اسے امام ترمذیؒ نے جامع میں ذکر کر کے فرمایا ہے۔ کہ یہ منکر (غیر ثقہ راوی سے) ہے۔ سخاویؒ نے بھی یہ کہہ کر فرمایا ہے کہ اس کی کوئی وجہ صحت کی نہیں۔ ابن معینؒ کہتے

ہیں یہ جھوٹ ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ ابو سعید اور یحییٰ بن سعید بھی یہی کہتے ہیں۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ (موضوعات کبیر ص۴۲ از ملا علی قاریؒ) ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ج۷ ص۳۲۸ پر اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔

۲۔ "اے علیؓ! آپ میرے بھائی میرے وصی میرے خلیفہ اور میرے بعد میرا قرض ادا کرنے والے ہیں۔"

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے اور یہ موضوع ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں۔ مطر نامی راوی موضوعات روایت ہے۔ اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔ ابن عدی کی روایت بھی اسی مطر بن میمون سے ہے۔ اس میں خلیفتی فی اہلی کے الفاظ ہیں۔ (المنتقی ص۶۹۳) مطر بن میمون کو امام بخاری منکر الحدیث کہتے ہیں۔ (موضوعات کبیر ص۴۱)

۳۔ ایک پرندہ آپؐ کے پاس لایا گیا۔ آپؐ نے دعا کی اے اللہ اس پرندے کا گوشت کھانے کے لیے کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیج جو مجھے اور تجھے سب لوگوں سے عزیز تر ہو۔ اتنے میں حضرت علیؓ تشریف لائے۔" یہ حدیث سب محدثین کے نزدیک جھوٹی اور موضوع ہے۔ مشہور محدث امام حاکم سے اس حدیث الطیر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں۔ حالانکہ حاکم تشیع کی جانب مائل ہے مگر حاکم اور دیگر علماء حدیث مثلاً نسائی و ابن عبدالبر کا تشیع تفضیل علیؓ کی حد تک نہیں پہنچتا۔ محدثین میں کوئی ایسا عالم نہ تھا جو حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے افضل قرار دیتا ہو۔ (المنتقی ص۶۹۵)

۴۔ "حضورؐ نے صحابہؓ کو حضرت علیؓ پر سلام بھیجنے کا حکم دیا اور فرمایا۔ آپ سید المسلمین امام المتقین اور اہل جنت کے قائد ہیں۔" شیعہ اس کی سند اور صحت ثابت نہیں کر سکتے بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ روایت کسی صحیح کتاب اور قابلِ اعتماد مسند میں موجود نہیں۔ اس کی اسناد میں متہم بالکذب راوی پائے جاتے ہیں اور مزید یہ کہ علماء اسے موضوع قرار دیتے ہیں اسی طرح اس کے یہ الفاظ وھو ولی کل مومن بعدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے۔ (المنتقی ص۶۹۷)

۵۔ میرے اہلِ بیت کشتیٔ نوحؑ کی طرح ہیں جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا ڈوب گیا۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کشتیٔ نوحؑ والی حدیث صحیح نہیں اور حدیث کی کسی قابلِ اعتماد کتاب میں موجود نہیں (منہاج السنۃ)

۶۔ "من احب حسنا وحسینا و والدیہما کان معی فی الجنۃ" یہ حدیث قطیعی نے کتاب الفضائل میں مسند احمد کے آخر میں اضافہ کے طور پر نقل کی ہے۔ محدث ابن الجوزی نے اس روایت کو بواسطہ علی بن جعفر از موسیٰ موضوع قرار دیا ہے۔ (المنتقیٰ ص۴۰۲)

۷۔ "حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ تمہاری محبت علامتِ ایمان ہے۔ اور تمہاری عداوت موجبِ کفر۔ تیرے محب سب سے پہلے جنت میں جائیں گے اور تجھ سے عداوت رکھنے والے سب سے پہلے واصلِ جہنم ہوں گے۔"

ہم کہتے ہیں یہ صریح جھوٹ ہے۔ کوئی مسلم یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خوارج ونواصب فرعون وابوجہل جیسے رؤسارِ کفار سے پہلے دوزخ میں جائیں گے۔ یا غالی اسماعیلیہ جھوٹے روافض اور فاسق امامیہ حبِ علیؓ کی بنا پر انبیاءِ کرامؑ سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

۸۔ خطیب خوارزم نے مرفوع روایت کی ہے کہ "جو حضرت علیؓ کی خلافت کو ناپسند کرتا ہو وہ کافر ہے۔ اور اللہ کے رسولؐ کے خلاف جنگ آزمائی کر رہا ہے۔"

۹۔ بروایتِ انسؓ علیؓ کو آتے دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا۔ "میں اور علیؓ بروزِ قیامت اپنی امت پر حجت ہوں گے۔"

۱۰۔ معاویہ بن حیدۃ القشیری مرفوعاً روایت کرتے ہیں جو شخص حضرت علیؓ سے عداوت رکھتے ہوئے مر جائے تو پرواہ نہ کریں کہ یہودی مرا ہے یا نصرانی۔

یہ تینوں روایات صحیح نہیں۔ اس لیے کہ خطیب خوارزم کا ان روایات کو نقل کرنا ان کی صحت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس کی تصانیف موضوعات کا پلندہ ہیں۔ جن کو دیکھ کر ایک حدیث دان شخص حیرت کا اظہار کرنے لگتا ہے اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔ ہذا بہتان عظیم۔ وہ حقیقت شناس شخص جو واقعات سے آگاہ ہو اور آثار واقوال میں مہارت رکھتا ہو اس بات

سے بخوبی واقف ہے کہ اس قسم کی احادیث کذاب راویوں نے عصرِ صحابہ و تابعین کے اختتام کے بعد وضع کر لی تھیں۔ (کذا فی منہاج السنۃ لابن تیمیہؒ)

۱۱۔ امام نسائی نے "خصائص علی رضؓ" میں عباد بن عبداللہ اسدی سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "میں اللہ کا بندہ اور رسولِ خدا کا بھائی ہوں۔ میں ہی صدیق اکبرؓ ہوں میرے بعد جو اس کا دعویٰ کرے گا وہ کاذب ہو گا۔ میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔"

یہ روایت امام احمدؒ نے اپنی کتاب الفضائل میں ذکر کی ہے۔ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، عباد متہم بالکذب ہے۔ ابن المدینی نے بھی عباد کو ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں منہال راوی بھی ہے جو شعبہ کے نزدیک متروک ہے۔ اثرم کا قول ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا چھوڑیئے۔ یہ منکر الحدیث ہے۔ (المنتقی ص ۰۹۱)

درایۃً بھی حضرت علیؓ جیسے راست گفتار سے یہ بعید ہے کہ وہ اپنی خود ستائی اور برتری کے لیے غلط بات کہیں۔

۱۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا "تو پہلا شخص ہے جو بروز قیامت مجھ سے مصافحہ کرے گا۔ تو صدیق بھی ہے اور فاروق بھی تو مومنوں کا یعسوب ہے۔" ابن جوزی کہتے ہیں یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی سند میں عباد بن یعقوب اور علی بن ہاشم دونوں ضعیف ہیں، اس کی دوسری سند میں عبداللہ بن داہر ہے جسے محدث ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

بطور نمونہ یہ متبرک عدد والی بارہ احادیث موضوعہ ذکر کی گئی ہیں ۲ تا ۱۰ ابن مطہر حلی نے منہج الکرامہ میں خلافت علیؓ پر پیش کی ہیں جس کے رد میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ المتوفی ۷۲۸ھ نے شہرہ آفاق تصنیف "منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض الشیعۃ القدریۃ" لکھی ہے، ہماری تنقید اسی سے ماخوذ ہے۔

اہلِ سنت بھی فائز المرام ہیں

معترض کا یہ کہنا کہ ایسی کوئی حدیث حنفی، شافعی، حنبلی مالکی حضرات کے لیے بھی مل سکتی ہے۔ اگر نہیں تو دیوبندی

بریلوی۔ نجدی۔ سہروردی۔ چشتی۔ قادری۔ نقشبندی حضرات کے لیے تلاش کر کے اطمینان دلا دیجیے۔ ایک لغو بات ہے۔ کیونکہ چاروں ائمہ مجتہدین کے پیروکار یا علم تصوف میں چاروں سلاسل کے سالکین، آپس میں کوئی اصولی اختلاف نہیں رکھتے نہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں بلکہ شیر و شکر ہو کر ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں۔ جب یہ سب اہل السنۃ والجماعۃ ہی ہیں تو سب کے لیے ایک حدیثِ نبویؐ اور فیصلہ مرتضوی کافی ہے۔ ملاحظہ ہو حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

وسیھلک فی صنفان محب مفرط یذھب بہ الحب الی غیر الحق ومبغض مفرط یذھب بہ البغض الی غیر الحق وخیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموہ والزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطن الخ (نہج البلاغۃ قسم اول مصری ص۲۱۶)

اور عنقریب میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے ایک وہ جو محبت میں غلو رکھتا ہو کہ محبت اس کو خلاف حق راستہ پر لے جائے اور ایک وہ جو عداوت میں غلو رکھتا ہو کہ عداوت اس کو خلاف حق کیطرف لے جائے۔ میرے متعلق سب سے اچھے وہ لوگ ہوں گے جو درمیانی راہ اختیار کریں گے لہٰذا تم درمیانی راہ کو لازم سمجھو اور سوادِ اعظم کی پیروی کو لازم سمجھو کہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ خبردار جماعت سے علیحدہ نہ ہونا۔ جماعت سے علیحدہ ہونے والا شیطان کا شکار ہے جس طرح وہ بکری جو گلے سے علیحدہ ہو جائے بھیڑیے کا شکار بنتی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص تم کو جماعت سے علیحدہ ہونے کی ترغیب دے اس کو قتل کر دو۔ اگرچہ وہ میرے اس عمامہ کے نیچے ہو (یعنی اگرچہ میں ہی کیوں نہ ہوں)۔"

نہج البلاغہ میں دوسرے مقام پر حضرت علیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

اس یقینی ارشادِ مرتضوی کی رو سے خوارج اور شیعہ کا باطل و ہالک ہونا اظہر من الشمس ہے۔ کیونکہ ایک غالی دشمن ہے۔ ایک غالی محب کہ آپ کے اندر خدا و رسولؐ کی صفات کا بھی عقیدہ رکھتا ہے۔ صحیح مسلمان سوادِ اعظم میں جو اہل سنت والجماعت ہیں۔ اور آپ کے متعلق

معتدل عقیدہ رکھتے ہیں۔ سوادِ اعظم سے مراد بڑی جماعت ہی ہے۔ جیسے حضرت علیؓ نے تصریح فرمادی اور ان کی اتباع کی فرضیت بتائی۔ علماءِ شیعہ بھی "سوادِ اعظم" سے اکثریتی جماعت اور اہلِ سنت مراد لیتے ہیں۔ مثلاً شیعہ کے شہیدِ ثالث نور اللہ شوستری مجالس المومنین ص۲ ج۵ پر لکھتے ہیں۔

فقیر گفت کہ اہلِ سنت ہمیشہ سوادِ اعظم بودہ اند۔

فقیر کہتا ہے کہ اہلِ سنت ہر دور میں سوادِ اعظم ہوئے ہیں۔

اہلِ سنت جب سوادِ اعظم اور برحق و ناجی ہیں اور ارشادِ مرتضوی جیسے دنیا میں برحق نکلا آخرت کے اندر بھی برحق ہوگا اور اہلِ سنت فائز المرام اور جنات النعیم کے وارث ہوں گے اور جن محبانِ اہلِ بیتؓ پر حضرت امیر نے ہالک کا فتویٰ لگایا اور تاریخی حقائق کی روشنی میں وہ غدار و قاتلِ اہلِ بیت ٹھہرے۔ ان سے بددعائیں لیں اور آج بھی اتباع اہلبیت سے محروم اور بدعات کے علمبردار ہیں۔ ۱۳۰۰ سال سے ناکامی ان کا مقدر بن چکی ہے اور ظلم و سفاکی سے بھرپور خمینی انقلابِ ایران کا وجود نامسعود جعلی فقہ جعفری کے لغو و ناکارہ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آخرت

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (پ۱۵ ع۸)

جو اس دنیا میں (حق دیکھنے ماننے سے) اندھا رہا ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا اور گمراہ ترین ہوگا۔

اور ایسا کیوں نہ ہو محبِ علیؓ شیعہ میں دسیوں فرقے قائم ہوئے۔ ہر ایک دوسرے سے اصولی اختلاف رکھتا۔ الگ امام بناتا اور دوسرے کی تکفیر کرتا ہے۔ صرف امامیہ کے ۳۹ فرقے ہیں۔ تین بڑے فرقے۔ زیدیہ۔ اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔

جناب امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں۔ "کہ امت کے تہتر فرقے ہیں۔

ثلاث عشرة فرقة تنتحل ولايتنا ومودتنا اثنتا عشرة فرقة منها في النار وفرقة في الجنة۔

۱۳ فرقے ہماری ولایت و محبت کے قائل ہیں۔ ان کے بھی ۱۲ فرقے جہنم میں ہوں گے صرف ایک جنت میں ہوگا۔

(روضہ کافی کلینی ص۲۲۴ ج۸)

کیوں صاحب! شیعہ علیؓ اگر فائز ہیں تو بانی تشیع امام ان کو جہنم کی سند کیوں دیتے ہیں اور نہ معلوم مشتہر صاحب اور ان کے ہم مسلک جہنمی فرقوں سے ہیں یا ایک جنتی فرقہ کے فرد ہیں۔

اور واضح رہے کہ شیعہ عقاید و لٹریچر کی روشنی میں عہدِ ائمہ کے بعد جنت کا مستحق صرف وہی مختصر گروہ ہوگا جس کی تعداد بیش از بیش ۳۱۳ ہوگی اور وہ بالفعل حضرت قائم کی نصرت کرے گا۔ ان کے علاوہ سب مدعیانِ تشیع منافق ہیں۔ کیونکہ اگر اتنے مومن بھی ان میں ہوں تو حضرت مہدی غائب کو غار یا مخفی مقام سے باہر نکل آنا واجب ہو جائے گا (ملاحظہ ہو روضہ کافی صـ۳۱۳ طا ایران)

سوال ۱۷۔ حضرت بی بی عائشہ رضؓ کے تعلقات خلافتِ عثمانؓ کے وقت حضرت عثمان رضؓ کے ساتھ کیسے تھے؟ کیا بی بی عائشہ رضؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس بڈھے نعثل کو قتل کر دو خدا اسے قتل کرے۔ اگر ایسا ارشاد فرمایا کہ آپ مکہ تشریف لے گئیں تو حضرت علی رضؓ کی خلافتِ ظاہری کو سن کر حضرت عثمان رضؓ کو کس طرح انھوں نے مظلوم تسلیم کر لیا۔ کیا حضرت علی رضؓ سے دیرینہ حضرت عائشہ رضؓ کو ذاتی رنجش نہ تھی ارشاد فرمائیں کہ جنگ جمل حضرت عثمان رضؓ کی حمایت میں ظہور پذیر ہوئی۔ یا حضرت علی رضؓ کی دیرینہ دشمنی کا نتیجہ تھی۔

حضرت عائشہ رضؓ و عثمان رضؓ میں عقیدتمندی

الجواب۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے تعلقات اپنے فرزند و داماد حضرت عثمان رضؓ سے بالکل درست تھے۔ آپ کا بھائی محمد جب حضرت عثمان رضؓ پر تنقید کرتا تھا تو آپ اسے سمجھاتیں وہ کہ ضد سے باز آ جاؤ لیکن وہ کسی طرح نہ مانے۔ ہر سال کے دستور کے موافق حضرت عائشہ رضؓ اسی اثنا میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ چلی گئیں۔ محمد بن ابی بکر رضؓ کو بھی ساتھ لے جانا چاہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ صحابہ رضؓ میں جن (چند) لوگوں کو حضرت عثمان رضؓ کے طرزِ عمل سے اختلاف تھا۔ اور جن میں ایک جھوٹے پروپیگنڈہ پر مبنی روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضؓ بھی داخل ہیں وہ بھی اس کے روادار نہ تھے اور نہ خاشا ان کا یہ مقصد تھا۔ واقعہ سے پہلے اشتر نخعی نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا تھا کہ اس شخص (حضرت عثمان رضؓ) کے قتل کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا معاذ اللہ میں

اماموں کے امام کے قتل کا حکم کیسے دے سکتی ہوں۔ (طبقات ابن سعد ص ۳۵۶)

حضرت عائشہ رض نے ایک دفعہ حضرت عثمان رض کے تذکرہ میں فرمایا۔ خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ عثمان رض کی کسی قسم کی بے عزتی ہو۔ اگر ایسا کبھی میں نے پسند کیا ہو تو ویسی ہی میری بھی ہو۔ خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ وہ قتل ہوں۔ اگر کیا ہو تو میں بھی قتل کی جاؤں اے عبداللہ بن عدی (ان کے باپ حضرت علی رض کے ساتھ تھے) تم کو اس علم کے بعد کوئی دھوکہ نہ دے۔ اصحاب رسول ص کے کاموں کی اس وقت تک تحقیر نہ کی گئی جب تک وہ فرقہ پیدا نہ ہوا جس نے حضرت عثمان رض پر طعن کیا۔ اس نے وہ کہا جو نہ کہنا چاہیئے تھا وہ پڑھا ہے جو نہ پڑھنا چاہیئے۔ اس طرح نماز پڑھی جس طرح نہ پڑھنی چاہیئے۔ ہم نے ان کے کاموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صحابہ رض کے اعمال کے قریب تک نہ تھے یہ پوری تقریر ج خلق افعال العباد ص ۷۶ پر امام بخاری رح نے نقل کی ہے (بحوالہ سیرت سیدہ عائشہ رض ص ۱۲۱ از سید سلیمان ندوی رح) اس اعلان سے زیادہ حضرت عائشہ رض کے مخالف عثمان رض ہونے کی افواہ کے جھوٹ ہونے پر کیا دلیل چاہیئے۔ درحقیقت یہ بھی شیعہ کا لغو پروپیگنڈہ ہے جب وہ حضرت عثمان رض وام المومنین رض دونوں کو نہیں مانتے تو ان کے درمیانی حسن تعلق یا اختلاف سے شیعہ کا کیا واسطہ۔ اسی سے شیعہ کی بدنیتی اور فساد انگیزی نمایاں ہو جاتی ہے۔

حضرت علی رض سے حسن تعلقات

جنگ جمل کے سلسلے میں حضرت عائشہ رض کی مصالحت حسن نیت اور اصلاحی اقدام پھر بلوائیوں کی سازش سے اچانک جنگ کا قصہ سوال ۱۳ کے تحت طبری وغیرہ تاریخ کے حوالہ جات سے گزر چکا ہے ایسے مرتضیٰ دشمنی پر محمول کرنا بدترین بدظنی ہے جو از روئے قرآن حکیم عام مسلمانوں کے بارے میں بھی حرام ہے۔ چہ جائیکہ حبیبہ حبیب رب العالمین و امہات المومنین رض کے متعلق ایسی یاوہ گوئی کی جائے۔

احادیث صحیحہ اور تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب جنگ کے بعد حضرت علی رض و عائشہ رض کی ملاقات ہوئی تو ہر ایک نے گریہ وزاری کر کے معذرت اور راہ جنگ سے لاعلمی ظاہر کی۔ دو آدمیوں نے ام المومنین رض کے حق میں گستاخی کی تو حضرت علی رض نے ان کو ۱۰۰-۱۰۰ درے کی

صدمہ لگائی اور فرمایا کہ بخدا اگر یہ تمہارے پیغمبرؐ کی دنیا و آخرت میں اہلیہ اور تمہاری ماں ہیں
ان سے لغزش ہو گئی۔ ورنہ میرے اور ان کے درمیان کوئی خصومت نہیں۔ حضرت
عائشہ رضؓ نے بھی برأت کرتے ہوئے فرمایا۔ "میرے اور علی رضؓ کے درمیان کوئی نہ تھی ہاں
کبھی ایسی بات ہو گئی جو خاوند کے رشتہ دار اور بیوی کے مابین ہو سکتی ہے تو ممکن ہے۔"
(کذا فی کشف الغمہ ص۱۲ علی بن علیسی اردبیلی شیعی) شاید اس سے اشارہ اس شکر رنجی اور صدمہ
کی طرف ہو جو قذف کے موقعہ پر آپ کو حضرت علی رضؓ کے حضورؐ کو اس مشورہ دینے سے پہنچا تھا
مو کہ آپ پر تنگی نہیں۔ آپ اور شادی کر لیں۔" جبکہ قرآنِ حکیم اور سب قرابتدارانِ نبیؐ و
صحابہ کرام رضؓ نے آپ کی قطعی برأت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ انسانی فطرت کے تحت اس شدید
صدمے کا اثر۔ دیرپا بھی ہو سکتا ہے۔ صدیقہ بنتِ صدیق رضؓ نے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ تو
یہ دوستانہ عتاب ہے۔ اسے جنگِ جمل کا سبب قرار دینا انتہائی ظلم اور خبثِ باطنی کا اظہار
ہے۔ ترمذی مناقبِ علی رضؓ میں حضرت ام المومنین رضؓ نے حضرت علی رضؓ کی تعریف فرمائی ہے۔ اور فرمایا
کہ حضرت فاطمہ رضؓ کے شوہر بہت نماز گزار اور روزہ دار تھے۔ صحیح بخاری مناقبِ قرابت
اور مناقبِ فاطمہ رضؓ میں حضرت عائشہ رضؓ ہی سے یہ روایت کی ہے۔ کہ مرضِ وفات میں حضرت
فاطمہ رضؓ کو حضورؐ نے بلا کر چپکے سے کچھ کہا تو رو پڑیں۔ پھر کچھ فرمایا تو ہنس پڑیں۔ پھر حضرت
عائشہ رضؓ نے پوچھا تو فرمایا مجھے حضورؐ نے اپنے وفات پانے اور خاتونِ جنت ہونے کی بشارت
دی ہے۔ حضرت علی رضؓ کا آلِ عبا میں داخل ہونا اور اہلِ بیت ہونا بھی حضرت عائشہ رضؓ کے
ذریعہ ہی معلوم ہوا۔ (صحیح مسلم)

متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس مستفتی آئے ہیں (خود جواب دے کر)
انہوں نے ان کو حضرت علی رضؓ کی خدمت میں جانے کی ہدایت کی ہے (مسندِ احمد ج۶ ص۱۵۵) حضرت
علی رضؓ کبھی سفر سے واپس آتے تو داماد کی ضیافتیں کرتیں۔ (مسندِ احمد ایضاً) خوارج کی آپ سے
مخالفت اور شہادت سن کر حضرت ابنِ عمر رضؓ سے فرمایا۔ خدا علی رضؓ پر رحمت بھیجے۔ ان کو جب
کوئی بات پسند آتی تو یہی کہتے۔ صدق اللہ و رسولہٗ۔ اہلِ عراق ان پر جھوٹ تہمت باندھتے
ہیں اور بات کو بڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ (مسندِ احمد ج۱ ص۸۶ بحوالہ سیرتِ عائشہ رضؓ)

اختلاف کا سبب قصاصِ قتلِ عثمان رضؓ ہی تھا۔ ایک پیغمبر کریم صلعم کی بہترین اہلیہ ہیں۔ اور ایک معزز داماد ہیں۔ ان دونوں میں نفرت اور دشمنی ثابت کرنا پیغمبرؐ کی تعلیم و تربیت کا منکر ایک یہودی یا نصرانی تو کر سکتا ہے۔ مگر آپ کے محب اور مسلمان سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی۔

اقتلوا النعثلا کا قصہ وضعی ہے

تلاشِ بسیار کے بعد تنقید کا یہ قصہ ہمیں تاریخ طبری ج ۴ ص ۵۹ پر ملا۔ مگر افسوس کہ شیعہ کا یہ قلعہ ببلبہ آب ثابت ہوا۔

اولاً اس کی سند میں حسین بن نصر عطار۔ ابو النصر بن مزاحم۔ محمد بن نویرہ۔ طلحہ بن اعلم حنفی وغیرہ ایسے مجہول لوگ ہیں جن کا عام کتب رجال و تاریخ میں تذکرہ نہیں ملتا۔

ثانیاً۔ ایک راوی سیف بن عمر معروف ہے۔ مگر اس پر کتب رجال میں کڑی جرح موجود ہے۔ میزان الاعتدال میں سیف کے ترجمہ میں ہے کہ وہ لیس بشئ (کچھ بھی نہیں) ہے متروک ہے منکر الحدیث ہے۔ وضع و زندقہ سے متہم ہے۔ پھر آخری راوی اسد بن عبداللہ مروی عنہ کا نام نہیں لیتا۔ تدلیس کرتا ہے۔

ایسی بے سر وپا اور جعلی روایت سے ام المومنین رضؓ جیسی ہستی پر طعن کرنا واقعی شیعہ کو زیب دیتا ہے۔

ثالثاً۔ درایتہً بھی یہ قصہ لغو ہے۔ بلکہ شاذ و منکر ہے کیونکہ اس کے خلاف حضرت عائشہ رضؓ سے بہت سی روایات ثابت ہیں۔ جن میں آپ نے حضرت عثمان رضؓ کا دفاع کیا۔ قتل کو نفرت و حقارت سے دیکھا۔ ان پر لعنت کی اور حضرت علی رضؓ نے بھی آپ کی تائید میں ان پر لعنت کی۔

(طبری ج ۴ ص ۹۳ المنتقی ص ۲۲۹)

رابعاً۔ حتی الامکان آپ حضرت عثمان رضؓ اور بلوائیوں کے اختلاف کو رفع کرتیں۔ ماں کی حیثیت سے بلوائیوں کی کسی غلط رپورٹ پر آپ کو حضرت عثمان رضؓ پر تنقید کا حق حاصل تھا۔ کبھی کچھ کہا ہو تو وہ کس منطق سے حضرت عثمان رضؓ سے دشمنی کے ذیل میں آئے گا۔ معاصرانہ تنقید عام بات ہوتی ہے۔ درحقیقت بلوائی کمینے آپ کی عزت کے بھی دشمن تھے۔ لگائی

بجھائی سے فتنہ برپا کرنا چاہتے تھے اور یہ تنقید ان کی ہی خود ساختہ ہے۔ جب انہوں نے ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضؓ کی بھی بے عزتی کی تو آپ عزت بچا کر اور حج کے لیے مکہ مکرمہ چلی آئیں۔ اگر آپ بزعم شیعہ مخالف عثمانؓ اور آپ کی قتل پہ خوش نہیں۔ یہ مقصد مدینہ تشریف میں رہ کر جلدی حاصل کر سکتی تھیں۔ بلوائیوں کی ڈھارس بندھتی۔ مگر آپ کا عمل اس کے برعکس تھا۔

خامساً۔ درحقیقت یہ تنقید جھوٹ ہے۔ نعثل کا لفظ صرف قاتلین عثمانؓ کی زبان پر جاری ہوا۔ سب سے پہلے یہ لفظ بولنے والا جبلہ بن عمرو ساعدی تھا اس نے کہا اے نعثل میں آپ کو قتل کر کے ایک خارشی اونٹ پہ سوار کروں گا اور اسے شہر سے باہر پتھریلی زمین کی طرف ہانک دوں گا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۱۴ مطبع حسینیہ مصر) بعد ازاں یہ لفظ جنگ جمل کے موقعہ پہ ہانی بن خطاب اور حبی کی زبان پہ جاری ہوا وہ کہتا ہے۔ ؎

ابت شیوخ من حج وھمدان ان لا یردو نعثلا کما کان

تیسری مرتبہ یہ لفظ عبدالرحمٰن بن حنبل جمحی نے جنگ صفین کے موقعہ پہ بولا۔ وہ کہتا ہے۔

؎ ان تقتلونی فانا ابن حنبل انا الذی قتلت فیکم نعثلا

جب جبلہ بن عمرو ساعدی نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرتے ہوئے پہلی مرتبہ نعثل کا لفظ بولا۔ حضرت عائشہ رضؓ اس وقت مکہ مکرمہ میں محو عبادت تھیں۔ جب حج سے واپس لوٹیں تو یہ لفظ آپ کے کانوں میں پہنچا۔ (تحشیۃ الخطیب بر منتقی ا ص ۲۴۲)

سادساً۔ زیر بحث تاریخی روایت میں یہ بھی ہے کہ عبد ابن ام کلاب نے حضرت عائشہ رضؓ سے کہا کہ آپ کیوں قصاص عثمانؓ چاہتی ہیں جبکہ آپ نے ان پہ نکتہ چینی کی تھی۔

قالت انھم استتابوہ ثم قتلوہ وقلت وقالوا وقولی الاخیر خیر من قولی الاول (طبری ج ۴ ص ۵۹)

فرمانے لگیں۔ بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ سے توبہ کرائی پھر انہیں شہید کر دیا اور میں نے یہ بات اس وقت کہی تھی۔ جب بلوائیوں نے ان کے متعلق (میرے پاس غلط رپورٹ) بیان کی تھی۔ میری آخری بات (حقیقت پر مطلع ہونے کی وجہ سے) پہلی بات سے بہتر ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ جملہ ثابت بھی ہو تو غلط خبر پر مبنی تھا۔ جیسے حضرت عائشہ رضؓ نے تصریح

کردی ہے:

سنایا تھا۔ بصرہ کے شہر میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کی تقریروں کے بعد حضرت عائشہؓ نے فرمایا لوگ حضرت عثمانؓ پر نکتہ چینی کرنے لگے اور آپ کے حکام پہ الزام لگاتے ہمارے پاس یہ لوگ مدینہ میں آتے تو جو کچھ بیان کرتے ہمیں اس کے چھپانے کا حکم دیتے اور ہماری نرم بات کو اپنے حق میں بہتر جانتے جب ہم ان کے الزامات میں غور کرتے تو حضرت عثمانؓ کو بری، پرہیزگار اور وفادار پاتے۔ اور ہم ان کو بدکار اور جھوٹا سمجھتے کہ یہ جو کچھ ظاہر کرتے اس کے خلاف ارادہ رکھتے تھے (طلب حق کے بجائے قتل عثمانؓ) جب یہ باغی ٹولہ بنانے پہ قادر ہو گئے تو گھر میں گھس کر حرام خون، حرام مال اور حرام شہر کو حلال کر لیا۔ (طبری ج ۴ ص ۴۶۲)

حضرت عائشہؓ نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا تھا اے عثمانؓ! اللہ اگر تجھے ایک دن بھی خلافت کی قمیص پہنائے اور منافق اتروانا چاہیں تو اللہ کی اس پہنائی ہوئی قمیص کو کبھی نہ اتارنا۔ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا تھا۔ راوی نے کہا اے اماں قتل والے دن آپ نے یہ حدیث کیوں نہ سنائی۔ فرمایا بھول گئی تھی۔ (ابن ماجہ ص ۱۱)

سوال ۱۸۔ مسلمانوں کے چار امام حضرت امام ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ ہیں۔ کیا ان کی امامت نص سے ثابت ہے یا حکومت وقت کی پیداوار تھی اور چار مصلے جو خانہ کعبہ میں بنائے گئے تھے ان کا شرعی جواز کیا تھا اور اب ان کو اٹھا بھی دیا ہے تو حکومت کا اپنی مرضی سے ان چار مصلوں کو کعبہ میں قائم کرنا اور عرصہ کے بعد اٹھانا کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان بزرگوں کی امامت حکومت کی مرہون منت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

الجواب۔ اس بھونڈے سوال میں تو مشتہر کا مسلمانوں سے شدید عناد تقیہ سے باہر نکل آیا اور جہالت سے آئمہ اربعہ کا تقابل اپنے خود ساختہ ۱۲ آئمہ سے چاہنے لگا۔ اس پہ واضح ہونا چاہیے کہ اہل سنت کے فقہاء مجتہدین و آئمہ اربعہ کی امامت۔ نہ نبوت سے افضل ہے نہ نبوت کی مثل ہے۔ نہ منصوص ہے۔ اور نہ اہل سنت شیعہ کی طرح جناب پیغمبر خاتم الانبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور منصب واوصاف میں اس شرک عظیم اور کفر صریح کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ یہ تو قرآن حکیم اور سنت نبوی میں نئے در پیش مسائل کے لیے غور و فکر اور صواب واصوب کی تلاش میں اجتہاد کا نتیجہ ہے اور کئی غیر منصوص نئے مسائل میں یہ اختلافات آراء ایک ایک مذہب کی حیثیت اختیار کر گئے۔ جیسے خود حضرت باقر و جعفر رحمہما اللہ میں یا حضرت زید اور دیگر اہل بیت میں فقہی اختلافات ہیں جن میں ایک دوسرے کی نہ قطعی تغلیط کی جا سکتی ہے نہ کسی معین مسلک کو ماننا ہی باعث نجات ہے اور یہی اختلاف امت کے لیے رحمت ہے۔ جہاں تک حادثات نو کے حل کے لیے اجتہاد و قیاس کی ضرورت واہمیت کا تعلق ہے ہم اس سے قبل سوال ۱۳ کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک آیت کا حوالہ کافی ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ۔ اور جو ہمارے دین کے بارے میں کوشش کریں گے ہم ضرور بالضرور ان کو اپنا راستہ دکھائیں گے اور اللہ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (ترجمہ مقبول ص ۸۲۴)

مولوی مقبول صاحب نے حاشیہ پر لکھا ہے "حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنے علم کے بموجب عمل کرے گا خدائے تعالیٰ اس کو اس علم کا بھی وارث کر دے گا جس کو وہ نہ جانتا ہو" (ایضاً)

آیت و حدیث کا مفہوم اس جد و جہد اور کوشش کو یقیناً شامل ہے جو نئے مسائل کے دینی احکام معلوم کرنے کے لیے قرآن و سنت کے معلوم ذخیرہ میں کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ مجتہدین کو ان کا علم اور حل عطا فرما دیتے ہیں، جو پہلے سے معلوم نہیں ہوتا۔

حد یہ ہے کہ شیعہ حضرات اجتہاد کا یہ دروازہ۔ مثل پیغمبر، شارع و معصوم اور صاحب ان وحی و کتاب ۱۲ ائمہ کا زندہ وجود ماننے کے باوجود بھی بند نہ کر سکے۔ اور وہ ہر زمانے میں مجتہد جامع الشرائط کی ضرورت اور وجوب تقلید کے قائل ہیں اور ایسے مجتہدین ان کے یہاں سینکڑوں ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا فیصلہ و اجتہاد دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک مجتہد کی وفات پر اس کے سارے مسائل باطل ہو جاتے ہیں اور نئے مجتہد و تنقید ار کو خود

شیعہ ہی منتخب کر کے امام العصر کی سیٹ پر غاصبانہ بٹھا دیتے ہیں۔ ان کے قرآن و سنت کے مخالف مسائل کا تذکرہ طوالت کا موجب ہو گا۔

اہل سنت کے ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہاد کی پوزیشن واضح ہو۔

علامہ ابوالحسن شعرانی شافعی میزان الکبریٰ ج ۱ ص۵۵ پر رقمطراز ہیں۔

فقد بان لك يا اخي مما نقلناه عن الائمة الاربعة وغيرهم ان جميع المجتهدين دائرون مع ادلة الشريعة حيث دارت وانهم كلهم منزهون عن القول بالرائ في دين الله وان مذاهبهم كلها محررة على الكتاب والسنة كتحرير الذهب والجوهر ..... وما بقي لك عذر في التقليد لاي مذهب شئت من مذاهبهم فانها طرق الى الجنة كما سبق بيانه۔

ائمہ اربعہ وغیرہم سے جو کچھ ہم نے نقل کیا ہے اس سے اے بھائی تجھ پر واضح ہو چکا ہو گا کہ تمام مجتہدین ادلہ شرعیہ کے ساتھ گھومتے ہیں جہاں وہ گھومیں اور بلاشبہ وہ سب اللہ کے دین میں اپنی رائے کی بات کرنے سے منزہ اور پاک ہیں۔ ان کے مذاہب (اربعہ) کتاب اور سنتِ نبوی پر ایسے چھپے ہوئے ہیں جیسے سونے اور جواہرات پر نقش و نگار۔ اب تیرے لیے کوئی عذر باقی نہیں تو ان مذاہب میں سے جس کی چاہے تقلید کر لے کیونکہ یہ سب حسب بیان سابق جنت میں پہنچانے والے راستے ہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی حجۃ اللہ البالغہ ص۳۴۸ پر لکھتے ہیں۔

"خلاصہ یہ کہ جب ان قواعدِ شرعیہ پر فقہاء نے فقہ کی بنیاد رکھی تو کوئی اختلافی مسئلہ زمانہ سابق کا یا ان کے اپنے زمانے کا ایسا نہ رہا جس پر دلیل نہ مل سکے۔ ہر مسئلہ پر انہیں حدیث مرفوع متصل یا مرسل یا موقوف، صحیح یا حسن۔ اور اعتبار و استدلال کے قابل مل گئی یا شیخینؓ، باقی خلفاء و بڑے بڑے شہروں کے قاضیوں اور علماء کے فیصلے ان کو مل گئے۔ یا قرآن و سنت کے عموم میں سے بطور اقتضاء النص یا اشارۃ النص ان کو استدلال کی سمجھ آگئی تو اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے ان کو سنت نبوی پر عمل کرنا آسان کر دیا۔

مجتہد کے لیے۔ ادلہ شرعیہ۔ کتاب اللہ، سنتِ رسولؐ، اجماعِ امت، قیاس صحیح۔

کے علاوہ علومِ عربیہ میں مہارت اور تقویٰ و بصیرت کے زیور سے بھی آراستہ ہونا ضروری ہے
سوال نمبر ۱۳ میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اجماعِ امت اور قیاسِ صحیح مستقل ادلہ نہیں ہیں۔ بلکہ قرآن و سنت کی فرع ہیں۔ کتاب و سنت کے صریح برعکس نہ اجماع منعقد ہوا اور نہ قیاس کی گنجائش ہے۔ شیعہ حضرات بھی اپنے علماء کے اجماع کے اور مجتہد کے لیے ضرورتِ قیاس و عقل کے قائل ہیں۔ گو تعبیر میں اختلاف سہی، ایک شیعہ مؤلف لکھتا ہے۔

"شیعہ کے نزدیک فقہ کے چار ماخذ ہیں۔ قرآن مجید۔ سنتِ رسولؐ و آئمہ طاہرین۔ اجماعِ علماء الشیعہ (بشرطیکہ خلافِ قرآن و سنت نہ ہو) اور عقلِ سلیم۔ جبکہ غیر شیعہ فقہوں میں قیاس کو ماخذ مانا گیا ہے۔" (شیعہ مذہب سچا ہے ص ۱۱۳)

گو مجتہدین بہت ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو ان چاروں کی بزرگی اور امامت پر متفق کر دیا اور ایسی مقبولیتِ عامہ حاصل ہوئی کہ فرقہ شیعہ اور چند اہلِ ظاہر کے سوا سب کروڑوں مسلمانوں نے ان کی تقلید کی۔ اور قرآن و سنت پر ان کے واسطے سے عمل کیا۔ یہی ان کی حقانیت کی دلیل ہے۔

کتبِ اہلِ سنت میں یہ حدیث قطعی الثبوت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان اللّٰہ لا یجمع امتی علی ضلالۃ	بلاشبہ اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے
ید اللّٰہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی	گا اور اللہ کا دستِ نصرت جماعت پر ہوتا ہے
النار (ترمذی)	جو جماعت سے الگ ہوا جہنم میں پھینکا گیا۔

کتبِ شیعہ سے اس حدیث کا ثبوت دیا جا چکا ہے۔ حضرت علی رضؓ کا ارشاد ہے۔

وما کان اللّٰہ لیجمعھم علی الضلال	اور اللہ تعالیٰ ان صحابہ رضؓ کو اور بعد والی امت

کو گمراہی پر جمع کرنے والا نہیں ہے۔

آئمہ اربعہ پر امت کا یہ اتفاق اور قبولیتِ عامہ عطیہ خداوندی ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ حکومتِ وقت کی پیداوار نہیں اور نہ ان آئمہ نے اپنے شاگردوں اور پیروکاروں کو رشوت دی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو حکومتوں کے اختتام کے ساتھ یہ مذاہب بھی ختم ہو جاتے۔

اور حکومتیں ان پر جور وجفا کرتی ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ المتوفی ۱۵۰ھ نے منصور عباسی کے جیل خانہ بغداد میں وفات پائی۔ حضرت الامام احمد بن حنبل رحؒ خلق قرآن کے مسئلہ کے سلسلے میں ۳ سال جیل میں رہے اور ہر روز کوڑے کھاتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان آئمہ کی مقبولیت عامہ کے پیش نظر حکومتیں ملکی قوانین کی بنیاد ان کی فقہ پہ رکھتیں جسکی وجہ سے مسلمان اندرونی طور پر مستحکم تھے۔ اور بیرونی طور پر جہاد اور فتوحات کے دروازے کھلے ہوتے تھے تاہم للہیت کے پیش نظر یہ آئمہ اپنی فقہ ومسلک کو جبراً تمام مسلمانوں پہ نافذ کرنے کے حق میں نہ تھے۔ مثلاً مؤطا امام مالکؒ کو ہارون رشید نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا تو خواہش ظاہر کی کہ اسے تمام مملکت میں بطور قانون نافذ کردیا جائے مگر حضرت امام مالکؒ نے فرمایا۔ ہر شہر میں صحابہ کرامؓ آئے ہیں اور فقہ وحدیث کا خزانہ ان لوگوں کو ملا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارا مجموعہ جو اہل مدینہ کی روایت وعمل سے ہے۔ ان سے کچھ مختلف ہو۔ تو اس کے جبراً نفاذ سے ان کو حرج واقع ہو۔

یہ شیعہ کے امام نہ تھے کہ اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کو بے ایمان اور خارج از اسلام قرار دیں۔ جیسے حضرت علیؓ کے متعلق ہے "کہ جو آپ کو پہچانے وہی مومن ہے اور جو آپ کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اور جو کسی اور کو آپ کی بیعت میں شریک کرے وہ مشرک ہے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۴۶)

اور عالمانہ مجلس میں حکومت وامارت کے لیے بے چین ہوں۔ جیسے امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔

لو کان لی شیعة بعدد هذا الجدی ما وسعنی القعود ونزلنا وصلینا فلما فرغنا من الصلوٰة عطفت علی الجدی فعددتها فاذا هی سبعة عشر (اصول کافی ج ۲ ص ۲۴۳ باب قلة المؤمنین)	اگر میرے ان بکریوں کے برابر شیعہ ہوتے تو مجھے طلب خلافت وحکومت سے بیٹھ رہنا جائز نہ ہوتا۔ راوی کہتا ہے ہم نے اتر کر نماز پڑھی اور بکریاں گنیں تو وہ صرف سترہ نکلیں۔

حضرات اہل بیتؓ کو اپنے مقام سے اٹھا کر شیعہ نے جس بلند مقام رسالت والوہیت پر بٹھایا ہے۔ اس کا مفصل نقشہ ہم سوال ۲۱ کے جواب میں دکھائیں گے۔ یہاں صرف یہ کہنا ہے

کہ شیعہ حضرات اگر حضرت جعفر صادقؒ اور محمد باقرؒ پر من گھڑت روایات تھوپنے کے بجائے ان کے تفقہ اور استدلالات کو روایت کرتے اور اصول و فروع میں ان کو اہلِ اسلام سے الگ نہ دکھاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا اور حلقہ تعلیم بھی وسیع ہوتا۔ جہاں تک اہلِ سنت کا ان سے حسن تعلق تھا۔ انہوں نے ان سے احادیث اور فقہ بھی روایت کی۔ اور معتمد بزرگ عالم بھی تسلیم کیا۔ ان کا حلقہ احباب بھی وسیع ہوا۔ تاہم جو مقبولیت آئمہ اربعہ کو اللہ نے عطا کی وہ ان سے زیادہ تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ جب کبھی مدینہ آتے تو حضرت جعفر صادقؒ احتراماً کھڑے ہو کر استقبال کرتے۔ اصول کافی میں بھی ان کے آنے اور ملاقات کرنے کا ذکر ہے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے اہل الرائے کا پروپیگنڈہ کر کے حضرت امام اعظمؒ سے جناب صادقؒ کو بدظن کرنا چاہا۔ آپ نے جب مختلف سوالات کیے تو امام ابوحنیفہؒ کو اس تہمت سے بری پایا۔ نیز امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے شہر کے سب سے بڑے فقیہہ ہیں۔ امام ابنِ معین کہتے ہیں۔ میرے نزدیک معتبر فقہ امام ابوحنیفہؒ کی ہے۔ اسی پر لوگوں کو عمل کرتے پایا۔ ایک امام کا قول ہے۔ آئمہ مشہورین میں سے جس قدر امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد و اصحاب ہوئے اور کسی کے نہیں ہوئے اور علماء اور تمام لوگوں نے جس قدر نفع امام ابوحنیفہؒ سے پایا اور کسی سے نہیں پایا۔ علامہ عینی بنایہ میں فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی تعریف بڑے آئمہ نے کی ہے۔ جیسے ابنِ مبارک۔ سفیان بن علیہ۔ اعمش۔ سفیان ثوری۔ عبدالرزاق۔ حماد بن زید۔ وکیع۔ امام مالک۔ شافعی۔ احمد بن حنبل وغیرہم رحمہم اللہ (تاریخ ابنِ خلدون)

چاروں مصلوں کو خانہ کعبہ میں قائم کرنا شرعاً جائز تھا۔ حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔ ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت ہو سکتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چاروں آئمہ کے پیروکار کثرت سے ہیں اور ایک دوسرے کے وجود کو رواداری اور خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد سعودی حکومت نے بعض مصالح کے پیشِ نظر متعدد جماعتوں کا سلسلہ ختم کر دیا ہے تو کوئی اس پر طعن و تشنیع نہیں کرتا کیونکہ جائز کام کو جائز سے مصالح کے پیشِ نظر بدلا ہے۔ واجب سے ناجائز کی طرف نہیں بدلا۔ اور اب بھی مختلف مسالک کے امام ہیں۔ راقم الحروف کو امسال (ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ) خود شرفِ حج حاصل ہوا۔ خانہ کعبہ کے

نماز پنجگانہ کے چار امام تھے۔ اگر ایک وقت شافعی المسلک امام نماز پڑھاتا ہے تو دوسرے وقت حنبلی المسلک جماعت کراتا ہے۔ ایک ہی امام کے پیچھے چاروں مسالک کے لوگ بلا تکبیر و نزاع نماز ادا کرتے ہیں۔ گروپ بندی یا تعصب و اختلاف کی کوئی بات ہی نہیں۔ جامعہ اسلامیہ (مدینہ یونیورسٹی) میں جانے کا اتفاق ہوا تو تبادلہ خیال سے معلوم ہوا کہ چاروں آئمہ کی فقہ کی تدریس ہوتی ہے۔ اور مدرسین بھی چاروں مسالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو استاذ جس مذہب پہ چاہے پڑھاتا ہے اور اپنے مسلک کی خوب تائید کرتا ہے۔ کوئی مخالفت یا جانبداری نہیں۔ اللہ پاک نے سعودی حکومت کے ہاتھوں مصلے اٹھوا کر اتفاقِ اہلِ سنت کی ایک تازہ مثال قائم کر دی ہے کہ ۱۲۰۰۔۱۳۰۰ سال بعد بھی مسلمان ایک ہی کلمہ۔ ایک ہی قرآن اور ایک ہی پیغمبر ؐ اور ایک مرکزِ ملت خانہ کعبہ کے قائل ہیں اور درحقیقت یہ شیعہ اور قادیانی اسلام دشمنوں کے منہ پہ زبردست طمانچہ ہے جو بدگمانی سے مسلمانوں کے چاروں مسالک کو ایک دوسرے کی ضد جانتے یا ان میں اختلافات کو اور نمایاں کر کے اتحاد ملی کو دفن کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے چند غالی جہلاء سے قطع نظر کسی بھی ملک کے سنی المسلک کو خواہ حنفی ہو یا شافعی مالکی حنبلی) علیحدہ نماز پڑھتے یا جماعت کراتے نہیں دیکھا۔ میں نے ترکی، مراکش، طرابلس، مصر، شام، افریقہ ہر ملک و مسلک کے مسلمانوں سے ملاقات کی سب کے دل میں بہت ہی الفت و محبت کے جذبات دیکھے۔ ہاں ایرانیوں کو (شاید اس کی وجہ مذہبی تعصب ہو گا) متکبر و متنفر پایا۔ خاکم بدہن۔ انہی لوگوں کو میں نے نماز کے وقت حرم شریف سے بھاگتے دیکھا۔ الگ جماعتیں ان کی مسجد نبوی اور خانہ کعبہ مسجد حرام سے باہر اپنے ڈیروں پہ دیکھیں۔

شیعہ پانچ وحدتوں کے دشمن ہیں

یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان ایک پیغمبر ؐ ایک کتاب۔ ایک کلمہ اور ایک کعبہ اور ایک امت پہ اتحاد کو باعثِ فخر جانتے ہیں۔ شیعہ ان پانچ وحدتوں کے ازلی دشمن ہیں۔

وہ پیغمبر کے بجائے حضرت علی رضؓ کو اپنے لیے منصوص من اللہ، ہادی اور مفترض الاطاعۃ جانتے ہیں۔ جیسے امام جعفر صادق رحؒ کا یہ ارشاد ہم نقل کر چکے ہیں۔ "میں تو وہ شریعت لیتا ہوں

جو علیؓ لائے ہیں اور جس سے وہ روکیں رکتا ہوں۔ جری لہ من الفضل ما جری لمحمد، آپؓ کا وہی منصب و مرتبہ ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ درحقیقت وہ حضرت علیؓ کو حضورؐ سے بھی افضل مانتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں امامت نبوت سے افضل ہے اور حضرت علیؓ سب انبیاءؑ سے شیعہ کے ہاں افضل ہیں۔ تو وہ حضورؐ سے کم رتبہ یا مساوی کیسے ہو سکتے ہیں؟

یہی وجہ ہے کہ جس چیز کی نسبت صرف حضرت علیؓ کی طرف ہو اس کا احترام شیعہ زیادہ کریں گے بہ نسبت اس چیز کے جو صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہو۔ مثلاً

۱۔ امت محمدیہؐ کہلانے کے بجائے وہ شیعہ علی کہلاتے اور اس پہ فخر کرتے ہیں۔ حتی الامکان امت محمدیہ کی مذمت کرتے اور شیعہ علیؓ کی مدح کرتے ہیں۔ کافی میں حضرت جعفر صادقؒ کا فرمان موجود ہے۔ فما ھذہ الامۃ الملعونۃ۔ ھذہ الامۃ اشباہ الخنازیر۔ یہ امت خنزیروں جیسی ہے۔ یہ کیسی ملعون امت ہے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۳۳۷) نیز آپ کا یہ بھی ارشاد ہے۔ "ہمارے شیعہ کے سوا سب لوگ کنجریوں کی اولاد ہیں۔" (روضہ کافی ص ۲۸۵)

۲۔ حضرت علیؓ کے والد جناب ابوطالب کو تو بلا دلیل اور خلافِ قرآن مومن اور محترم مانتے ہیں، مگر حضور علیہ السلام کے محترم چچا حضرت عباسؓ کو ذلیل النفس اور ضعیف الایمان کہتے ہیں۔ (روضہ کافی ص ۱۸۹ حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۸)

۳۔ حضرت علیؓ کے مسکن کوفہ کو حرم شریف قبۃ الاسلام وغیرہ کہتے ہیں، حالانکہ اسی شہر کے منافقوں نے حب اہل بیت کی آڑ میں اہل بیت رسول پہ قیامت توڑی اور عزت و خون خاک میں ملایا، مگر مسکنِ نبوی و مسکنِ خلفائے ثلاثہؓ مدینہ طیبہ کے متعلق ان کی احادیث یہ ہیں، کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔ اہلِ شام (حضرت معاویہؓ وغیرہ مسلمان) رومیوں (عیسائیوں) سے بدتر ہیں اور اہلِ مدینہ مکہ والوں سے بدتر ہیں اور اہل مکہ خدا کے کھلے منکر ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اہلِ مکہ کھلے کافر ہیں اور مدینہ والے ان سے ستر گنا بڑے پلید ہیں۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۴۰۹)

غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ نور اللہ شوستری نے لکھا ہے۔

دامابکہ و مدینہ محبت ابو بکر و عمر بر الیشاں غالب ست (مجالس المومنین ص ۵۵) مکہ اور مدینہ کے باشندوں میں حضرت ابو بکر رض و عمر رض کی محبت بہت ہے۔

۴۔ حضرت علی رض کی ازواج کو محترم ماں کی طرح جانتے ہیں۔ مگر آیاتِ تطہیر کی مالکہ ازواج مطہرات رض نبوی کو اہل بیت سے خارج اور خصوصاً حضرت عائشہ رض و حفصہ رض و ام حبیبہ رض کو جو مغلظات لکھتے ہیں، قلم میں لکھنے کی تاب نہیں۔

۵۔ حضرت علی رض کی صاحبزادیوں کا احترام کریں گے مگر حضرت فاطمہ رض کے سوا باقی تین صاحبزادیوں حضرت زینب رض، رقیہ رض و ام کلثوم رض کے تذکرہ سے چیں بجبیں ہونگے۔ یا ان کا باپ العیاذ باللہ اور تجویز کریں گے۔

۶۔ اسی طرح حضرت علی رض کے دامادوں کا احترام کریں گے مگر حضور ص کے دامادوں کو ایماندار بھی تسلیم نہ کریں گے۔

۷۔ حضرت علی رض کو سب مومنوں کا پیر مانتے ہیں، مگر حضور ص کے فیض سے پانچ افراد بھی مومن نہیں مانتے۔ ایک لاکھ ۲۴ ہزار صحابہ کرام رض کو العیاذ باللہ ایمان سے خارج اور منافق (کافر) جانتے ہیں۔

۸۔ حضرت علی رض و آئمہ اہل بیت رض کے سب اصحاب محترم ہیں خواہ کیسے بھی ہوں۔ مگر حضور ص کے ہر صحابی پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔

۹۔ حضرت علی رض کے جانشینوں کو تو واجب الاتباع جانتے ہیں۔ مگر حضور ص کے خلفاء کو العیاذ باللہ سامری اور بتوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶۱)

۱۰۔ حضرت علی رض و آئمہ کی براہِ راست تعلیم کو تو کامیاب، موثر اور شائع مانتے ہیں۔ مگر حضور ص کی تعلیم براہِ راست کو ۵ آدمیوں میں بھی موثر نہیں مانتے۔

۱۱۔ حضرت علی رض کے خطبات کے نام سے شریف رضی کی مرتبہ نہج البلاغہ کو اور ابو جعفر کلینی کی مرتبہ اصول کافی کو سب سے مستند، واجب العمل اور تحریف سے پاک مانتے ہیں مگر حضور علیہ السلام پہ نازل شدہ کتاب اللہ کو محرف، ناقابلِ اعتبار اور بلا ضمیمہ قول امام ناقابلِ عمل مانتے ہیں۔ (اصول کافی ص ۱۷ کشف الغمہ ج ۱ ص ۳۸۶) چہ جائیکہ ارشاداتِ نبوی

پر مشتمل کوئی کتاب تیار کی ہو یا اسے حجت قطعیہ جانتے ہوں۔

۱۲۔ عزاداری اہلِ بیت پر مشتمل جملہ بدعات و خرافات کو تو سب سے زیادہ مہتم بالشان سمجھ کر سب شیعہ انتہائی اجتماعات اور جلوس کی شکل میں ادا کرتے ہیں۔ مگر قرآن و سنت کی حقیقی تعلیم نماز روزہ وغیرہ کو ۵ ٪ بھی ادا نہیں کرتے۔ رہی کتاب اللہ کی وحدت تو شیعہ سرے سے موجودہ قرآن کی صحت کے قائل ہی نہیں۔ نہ اس پہ تعامل کے مفصل بحث گزر چکی ہے۔ یہاں صرف ایک حوالہ کافی ہے۔ حضرت باقرؒ اپنے شاگرد زرارہ و ابو بصیر کے اختلاف کے متعلق کہتے ہیں۔

"بلاشبہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پہ چلے تو اللہ کی کتاب کو مسخ و تبدیل کر ڈالا اور اس سے کچھ احکام مٹا ڈالے اور اللہ کے دین میں کچھ اضافہ کیا اور کچھ کمی کی۔ آج سب لوگ (سنی شیعہ) جس مسئلہ پہ بھی ہیں وہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے خلاف ہے۔ پس اے زرارہ تجھ پہ اللہ کی رحمت ہو، جو تجھے کہا جائے مانتے جاؤ تا آنکہ وہ شخصیت (مہدی) آ جائے تو تمہیں از سرِ نو اللہ کے دین کی تعلیم دیں گے (مجالس المومنین ج ا ص ۱۴۵)

معلوم ہوا کہ حضرت باقرؒ کے پاس بھی اصلی خدائی تعلیم نہ تھی۔ نہ قرآن کو صحیح کر سکے۔ اور امام مہدی کے سپرد کر دیا۔

تیسری وحدت کلمہ طیبہ۔ کو بھی ختم کر دیا ہے۔ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ماننے والے کو شیعہ ہرگز مومن اور کامل مسلمان تسلیم نہیں کرتے۔ جب تک وہ ان کے علی ولی اللہ وصی رسول اللہ خلیفتہ بلا فصل کے خود ساختہ پیوند پر ایمان نہ لائے۔ چنانچہ اب سکولوں کے نئے نصاب دینیات میں مسلمانوں کا کلمہ نہیں آنے دیا اور اپنا خود ساختہ کلمہ رائج ہے۔ اساتذہ ص ۳۵ پہ درج کرا دیا۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ کلمہ کی بحث آخر میں آئے گی۔

چوتھی وحدت۔ کعبۃ اللہ کا حشر تو سامنے ہے کہ شیعہ وہاں نماز بھی باجماعت نہیں پڑھتے۔ حالانکہ وہاں یہاں کی بہ نسبت ایک لاکھ گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ ایک

شیعہ شاعر حاجی پر طعن کر کے کہتا ہے ؎

بدن پہ جامہ احرام دل میں بغض علیؓ ۔۔۔ تیرے نصیب کا چکر ہے طواف نہیں

نور اللہ شوستری نے مقلد بن مسیب شیعہ کے حالات میں لکھا ہے کہ اس نے ایک حاجی کو وصیت کی تھی۔ میری طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام پہنچا کر کہنا کہ اگر ابوبکرؓ وعمرؓ آپ کے ساتھ دفن نہ ہوتے تو یقیناً میں سر آنکھوں پر آپ کی زیارت کے لیے آتا۔ ع ہمسایہ بد مباد کس را (مجالس المومنین ج ۲ ص ۳۴۳)

یہی وجہ ہے کہ ایران کے ہوں یا ہند و پاک کے شیعہ حج بیت اللہ و زیارت مدینہ کی بہ نسبت کربلا۔ بغداد اور نجف کی زیارت کے لیے زیادہ تر جاتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہو جبکہ ان مقامات کا حج، حج بیت اللہ سے بھی افضل ہے۔ مثلاً زیارت قبر حسینؓ کے متعلق امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں۔

ایما مومن اتی قبر الحسین علیہ السلام عارفا بحقہ فی غیر یوم عید کتب اللہ لہ عشرین حجۃ وعشرین عمرۃ مبرورات مقبولات وعشرین حجۃ مع نبی مرسل او امام عادل۔ (فروع کافی ج ۲ ص ۵۸)

جو مومن حضرت حسینؓ کی قبر پر یوم عید کے علاوہ آپ کا حق پہچانتے ہوئے آئے اللہ اس کے لیے ۲۰ حج اور ۲۰ عمروں کا ثواب لکھے گا جو پاک اور منظور شدہ ہوں گے اور ان ۲۰ حجوں کا ثواب لکھے گا جو نبی مرسل یا امام عادل کے ساتھ کیے ہوں۔

پانچویں وحدت امت کو توان کا توڑنا واضح ہے کہ اصول و فروع میں پوری ملت سے الگ ہیں اور مسلمانوں کو غیر مومن اور منافق جانتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان کی ہمدردیاں مسلمانوں کی بہ نسبت ہمیشہ کفار سے رہی ہیں۔ ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی ان کے فاضل طوسی اور ابن العلقمی کے کارنامے ہیں۔ نادر شاہ رافضی کے ہاتھوں دہلی کی تباہی پر آج بھی فخر کرتے ہیں۔ عالم اسلام میں انتشار اور سنی مسلمانوں کا قتل عام ان کا دل پسند مشغلہ ہے حالیہ ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ میں جب سب عالم اسلام نے بالاتفاق تیل کی سپلائی مغربی ممالک کو بند کر دی تھی تو صرف ایران کی شیعی ریاست نے روایتی غداری کر کے تیل کی سپلائی

جاری رکھی، اور سیاست میں عیسائی فروغ کی بنا پر انڈونیشیا سے بھی یہی حماقت ہوئی تھی۔

اللھم قنا من شر ہم

۱۹۷۹ء میں "اسلامی انقلاب" کے عنوان سے جناب آیۃ اللہ خمینی ایران میں برسرِ اقتدار آئے تو تمام مسلم ممالک میں انتشار پھیلانے کے لیے یہ بیان جاری کیے کہ ہم ہر ملک میں بادشاہت کے خلاف ہیں۔ ہمارے پیروکاروں (شیعوں) کو چاہیے کہ وہ اپنے بادشاہوں کی حکومتیں ختم کریں۔ چنانچہ عراقی شیعوں نے جب اپنے صدر صدام حسین کے خلاف تحریک چلائی تو وہ بالآخر عراق ایران جنگ پر ختم ہوئی۔ جو اب ایک عرصہ تک بند نہیں ہوئی۔ ایران لے ہم حصہ علاقائی اور جانی بھاری نقصان اٹھانے کے بعد بھی صلح نہیں کرتا۔ خود اندرون ملک وہ سنی کردوں کو اہزار سے زائد ایک دو سال کے عرصہ میں شہید کر چکے ہیں۔ جیسے نوائے وقت لاہور ۱۷ فروری ۱۹۸۱ء کے صرا کالم ۸ میں یہ خبر چھپی ہے

"دو برسوں کے دوران دس ہزار سے زیادہ کردوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے (تہران ۱۶ فروری م ن) تہران کے ممتاز اخبار "میزان" کے مطابق کردستان کے ایک لیڈر عبد الرحمٰن نے انکشاف کیا ہے کہ گزشتہ دو سال کے دوران علماء کے حکم پر دس ہزار سے زائد کردوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے کردوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور انہوں نے سیاسی حقوق حاصل کرنے کے لیے ہتھیار سنبھال لیے ہیں۔"

امید ہے اب شیعہ دوست کو تسلی ہو گئی ہو گی کہ مذاہب اہل سنت حکومت کی پیداوار ہیں یا خود شیعہ کا وجود ہی اس لقب کا حق دار یا کفر و جاہلیت کی یادگار ہے۔

کیا سنی شیعہ خارجی فرقہ بندی کے پیشِ نظر اسلام کو بھی جھوٹا اور حکومت کی پیداوار بتایا جائے گا یا شیعوں کے اصولی فرقوں اور آپس کے تضادات کی وجہ سے یہ کہنا صحیح ہو گا کہ حضرت علی رضؓ کی شخصیت اور تعلیم خیالی اور افسانوی چیز ہے اور عجمی حکومتوں کی پیداوار ہے۔ اگر شیعہ کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی وجہ سے ایسا کہنا صحیح نہیں تو صرف ہم مصلے بچھانے یا اٹھانے سے وہ حکومت کی پیداوار کیسے ہو گئے؟

سوال ۹۱ :- اگر حضرت بی بی عائشہ رضؓ کو نہ ماننے والا جہنمی ہے تو اس بی بی کا قاتل

کیونکر رضی اللہ عنہ رہ سکتا ہے۔ مہربانی کر کے تاریخ اسلام ج ۲ ص ۴۴ نجیب آبادی ملاحظہ کر کے فتویٰ صادر فرمائیں۔

الجواب۔ بطورِ الزام پہلی عرض یہ ہے کہ حضرت عائشہ رض کو نہ ماننے والے کو آپ جہنمی مان چکے ہیں۔ اس ام المومنین زوجۃ الرسول سے جنگ کرنے والے بیٹوں پر فتویٰ بھی آپ بتادیں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی۔ آپ کی جلالتِ شان کے پیشِ نظر آپ کا تذکرہ یہاں سے مناسب ہے۔

ام المومنینؓ کا مقام

واقعی ام المومنینؓ کو مومنہ نہ ماننے والا یا آپ کی شان میں گستاخی کرنے والا ملعون اور جہنمی ہے۔ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ۔ (احزاب ۱۶)

نبیؐ مومنین کی جانوں کا خود ان سے زیادہ اختیار رکھنے والا ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

شیعہ مولوی مقبول صاحب نے تفسیر قمی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لفظ بھی نازل ہوئے تھے وھو اب لھم۔ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ نبی دین و دنیا میں امت والوں کا باپ ہے۔ دین میں تو اس طرح کہ ہر نبی اس جہت سے اپنی کل امت کا باپ ہوتا ہے کہ دائمی زندگی کی بوجہ اس کی ذات ہے اور اسی سے مومنین آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ (ترجمہ حاشیہ مقبول پ ۲۱ ص ۵۰۱)

اس سے قطعی معلوم ہوا کہ زوجۃ الرسول حضرت عائشہ صدیقہ رض (وحفصہ رض) ام المومنین ہیں۔ جیسے پیغمبر اکرمؐ روحانی اور ایمانی باپ ہیں اسی طرح امہات المومنینؓ روحانی اور ایمانی مائیں ہیں۔ یہ نسبی رشتہ نہیں کیونکہ پیغمبر نے مومنوں کے گھر میں خود شادیاں کیں اور امہات المومنینؓ کا امت سے پردہ بھی کرایا۔ اب جو شخص امہات المومنینؓ کو مومن نہ مانے وہ دراصل ایمانی رشتے کا منکر اور قرآن کا منکر ہے۔ عرفِ عام میں ایسا شخص ایمان سے محروم، ماں پر الزام لگانے کی وجہ سے حرامی اور مومن برادری سے خارج سمجھا جائے گا۔

اسی طرح حضرت عائشہ وغیرہ ازواجِ مطہراتؓ اہل بیتِ نبوی بھی ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۭ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۔ وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ - (احزاب ع ۴)

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (برابر) اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتی رہو۔ اے اہلِ بیت سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور کر دے اور تم کو ایسا پاک کر دے جیسے پاک کرنے کا حق ہے اور تمہارے گھروں میں خدا کی آیتیں اور حکمت کی باتیں جو پڑھی جاتی ہیں انہیں یاد رکھو۔ (ترجمہ مقبول ص ۵۰۵)

یہ سب خطابات ازواجِ مطہراتؓ کو ہیں اور بنص قرآنی وہ اہلِ بیتِ نبوی ہیں۔ اس کا منکر قرآن کا ہی منکر ہوگا۔ جیسے حضرت سارہؓ زوجہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اہلِ بیت کہلوایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ (ھود ع ۷)

ان فرشتوں نے کہا اے عورت! کیا تو امرِ خدا سے تعجب کرتی ہے حالانکہ اے اہلِ بیت تم پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سزاوارِ حمد و ثنا ہے (ترجمہ مقبول)

گویا ہم نماز کے درود میں، رحمت اور برکت کی جو دعا آلِ ابراہیمؑ پر پڑھتے اور انک حمید مجید سے اس پر مہر لگاتے ہیں وہ اسی آیتِ کریمہ سے ماخوذ ہے۔

جیسے یہاں مونث کو مذکر کے صیغوں سے خطاب کیا گیا اسی طرح اوپر والی آیت میں لفظ اہل کی رعایت کے لیے مذکر کے صیغے ارشاد فرمائے گئے۔ اور یہ کلام عرب میں پایا جاتا ہے، حماسی بیوی سے خطاب کر کے کہتا ہے۔

فلا تحسبی انی تخشعت بعد کم   لشیءٍ ولا انی من الموت افرق

شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان پ ۲۲ سے ازواجِ مطہراتؓ کی افضلیت اور اہلِ بیتِ نبوی ہونا ملاحظہ فرمائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت (دنیا کی) تمام عورتوں پر یہ فرما کر ظاہر فرمائی ہے اے

نبی کی بیویو! تم اور کسی بھی عورت کی طرح نہیں ہو..... ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارا مرتبہ میرے ہاں اور نیک عورتوں جیسا نہیں ہے بلکہ تم میرے ہاں سب سے زیادہ معزز ہو۔ تمہاری توجہ الی اللہ زیادہ رحمت دلانے والی ہے اور ثواب تمہارا سب سے بڑا ہے کیونکہ تمہارا رسول اللہ سے رشتہ ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ الآیۃ۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں۔ رجس سے شیطان کا کام اور خدا کا ناپسندیدہ کام مراد ہے۔ بیت میں لام تعریف خصوصیت والا ہے۔ یعنی نبوت اور رسالت کا گھر اور عرب ہائش گاہ کو گھر کہتے ہیں اس لیے انساب کو بھی بیوت کہا جاتا ہے۔ تمام امت کا اتفاق ہے کہ اہلِ بیت سے مراد ہمارے نبی کے اہلِ بیت ہیں۔ پھر تشریح میں اختلاف ہے۔ ابنِ عباسؓ کے شاگرد، عکرمہ (وغیرہ) کہتے ہیں ازواجِ نبی مراد ہیں۔ کیونکہ آیت کا آغاز انہی سے مخاطب ہے۔ (شیعہ کے ہاں آلِ عبا ہیں)

بلاشبہ حضرت علیؓ، فاطمۃ الزہراء اور حسنین رضی اللہ عنہم کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اہلِ بیت قرار دے کر اس آیت میں مندرج فرمایا ہے۔ لیکن دعا کی بدولت یہ شمول تبعی اور ضمنی ہے۔ نزولِ خاص ازواجِ مطہرات کے حق میں ہوا ہے جیسے حضرت ابنِ عباسؓ (مفسر اہلِ بیت) اس پر مباہلہ کا چیلنج دیا کرتے تھے (تفسیر ماثورہ)

۳۔ کاملین بھی بدزبانوں کے حملہ سے نہیں بچ سکتے اور انجام کار ان کے حق میں مفید ہوتا ہے۔ جیسے حضرت یوسفؑ، حضرت مریم اور بنی اسرائیل کے راہب پر بدکاری کی تہمت لگی تھی۔ اور ان کی برأت خاندانِ زلیخا کے بچے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نومولود بچے نے دی تھی۔ اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی تو سابقہ برأتوں سے بڑھ کر خود خدا تعالیٰ نے برأت کی اور سورت نور کے ۲ رکوع صرف اسی برأت کے لیے اتارے۔ تمام مفسرین اور محدثین اس واقعہ پر متفق ہیں۔ اللہ نے متنبہ کر کے فرمایا۔

"اللہ تم کو نصیحت فرماتا ہے کہ اس قسم کی (ایمان و کردار میں عیب لگانے والی بات) دوبارہ کبھی نہ کرنا اگر تم مومن رہنا چاہتے ہو۔"

۴۔ اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ مطہرہ

میں مناسبت و مطابقت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (نور ۲۶)

گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ہیں پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ سب خاندان لوگوں کی تہمتوں سے پاک ہے ان کے لیے بخشش اور اچھا رزق ہے۔

یعنی اگر تمہارے اعتقاد میں پیغمبر اکرمؐ پاک ہیں تو ان کی بیویاں بھی پاک ہیں۔ ان کے ایمان و کردار پر شبہ کرنا روا نہیں اور اگر العیاذ باللہ آپ کی بیویاں ایمان و کردار کے لحاظ سے گندی ہیں تو پیغمبر اکرمؐ پر بھی حرف آتا ہے۔ ایسی ازواج زوجات الرسولؐ بننے کے بجائے گندے لوگوں کے عقد میں آتیں۔ ازواج الرسول اور امہات المومنین کے دشمن ان چار آیات پر غور کریں۔ کیا وہ ان کے حق میں بدگوئی کر کے مسلمان رہ سکتے ہیں۔ یہ کس قدر واضح بات ہے کہ بیوی کا رشتہ اس قدر محبوب اور اس قدر نازک ہوتا ہے کہ اس کے دفاع اور حرمت کی خاطر قریب ترین رشتہ داروں سے بھی دشمنی ہو جایا کرتی ہے اور انسان کے جذبات نازک صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ سخت ترین کفار کو بھی اس کمینگی کی جرأت نہ تھی کہ وہ حضورؐ کی ازواجِ مطہرات کے متعلق نازیبا بات کہتے۔ حالانکہ انہوں نے آپ سے دشمنی اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ پیغمبر اکرمؐ پہ ایمان کا مدعی ایسا ٹولہ بھی ہے جو حضورِ پاکؐ کی پاک بیویوں کے ایمان و کردار پہ پاگل جانور کی طرح چھوٹ چھوٹ کر حملے کرتا ہے۔ حالانکہ ایسی معمولی سی بات اگر ان کی بیویوں کے متعلق کوئی کہہ دے۔ خواہ وہ کتنے گھٹیا اور اوباش قسم کے ہوں تو وہ لڑائی دنگے پر اتر آئے۔ مگر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی عزت و حرمت پہ دونوں جہان قربان ہو سکتے ہیں۔ کی پاک حرم کے لیے وہ ہر قسم کی بدگوئی ایمان سمجھتا ہے۔ ہم اس پہ اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایسے لوگ کمینگی میں کفار سے بھی بدتر ہیں اور خدا و رسولؐ کی لعنتیں ان

کے مذہب پر۔ اعمال پر اور عقائد پر برستی رہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (احزاب ۹۶)

بالتحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔

اسی طرح جو نام نہاد نعرہ بازی اور مرثیہ خوانی کے شوقین سنی ان لوگوں کی مجلسوں کی رونق کو دوبالا کرتے ہیں اور طنزاً و کنایتہً صحابہ کرام رضؓ و امہات المومنینؓ اہل بیت نبوی کے گلے سنتے ہیں وہ جوہر عزت سے یکسر محروم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بدگوئی اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ آپ نے حضرت علی رضؓ سے جنگ کی۔ حالانکہ یہ سبب قاتلانِ عثمان منافقوں کی سازش تھی۔ تو واضح رہے کہ حضرت علی رضؓ نے جنگ کے بعد فرما دیا تھا۔ ولها بعد حرمتها الاولیٰ۔ نہج البلاغہ: ج ۲ ص ۶۳۔ اس کے بعد بھی ان کی وہی عزت ہے جو پہلے تھی۔ گویا اس واقعہ کے بعد بھی بقول مرتضیٰ حضرت عائشہ رضؓ کے ایمان اور مقام میں فرق نہیں آیا۔ جیسے سچے محبان علی رضؓ اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے۔ جنگ جمل کے بعد دو شخصوں نے حضرت عائشہ رضؓ کو برا بھلا کہا تھا تو حضرت علی رضؓ نے ان کو ۱۰۰-۱۰۰ درے سزا دی۔ پھر رخصت کرنے کے لیے چند میل تک خود مشایعت کی۔ اس کے بعد حضرت حسن رضؓ و حسینؓ کو بھیجا اور حضرت عائشہ رضؓ مکہ سے ہوتی ہوئیں مدینہ تشریف لے گئیں۔ (طبری و ابن اثیر)

حضرت عائشہ رضؓ کا مقام حضورؐ کی نظر میں

بخاری شریف کی چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ رضؓ! یہ جبریلؑ کھڑے ہیں آپ کو سلام کہتے ہیں۔ میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت! آپ جبریلؑ کو دیکھتے ہیں، میں نہیں دیکھتی۔

۲۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت سے حضرات کامل ہو گزرے ہیں۔ مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران

اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہوئی۔ ہاں عائشہ رضی کی فضیلت سب عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی سب کھانوں پر۔

ثرید عرب کے اس مرغوب کھانے کا نام ہے جو گوشت اور روٹی سے چوری بنا کر کھایا جاتا ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرض موت میں سب ازواج کے ہاں باری باری رہتے تو فرماتے میں کل کہاں ہوں گا، کل کہاں ہوں گا۔ حضرت عائشہ رضی کے گھر کے شوق میں یہ کہتے۔ جب حضرت عائشہ رضی کی باری پہنچی تو آپ مستقل یہیں ٹھہر گئے (اور وفات پائی اور اسی حجرہ کو روضہ اقدس بننے کا شرف حاصل ہوا۔)

۴۔ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہدایا اس دن زیادہ بھیجتے جس دن حضرت عائشہ رضی کی باری ہوتی۔ ایک مرتبہ تمام ازواج کے مشورہ سے حضرت ام سلمہ رضی نے آپ سے عرض کی حضرت لوگوں سے فرمائیں کہ وہ ہدیے جہاں بھی ہوں بھیج دیا کریں۔ حضور ؐ نے بار بار اس بات سے اعراض فرما کر بالآخر یہ فرمایا۔

یا ام سلمۃ لا تؤذینی فی عائشۃ فواللہ ما نزل علی الوحی وانا فی لحاف امرأۃ منکن غیرھا (بخاری ج ۱ ص ۵۳۲)	اے ام سلمہ رضی عائشہ رضی کے بارے میں مجھے مت ستا۔ خدا کی قسم اس کے سوا تم میں سے کسی کے ساتھ بیٹھے ہوئے مجھ پر وحی نہیں اتری۔

ذاتی حالات و علمی خدمات

نسب یہ ہے۔ عائشہ صدیقہ رضی بنت صدیق رضی بن ابو قحافہ رضی۔ آپ کی ماں ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس ہے۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ احادیث روایت کی ہیں اور حضرت ابوبکر رضی عمر رضی سعد بن ابی وقاص اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ آپ سے لاتعداد صحابہ رضی و تابعین ؒ نے روایت کی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی ابن عباس رضی، ابوموسیٰ اشعری رضی، ابوہریرہ رضی، عمرو بن العاص۔ سائب بن یزید عبداللہ بن زبیر، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

جب مسروق تابعی ؒ آپ سے روایت کرتے تو کہتے مجھ سے صدیقہ رضی بنت صدیق رضی حبیبہ

حبیب اللہ تعالیٰ نے حدیث بیان کی جس کی سات آسمانوں سے برأت کی گئی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضؓ جیسے زبردست فقیہہ عالم صحابی کہتے ہیں۔ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مشکل مسئلے میں اٹکے اور عائشہ رضؓ سے جا کر ہم نے پوچھا۔ تو یقیناً اس کا جواب اور حل ہم نے ان کے پاس پایا۔ قلیصہ بن ذویب کہتے ہیں حضرت عائشہ رضؓ صحابہ رضؓ میں بہت بڑی عالمہ تھیں۔ آپ سے چھوٹے بڑے صحابہ کرام رضؓ مسائل پوچھتے تھے۔ خصوصاً علم فرائض و میراث میں امام زہریؒ کہتے ہیں اگر تمام ازواج مطہرات اور دیگر سب عورتوں کا علم ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے میں صرف حضرت عائشہ رضؓ کا علم رکھا جائے تو حضرت عائشہ رضؓ کا زیادہ ہوگا۔ حضرت عمرو رضؓ بن العاص نے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ کون شخص پسند ہے۔ فرمایا۔ عائشہ رضؓ۔ میں نے کہا مردوں میں سے کون سب سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا اس کے والد ابوبکر صدیق رضؓ۔ آپ کی وفات رمضان ۵۸ھ میں ہوئی اور رات کو دفن کرنے کی وصیت کی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے نماز جنازہ پڑھائی

(تہذیب التہذیب مختصراً)

الغرض آپ کے فضائل و مناقب لاتعداد ہیں۔ ۹ سال کی عمر میں آپ کو شرف زوجیت الرسول حاصل ہوا اور ۱۸ سال کی عمر میں آپ کی گود میں حضور علیہ السلام کا وصال ہوا۔ آپ نے آخری مرتبہ مسواک دانتوں سے چبا کر حضورؐ کو کروایا۔ آپ ہی کے حجرہ کو مدفن نبوی اور روضہ اقدس ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کے بعد سب صحابہ رضؓ سے بڑھ کر آپ سے ذخیرہ علم و احادیث ۲۲۰۰ کی تعداد میں مروی ہے۔ گویا ایک چوتھائی علم سے زائد فقط آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا ہے۔ اور اسم بامسمیٰ ام المومنین تھیں۔ کیونکہ جیسے باپ کماتا ہے اور ماں اس کمائی کو انتظام و سلیقہ کے تحت اولاد کو کھلاتی پلاتی اور پرورش کا حق ادا کرتی ہے۔ اسی طرح ام المومنین رضؓ نے حضورؐ کی احادیث اور شریعت کو نہ صرف مومنین تک پہنچایا۔ بلکہ تفقہ۔ استنباط اور استدلال کا بہترین ذخیرہ تیار کر کے اپنی مومنین اولاد کے سامنے دستر خوان نبوی پر چن دیا۔ اب جو واقعی اولاد ہے وہ اپنے ماں باپ پر مطمئن ہو کر ان کے دستر خوان سے کھانا کھاتی ہے اور جو لے پالک اور دعی قسم

کی ہے۔ وہ اس دسترخوان سے ناک بھوں چڑھاتی، ماں پر اعتراض کرتی اور غیروں کے آگے دریوزہ گری کرتی ہے ۔ ہر چیز اپنے اصل کی طرف جاتی ہے۔

قتل کا سانحہ غلط ہے

معترض صاحب نے تاریخ نجیب آبادی سے جو نشاندہی کی ہے کہ مروان بن حکم نے آپ کے لیے کھانے کی دعوت تیار کی۔ ایک کنواں کھدوا کر اس میں تلواریں اور تیر رکھے اور پر معمولی سا چھپر بنا کر ام المومنینؓ کو بٹھانے کا انتظام کیا جب آپ وہاں گئیں تو کنویں میں گر گئیں اور اسی سے وفات پائی۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کسی مؤرخ اور صاحب علم کی یہاں اس پر شہادت نہیں مل سکتی۔ نجیب آبادی صاحب زمانۂ حال کے اردو مؤرخ ہیں۔ نہ معلوم انہوں نے یہ قصہ کہاں سے لیا ہے۔ حوالہ بالکل نہیں دیا۔ سنسنی خیز اور تعجب انگیز ہونے کی وجہ سے بلا رد و قدح لکھ دیا۔ معترض صاحب کو کسی قدیم مأخذ کا حوالہ دینا چاہیے۔ ام المومنین، معلمہ امت اور حبیبۂ حبیب رب العٰلمین ہیں۔ اگر یہ اچانک حادثہ ان کی وفات کا سبب ہوتا تو یقیناً تواتر سے منقول ہوتا بلکہ سانحہ کربلا کی طرح حضرت عائشہؓ کا تذکرہ ہزاروں کتب میں پایا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو سب مورخین اس کا ذکر کرتے اور قاتل پر لعنت بھیجتے۔ مدینہ طیبہ میں کہرام مچ جاتا۔ اہل مدینہ مروان کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے اور واقعہ حرہ کا سا حشر بپا ہوتا۔ فرض کیجئے۔ مروان بن حکم سے یہ کمینگی ہوئی۔ تو خلیفہ وقت حضرت معاویہؓ تو شیعہ کے خیال میں بھی ام المومنینؓ کے ساتھی اور حامی تھے۔ کیا وہ مروان کی گدی نہ کھینچ دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مروان سے شیعہ کو جو ضد و عناد ہے۔ اسی نے ان کے اسلاف کو بے سروپا عقل و نقل کے خلاف قصہ گھڑنے پر مجبور کیا ہے۔ تاکہ حضرت عائشہؓ کی بھی بدنامی ہو جو اسلام دشمنوں کا شروع سے شعار چلا آرہا ہے۔

مروان متفقہ طور پر صحابی نہیں۔ بیشتر اقوال میں تابعی ہیں۔ بعض نے ان پر نقد و جرح بھی کی ہے۔ مگر وہ ایسی ہی بے سروپا کہانیوں کے پروپیگنڈہ اور حقیقت حال سے بے خبری پر مبنی ہے۔ ان سے امام بخاری۔ امام ترمذی۔ ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی وغیرہم جیسے محدثین مصنفین نے احادیث روایت کی ہیں۔ اور سہل بن سعدؓ جیسے بزرگ صحابی کے علاوہ عروہ بن زبیر۔ علی بن الحسین۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث جیسے فاضل تابعینؒ نے

احادیث روایت کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰)

بعض مورخین نے یہ الزام لگایا ہے کہ حضرت طلحہ رض کو جنگ جمل میں اس نے شہید کیا تھا۔ ہماری تحقیق میں یہ الزام بھی غلط ہے۔ کیونکہ مروان کٹر عثمانی اور طالب قصاص حضرت عثمان رض تھا۔ حضرت طلحہ رض اسی مقصد کے لیے کمان کر رہے تھے۔ ایک شخص عمداً ایسے موقعہ پر اپنے ہی سالار لشکر کو مار ڈالے عقل و نقل کے خلاف ہے۔ لیکن اس واقعہ کی صحت و غلطی سے قطع نظر مروان پر کسی نے اس الزام کا ذکر نہیں کیا کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رض کا بھی قاتل ہے۔ تمام مورخین اور علماء رجال حضرت عائشہ رض کے تذکرہ میں یا مروان کے ترجمہ میں اس کا اشارہ بھی نہیں کرتے۔

حافظ ابن حجر تقریب التہذیب ص ۳۳۲ پر بغیر کسی تنقید کے یہ لکھتے ہیں ۶۴ھ کے آخر میں خلیفہ بنا اور ۶۵ھ میں ۶۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں طبقہ ثانیہ کا تابعی ہے۔

اور ابن حجر رح نے مقدمہ فتح الباری ص ۴۴۳ پر اسماعیلی کا قول قتل طلحہ رض کا مروان پر الزام کا ذکر کیا ہے اور (بشرط صحت) اسے متاول قرار دیا ہے۔ لیکن قتل عائشہ رض کا الزام اس پر نہیں لگایا۔

علامہ سید سلیمان ندوی المتوفی ۱۹۵۲ء نے حضرت عائشہ صدیقہ رض کی سیرت پر تین صد صفحات کی مفصل علمی کتاب لکھی ہے اس کے صفحہ ۱۵۳ پر تذکرہ وفات کا عنوان باندھ کر طبقات ابن سعد ص ۵۱ جز (نساء) کے حوالہ سے لکھا ہے۔

"۵۸ھ میں رمضان کے مہینہ میں بیمار پڑیں۔ چند روز تک علیل رہیں۔ کوئی خیریت پوچھتا تو فرماتیں میں اچھی ہوں۔ جو لوگ عیادت کو آتے۔ بشارت دیتے تو فرماتیں (جیسے ہر متقی کہا کرتا ہے) کاش میں جنگل کی ایک بوٹی ہوتی۔"

اگر ایسی کوئی لغو افواہ ہوتی تو علامہ صاحب اس کا ضرور ذکر کرتے (اللہ تعالیٰ روافض کی زبان سے ہر مسلمان کو بچائے)

باب ہفتم

حق
چار یار
رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

خلفاءِ راشدین رضؓ کے اوصاف کا تقابلی مطالعہ

سوال ۲۰: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو جنگ مشرکوں سے ہوئے مثلاً جنگ بدر، احد، خندق، خیبر، حنین، مکہ، تبوک وغیرہ تو ان تمام جنگوں میں نمایاں کارروائی کس بزرگ کی ہے۔ کیا حضرت علی المرتضیٰ رضؓ سے زیادہ بہادر، عالم، عابد، سخی امین کوئی اور بزرگ بھی ہے۔ اگر کسی کا نام لینا چاہیں تو ارشاد فرمائیں۔ اس بزرگ نے بدر، احد، خندق، خیبر، حنین وغیرہ میں کتنے دشمنِ اسلام قتل کیے اور یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اشداء علی الکفار نے رسولِ خدا کے زمانے میں کتنے کافر قتل کیے اور اپنے دورِ حکومت میں اپنی تلوار سے کتنے مشرک مارے۔

الجواب۔ یہ سوال دراصل حضرت ابوبکرؓ و علیؓ کی افضلیت اور استحقاقِ خلافت سے متعلق سنی شیعہ نزاع پر مبنی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت اور اس پر کچھ دلائل ہم سوال ۳ کے تحت عرض کر چکے ہیں، مراجعت کر لی جائے۔ یہاں چند اصولی باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اولاً۔ شیعہ کے ہاں افضلیت اور خلافت نص پر مبنی ہوتی ہے۔ اوصافِ خاصہ پر ہرگز نہیں۔ قتال، علم وغیرہ میں کمال کے باوجود اگر نص نہ ہو تو اسے خلیفہ یا افضل نہیں کہا

جاسکتا۔ مثلاً عہدِ مرتضوی کی جنگوں میں سب سے زیادہ کاروائی اشتر نخعی کی ہے اور حضرت علی رضؓ نے بروایت شیعہ اس کے حق میں فرمایا ہے۔

کہ اشتر از برائے من چناں بود کہ من از برائے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ ..... واشتر در میان میمنہ ومیسرہ چوں شیر زیان بتیغ وسنان حملہ میکرد۔ (مجالس المومنین ص۲۸۶)

اشتر میرے حق میں ایسا تھا جیسے میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ..... اور اشتر لشکر کے دائیں حصے اور بائیں حصے میں نیزے اور تلوار کے ساتھ شیر ببر کی طرح حملے کرتا تھا۔

اور اہلِ سیرت وتاریخ کے اتفاق کی روشنی میں حضرت علی رضؓ کے تمام اصحاب اور طرفداروں میں جو مرتبہ علم وتفقہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا تھا۔ وہ حضرات حسنین رضؓ کا نہ تھا۔ اور نہ حسنین رضؓ کے ہاتھوں جمل وصفین ونہروان میں چنداں مقتول ہوئے۔ اس تفاوت کے باوجود۔ حضرت علی رضؓ کے جانشین حضرت حسن وحسین رضؓ قرار پائے۔ کیونکہ شیعہ کے یہاں وہی منصوص تھے۔ اور اشتر وابنِ عباس رضؓ کو یہ مقام حاصل نہ ہوسکا۔ لہذا شیعہ کا حضرت علی رضؓ کے صحابیانہ کمالات واوصاف سے استدلال کرنا اصولاً غلط ہوا۔ ان کو نصِ صریح کے ثبوت پر توجہ دینی چاہیے۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر وعمر رضؓ کے لیے اس سے واضح اور جلی نص ہم پیش کرچکے ہیں۔ کہ حضورؐ نے حضرت ام المومنین حفصہ رضؓ کو بشارت دی تھی۔

ان ابا بکر یلی الخلافۃ بعدی ثم ابوک فقالت من انباک قال نبانی العلیم الخبیر (تفسیر قمی ص۳۵۲ مجمع البیان ج۵ ص۳۱۴۔ تفسیر صافی ص۵۲۳)

بے شک میرے بعد خلیفہ ابوبکر رضؓ ہوں گے پھر اس کے بعد تیرے والد (عمر رضؓ) ہونگے کہنے لگی آپ کو کس نے بتایا۔ فرمایا مجھے علیم وخبیر خدا نے بتایا۔

ثانیاً۔ شیعہ اثناعشریہ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضؓ کو (العیاذ باللہ) مومن اور صحیح مسلم ہی نہیں مانتے۔ اسم تفضیل کا استعمال مفضل اور مفضل علیہ کا نوع وجنس میں اتحاد چاہتا ہے۔ خلفاءِ ثلاثہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے فضائل واوصاف میں موازنہ چاہنا یا آپ کو ان پر فضیلت دینا اس بات کا اعتراف کرلینا ہے۔ کہ وہ حضرات بھی ایمان واسلام میں

حضرت علی رض کے ہم نوع وہم جنس ہیں اور بوجوہ (عند الشیعہ) حضرت علی رض ان سے افضل ہیں۔ اس اعتراف واستدلال سے شیعہ اثنا عشریہ اپنے مذہب سے ہی خارج ہو جاتے ہیں۔ یہ حق صرف شیعہ زیدیہ و تفضیلیہ کا ہے۔ اثنا عشریہ اس کے ہرگز مستحق نہیں۔ مگر افسوس کہ آج شیعہ تقریر و تحریر میں اور تمام مساعی میں زور صرف دو ہی چیزوں پر دیتے ہیں یا تعبیر اکوئی مسئلہ ہی نہیں۔ نہ اس پہ ان کی تقریر رنگین اور واہ واہ کی مستحق ہو سکتی ہے۔ ایک حضرت علی رض کے صحابیانہ کارنامے۔ دوم جنگ حضرت حسین رض با یزید۔ حالانکہ حضرت علی رض شیعہ کے ہاں محبوب ومکرم صحابی کی حیثیت سے نہیں بلکہ بعد از پیغمبر امام و ہادی کی حیثیت سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غیر صحابی ۹ اور افراد بھی حضرت علی رض کی طرح شیعہ کو محبوب ومکرم ہیں۔ شیعہ کو امام کی حیثیت سے بعد از پیغمبر ۳۰ سالہ زندگی کے اوصاف وکارناموں سے فقط استدلال کرنا چاہیے۔ لیکن وہ اس سے اس بناء پر کتراتے ہیں کہ اگر کھلے تاریخی حقائق کی روشنی میں ان کو دیانتہً بیان کریں تو ان کا مذہب باطل ہو جاتا ہے اور اگر تقیہ کے پردوں میں مستور مخصوص لٹریچر سے بیان کریں تو حضرت علی رض مسلمانوں سے الگ شخصیت نظر آتے ہیں۔ اسی طرح حضرت حسین رض کا یزید کے مدمقابل ہونا شیعہ کے اصول تقیہ کے بالکل خلاف ہے۔ نہ سنت علوی وحسنی تھی نہ بعد والے کسی امام کی۔ حضرت جعفر صادق رح کا فرمان واضح ہے۔

التقیۃ من دینی ومن دین	تقیہ میرا مذہب ہے اور میرے باپ دادے
اٰبائی ولا دین لمن لا تقیۃ لہٗ	کا بھی اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین
(کافی باب تقیہ)	(غیر مسلم) ہے۔

میرے سنی بھائی اس نکتہ کو سمجھ لیں اور شیعہ کو اپنے مذہب کے خلاف اور غیر متعلقہ امور سے گفتگو نہ کرنے دیں۔

ثالثاً۔ کسی جماعت میں سے ان کے افضل ترین فرد کا پتہ تین وجوہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ۱۔ خود مربی اس کا فیصلہ کر دے۔ ۲۔ مربی اس کو اس خدمت پر لگائے جو سب سے افضل سے لی جا سکتی ہے۔ جیسے استاد کسی کو جماعت کا مانیٹر بنا دے اور وہ استاد کی غیر موجودگی میں کلاس کو کام کرائے۔ ۳۔ پوری جماعت کے رجحان میں وہ شخص سب سے

زیادہ درجہ رکھتا ہو ۔ ۴ ۔ تمام مضامین کے مجموعی نمبر سب سے زیادہ ہوں، اگرچہ بعض مضامین کے انفرادی نمبر کچھ دوسروں کی بہ نسبت کم ہی ہوں ۔

ان چاروں اصول کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی افضلیت حضرت علی رضؓ پہ متحقق اور واضح ہے ۔

امر اول ۔ سب سے بڑے مربی اور شارع اللہ تعالیٰ شانہ ہیں ۔ اس نے سورۃ "واللیل" میں آپ کو "الاتقی" (سب سے بڑا پرہیزگار) بتایا ہے اور سب سے بڑا پرہیزگار ہی اللہ کے ہاں زیادہ معزز ہے ۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔ بلاشبہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو بڑا متقی ہے ۔

سنی شیعہ تفاسیر سے آیت بالا کا حضرت ابوبکر رضؓ کے حق میں نزول سوال ۳ کے تحت بیان ہو چکا ہے ۔ سورت نور میں اللہ پاک نے آپ کو اولو الفضل فرمایا ہے ۔

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ ۔ تم میں سے شان والے اور گنجائش والے اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں مسکینوں اور مہاجروں کو نہ دیں گے ۔

باتفاق مفسرین یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے حق میں نازل ہوئی ۔ جب آپ نے قذف بر عائشہ صدیقہ رضؓ کی وجہ سے حضرت مسطح رضؓ کو مالی امداد نہ دینے کی قسم کھالی تھی یہاں آپ کو صاحب فضیلت فرمایا ہے جو مرتبہ عند اللہ میں افضلیت کا متقاضی ہے ۔ اور مالی لحاظ سے صاحب وسعت فرمایا ۔

آپ نے مغفرت خدائی کو پسند کیا تو اللہ پاک نے چند روزہ اعانت کی بندش کو بھی معاف فرما دیا ۔

سورت برأت میں آپ کو صاحبہ (صاحب پیغمبرؐ) فرمایا ۔ جو صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور ثانی اثنین فرمایا یعنی دونوں میں سے دوسرا ۔ اگر حضورؐ اول ہیں تو ابوبکر صدیق رضؓ ثانی ہیں ۔ قرآن کا فیصلہ واضح ہے ۔ اپنے مقام پہ تفصیل گزر چکی ہے ۔

امر دوم کے لحاظ سے بھی افضلیت واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصدِ بعثت عبادت کا قیام ہی ہوتا ہے۔ نماز بالاتفاق سب سے افضل ہے اور امامت سے ہی کامل ادا ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (سنی شیعہ احادیث اور تاریخی حقائق کی روشنی میں) آپ ہی کو امام نماز بنایا تو آپ ہی سب سے افضل ہوئے۔ دوسری اہم عبادت حج ہے جو مالی اور جسمانی عبادات سے مرکب ہے۔ اس میں بھی امیر و پیشوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ امیرِ حج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی ہی کو بنایا۔ احادیث و تاریخ سے یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے۔

" ابنِ اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ رمضان، شوال و ذی قعدہ کے پورے دو ماہ مقیم رہے، پھر ۹ھ کے لیے ابوبکر رضؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا کہ وہ جا کر مسلمانوں کے حج کا انتظام کریں۔ بہر حال ابوبکر رضؓ اور وہ مسلمان جو ان کے ساتھ جانے والے تھے مکہ کے لیے روانہ ہو گئے (سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۶۵۴)

پھر سورت براۃ نازل ہوئی۔ اس کی آیات پیش کرنے کے بعد اعلان برأت کے عنوان سے لکھا ہے۔

" ابنِ اسحاق نے کہا مجھ سے حکیم بن حکیم بن عباد بن حنیف نے ابو جعفر محمد بن علی رضوان اللہ علیہما کی روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورت برات نازل ہوئی اور اس وقت آپ ابوبکر رضؓ کو حج کا انتظام کرنے کے لیے روانہ فرما چکے تھے۔ تو آپ سے کہا گیا۔ یا رسول اللہ! کیا اچھا ہو کہ آپ ابوبکر رضؓ کے پاس کسی کو برات کے لیے روانہ فرمائیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ میری طرف سے یہ فرض کوئی انجام نہیں دے سکتا بجز میرے اہلِ خانہ میں سے ایک شخص کے اس کے بعد علی بن ابی طالب کو بلایا اور فرمایا۔

اخرج بھذہ القصۃ من صدر	شروع سورت برات سے اس قصہ کو لے
براءۃ واذن فی الناس یوم النحر	جاؤ اور عید کے دن لوگوں میں جب کہ وہ
اذا اجتمعوا بمنی انہ لا یدخل الجنۃ	منیٰ میں جمع ہوں یہ اعلان کر دو کہ کافر جنت
کافر ولا یحج بعد العام مشرک ولا	میں داخل نہ ہو گا اور اس سال کے بعد مشرک

يطوف بالبيت عريان ومن كان له عند رسول الله صلى الله عليه وسلم عهد فهو الى مدته

حج نہ کرے گا اور بیت اللہ کا ننگے طواف نہ کرے گا جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ ہے وہ تا مدت بحال رہے گا۔

چنانچہ اس سال کے بعد کسی مشرک نے حج نہ کیا اور نہ کسی نے برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ ابوبکرؓ اور علیؓ رسول اللہ کے پاس واپس آ گئے (سیرت ابن ہشام ص ۵۵۸)

کچھ آگے یہ بھی ہے کہ جب حضرت علیؓ ابوبکرؓ کو جا ملے تو آپ نے پوچھا امیر ہو کر آئے ہو یا مامور بن کر۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مامور ہو کر۔ ہاں سورت برات نازل ہوئی ہے تو اعلانِ برات حضورؐ نے میرے ذمہ لگایا ہے۔"

جیسے صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۱ کتاب التفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے۔

"کہ اس سال مجھے بھی حضرت ابوبکرؓ نے یوم النحر میں ان اعلان کرنے والوں میں منیٰ بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ننگے طواف کرے۔ حمید کہتے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت علی بن ابی طالب کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ براءت کا اعلان کریں۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت علیؓ نے ہمارے ساتھ اہلِ منیٰ میں نحر کے دن برأت کا اعلان کیا (یعنی سورت برأت کا اول ربع سنایا) اور یہ بھی کہا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ حج کرے نہ ننگے طواف کرے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ بدستور امیر حج رہے۔ ان کا منصب ان سے نہیں لیا گیا۔ البتہ قومی دستور کی بنا پر نقض معاہدہ کا اعلان حضورؐ نے اپنے بجائے حضرت علیؓ سے کروایا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو معزول کیا گیا یا ان میں سورت براءت کی تبلیغ کی بھی اہلیت نہ تھی۔ وہ بڑے بے انصاف اور حقائق کے منکر ہیں۔ متعصب شیعہ بھی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ حضور علیہ السلام کے پاس واپس آئے تو پوچھا یا رسول اللہ! میرے متعلق کوئی نئی بات ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ تجھ میں بدستور نیکی ہی ہے لیکن مجھے یہ حکم ملا ہے کہ اس (نقضِ عہد) کی تبلیغ یا میں کروں یا جو میرا رشتہ دار ہو۔ (کشف الغمہ ص ۱۴۱)

امر سوم کے لحاظ سے بھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل ہیں۔ کیونکہ

سب صحابہ کرامؓ (کلاس پیغمبرؐ کے طلباء) نے ان تینوں حضرات پر بالترتیب اتفاق کیا۔ شیعہ سنی حوالہ جات مذکور ہو چکے ہیں۔ عہدِ نبوی ہی میں اسی ترتیب سے ان کو دیکھا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق اور ثانی اثنین کے لقب سے اور حضرت عمرؓ فاروق اور ناطق الملک علی لسانہٖ کے لقب سے عہدِ نبوی میں ہی مشہور تھے (رجال کشی)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام بھی ان کو اسی ترتیب سے بلاتے تھے۔ مثلاً حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے بحکم وحی حضرت فاطمہؓ کا علیؓ سے نکاح کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ کو اسی طرح بلایا۔

فانطلق فادع لی ابابکر وعمر وعثمان وعلیا وطلحۃ والزبیر و بعدھم من الانصار (کشف الغمہ ص۱۴۹)	جا اور میرے لیے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلالا اور اتنے ہی انصار حضرات کو بلاتے آ۔

صحابہ کرامؓ کے ذہن میں ابوبکرؓ و عمرؓ اس قدر مقبول تھے کہ بطور مدح اگر کسی اور کا ذکر ہوتا تو صحابہؓ شیخینؓ مراد لیتے۔ مثلاً ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا کہ اے قریش یا تو باز آجاؤ گے یا تم پر اللہ اس شخص کو مسلط کر دے گا جس کا اللہ نے ایمان کے لیے دل آزما لیا ہے.... بعض حاضرین نے کہا۔ کیا حضرت ابوبکرؓ ہیں؟ فرمایا نہیں۔ کیا حضرت عمرؓ ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ جوتا مرمت کرنے والے حضرت علیؓ ہیں۔ (کشف الغمہ ص۲۸۱)

مجلسی نے اسی حقیقت کو یوں جل کر بدزبانی سے ادا کیا ہے "کہ سب قریش مسلمان اپنے دو بتوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اور ان کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ (حیات القلوب ج۲)

امر چہارم۔ خلفاء اربعہ کا اوصافِ حسنہ میں موازنہ

معترض کا یہ کہنا کہ جنگوں میں نمایاں کارگزاری کس کی ہے۔ کیا حضرت علیؓ سے زیادہ بہادر، عالم، عابد، سخی، امین کوئی اور بزرگ بھی ہے۔ گو بے معنی بات ہے کیونکہ جب قرآن پاک، عمل پیغمبرؐ اور اتفاق صحابہؓ سے ایک بات ثابت ہو جائے تو اوصافِ حسنہ کے ایک ایک جزئیہ میں تقابل کرنا اور ایک کو کم دوسرے کو زیادہ دکھانا کوئی مستحسن بات

نہیں۔ خصوصاً ہمارے جیسے لوگ جو ان کی خاک پا کے بھی برابر نہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی امیدوار کے مجموعی نمبرات کے اضافے اور ممتحن کے فیصلے سے صرف نظر کر کے ہر سوال کے جواب کا جزوی طور پر دوسرے کمتر امیدوار کے ہر سوال سے مقابلہ کرے۔ پھر دو چار سوالوں کے فرق کو اہمیت دے کر یہ کہنے لگے کہ یہ ثانی بہتر کامیاب ہے اور پہلے کا نتیجہ غلط نکالا گیا ہے۔ تاہم اس خطرناک وادی میں ہم مجبوراً اترتے ہیں تاکہ شیعہ کو عذر کا موقعہ نہ رہے۔

واضح رہے کہ مختصراً افضلیت کے اسباب تین ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ قوت ایمانی۔ ۲۔ کثیر العبادت ہونا۔ ۳۔ ذاتی خوبیوں کا مالک ہونا۔ ہر ایک کا موازنہ ملاحظہ ہو۔

قوت ایمانی

ایمان ایسی دولت ہے کہ اس کی وجہ سے اعمال میں جان اور وزن ہوتا ہے اور جوں جوں اس کی کیفیت میں اضافہ ہو اعمال کا درجہ بڑھتا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم اہل سنت کے اعتقاد کے مطابق انبیاء کی دو رکعت نماز امتی کے تمام عمر کے نوافل سے افضل ہے۔ صحیحین کی حدیث معتبر کے مطابق ایک صحابی کا تین پاؤ غلہ راہ خدا میں صرف کرنا غیر صحابی کے احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرنے سے افضل ہے۔ گو تمام صحابہ کرام رض کا ایمان کامل تھا تاہم اصحاب حدیبیہ، اہل احد، اہل بدر، پھر مہاجرین، عشرہ مبشرہ اور خلفاء اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بالترتیب سب سے افضل تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رض کی فوقیت مندرجہ ذیل وجوہ سے ہے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے صحابہ کرام رض سے فرماتے تھے۔

ما سبقکم ابوبکر بصوم ولا صلوٰۃ ولکن بشئی وقر فی صدرہ۔ (مجالس المومنین ص ۲۰۶)	ابوبکر رض تم سے (صرف) روزے اور نماز کی وجہ سے افضل نہیں، بلکہ اس چیز (قوت ایمانی و اخلاص) کی وجہ سے جو ان کے دل میں مستحکم بنادی گئی ہے۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس شخص کو بھی میں نے اسلام کی دعوت دی اس کو کچھ نہ کچھ جھجک اور تردد اور فکر ضرور پیدا ہوئی۔ سوائے حضرت صدیق اکبر رض کے کہ جیسے ہی میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی فوراً بلا تردد و تامل انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور

ذرا بھی دیر نہ لگائی (از ابنِ اسحاق حیاۃ الصحابہ ج ا صہ ۵)
مگر حضرت علی رض کو جب آپ نے دعوت دی: میں تم کو بھی اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی عبادت کا حکم دیتا ہوں اور یہ کہ لات و عزیٰ کو بالکل چھوڑ دو۔ حضرت علی رض نے کہا یہ ایسی بات ہے کہ آج سے قبل میں نے کبھی نہیں سنی۔ میں اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ اپنے والد ابوطالب سے بیان نہ کر لوں۔ آپ کو حضرت علی رض کا یہ فرمانا ناگوار گزرا۔ فرمایا اے علی رض اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس معاملہ کو ابھی پوشیدہ رکھنا پھر حضرت علی رض نے دوسرے دن از خود ایمان قبول کر لیا (بدایہ) اور اسلام لے آئے اور ابوطالب کے ڈر سے آپ کے پاس چھپ چھپ کر آتے رہے اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ ظاہر نہ ہونے دیا (بدایہ ج ۳ صہ ۲۴)

۳۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیق رض نے اسلام لاتے ہی ظاہر کر دیا اور کفار کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔

چنانچہ حضرت علی رض خود فرماتے ہیں۔ ابوبکر رض مجھ سے چار باتوں میں بڑھ گئے پہلے اسلام آشکارا کیا۔ مجھ سے پہلے ہجرت کی نبی کے یارِ غار ہوئے۔ نماز قائم کی۔ جبکہ وہ اسلام ظاہر کرتے تھے میں چھپاتا تھا۔ (تشریح المکانۃ الحیدریہ صہ ۲۷)

۴۔ سابقین الی الاسلام حضرت خدیجہ رض، حضرت زید بن حارثہ رض، حضرت علی رض و ابوبکر رض میں سے حضرت ابوبکر رض ہی۔ آزاد مرد بالغ تھے۔ جنانچہ اپنے اثر و قوت سے جو حضور کی اعانتِ اسلام کی وہ دوسروں سے نہ ہوئی۔

۵۔ اسلام قبول کرتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رض حضور کے مشن کے مبلغ بن گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض کا فرمان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رض (اسلام لانے کے بعد) حضرت عثمان رض، حضرت طلحہ رض، حضرت زبیر رض، حضرت سعد رض کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ حضرات بھی (آپ کی دعوت سے) مسلمان ہو گئے۔ دوسرے روز حضرت ابوبکر رض، حضور کے پاس عثمان رض بن مظعون ابو عبیدہ، عبد الرحمٰن بن عوف، ابو سلمہ بن عبد الاسد، ارقم بن الارقم کو لے کر حاضر ہوئے اور یہ سب بھی مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ عنہم۔ (بدایہ ج ۳ صہ ۲۹ عن حافظ ابو الحسن طرابلسی)

یہ سب صحابہؓ قدیم الاسلام۔ عشرہ مبشرہ جیسے مشاہیر ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس مکی زندگی میں حضرت علی رضؓ کے ہاتھ پر یا آپ کی ترغیب سے کسی کا مسلمان ہونا کتب سیرت و تاریخ میں ہمیں نہیں ملا۔ ہاں حضرت ابوذر غفاریؓ کو۔ جو از خود اسلام اور پیغمبرؐ کی تلاش میں آئے تھے۔ آپؓ نے مہمانی کھلا کر اور آمد کا مقصد پوچھ کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچا دیا تھا۔

۲۔ قوتِ ایمانی سے حضرت ابوبکر رضؓ نے کفار سے بڑی تکلیفیں بھی دیکھیں۔ باوجودیکہ آپ نہایت اونچے خاندان کے معززاور رئیس تھے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

ا۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسلام میں یہ وہ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی۔ مشرکین چاروں طرف سے حضرت ابوبکر رضؓ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔۔۔۔۔ حضرت ابوبکر رضؓ کو مارا بھی اور روندا بھی۔ عتبہ بن ربیعہ فاسق ان کے قریب آیا اور اپنے کئی تلے والے جوتے سے حضرت ابوبکر رضؓ کو مارنا شروع کیا۔ چہرے پر مارتا تھا اور آپ رضؓ کے پیٹ پر بھی کودا حتیٰ کہ آپ کا چہرہ اور ناک نہ پہچانی جاتی تھی۔ خاندانِ بنو تیم کے لوگ بھاگ کر آئے اور آپ کو چھڑا لے گئے۔ اور ان لوگوں کو حضرت ابوبکر رضؓ کی موت میں شک نہ تھا۔ مگر جب ہوش میں آئے تو سب سے پہلے حضورؐ کا حال پوچھا الخ (حیاۃ الصحابہؓ ج ۲ ص ۲۹)

ب۔ حضرت اسماء بنتِ ابوبکر رضؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضورؐ کی تکالیف میں سے سب سے زیادہ سخت تکلیف تم نے کون سی دیکھی۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ مسجدِ حرام میں کفار اپنے معبودوں کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اتنے میں حضورؐ آ گئے تو وہ سب آپ پر جھپٹ پڑے حضرت ابوبکر رضؓ تک ان کے شور و غوغا کی آواز پہنچی۔ حضرت ابوبکر رضؓ ہم لوگوں کے پاس سے اٹھے اور ان کے سر پر چار زلفیں تھیں اور فرماتے تھے۔ تمہارا ناس ہو کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ مشرکین نے حضورؐ کو تو چھوڑا اور حضرت ابوبکر رضؓ پر ٹوٹ پڑے حضرت ابوبکر رضؓ جب گھر واپس آ گئے اور شدتِ زدوکوب سے یہ حال تھا کہ سر کی جس مینڈھی کو ہاتھ لگاتے وہ بال ہاتھ لگاتے ہی جھڑ جاتے اور حضرت ابوبکر رضؓ کہہ رہے تھے۔ تبارکت یا ذالجلال والاکرام (اخرجہ ابویعلیٰ)

ج۔ ابنِ دغنہ کو جب آپ امان واپس کر چکے تو ایک کافر نے بیت اللہ شریف کو جاتے ہوئے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے مغیرہ یا عاص بن وائل گزرا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ تم نے دیکھا اس جاہل نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ تم نے خود اپنے ساتھ یہ کام کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے۔ اے رب تو کتنا بردبار ہے۔ کتنا بردبار ہے (بدایہ ج۳ ص ۹۵)

د۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط نے حضورؐ کے گلے میں چادر ڈالی اور مروڑی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چھڑایا اور روتے ہوئے کہا اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ کیا تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے۔ میرا رب اللہ ہے۔

ر۔ کشف الغمہ ص ۱۵۴ ج۲ پر ہے کہ نوفل بن خویلد حضورؐ کا سخت ترین دشمن تھا۔ اسی شخص نے حضرت ابوبکرؓ اور طلحہؓ کو ہجرت سے قبل رسی میں جکڑ دیا اور دن بھر رات تک عذاب دیتا رہا۔ حتی کہ لوگوں کو ان کی تلاش کرنی پڑی ؎

بجرم تو ام میکشند چہ عجو غائیست | تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

ایمان لانے اور قوت ایمانی کی بنا پر یہ شدائد برداشت کرنے کی یہ صدیقی جھلک تھی۔

حضرت عمرؓ کا ایمان

اب حضرت عمرؓ کی ایمانی قوت کا حال بھی سن لو۔ حضرت عمرؓ گو کچھ بعد میں ۶ بعد نبوت میں اسلام لائے۔ مگر آپ حضورؐ کی دعا کا مقصود اور مراد ہیں۔ آپؐ نے دعا مانگی تھی۔ اے میرے اللہ! اسلام کو عمرؓ بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعہ قوت عطا کر۔ اللہ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں آپ کی یہ دعا قبول کر لی چنانچہ ان کے اسلام لاتے ہی بت پرستی کی دیواریں منہدم اور اسلام کی بنیادیں قوی ہو گئیں۔ (طبرانی حیات الصحابہؓ ص ۵۷)

حضرت عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ حضورؐ نے میری قمیص پکڑ کر کہا خطاب کے بیٹے اسلام لے آ۔ اور ساتھ ہی یہ دعا کی۔ اے اللہ اسے ہدایت دے۔ فوراً میرے منہ سے نکلا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد انک رسول اللہ۔ میرے اسلام لاتے ہی مسلمانوں نے اتنی زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکے کی ہر گلی میں اس کی آواز گونج اٹھی۔ (ابونعیم فی الحلیہ ج ۱ ص ۴۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ جب سے عمرؓ اسلام لائے ہم غالب ہوتے گئے۔

حضرت عمر رضؓ کا اسلام مسلمانوں کی قوت تھی۔ ہجرت اسلام کی فتح تھی اور خلافت اللہ کی رحمت و برکت تھی (بخاری)

حضرت عمر رضؓ کے اسلام لانے کے بعد ہی مسلمانوں نے علی الاعلان کعبہ میں جا کر نماز پڑھی۔

حضرت عمر رضؓ جس رات اسلام لائے تو سوچا کہ جو شخص اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے اسے بھی بتاؤں۔ صبح ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹا کر بلایا۔ اس نے کہا اے میرے بھانجے (حضرت عمر رضؓ ابوجہل کی بہن حنتمہ بنت ہشام بن المغیرہ کے فرزند تھے) تو سزاوار مقام پہ آیا ہے۔ کیوں آنا ہوا؟ آپ نے فرمایا۔ یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ پہ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لا چکا ہوں اور ان کی لائی ہوئی ہر چیز کی تصدیق کی ہے۔ فرمایا کہ پھر تو ابوجہل نے وہ دروازہ میرے منہ پہ مارا اور کہا اللہ تجھے اور اس چیز کو جو تو لایا ہے برباد کرے۔ (سیرت ابن ہشام ج ا ص ۳۵۱)

حضرت عمر رضؓ نے عمرؓ جمیل بن معمر الجمحی کو اپنے اسلام کی خبر دی۔ وہ قریش کی طرف چل دیا۔ آپ اس کے پیچھے ہو گئے۔ اس نے اعلان کیا کہ اے گروہ قریش عمر بے دین ہو گیا۔ حضرت عمر رضؓ اس کے پیچھے کہتے جاتے تھے اس نے جھوٹ کہا بلکہ میں نے اسلام اختیار کیا ہے۔ اور گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ان لوگوں نے آپ پہ حملہ کر دیا۔ آپ بھی ان سے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ آفتاب ان کے سروں پہ آ گیا۔ آپ تھک کر بیٹھ گئے اور قریش آپ کے سر پہ کھڑے رہے۔ آپ نے فرمایا تم جو چاہو کرو۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم (مسلمان) تین سو مرد ہو جائیں تو پھر (ہم باقاعدہ لڑیں) پھر یا ہم مکہ کو تمہارے لیے چھوڑ دیں گے یا تم ہمارے لیے چھوڑ دو گے

(سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵۰ والبدایہ ج ۳ ص ۸۲ وقال ہذا اسناد جید قوی)

آخر وہ وقت بھی آگیا کہ سب شہر آپ کے قتل پر تل آیا اور آپ کو گھر میں (غارِ ثور کی طرح) پناہ لینی پڑی۔ آپ کے پاس ابو عمر عاص بن وائل سہمی آیا۔ اور یہ زمانہ جاہلیت میں آپ کا حلیف تھا۔ اس نے حضرت عمر رضؓ سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا۔ میں اسلام لے آیا اور تمہاری (کافر) قوم مجھ کو قتل کرتی ہے۔ عاص نے کہا۔ جاؤ میں نے تم کو امان دی وہ الیسا

نہیں کر سکتی۔ عاص چل دیا اور لوگوں سے ملا جن سے جنگل بھر گیا تھا۔ پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔ لوگوں نے کہا ابنِ خطاب کے پاس کہ وہ بے دین ہو گیا ہے۔ عاص نے کہا اب تمہارے لیے سبیل نہیں کیونکہ میں پناہ دے چکا ہوں اور لوگوں کو لوٹا دیا (بخاری ج ۱ ص ۵۴۵) یہ حضرت عمرؓ کے ایمانِ مضبوط کا ردعمل تھا کہ کفارِ قریش کہنے لگے کہ عمرؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے۔ وہ اور حمزہؓ بن عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ ہو گئے ہیں اور اسلام قبیلوں میں پھیلنے لگا ہے۔ تو وہ لوگ جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ ایک کاغذ پر بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کے خلاف بائیکاٹ کا معاہدہ لکھیں۔ (ابنِ ہشام ج ۱ ص ۳۵۱)

یہی حال حضرت عثمانؓ کا بھی تھا۔ آپ کو اپنا چچا حکم بن ابو العاص ایک بڑی چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا کرتا تھا۔ محمد بن ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ اسلام لے آئے تو ان کے چچا حکم بن ابو العاص نے ان کو پکڑا اور رسیوں میں باندھ دیا اور کہا کہ تو اپنے باپ دادا کے دین سے ایک نئے دین کی طرف پھر گیا۔ خدا کی قسم میں تجھ کو بندھا رہنے دوں گا، کھولوں گا نہیں جب تک کہ تو اس دین کو نہ چھوڑے گا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں کبھی بھی اس دین کو نہ چھوڑوں گا۔ جب حکم نے دیکھا کہ یہ اپنے دین کے بارے میں انتہائی سخت ہیں تو ان کو چھوڑ دیا۔

(ابنِ سعد ج ۳ ص ۳۷)

لیکن ہمیں تلاش کے باوجود سیرت و تاریخ کی کسی کتاب میں ایسا نہیں ملتا کہ حضرت علیؓ کے اسلام سے بھی کفار مشتعل ہوئے ہوں۔ یا آپ کو کسی قسم کی تکلیف دی ہو یا آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا ہو یا آپ کو گرفتار کیا ہو۔ یا حضورؐ سے متعلق آپ سے باز پرس کی ہو۔ جبکہ ہجرت کے موقعہ پر حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے ابوجہل لعین وغیرہ نے حضورؐ اور صدیقِ اکبرؓ کا پتہ پوچھا جب اس نے نہ بتایا تو اس زور سے منہ پر طمانچہ مارا کہ آپ کی بالی گر گئی (سیرت ابن ہشام ص ۹۹ ج ۲) حتیٰ کہ باقر علی مجلسی جیسے شدید متعصب شیعہ بھی۔ جلاء العیون اور حیات القلوب میں ایک واقعہ بھی۔ تخلیق داستان نما کے ہنر کے باوجود ذکر نہ کر سکے۔ بجز اس بات کے کہ ایک مرتبہ حضورؐ کو کفار نے زد و کوب کیا حضرت علیؓ و خدیجۃ الکبریٰؓ کو گھر میں پتہ چلا تو رونے لگے۔ ہو سکتا ہے اس کا سبب صغر سنی ہی ہو لیکن ۶ نبوت کے بعد تو حضرت علیؓ کی عمر ۱۴-۱۶-۱۸ سال کی علی اختلاف الروایات

ہو گی۔ ان مواقع پر آپ کا ذکر ملنا چاہیے۔

یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ہجرت کرنا پڑی۔ حضرت عمرؓ کے قتل کا منصوبہ بنا۔ ہجرت کی رات حضرت نبی کریمؐ اور یارِ غار صدیق اکبرؓ کی تلاش میں ۱۰۰۔۱۰۰ اونٹ انعام مقرر کیا گیا تھا مگر حضرت علیؓ کو بلا خطر حضورؐ نے اپنے بستر پہ سلا دیا اور یہ تسلی بھی دی تھی کہ کفار ہرگز کچھ نہ کہیں گے۔

پھر حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد تین دن مکہ میں ٹھہرا ایک دن بھی نہ چھپا اور اسی طرح پہ پھرتا رہتا تھا۔ امانتوں کے ادا کرنے کے بعد میں نے حضورؐ کے پاس پہنچنے کا راستہ اختیار کیا (کنز العمال ج ۸ ص ۳۳۵) آخر کوئی بات تو حضرت پیغمبرؐ اور حضرات خلفائے ثلاثہؓ میں ایسی تھی جو حضرت علیؓ میں نہ تھی۔ کہ کفار ان کے خون کے پیاسے تھے اور حضرت علیؓ کو موقع ملنے کے باوجود بھی کچھ نہ کہتے تھے۔ حالانکہ یہ حضرات مکہ کے ضعفاء میں سے نہ تھے بلکہ معزز خاندانوں کے اصحاب ثروت اور سردار و رئیس تھے۔ درحقیقت ان حضرات کا تمام منافع دنیوی اور عیش و سکون کی زندگی کو چھوڑ کر مکہ کے در یتیم محمد بن عبداللہ و رسول اللہ کی اتباع کر لینا اپنی جان و مال آپ پر نثار کرنا۔ اور آپ کی دعوت کا مبلغ بن جانا ہی۔ جہاں حضورؐ کے دل میں ان کی قدر و منزلت کو سب سے افضل بنا رہا تھا۔ وہاں کفار کے غیظ و غضب کو بھی تیز کرتا تھا۔ اور وہ بھی حضورؐ کے بعد اسلام کے اہم ستون حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کو جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ احد کے خاتمہ پر ابوسفیانؓ نے قتل حضورؐ کی افواہ کی بنا پر اپنی ہیجے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا نام لیا تھا۔ جیسے صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۹ میں بھی ہے۔ ابوسفیانؓ اونچی جگہ چڑھ کر مسلمانوں کو آواز دینے لگا۔ کیا مسلمانوں میں محمدؐ (زندہ) ہیں حضورؐ نے فرمایا مت جواب دو۔ پھر کہا کیا ابن ابی قحافہؓ ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا جواب نہ دو۔ پھر پوچھا کیا عمرؓ بن الخطاب ہیں؟ (جب جواب نہ ملا) پھر کہنے لگا یہ سب قتل ہو گئے اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے۔ فرمایا۔ اللہ کے دشمن! تو نے جھوٹ کہا۔ اللہ نے تجھے رسوا کرنے کا سامان باقی رکھا ہے۔ پھر اس نے اُعْلُ ھُبَل (اے ہبل تو بلند ہو) کا نعرہ لگایا تو حضورؐ

ۓ آج کل شیعی نعرہ یا علی مدد بھی اسی نعرہ کا چربہ ہے جب حضورؐ نے اسے مثل کر اللہ مولانا و لا مولیٰ لکم (ہمارا مددگار اللہ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں) سکھایا ہے تو ہم کو شیعہ نعرہ کے جواب میں یا اللہ مدد اور (باقی آئندہ)

نے فرمایا کہو اللہ اعلیٰ و اجل (اللہ ہی بزرگ و برتر ہے) پھر اس نے کہا ہمارا عزیٰ (مشکل کشا) ہے تمہارا عزیٰ نہیں۔ تب صحابہؓ نے حضورؐ کے حکم سے جواب دیا۔ اللہ ہمارا مولا (ناصر و مددگار) ہے اور تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ نے بلاشبہ مدنی زندگی میں شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے مگر اس وجہ سے کبھی اپنے کو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے افضل نہیں بتایا۔ نہ صحابہ کرامؓ نے ایسا جانا۔ نہ حضورؐ نے اپنے قول و عمل سے اس کی تعلیم دی۔

دوم۔ کثیر الہدایت ہونا

ہدایت کی کثرت اور فیضان کی بہتات اور خیر کی اشاعت یقیناً ہادی اور مبلغ کو بلند مرتبہ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی متعدی نیکی ہے جس کی انتہا معلوم نہیں ہو سکتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی کے مرنے پر اس کے سارے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال کا ثواب اسے بدستور ملتا رہتا ہے۔ اولادِ صالح۔ جو والدین کی تربیت سے اچھے کام کرے اور والدین کے لیے دعاءِ رحمت کرتی رہے۔

صدقہ جاریہ۔ جیسے رفاہی کاموں پر خرچ کرنا جب تک وہ مدرسہ یا مسجد باقی رہے گی بنانے والے کو ثواب ملتا رہے گا۔

علم کی اشاعت یا تصنیف و تالیف۔ کہ جب تک اس علم یا کتاب کا وجود رہے گا عالم و مصنف کو ثواب ملتا رہے گا۔

انبیاء علیہم السلام اسی بنا پر سب خلائق سے افضل ہوتے ہیں کہ وہ منبع علم و ہدایت ہوتے ہیں۔ بنی نوعِ انسان میں علم کی حد وہی ہیں۔ کوئی امتی جس قدر انبیاءؑ کے علم و ہدایت کے مطابق اعمال بجا لائے گا یقیناً اس کا ثواب اپنے پیغمبر کو پہنچتا رہے گا۔ من سن سنة حسنة فله اجرها

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت بخشی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ آپ کی ہدایت۔ تمام اقوام۔ اور تمام زمانوں کے لیے عام ہے اور اربوں انسانوں نے آپ ہی کے چشمہ ہدایت۔ قرآن و سنت۔ سے اپنی پیاس بجھائی ہے یہ مقام کسی اور پیغمبر کو نہیں مل سکا۔ حالانکہ ان میں ہزار برس تبلیغ کرنے والے حضرت نوحؑ بھی ہیں۔ فرعون

(گزشتہ سے پیوستہ) اللہ اکبر کا نعرہ لگانا چاہیے جو مسلمان جنگوں میں لگاتے تھے۔ منہ

کو شکست دینے والے حضرت موسیٰؑ بھی۔ مقامِ خلت سے سرفراز حضرت ابراہیمؑ بھی۔ اور زہد و توکل کا سرچشمہ حضرت عیسیٰ روح اللہ بھی علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی لیے آپ کے حق میں سراجاً منیرا۔ ہادیا و داعیا الی اللہ۔ اور و لکل قوم ہاد کے القابات قرآنِ حکیم نے صادر فرمائے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بعد از پیغمبرؐ بڑے ہادی ہیں

یہ حقیقت اظہر من الشمس اور ناقابلِ انکار ہے کہ فیضانِ ہدایت اور اس کی اشاعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعی جانشین اور سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ حدیثِ بالا کے بموجب تینوں قسم کے جاری و متعدی کام تا یوم قیام یادگار چھوڑے ہیں۔

قرآنِ حکیم کی اشاعت

قرآنِ کریم حسب ضرورت جس ترتیب سے اترا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے جدا ترتیب پر۔ جو لوحِ محفوظ میں مقرر ہے۔ صحابہ کرامؓ کو پڑھایا۔ لیکن مستقل مکمل کتابی شکل میں جمع کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ عہدِ صدیقی میں مرتدین اور مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگوں میں کافی قراء و حفاظ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تو مفکر امت و ملہم من اللہ حضرت عمرؓ کو خدشہ ہوا اور دربارِ صدیقی میں آکر عرض کی کہ قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کیا جائے۔ اولاً تو حضرت ابوبکرؓ نے توقف کیا کہ جو کام حضورؐ نے نہیں کیا میں کیسے کروں۔ پھر زمانے کا تقاضا بھانپ گئے تو حضرت زید بن ثابتؓ جو مشہور قاری حافظ اور کاتبِ وحی تھے ان کی سرکردگی میں ایک جماعت کی جمعِ قرآن پر ڈیوٹی لگادی۔ وہ فرماتے ہیں۔

فتتبعت القران اجمع من الرقاع والاکتاف والعشب وصدور الرجال (بخاری)	چنانچہ میں نے کاغذ و کپڑے کے ٹکڑوں، کندھے کی ہڈیوں، درختوں کے پتوں اور حفاظ کے سینوں سے قرآن جمع کیا۔ الخ

گویا انا لہ لحافظون۔ (ہم ہی قرآن کے محافظ ہیں) کا جو وعدہ اللہ نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ پر پورا فرما دیا۔ آج ۱۴۰۰ سال سے مشرق و مغرب کے تمام مسلمان صرف ایک ہی کتاب اللہ کے عالم، حافظ اور قاری ہیں جس کے ایک حرف و شوشہ میں بھی تبدیلی نہیں کی گئی۔ پھر اسی قرآن کی نقلیں مزید کرواکر حضرت عثمانؓ نے اطرافِ اسلامیہ میں پھیلا دیں اور وحدتِ کتاب اللہ انہی حضرات کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ امت نہ ان کے بارِ احسان سے سبکدوش ہو سکتی

ہے۔ اور نہ ان کے درجات و ثواب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خود حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ قرآن پاک کی اشاعت کے سلسلے میں سب سے بڑا درجہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو ملیگا۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ ہی نے دو گتوں کے درمیان قرآن کو جمع فرمایا (رواہ ابو یعلیٰ بحوالہ تاریخ الخلفاء صہ ۶۴)

سنت و فقہ کی اشاعت

علم کا یہ شعبہ اور شجرہ طیبہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اقطارِ عالم میں پھیلا۔ آپ تمام مفتوحہ ممالک میں علماء اور حفاظ و قراء کو بھیجتے تھے۔ جو وہاں کے لوگوں کو تبلیغ کرتے اور قرآن و سنت کی تعلیم دیتے تھے۔ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر بھیجا تو فرمایا۔

بعثت الیکم ابن ام عبد و اثرتکم علی نفسی — میں نے تمہاری طرف ابنِ مسعود کو بھیجا ہے اور تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

اور ان کی کارکردگی کا یہ عالم تھا کہ جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ میں وارد ہوئے تو چار ہزار کوفہ کے علماء تابعین نے آپ کا استقبال کیا جو سب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ شام میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ بصرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی ڈیوٹی لگائی۔ بڑے بڑے فاضل صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کر دی تھی جس میں کثرت فتوحات اور حادثات نو کے پیشِ نظر ہر مسئلہ زیرِ بحث آتا اور صائب فیصلہ سے مشرف ہوتا تھا۔ یہی قضایا، احکامِ سنت و فقہ کا وہ بہترین خزانہ ہیں جن پر فقہی مذاہب کا دارومدار ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ اگر عمر کا علم میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے میں سب لوگوں کا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم زیادہ ہو گا۔ راوی نے جب یہ قول حضرت ابراہیم نخعی کے سامنے ذکر کیا تو کہنے لگے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی زیادہ آپ کی تعریف کی ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر فرمایا تھا۔

ذہبت تسعۃ اعشار العلم — حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے علم کے ۹/۱۰ حصے رخصت ہو گئے۔

(اسد الغابہ ج ۴ صہ ۶)

کتاب الاموال لابی عبید اور مسعودی وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں تمام موذنین۔ مدرسین مبلغین خطباء اور قاریوں کے بیت المال سے وظائف مقرر تھے۔

اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہبی اور انتظامی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کو مختلف کاموں پہ لگاتے تھے ان کے حسنِ اعمال کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پہنچتا تھا تو اس کے نزدیک حضورؐ کے علمی و عملی جانشین حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و معاویہ رضی اللہ عنہم کو بھی ان سب امور کا ثواب ملنا چاہیے۔ چونکہ روایت احادیث کے سلسلے میں شیخین بڑی احتیاط کرتے۔ قصہ گو واعظوں کی تو درہ سے تربیت کرتے تھے اور بسا اوقات حدیث پر شاہد بھی طلب کرتے تھے اور ان کے مختصر عہد میں تابعین کی روایتِ حدیث درجہ فروغ کو نہ پہنچی تھی اور امورِ خلافت و فتوحات میں بہت مصروفیت رہتی تھی۔ لہٰذا ان کے علم کی بہ نسبت روایۃً حدیث کم ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ سے ۱۴۲، حضرت عمرؓ سے ۵۳۹ ۔ اور حضرت علیؓ سے کچھ زائد ۵۸۶ احادیث مروی ہیں۔ حضرت عثمانؓ بھی احادیث نبوی کے ممتاز حافظ تھے (روی جملۃ کثیرۃ من العلم (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸) علم کا ایک کثیر حصہ روایت کیا ہے۔ لیکن کلامِ رسول میں تغیر و تبدل کے خوف سے روایت بہت کم کرتے تھے اس لیے مرفوع روایات کی تعداد آپ سے کم مروی ہے۔ فقہ و استنباط میں اگرچہ آپ کا پایہ حضرت عمرؓ و علیؓ کے برابر نہ تھا لیکن آپ بھی مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے صحابہ آپ کے اجتہاد سے استناد کرتے تھے (بخاری کتاب الغسل و مسند احمد وغیرہ)

علم فرائض میں آپ جماعتِ صحابہؓ میں ممتاز تھے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت عثمانؓ انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب کیا۔ شیخینؓ کے عہد میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ اور اس کی مشکلات کو یہی دونوں حل کرتے تھے۔ اس عہد کے بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۲۷ بحوالہ تاریخ اسلام ندوی ج ۱ ص ۲۴۱)

فتوحات تبلیغ اسلام کے لیے تھیں

حضرتِ خلفاءِ ثلاثہؓ کے زمانے میں باقاعدہ تبلیغی وفود بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس مختلف ممالک میں تبلیغِ اسلام کے لیے جاتے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ ہشام بن عاص اور نعیم بن عبداللہ اور ایک اور صحابی حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانے میں بادشاہِ روم کے پاس بھیجے گئے تھے۔ حضرت ہشام فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جبلہ بن ایہم کے پاس دمشق پہنچے۔ وہ کالے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اور ہر شے اس کے دربار کی سیاہی سے رنگی ہوئی تھی۔ اس نے کہا اے ہشام کہو، ہشام نے اس سے گفتگو کی اور اللہ کے دین کی دعوت دی۔ (ابونعیم فی الدلائل ص ۹)

علامہ شبلیؒ الفاروق ص ۳۹۹ پر صیغہ مذہبی کے عنوان سے رقم طراز ہیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشادات سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ ان کے دیکھنے کا شوق ہوتا تھا کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ تو ایک ایک مسلمان سچائی سادگی پاکیزگی جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دلوں کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا۔ مثلاً شطا مصر کا رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہوگیا۔

حدودِ اسلام کی وسعت

تکثیرِ ہدایت اور فیضانِ جاری کی تیسری قسم خلفاءِ ثلاثہؓ کی وہ عظیم فتوحات ہیں جن کی بدولت اسلام جزیرۂ عرب سے نکل کر تمام اقطارِ ارضی پر پھیل گیا۔ اس وقت موجود دنیا کی سب سے بڑی حکومتیں کسریٰ و قیصر اسلام کی قلمرو میں آگئیں۔ تاریخی طور پر وہ پیغمبر اسلامؐ کی متواتر پیشینگوئیاں پوری ہوئیں جو آپؐ نے مسلم و کافر اپنے اور بیگانے کے سامنے اپنی صداقت پر بطورِ دلیل متعدد مرتبہ ارشاد فرمائیں۔ مثلاً عدی بن حاتم طائی کو

اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ بخدا مسلمان اس قدر مالدار ہوں گے کہ لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ اس قدر ان کی تعداد اور قوت وافر ہوگی کہ ایک عورت تنہا قادسیہ سے حج کرنے آئے گی اور بخیریت واپس ہوگی۔ خلافت اور حکومت ان کو ایسی حاصل ہوگی کہ ارضِ بابل کے سفید محلات بھی ان کے ہاتھ پہ فتح ہو جائیں گے۔ عدیؓ کہتے تھے۔ میں نے دو باتیں تو دیکھ لیں۔ فراوانی دولت بھی دیکھ لوں گا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۹۰ مختصراً)

فتح کا نام لینا آسان نہیں۔ ایک مربع میل کا رقبہ بھی کوئی نہیں دیتا۔ اور اس پر کتنے قضیے کرنے پڑتے ہیں لیکن بالکل غیر متمدن اونٹوں اور بکریوں کے چرواہوں نے جناب معلمِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے دنیا کا نقشہ ہی بدل دیا۔ یہ اسلام کی صداقت، پیغمبرؐ کے اعجاز اور صحابہ کرامؓ کے ایمان پہ ایسی زبردست دلیل ہے جس کا کوئی سلیم الفطرت انسان انکار نہیں کر سکتا۔ آج کا ایران اور ان کے ہم نوا اعداءِ صحابہ۔ حضرت عمرؓ و فاتحینِ اسلام کو مطعون کرتے ہیں حالانکہ ان کو حضرت عمرؓ وغیرہ کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے کہ ان کو کفر سے نجات دلا کر اسلام میں داخل کیا۔ فاتحینِ ایران صحابہ کرامؓ پر ان کا غضبناک ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ توحید و رسالت کے کلمہ اسلام کی آمد پر نہ خوش ہیں نہ ایمان رکھتے ہیں اور نہ سابقہ کفار کی رسوم اور یادگاروں کو بھلا سکتے ہیں۔ ورنہ وہ سہ ہزار سالہ قدیم کافرانہ تہذیب کے جشن پر کروڑوں ڈالر خرچ نہ کرتے۔ جیسے ۱۹۷۱ء میں منایا گیا۔

الغرض حضرت عمرؓ کے مفتوحہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل تھا یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مشرق کی جانب ۱۰۸۷ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراقِ عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آ جاتا ہے۔ شامل تھا۔ (الفاروق ص ۲۷۰)

حضرت عثمانؓ کے عہد میں مغربی ممالک، شمالی افریقہ، روم قوقاز، جزیرہ قبرص اور روڈس کی فتوحات کا اضافہ ہوا۔ اور ان ممالک میں لا الٰہ الا اللہ کا جھنڈا ایسے لہرایا کہ آج تک سرنگوں نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ ان فتوحات سے کروڑہا انسانوں کے حلقہ بگوشِ ہدایت

ہونے کا ثواب حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے نامۂ اعمال ہی میں لکھا جائے گا۔ جیسے حضرت علیؓ کو یمن بھیجتے وقت حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

لان یهدی الله بك رجلا خیر لك من حمر النعم (صحیحین)

اگر اللہ تعالیٰ تیرے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو تیرے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

ہدایت کے ان تین شعبوں میں اول و ثالث میں تو حضرت علیؓ کی شرکت ہی نہیں۔ نہ آپ جمع و تدوینِ قرآن میں شریک تھے۔ نہ بقولِ شیعہ آپ کا جمع کردہ صحیفہ کسی مسلمان کو دیکھنا نصیب ہوا۔ نہ آپ کے عہد میں کوئی علاقہ یا گاؤں فتح ہوا۔ آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے سرکاری سطح پر سابقہ تبلیغی سرگرمیاں بھی رُک گئیں۔ ہاں سنت و فقہ کی انفرادی اشاعت میں حضرت علیؓ کا حصہ یقینی ہے اور آپ سے ہزاروں انسانوں نے فیضِ ہدایت پایا اور آج تک اس کے اثرات موجود ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ میں یہ وصف بھی تاریخ و حدیث کے عام مروج سنی ذخیرہ پر اعتماد کی بدولت تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اور حضرت علیؓ کو چہارم پیشوائے دین ماننے کا سہرا فقط اہلسنّت کے سر پہ باندھا جائے گا۔ ورنہ شیعی مخصوص لٹریچر میں عمر بھر حضرت علیؓ تقیہ کے پابند رہے تھے۔ اسلام کی واقعی بات کا اظہار ایک وصیت کی وجہ سے ممنوع تھا۔ آپ کے مخلص شاگرد اور قابلِ اعتماد مومن چند نفر ہی تھے آپ کے علم کا سمندر اندر ہی اندر خشک ہو گیا حتیٰ کہ شیعہ کو اپنا مذہب رسول اور وصی رسول کے بجائے دوسری صدی کے ایک تابعی بزرگ سے روایت کرنا پڑا۔ حد یہ ہے کہ ان کو یہ بھی کہنا پڑا کہ حضرت علیؓ کی خلافت برائے نام سے زیادہ نہ تھی۔ ہمیشہ خلفائے ثلاثہؓ کے معتقدین میں گھرے رہتے اور بدستور قدرت کے فقدان اور ساتھیوں کی غداری اور بے وفائی کی شکایت کرتے رہتے تھے۔ الخ (مجالس المومنین ص ۵۴)

معرکہ جنگ میں تبلیغی فرائض

حضراتِ خلفائے ثلاثہؓ کی فتوحات ملک گیری کے تحت نہ تھیں محض تبلیغِ اسلام کی خاطر تھیں۔ اپنے امراء اور کمانداروں کو تاکیدی وصایا کے ساتھ بھیجتے تھے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب شام

کی طرف لشکر روانہ فرمائے۔ جن پر امیر حضرت یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص اور شرجیل بن حسنہ رضؓ تھے۔ آپ وداعۃ تک ان کے ساتھ پیدل چلے کہ ان قدموں سے اپنی خطاؤں کو بخشواؤں۔ پھر وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ پاک سے ڈرتے رہنا۔ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ جن لوگوں نے اللہ کے دین سے انکار کیا ہے ان سے جہاد کرنا۔ اللہ اپنے دین کا مددگار ہے۔ غداری نہ کرنا۔ امانت میں خیانت نہ کرنا۔ بزدلی نہ برتنا۔ زمین میں فساد نہ پھیلانا اور جس چیز کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے اس کے خلاف نہ کرنا۔ تمہارا اگر بتقدیر الٰہی مشرک قوموں سے سامنا ہوجائے تو انہیں تین باتوں کی دعوت دینا۔ اگر مان لیں تو جنگ سے رک جانا۔ اول ان کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر اسلام اختیار کرلیں تو ان کے اسلام کو قبول کرنا الخ (حیاۃ الصحابہ ج ۱ ص ۲۱۹ از بیہقی و ابن عساکر ج ۹۷ ص ۸۰)

حضرت عمر بن خطاب رضؓ نے فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کو لکھا کہ لوگوں کو تین دن تک اسلام کی دعوت دینا۔ جو شخص مسلمان ہوجائے اس کے لیے وہ تمام منافع ہیں جو دیگر مسلمانوں کے لیے ہیں اور اسلام میں ان کا حصہ ہے اور جس نے تمہارا کہا لڑنے کے بعد یا شکست کھانے کے بعد مانا اس کے لیے مسلمانوں جیسا فے نہیں ہے۔ یہی میرا حکم ہے اور خط لکھنے سے غرض۔ (حیات الصحابہ رضؓ ص ۲۲۴)

خلفاء اربعہ رضؓ کا ذاتی خوبیوں میں تقابل

شجاعت بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شجاع تھے۔ اور روایاتِ مغازی کی روشنی میں عہدِ نبوی کی سب جنگوں میں ڈیڑھ درجن کے قریب آپ کے ہاتھوں کفار مقتول ہوئے۔ جو شیخین کے مقتولوں سے زیادہ ہیں۔ اپنی جگہ جہاد میں قتلِ کفار واقعی ثواب کا کام ہے۔ لیکن ایک کافر کو کلمہ پڑھوا دینا اس سے زیادہ کارِ ثواب اور اسلام کی مفید خدمت ہے۔ گیا حضرتِ ابوبکر صدیق رضؓ کا کلمہ پڑھتے ہی حضرت عثمان۔ سعد بن ابی وقاص عبدالرحمٰن بن عوف طلحہ۔ زبیر۔ ابوعبیدہ بن جراح۔ عثمان بن مظعون۔ ابوسلمہ۔ ارقم بن ارقم جیسے اکابر صحابہ رضؓ کو حلقہ بگوشِ اسلام کرا دینا اور مسلمانوں کی جماعت بنا دینا اس سے زیادہ

افضل نہ تھا؟ بقول سعدیؒ ؎

دگر خفیہ دہ دل بدست آوری ازاں بہ کہ صد رہ بشبخون بری

مدارِ فضیلت تو جنگوں میں شرکت ۔ثابت قدمی اور جرأت ہے ۔بالفعل قتل کرنا تو اتفاقی ہے ۔حضرت ابو ذر غفاری ۔حضرت سلمان فارسی ۔ابو الدرداءؓ جیسے عند الشیعہ کامل الایمان صحابہؓ سے بھی اس کا ثبوت مشکل ہے ۔اور اشجع الناس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک شخص تیرِ نبوی سے خراش کی وجہ سے بطورِ معجزہ قتل ہوا۔

قزمان نامی ایک شخص نے احد میں بروایت ابنِ ہشام ۹ آدمیوں کو قتل کیا ۔مگر بالآخر خودکشی کر لی ۔حسب روایتِ بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ مرفوعاً حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ کے ہاتھ سے غزوہ موتہ میں فتح ہوئی اور مؤرخین کے بیان کے مطابق آپ کے ہاتھ میں ۹ تلواریں موتہ میں ٹوٹیں ۔اور بلاشبہ ان کے ہاتھوں کفار زیادہ قتل ہوئے ۔نحوہ از ابی عامرؓ در طبقات بن سعد ج ۲ ص ۱۳۰)

معلوم ہوا کہ مقتولوں کی کثرت مدارِ افضلیت نہیں ۔بلکہ مجموعی طور پر اوصافِ خاصہ ہیں ۔جرأتِ صدیقی کے متعلق حضرت علیؓ فرماتے ہیں ۔لوگو! میں تم سے بیان کروں کہ ہم سب سے زیادہ بہادر کون ہے ۔؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں ۔جب غزوہ بدر ہوا تو ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جھونپڑا بنایا ۔اور ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون رہے گا ؟ ایسا نہ ہو کہ مشرکین میں سے کوئی آپ کی طرف آئے پس خدا کی قسم اس کام کے لیے آپؐ کے قریب کوئی نہ آیا سوائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کہ یہ تلوار سونت کر آپؐ کے سرہانے کھڑے ہو گئے ۔جب کوئی آپؐ کی طرف آنے کا قصد کرتا یہ اس کی طرف جھپٹ کر جاتے ۔یہ تمام لوگوں میں سے زیادہ بہادر تھے ۔اس کے بعد حضرت علیؓ نے بدر کا پورا واقعہ بیان کیا ۔(کذا فی المنتخب ج ۵ ص ۲۳۴)

اُحد کے موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبد الرحمٰن کو قتل کرنا چاہا ۔مگر حضورؐ نے فرمایا تلوار میان میں کر کے اپنی جگہ واپس آجاؤ اور اپنی ذات سے ہمیں نفع پہنچاؤ (کشف الغمہ ص ۲۵۴)

مکی زندگی میں تنہا کفار کے نرغے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھڑانا اور تکالیف

سہنا پہلے مذکور ہو چکا ہے جو جرأت کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ ہجرت کے موقعہ پر بحکم خداوندی حضورؐ کا حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لینا۔ اور رفاقتِ غار کے علاوہ سب سفر میں تنہا آپؐ کی حفاظت فرمانا۔ صدیقی جرأت ہی کا خاصہ ہے۔ مولانا غلام رسول مہر "رسولِ رحمتؐ" میں رقم طراز ہیں۔

"کاشانۂ مبارک سے نکل کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ جن کا مکان مکہ مکرمہ کے جنوبی حصے میں تھا شہر سے جنوبی سمت میں چل پڑے۔ چھ میل کے فاصلے پر ثور نامی پہاڑ تھا جس کے اندر (بہت اونچائی پہ) ایک بڑا غار تھا راستہ سخت پتھریلا اور کٹھن تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے بچانے کیلئے تھوڑی دور تک کندھوں پہ بٹھا لیا۔ چلتے وقت وہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتے گویا چاہتے تھے کہ ہر سمت سے حضورؐ کی حفاظت میں اپنی جان قربان کر دیں۔ غار کے دھانے پہ پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ پہلے خود داخل ہوئے اور غار کو خوب صاف کیا۔ اپنے کپڑے پھاڑ کر تمام سوراخ بند کیے۔ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ اس غار میں رسولِ کریمؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے تین دن اور تین راتیں گزاریں۔"

سانحہ وفاتِ نبویؐ پر جب صحابہ کرامؓ فرطِ غم سے بے حال ہو رہے تھے۔ جرأتِ صدیقی نے وہاں بھی راہنمائی کی۔ جب مرتدین، منکرینِ زکوٰۃ، مسیلمہ کے پیروکار اور منافقوں کی سازشوں سے بڑے بڑے اکابر ہراساں ہو گئے تو جرأتِ صدیقی اور عزمِ صاحبِ رسول ہی نے تنہا مقابلے کی ٹھانی اور فرمایا خدا کی قسم اگر مجھے درندے نوچ ڈالیں تب بھی میں اسامہؓ کے لشکر کو باہر جانے سے نہ روکوں گا۔ چنانچہ سب صحابہؓ کے حوصلے بلند ہو گئے اور تمام مشکلات پر مکمل فتح پائی۔ نیز آپ: حضرت سلمہؓ بن اکوع کا بیان ہے کہ عہدِ نبوی میں ہم نے ابوبکرؓ کیساتھ کفار پر رات کو حملہ کیا اور (ابوداؤد ... مشکوٰۃ ص ۳۴۰)

جرأت فاروقی

کے متعلق حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی نے بھی ہجرت کی۔ جہاں تک مجھے علم ہے چھپ کر کی سوائے حضرت عمرؓ کے کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنی تلوار گلے میں لٹکائی اور اپنے کندھے پر کمان رکھی اور اپنے ہاتھوں

ہیں نکال کر تیر لیے اور بیت اللہ کے پاس آئے۔ سردارانِ قریش اس کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے بیت اللہ کا پورا طواف کیا پھر مقامِ ابراہیمؑ پر نفل پڑھ کر ایک ایک مشرک کے پاس آئے اور کہا یہ چہرے ذلیل ہو جائیں گے۔ جس کا ارادہ ہو کہ اس کی ماں اسے نا پید کر دے اور اولاد یتیم ہو جائے اور اس کی بیوی رانڈ ہو وہ مجھ سے اس وادی کے پرے ملے۔ ایک بھی ان میں سے حضرت عمرؓ کے پیچھے نہ گیا۔ (منتخب کنز العمال ج ۴ ص ۳۸۷)

جنگِ بدر میں حضرت عمرؓ نے مشہور بہادر پہلوان اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ بن مغیرہ — برادر ابوجہل عمرو بن ہشام — کو قتل کیا (سیرت ابنِ ہشام ج ۱ ص ۶۳۸) پھر کوئی پہلوان آپ کے سامنے آتا ہی نہ تھا۔ جنگِ احد میں حضرت عمرؓ نے ابوسفیان سالارِ لشکر کو صرف پتھروں سے مار بھگایا۔ (سیرت النبیؐ ج ۱ ص ۳۷۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے ساتھ گھاٹی ہی میں تھے کہ اسی اثنا میں قریش کے کچھ لوگ پہاڑ پر چڑھ آئے۔ بروایت ابنِ ہشام ان چڑھنے والے سالاروں کے سالار خالدؓ بن ولید تھے۔ آخر حضرت عمرؓ بن خطاب اور مہاجرین کی ایک جماعت نے زبردست مقابلہ کر کے انہیں پہاڑ سے اترنے پر مجبور کر دیا۔ (ابنِ ہشام ج ۲ ص ۵۳ وطبری ص ۲۱۱)

احد میں چند اور صحابہؓ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمرؓ بھی حضورؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں۔ پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شناخت کر لیا تو آپ مسلمانوں کے ساتھ ہو لیے اور ایک گھاٹی کی طرف چلے گئے۔ اس وقت ابوبکر صدیقؓ، عمر بن خطاب۔ علی بن ابی طالب۔ طلحہ بن عبید اللہ۔ زبیر بن عوام۔ حارث بن صمہ اور دوسرے مسلمانوں کا گروہ رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ (سیرت ابنِ ہشام ج ۲ ص ۵۰)

اور حیات القلوب مجلسی ج ۲ ص ۳۶۶ کی ایک طعن آمیز روایت سے شیخین کی ثابت قدمی کا اعتراف ہے۔ غزوۂ خندق میں حضرت عمرؓ کو حضورؐ نے جس حصے پر متعین کیا تھا۔ اور آج وہاں ایک مسجد بھی آپ کے نام کی موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے زبیرؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور ان کی جماعت درہم برہم کر دی (طبری ص ۱۴۷۲ الفاروق ص ۹۵) اسی جنگ میں عرب کے مشہور پہلوان ضرار اسدی کا تعاقب کر کے حضرت عمرؓ نے

بھگا دیا۔ (سیرت النبیؐ ج ۱ ص ۴۲۹)

اس جنگ میں عمرو بن ود جو عرب کا مشہور پہلوان اور ۹۰ برس کا تھا حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس نے بطورِ تحقیر کہا تھا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا میں تو لڑوں گا۔ چنانچہ جوابی حملے میں اسے ڈھیر کر دیا۔

جرأتِ عثمانی حضرت عثمانؓ کا اسلام کی خاطر کفارِ مکہ سے مظالم سہنا۔ حدیبیہ کے موقعہ پر تنہا۔ سفارت کے فرائض سرانجام دینا۔ قید ہو جانا مگر حضورؐ کے بغیر طواف سے انکار کرنا۔ بلوائیوں کے ہاتھوں شہادت پا جانا مگر خلع خلافت نہ کرنا۔ اور باوجود حضرت معاویہؓ کے اصرار پر حرمِ مدینہ اور جوارِ نبوی کو نہ چھوڑنا آپ کی جرأت ایمان اور اخلاص پر کھلے دلائل ہیں۔

الغرض تمام غزوات میں ان حضرات نے شرکت کی۔ لیکن قتل کے واقعات کم پیش آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات بہ نسبت حضرت علیؓ کے معمر تھے۔ حضور علیہ السلام ان سے سپاہیانہ خدمات لینے کے بجائے بطورِ وزیر و مشیر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اور خصوصی محافظ بھی ہوتے تھے۔ جیسے خود حضرت علیؓ نے حضرت حسن و حسینؓ سے جنگِ جمل و صفین میں جنگی خدمات کم لیں۔ ہر ممکن تحفظ کی کوشش کی۔ بدر میں حضرت ابوبکرؓ عریش میں آپؐ کے باڈی گارڈ رہے۔ حضرت عثمانؓ آپؐ کے فرمان کے مطابق حضرت رقیہؓ کی تیمارداری میں مدینہ میں رہے۔ اور آپ نے ان کو غنیمت اور ثواب کا پورا حصہ دلایا۔ احد میں حضرت ابوبکرؓ کی محافظانہ حیثیت رہی اور حضورؐ نے عام حملہ سے روکے رکھا۔ ہاں حضرت عمرؓ نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ متعدد غزوات میں حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو سپہ سالار بھی بنایا بخاری ج ۲ ص ۶۱۲ کتاب المغازی میں سلمہ بن اکوعؓ کا بیان ہے کہ ۹ جنگی سرایا میں حضورؐ کے بھیجے ہوئے لشکر میں میں بھی تھا۔ علینا مرۃ ابوبکر و مرۃ اسامۃ۔ کبھی حضرت ابوبکرؓ کو امیرِ لشکر بنایا اور کبھی حضرت اسامہ بن زیدؓ کو۔ "اشداء علی الکفار۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں الٹ دیں اور نصف معلوم دنیا کو فتح کر کے لا الہ الا اللہ کا جھنڈا گاڑ دیں۔ اس میں زیادہ کمال ہے یا بالفعل دو چار کافروں کو قتل کرنے میں زیادہ بہادری ہے۔ کیا بادشاہ، وزیر یا جرنیل

کی کامیابی صرف اسی میں ہے کہ وہ سپاہی کی حیثیت سے دو چار قتل خود کریں۔ خدا معترض کو عقل دے۔

شجاعت کے اثرات میں تقابل

حضرت علی رضؓ تلوار سے اس قدر رعب اور اصلاحی کام نہیں کر سکے جس قدر حضرت عمر رضؓ نے درہ ہاتھ میں رکھنے سے کیا۔ اپنی خلافت کے دوران حضرت عمرؓ تلوار کے بجائے صرف درہ ہاتھ میں رکھتے تھے۔ مگر آپ کے رعب و دبدبہ سے انتظامِ حکومت بھی ٹھیک تھا اور بڑے بڑے بادشاہ بھی تھراتے تھے۔ ادھر سیدنا علی رضؓ ذوالفقار ہاتھ میں لے کر جمل و صفین میں کشتوں کے پشتے لگا رہے ہیں مگر مخالف کو اپنے مقصد میں ناکام کر دینا تو کجا خود آپ کے فوجی بھی درست نہیں رہتے۔ نہ آپ کے کنٹرول میں رہ کر اطاعت و وفاداری کرتے ہیں۔ حتی کہ آپ تمنا کرتے ہیں کہ کاش معاویہ رضؓ میرے دس دس سپاہیوں کے بدلے میں ایک ایک سپاہی دے دیتا (نہج البلاغہ)

یہ نکتہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ چند ناموں کے سوا شیخین کا کسی سے مقابلہ یا قتل کرنا کتب روایات میں نہ ملنا۔ بالکل نفی کی دلیل نہیں ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہر مقتول کا نام دیتے ہم تک بھی پہنچے۔ حضرت علی رضؓ کے مقتولین کے بھی ابنِ ہشام نے درجن سے کچھ زائد نام بتائے ہیں حالانکہ قتل ان سے کچھ زیادہ ہوئے ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ مشہور کلیہ کے مطابق عدمِ ذکرِ شئی عدمِ وجودِ شئی کو مستلزم نہیں۔ دراصل شیعہ حضرات کا مذہب ہی صحابہ کرامؓ پر طعن و تبرا بازی ہے وہ کسی طرح حملہ کا بہانہ تلاش کرتے ہیں۔ ورنہ۔ حضرت طلحہ۔ زبیر۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ سعد بن ابی وقاص۔ عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہم رضی اللہ عنہم جرأت اور جنگی خدمات میں حضرت علی رضؓ کے ہمسر رہے ہیں۔ ان کے مقتولوں کی تعداد بھی بکثرت ہے۔ احد کے نازک موقعہ پہ حضورؐ کی خدمت میں۔ حضرت سعد، طلحہ اور ابو عبیدہ یقیناً حضرت علی رضؓ سے بھی آگے ہیں جیسا کہ سیرت کے طالبِ علم پر مخفی نہیں ہے۔ پھر کیوں شیعہ ان کی بہادری، خدمات بلکہ ایمان کا بھی اعتراف نہیں کرتے اور کوستے رہتے ہیں۔

درحقیقت شیعہ کو صحابہ کرامؓ سے بعض یا چند حضرات سے دعویٰ الفت اس بنا پر ہے ہی نہیں کہ ان کی اسلام کی اشاعت اور نصرتِ پیغمبرؐ میں خدمات کم و بیش ہیں۔ بلکہ اس

کے برعکس وہ محبت و نصرت کا معیار حضرت علیؓ کی خلافتِ بلا فصل کو بناتے ہیں۔ انکے خیال میں تین چار حضرات حضرت علیؓ کے خواہاں تھے۔ حالانکہ یہ وہم ہی ہے۔ وہ انہی کو مومن مانتے باقی سب کو بے ایمان (العیاذ باللہ) مانتے ہیں۔ خواہ وہ اسلام کے کتنے بڑے خادم ہوں۔ یا پیغمبرِ اسلامؐ کے قریب ترین رشتہ دار ہوں۔

علم میں موازنہ

بلا شبہ حضرت علیؓ صحابہ کرامؓ میں بلند پایہ عالم ہیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ آپ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ بلکہ زائد تھے۔ اس پر چند شہادتیں ملاحظہ ہوں۔

علم صدیقیؓ

۱۔ حضرت ابنِ عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کون صاحب حضورؐ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے تو جواب دیا کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما ان کے علاوہ مجھے کسی دوسرے کا علم نہیں۔ (ابنِ سعد ج ۲ ص ۱۵۱)

۲۔ قاسم بن محمد نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ (ایضاً ابنِ سعد)

۳۔ سہل بن ابی خثیمہ نے بیان کیا ہے۔ وہ حضرات جو حضورؐ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ تین نفر مہاجرین میں سے تھے اور تین نفر انصار میں سے۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان حضرت علی۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہم (ابنِ سعد ج ۲ ص ۱۶۷)

۴۔ حضرت عائشہؓ سے ایک روایت میں ہے اور انہوں نے پوری حدیث بیان کی۔ ایسا نہیں ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے کسی نقطہ میں اختلاف کیا مگر میرا باپ اس کے میدان اور اس کی فصل تک ضرور اڑا۔ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں دفن کیے جائیں گے۔ ہم نے کسی کے پاس اس کا علم نہیں پایا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ میں نے حضورؐ سے سنا ہے "کہ کوئی نبی ایسا نہیں کہ جس کو کسی جگہ وفات دی گئی ہو مگر وہ اس کی وفات کی جگہ دفن کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کی میراث کے بارے میں اختلاف کیا تو کسی کے پاس اس کا علم نہیں پایا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ ہم انبیاءؑ کی جماعت ہیں ہمارا کوئی وارث نہیں

بنایا جاتا۔ جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ (حیات الصحابہ ج ۳ ص ۲۹۲ از البغوی و ابن عساکر)

۵۔ علامہ ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔

مانعینِ زکوٰۃ سے نبرد آزما ہونے میں تنازعہ ہوا تو آپ نے نص کی روشنی میں حضرت عمرؓ پر اس کی حقیقت واضح کی۔ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ اٰمنین اگر خدا نے چاہا تو تم خانہ کعبہ میں کامل امن و امان سے داخل ہو گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضورؐ کے اس ارشاد کی تشریح کی تھی کہ اپنے بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا کہ وہ دنیا و آخرت میں سے جسے چاہے پسند کر لے (کہ وہ حضورؐ کی ذات تھی) وکان ابوبکر اعلمنا حضرت ابوبکرؓ ہم سے زیادہ عالم تھے۔ (از انسؓ در بخاری)

حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ کو بتایا کہ کلالہ کسے کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے بھی آپ سے استفادہ کیا تھا۔ بہت سے علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اعلم الصحابہؓ تھے۔ منصور بن سمعانی نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی پیروی کرو۔ (ترمذی)

۷۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضورؐ کے ساتھ دورانِ سفر بہت سے مسلمان تھے۔ آپ نے فرمایا اگر لوگ ابوبکرؓ و عمرؓ کی اطاعت کریں گے تو راہِ راست پر قائم رہیں گے۔ آنحضورؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ابوبکرؓ و عمرؓ کے حق میں فرمایا۔ جب تم دونوں کسی بات پر متفق ہو جاؤ گے میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے ثابت ہے کہ جب وہ کتاب و سنت میں کوئی نص نہ پاتے تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ (بحوالہ المنتقی ص ۲۷-۲۸)

۸۔ صحیحین کی حدیث میں ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تھا اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں (رکن کے لحاظ سے) فرق کریں گے۔" شیخ ابو اسحاق الفزاری وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سب سے زیادہ عالم تھے۔ اس مسئلہ کا حل صرف آپ نے بتلایا اور صحابہؓ نے اتفاق کیا۔

۹- حضورؐ کا حضرت ابوبکرؓ کو امامِ نماز بنانا افضلیت اور اعلم ہونے کی دلیل تھی کیونکہ آپ کا ارشاد ہے۔ لوگوں کو وہ نماز پڑھائے جو ان سے زیادہ کتاب اللہ پڑھنے والا ہو۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم میں ابوبکرؓ ہوں ان میں سے کسی اور کو جماعت کرانا مناسب نہیں۔" کیونکہ آپ ہی سب سے زیادہ سنتِ نبوی کے عالم تھے جیسے صحابہ کرامؓ متعدد مواقع میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ سنتِ نبوی ان پر ظاہر کرتے اور ایسے مسائل جانتے تھے جو صحابہ کرامؓ کو معلوم نہ ہوتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۹)

۱۰- آپؓ کا تفوقِ علمی اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سقیفہ کے دن اپنی فی البدیہہ تقریر میں کوئی چیز جو قرآن میں انصار کے فضائل میں اتری نہ چھوڑی اور نہ کوئی ایسی حدیث جو حضورؐ نے انصار کے بارے میں فرمائی تھی مگر سب کا تذکرہ کیا۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۷ والھیثمی ج ۵ ص ۱۹۱)

۱۱- عہدِ جاہلیت کے علوم۔ علم الانساب۔ علم تعبیر الرؤیا اور خطابت میں جب آپ سب سے زیادہ عالم تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۲) تو علمِ شریعت۔ جو صحبتِ نبوی کا عکس تھا اور آپ کو شرفِ صحبت سب سے زیادہ ملا تھا۔ اس میں آپ سب صحابہؓ سے بڑے عالم کیوں نہ ہوں۔

حضرت عمرؓ کا علم

۱- بخاری و مسلم میں مرفوع حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے خواب میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا وہ میں نے پی لیا یہاں تک کہ سیری کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہونے لگا جو بچ گیا وہ میں نے عمرؓ کو دے دیا۔ صحابہؓ نے عرض کی آپ نے اس کی کیا تعبیر ارشاد فرمائی۔ فرمایا دودھ سے مراد علم ہے۔

۲- ترمذی میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

۳- بخاری و مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا امم سابقہ میں ملہم موجود تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ملہم ہوا تو وہ عمرؓ ہیں۔ (المنتقیٰ ا صـ ۲۳)

۴- یہ اسی الہام اصابت رائے اور فراست ایمانی کا اثر تھا کہ دو درجن کے قریب احکام اور قرآنی آیات اتریں۔ جیسے آپ نے خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ۹۶)

۵- بروایت ابو وائل حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ اگر حضرت عمرؓ کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے تو حضرت عمرؓ کا علم ان سب کے علم سے وزنی ہو گا۔ وکیعؒ کہتے ہیں، میں نے ابراہیم نخعیؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا خدا کی قسم حضرت عبداللہ نے اس سے بھی بڑھ کر بات کہی ہے۔ کہ بے شک ۹ حصے علم کے اٹھ گئے جس دن سے حضرت عمرؓ نے وفات پائی۔ (طبرانی و ہیثمی ج ۹ و حاکم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے بے شک حضرت عمرؓ اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ہم سب سے زیادہ کتاب اللہ کے پڑھنے والے تھے اور اللہ کے دین کے بارے میں ہم سب سے زیادہ سمجھدار تھے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ صـ ۶۹)

۶- حضرت حذیفہؓ نے فرمایا گویا کہ لوگوں کا علم حضرت عمرؓ کے ساتھ قبر میں دفنایا گیا۔ (حیاۃ الصحابہ ج ۳ صـ ۲۹۳ از ابن سعد)

۷- مدینہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فقہا کا ان کے پاس بچوں جیسا حال تھا۔ ان سب پر حضرت عمرؓ فقہ اور علم میں غالب تھے۔

(ایضاً از ابن سعد)

۸- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ جب تک نیکیوں کا ذکر ہو گا تو حضرت عمرؓ کو مبارک کہی جائے گی۔ بے شک عمرؓ ہم سب سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والے تھے اور اللہ کے دین کے زیادہ سمجھ دار تھے۔ (طبرانی)

۹- حضرت علیؓ سے آپ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔ آپ میں پختگی۔ فراست و ہوشیاری علم اور شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ (تاریخ الخلفاء صـ ۹۵)

۱۰- حضرت قبیصہ بن جابرؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم میں نے حضرت ابوبکرؓ سے بہتر اور

رعایا پر شفیق کوئی نہیں دیکھا۔ اور میں نے حضرت عمرؓ کے سوا کتاب اللہ کا بڑا عالم۔ اللہ کے دین کا بڑا سمجھ دار۔ اللہ کی حدوں کو زیادہ قائم کرنے والا۔ اور لوگوں کے دلوں میں زیادہ بارعب نہیں دیکھا اور حضرت عثمانؓ سے بڑھ کر زیادہ حیا والا نہیں دیکھا (ابن الاثیر ج ۳ ص ۶۰)

علم عثمانی

۱۔ حضرت عثمانؓ بھی بڑے عالم تھے۔ حضورؐ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

۲۔ آپ سے زیادہ تر احادیث حضرت زید بن خالد جہنی ابن الزبیر۔ سائب بن یزید۔ انس بن مالک۔ زید بن ثابت۔ سلمہ بن الاکوع۔ ابوامامہ باہلی۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ عبداللہ بن مغفل۔ ابوقتادہ اور ابوہریرہ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین فاضل صحابہؓ نے روایات کی ہیں۔ اور تابعین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔

۳۔ ابن سعد نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی حاتمؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ کے صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ سے بڑھ کر زیادہ مکمل اور بہتر طریق پہ حدیثیں بیان کرنے والا نہیں دیکھا۔ مگر یہ کہ حدیث بیان کرنے سے آپ ڈرتے بہت تھے۔ (مبادا الفاظ حدیث میں کمی بیشی ہو جائے)۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۱۶)

غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ و علیؓ وغیرہ فقہاء صحابہ کی بہ نسبت آپ سے احادیث کم مروی ہیں۔ کم گوئی اور شدت حیاء کا ان چیزوں پہ اثر پڑ کر رہا۔ ورنہ علم میں آپ کم تر تھے جیسے۔ ۴۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ مناسک و مسائل حج کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ (ایضاً ص ۱۱۶)

۵۔ اور آپ کے فقہی فیصلے بدستور شیخینؓ کے ہم پلہ تھے۔ جیسے عبیدہ بن عبداللہ بن عتبہ حضرت ابن عباسؓ کی مدح میں فرماتے ہیں۔۔۔ کہ میں نے کسی کو حضرت ابن عباسؓ سے بڑھ کر حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو جاننے والا نہ دیکھا (از ابن سعد ج ۲ ص ۱۸۳۔ حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۲۹۹)

۶۔ آپؓ کے علم میں کون شک و شبہ کر سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدح یوں فرمائی ہے۔

"آیا وہ شخص جو رات بھر سجدے اور قیام میں اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ آخرت سے ڈرتا اور خدا کی رحمت کا امیدوار ہے۔ آپ فرمایئے کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں؟ بلاشبہ عقلمند ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔ (زمر ع ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں یہ آیت حضرت عثمانؓ کے حق میں نازل ہوئی (اخرجہ الواحدی والحاکمی والفضائلی) (ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ص ۱۳۶ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۶)

علم مرتضوی

حضرت علیؓ کے علم کی بھی ایک جھلک ملاحظہ کر لیں۔

۱۔ آپ بھی حضورؐ کے زمانے میں مفتی تھے۔

۲۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرامؓ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ تو یہ پایا کہ ان کا علم چھ حضرات پر ختم ہے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ ابو الدرداءؓ۔ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ پھر ان سب کا مدار حضرت علیؓ و عبداللہ بن مسعودؓ پر ہے (حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۲۹۷)

۳۔ طبرانی کی ایک مرفوع مرسل حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہؓ کی شکایات کے جواب میں ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ میں نے تیری شادی اس سے کی ہے جو سب سے پہلے اسلام لانے والا اور بڑا عالم ہے اور بڑا بردبار ہے۔ (حیات الصحابہؓ ص ۲۹۵)

۴۔ کوفہ کے باشندوں سے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے۔ خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں اتری جس کو میں نہ جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں اتری اور کہاں کن لوگوں کے متعلق اتری بے شک میرے رب نے مجھے سمجھدار دل اور فصیح زبان عطا فرمائی ہے۔

۵۔ یحییٰ بن سعید بن المسیبؒ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ اس مشکل مسئلہ کے لیے پناہ مانگتے تھے جس کے لیے ابوالحسن (حضرت علیؓ) موجود نہ ہوں۔ (از ابن سعد حیات الصحابہ ج ۳ ص ۲۹۵)

(نوٹ) خلفاء اربعہؓ کے علم و فضل پر اور بھی کئی شہادتیں مل سکتی ہیں۔ جو آدمی فیصلہ نہ کر سکے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور تمام صحابہؓ کو حکم مقرر کر لے۔ حضورؐ نے جن کو امام نماز بنایا۔ اور اپنے بعد پیروی کا حکم دیا اور سب صحابہ کرامؓ نے ان پر اتفاق کیا۔ وہی افضل اور بڑے عالم ہیں۔

عبادت میں موازنہ

۱۔حضرت ابوہریرہ رضؓ نے فرمایا کہ آپؐ نے ایک لشکر بھیجا جو بڑی جلدی فتح پاکر بہت بڑی غنیمت لے کر واپس آگیا کسی نے کہا یارسول اللہ اس سے زیادہ غنیمت والا اور جلدی لوٹنے والا ہم نے لشکر نہیں دیکھا تو آپؐ نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتلاؤں کہ جو لوٹتے ہیں ان سے بھی زیادہ سریع ہو اور غنیمت میں ان سے زیادہ۔ وہ وہ آدمی ہے جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا۔ پھر مسجد کا قصد کیا اور اس میں صبح کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد نماز چاشت ادا کی وہ لوٹنے میں زیادہ سریع رہا اور غنیمت میں بہت بڑا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آدمی حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ (حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۱۷۱)

۲۔حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ شروع رات میں وتر پڑھتے اور جب آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو دو دو رکعت کرکے پڑھتے۔ (ایسا پڑھنا افضل ہے)

(ابن ابی شیبہ)

۳۔حضرت ابوبکرؓ کا مکہ میں گھر کے سامنے چبوترہ بناکر۔ نماز پڑھنا۔ سوز و گداز سے قرآن پڑھنا اور رونا حتی کہ مشرکین کی عورتوں اور بچوں کا اسلام کی طرف مائل ہونا اور کفار کا شکایت کرنا۔ تکالیف دینا۔ پھر ابن دغنہ کا پناہ دینا مگر حضرت کا واپس کردینا۔ کتب سیرت سے حوالہ کی حاجت نہیں۔

۴۔حضرت سہل بن ساعدؓ نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ نماز میں اپنی کسی جانب التفات نہیں کرتے تھے۔ (منتخب الکنز)

۵۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب سورۃ مزمل کا پہلا حصہ نازل ہوا تو صحابہ کرامؓ قریب قریب رمضان کے مہینے کے (تا سحر) قیام کے قیام کرتے تھے۔ اور اس سورۃ کے شروع و اخیر میں سال بھر کا فاصلہ تھا۔

۶۔حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے حضرت عمرؓ کی ایک بیوہ سے محض اس لیے شادی کی کہ ان سے رات کی نماز کا پوچھیں۔ وہ فرماتی ہیں۔ حضرت عمرؓ عشاء کی نماز پڑھتے پھر حکم دیتے کہ ہم ان کے سرہانے پانی سے بھر کر پتیل کا گھڑا رکھ دیں۔ وہ رات کو بیدار ہوتے تو اپنا ہاتھ پانی میں ڈالتے اور اپنے چہرے اور ہاتھ پہ پھیرتے۔ اس کے بعد اللہ کا ذکر کرتے رہتے جب تک

ذکر کرنا چاہتے۔ پھر اس طرح کئی دفعہ بیدار ہوتے۔ یہاں تک کہ وہ ساعت آجاتی جس میں یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔ (طبرانی رجالہ ثقات)

۷۔ حضرت سعید بن المسیبؒ نے کہا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب رات کے جگر یعنی وسط میں نماز پڑھنا پسند کرتے تھے۔ (کنز)

۸۔ حضرت اسلم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ جب تک اللہ چاہتا کہ وہ نماز پڑھیں وہ نماز پڑھتے۔ یہاں تک کہ جب آدھی رات ہوتی تو اپنے اہل کو نماز کے لیے بیدار کرتے پھر ان سے کہتے الصلوٰۃ اور یہ آیت پڑھتے۔ وامر اھلک بالصلوٰۃ سے والعاقبۃ للتقویٰ تک
(اخرجہ مالک والبیہقی)

۹۔ حضرت عبداللہ بن شداد نے فرمایا۔ میں نے صبح کی نماز میں حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنی۔ میں آخری صف میں تھا۔ آپ سورہ یوسف پڑھتے تھے اور اس آیت پر پہنچے انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ۔ میں تو صرف اللہ سے اپنے حزن وغم کی شکایت کرتا ہوں۔ (عبد الرزاق وابن ابی شیبہ)

۱۰۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے ان کے رونے کی آواز تین صفوں کے پیچھے سے سن لی۔ (ابو نعیم فی الحلیہ)

۱۱۔ حضرت عثمانؓ تو گویا رئیس العابدین تھے۔ بروایت ابن عمرؓ آیت امن ھو قانت اناء اللیل ساجدا وقائما الخ کیا وہ شخص جو رات کے اوقات میں سجدے اور قیام میں عبادت کرتا ہے کا نزول حضرت عثمانؓ کی شان میں بیان ہو چکا ہے (وکذا فی حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۶)

۱۲۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے جو ایمان لائے اور اچھے اعمال بجا لائے پھر متقی رہے اور مومن رہے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی۔ اللہ نیکی کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۵۶)

۱۳۔ حضرت ابن عمرؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے راوی ہیں کہ حضرت عثمانؓ میری امت میں سب سے زیادہ حیادار اور شریف ہیں۔ (ایضاً)

۱۴۔ نیز حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قریش کے تین آدمی سب سے زیادہ حسین۔ سب سے

زیادہ خوش اخلاق اور سب سے بڑے حیادار ہیں۔ اگر آپ سے بات کریں تو جھوٹ نہ بولینگے اگر آپ ان سے بات کریں تو آپ کو نہیں جھٹلائیں گے۔ ابوبکر صدیق رضہ۔ عثمان رضہ بن عفان۔ ابو عبیدہ بن الجراح رضہ۔ (ایضاً)

۱۵۔ زوجہ کہتی ہیں حضرت عثمان رضہ عمر بھر روزے رکھتے تھے اور معمولی نیند کے سوا سب رات عبادت میں کھڑے رہتے۔

۱۶۔ عبدالرحمٰن تیمی کا بیان ہے کہ میں نے ارادہ کیا کہ آج میں مقام ابراہیم پر قابض ہو کر عبادت کروں گا جب میں عشاء کی نماز پڑھ کر مقام ابراہیم پر گیا تو ایک شخص نے میرے کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا۔ وہ عثمان رضہ بن عفان تھے۔ فاتحہ شروع کی اور پڑھتے ہی پڑھتے سارا قرآن ختم کر دیا۔ پھر رکوع اور سجدہ کر کے دو رکعت پوری کیں اور جوتا لے کر چلے گئے۔ مجھے معلوم نہیں اس سے پہلے کچھ پڑھا یا نہیں۔

۱۷۔ حضرت انس رضہ بن مالک رضہ اور نائلہ زوجہ عثمان رضہ بلوائیوں سے فرماتی تھیں۔ اگر تم ان کو قتل کر دیا چھوڑ دو بہر حال یہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھتے اور پوری رات لگاتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۵۶)

۱۸۔ مسروق نے اشتر نخعی سے کہا تھا۔ کیا تم نے عثمان رضہ کو قتل کیا؟ ظالمو! تم نے صائم الدہر اور قائم اللیل کو قتل کیا۔ (ایضاً)

۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹ میں حافظ ذہبی رح نے لکھا ہے۔ حضرت عثمان رضہ ان لوگوں سے تھے۔ جو علم۔ عمل۔ روزہ۔ تہجد۔ استقامت۔ جہاد فی سبیل اللہ اور صلہ رحمی کے جامع ہوتے ہیں۔ اللہ روافض کا ستیاناس کرے۔

۲۰۔ حضرت علی رضہ کے متعلق لوگوں کی شکایت کے جواب میں آپ صلعم نے فرمایا۔ لوگو! علی رضہ کی شکایت نہ کرو۔ بخدا وہ اللہ کی ذات میں خوب ڈرنے والے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۶۸)

۲۱۔ امام زہری حضرت زین العابدین سے بروایت حضرت حسین رضہ راوی ہیں۔ میں نے حضرت علی رضہ سے سنا ہے۔ فرماتے تھے۔ میں اور فاطمہ رضہ سحری کے وقت سوئے ہوئے تھے۔ تو حضور صلعم ہمارے پاس آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کیا تم نماز (تہجد) نہیں پڑھتے؟

میں نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ! ہماری جان اللہ کے قبضے میں ہے۔ جب وہ اٹھانا چاہے ہے تو اٹھا دیتا ہے۔ حضورؐ واپس ہو گئے اور جواب نہ دیا۔ میں نے سنا کہ جاتے وقت فرماتے تھے اور ہاتھ ران پر مارتے تھے کہ انسان بڑا جھگڑالو ہے۔ (حلیۃ الاولیا ص ۶۸)

۲۲۔ حکایات صحابہؓ ص ۶۹ پر ہے کہ حضرت علیؓ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب نماز کا وقت آجاتا تو بدن میں کپکپی آجاتی اور چہرہ زرد ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ اس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور پہاڑوں پر اتارا تو وہ اس کے تحمل سے عاجز آگئے۔ اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے۔

۲۳۔ ابو اسحاق ہمدانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب رمضان کی پہلی رات میں (عبادت کے لیے) نکلے۔ قندیلیں روشن تھیں۔ کتاب اللہ کی تلاوت کی جا رہی تھی تو حضرت علیؓ نے فرمایا اے ابن خطاب اللہ تیری قبر کو منور کر دے جس طرح پر کہ تو نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن سے منور کر دیا ہے۔ (کذا فی الکنز ج ۴ ص ۲۸۴)

سخاوت میں موازنہ

اس وصف میں بھی ہم بجا طور پر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے بڑھ کر کسی کی سخاوت و فیاضی اور ایثار مالی نہیں ہے۔ حاتم طائی کے قصے ان کے مقابلے میں لاشے ہیں۔ ان کی فیاضی اور زہد و قناعت پر ایک شیعہ عالم محقق جیلانی نے کیا خوب شہادت دی ہے۔

آنہا نفوس خود را از اموال باز داشتند و شیوۂ زہد در دنیا پیش گرفتند و رغبت بدنیا و زینت آنرا ترک کردند و قناعت با قلیل و اکل خشن و لباس کرباس ملک خود ساختند در حالتیکہ اموال برائے ایشاں حاصل و دنیا رو کردہ بود و آں را در میان قوم خود قسمت میکردند و خود را باں اصلاً آلودہ نمی کردند (فتح السبل بحوالہ تفسیر آیات قرآنی ص ۱۳۸)

ترجمہ۔ تینوں خلفاءؓ نے اپنے آپ کو مال دنیا سے علیحدہ رکھا اور دنیا میں زہد کا طریقہ اختیار کیا اور دنیا کی طرف رغبت اور اس کی زینت کو ترک کر دیا اور تھوڑی چیز پر قناعت کرنا اور موٹا کھانا اور ٹاٹ پہننا اختیار کیا جس وقت کہ مال ان کے لیے موجود تھے اور ان لوگوں پر تقسیم کر دیتے تھے اور اپنے کو اس کے ساتھ آلودہ نہ کرتے تھے۔

۱۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم میں سے آج کون روزہ سے ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا میں ہوں۔ فرمایا کہ تم میں سے کسی نے جنازہ کو الوداع کیا ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا میں ہوں نے جنازہ پڑھا ہے۔ پھر آپؐ نے دریافت کیا کیا تم میں سے کسی نے صدقہ دیا ہے ابوبکرؓ نے کہا میں نے صدقہ دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس شخص میں یہ سب باتیں جمع ہو جائیں وہ جنتی شخص ہے۔

۲۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکرؓ کے مال سے جس قدر مجھے نفع پہنچا دوسرے کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔ (صحیحین)

۳۔ بخاری و مسلم میں روایت کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صحبت اور رفاقت اور انفاقِ مال کے اعتبار سے ابوبکرؓ میرے سب سے بڑے محسن ہیں اور اگر میں کسی کو سوائے اللہ کے مقام خلت سے نوازتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن اسلامی اخوت و محبت قائم ہے مسجد نبوی کی طرف کھلنے والی کھڑکیاں بند کر دی جائیں مگر ابوبکرؓ کی کھلی رہے۔ (ص ۶۵۳)

۴۔ ترمذی و ابوداؤد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ میرے پاس ان دنوں مال (کافی) تھا۔ میں نے کہا آج میں ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤں گا چنانچہ میں نے آدھا مال لا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا بال بچوں کے لیے کیا باقی چھوڑا۔ میں نے کہا اس کے برابر۔ حضرت ابوبکرؓ گھر کا تمام اثاثہ لے آئے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا۔ گھر میں کیا باقی چھوڑا؟ عرض کیا خدا اور رسولؐ کا نام ہے

پروانے کو شمع ہے بلبل کو پھول بس   صدیقؓ کے لیے ہے خدا اور رسولؐ بس

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں نے کہا اس کے بعد میں کبھی ابوبکرؓ کا مقابلہ نہیں کروں گا۔

۵۔ ابن عساکر عروہ بن زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ جس دن ایمان لائے تو ۴۰ ہزار دینار۔ یا درہم۔ کے مالک تھے۔ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اور غلاموں کے آزاد کرانے پر۔ خرچ کر دیئے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی کہتے ہیں کہ اسلام کے دن حضرت ابوبکرؓ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ جب ہجرت الی المدینہ کی تو صرف پانچ ہزار تھے۔ جو سب ساتھ لے لیے تھے۔ اور یہ سب مال غلاموں کو آزاد کرانے اور خدمت اسلام میں صرف کیے۔

۶- ابن عساکر نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سات وہ غلام آزاد کرائے جو سب اللہ کے راستے میں عذاب پاتے تھے (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص۳۷) حضرت بلالؓ وغیرہ کی آزادی کا ذکر حیات القلوب، کشف الغمہ وغیرہ کتبِ شیعہ میں بھی ہے۔

۷۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارے ذمہ کسی کا احسان نہیں ہے مگر ہم اس کا بدلہ اتار چکے ہیں سوائے ابوبکر صدیقؓ کے کہ ان کا ہم پر احسان ایسا ہے جس کا بدلہ اللہ قیامت کے دن دیں گے مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہ دیا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے (ایضاً ص۳۸)

۸۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے۔ کہ ہجرت کی رات۔ ۵، ۶ ہزار درہم کا تمام مال آپ لے کر مدینہ چلے گئے۔ میں نے اس کی جگہ پتھر رکھ دیا اور دادا جان کا ہاتھ لگوا کر تسلی دی۔ وہ خوش ہوئے کہ تمہارے لیے خرچ چھوڑ گئے۔ حالانکہ آپ سب کچھ ساتھ لے گئے تھے (حیات الصحابہؓ ص۱۸۴ از ابن اسحاق)

۹۔ فتح مکہ سے پہلے بھی ایک دفعہ ۴ ہزار کا سب مال حضورؐ پر خرچ کر دیا تھا اور حضرت جبریلؑ نے بواسطہ پیغمبرؐ آپ کو اللہ کا سلام پہنچایا اور یہ کہ آپ اس فقر پر راضی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں راضی ہوں (ابونعیم فی حلیہ ج ۷، ص۱۰۵)

۱۰۔ عمیر بن سلمہ دوئلی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک دیہاتی عورت آئی۔ اپنی مسکنت اور بچوں کا اظہار کیا...... آپ نے آٹے سے بھری ہوئی بوری اور تیل اس کو دیا۔ پھر فرمایا ہم سے خیبر میں ملنا۔ چنانچہ وہ خیبر میں ملی تو آپ نے دو بوری اور منگوا کر دیں۔

(حیات الصحابہ ج ۲ ص۱۹۰)

۱۱۔ اسلم مولیٰ عمرؓ فرماتے ہیں۔ بازار میں حضرت عمرؓ کو ایک نوجوان چھوٹے بچوں والی بیوہ عورت ملی۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ گھر گئے۔ اپنے مضبوط پیٹھ والے اونٹ پر دو بڑے بڑے تھیلے غلے کے بھر کر لادے اور ان کے بیچ میں اور سامانِ خرچ اور کپڑا رکھا پھر اس کی نکیل عورت کے ہاتھ میں پکڑا کر فرمایا۔ اسے کھینچ لے جا ختم نہ ہو پائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور بھیج دے گا۔ زیادہ دینے پر ایک شخص نے تعجب کا اظہار کیا تو فرمایا اس کا باپ حدیبیہ میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ خدا کی قسم میں نے اس عورت کے بھائی اور باپ کو دیکھا جنہوں نے ایک قلعہ کا عرصہ تک محاصرہ کیا۔ پھر ہم لوگوں نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ج ۲ ص ۱۹۱۔ (بخاری و بیہقی)

۱۲۔ حضرت اسلم مولی عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زیادہ پختہ کار اور فیاض و سخی حضرت عمرؓ سے بڑھ کر نہیں پایا (بخاری ص ۵۲۱)

۱۳۔ امیر المؤمنینؓ ایک دفعہ رات کو شہر کی چوکیداری کر رہے تھے۔ ایک جگہ معلوم ہوا کہ ایک عورت حالت زچگی میں کراہ رہی ہے۔ فوراً گھر آئے۔ اپنی اہلیہ حضرت ام کلثومؓ بنت فاطمہ و علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیا۔ اور تیل، گڑ، گھی، غلہ وغیرہ بھی ساتھ لے لیا۔ حضرت ام کلثومؓ نے زچہ و بچہ کو سنبھالا اور آپ نے ہانڈی میں کھانا تیار کیا۔ جب ام کلثومؓ سے بچہ پیدا ہونے کی بشارت سنی تو بہت خوش ہوئے۔ سب کو کھلا پلا کر گھر واپس ہو گئے تو مالکِ خانہ سے فرمایا کل آنا۔ تمہارے لیے مستقل وظیفہ کا بندوبست کیا جائے گا۔ (حکایاتِ صحابہؓ ص ۸۵)

۱۴۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ جیشِ عسرہ (غزوہ تبوک) کے موقعہ پر حضرت عثمانؓ نے سات سو اوقیہ سونا دیا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ (سواریوں کے متعلق) حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار سواریاں دی تھیں جس میں پچاس گھوڑے تھے (باقی اونٹ) حسن کی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ساڑھے نو صد اونٹ اور پچاس گھوڑے دیئے۔ یا راوی نے اس طرح کہا ۷۰ ۵ اونٹ اور تیس گھوڑے غزوہ تبوک میں دیئے۔ (کذا فی المنتخب ج ۵ ص ۱۳)

۱۵۔ حیاۃ الصحابہؓ ج ۲ ص ۱۸۶ پہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے لشکر (۳۰ ہزار) کے تہائی سامان کا غزوہ تبوک میں خرچ برداشت کیا تھا۔ یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ لشکر والوں کی کوئی حاجت باقی نہ رہی جو انہوں نے پوری نہ کر دی ہو۔ اسی صفحہ پر حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ۱۰ ہزار دینار آپ کی خدمت میں بھیجے۔ حضورؐ ان کو ہاتھ سے الٹتے پلٹتے تھے۔ کبھی دونوں ہاتھوں کی پشت ظاہر ہوتی اور کبھی ہتھیلیاں۔ اور آپ دعا فرما رہے تھے۔ اے عثمانؓ! اللہ تیرے ہر اس گناہ کو جو تو نے چھپ کر یا علانیہ یا باطن میں کیے ہیں

اور جو کچھ کہ قیامت تک ہونے والے ہیں۔ اللہ مغفرت فرماوے عثمانؓ کو کوئی پرواہ نہیں اگر اس کے بعد کوئی عمل نہ کرے۔ (منتخب ج ۵ ص ۱۲)

۱۶۔ حضرت عثمانؓ کو چھ مرتبہ آپؐ نے جنت کی بشارت دی تھی۔ ۱۔ جب جیش عسرۃ کو تیار کیا۔ ۲۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کرائی۔ ۳۔ جب بیر رومہ یہودی سے خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ ۴۔ جب اپنے عہد خلافت میں مسجد نبویؐ کی توسیع کرنی چاہی تو فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایسا ہی گھر بنائے گا۔
۵۔ جب آپؐ نے حضرت عثمانؓ پر بلوے اور شہادت کا ذکر کیا تو فرمایا۔ انہیں جنت کی بشارت ہو۔
۶۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعدد مرتبہ اصحاب عشرہ مبشرہ بالجنۃ میں تیسرے نمبر پر آپؓ کا نام لیا۔ (صحاح ستہ)

۱۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ طبعاً فیاض تھے۔ اور ناداری کے باوجود صدقہ کرنے اور غرباء کو کھانا کھلانے کے کئی واقعات ملتے ہیں۔ لیکن خلفاء ثلاثہ ان مشترکہ اوصاف کے علاوہ گزشتہ بالا واقعات میں منفرد ہیں۔ خداداد کثیر مال سے جو خدمت اسلام اور اعانت پیغمبرؐ ان کے مقدر میں آئی اور تحریک اسلام کو زبردست کامیابی ہوئی۔ اس کا جواب نہیں۔ بے شک ایک غریب یا مزدور کا دن بھر کی کمائی ساری یا کچھ اللہ کی راہ میں دینا کامل فیاضی ہے لیکن ایک امیر کا سالوں کی سب کمائی یا نصف و ثلث کو اللہ کی راہ میں دینے کا حوصلہ کرنا اور رأس المال بھی نہ چھوڑنا اس سے زیادہ فیاضی اور جگر گردے کا کام ہے۔ حضرت علیؓ شروع سے نادار تھے۔ آپ کے ذاتی و خانگی اخراجات بھی خود حضور علیہ السلام اٹھاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے سے افضل ہوتا ہے۔ ؎

نوشت است بر گور بہرام گور ۔ کہ دست کرم بر ز بازوی زور

امانت

بلاشبہ حضرت علیؓ امین تھے۔ اور کفار کی امانتیں۔ خواہ وہ متاع دنیوی کفار کی حلال کمائی تھی یا حرام کی۔ حضور علیہ السلام آپؓ کے سپرد کر گئے تھے۔ اور آپ نے مالکوں کو پہنچائیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ سے مقابلہ کی کیا نسبت۔ آپ کے پاس اللہ کی وہ عظیم ترین امانت تھی اور اس کی حفاظت فرما رہے تھے جس کے قدموں پر ساری دنیا و مافیہا قربان کی جا سکتی ہے۔

اور وہ امانت انصار مومنین کے سپرد کی گئی جن سے محبت کرنا عین ایمان ہے۔ اور نفرت رکھنا نفاق وکفر ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۹ پر قصہ اہلِ نجران میں ہے۔ انہوں نے آپ سے کہا ہمارے ساتھ اپنا امین نمائندہ بھیجیں۔ حضورؐ نے فرمایا میں ایسا امین بھیجوں گا جو امانت کا حق ادا کرے گا حق لوا کرے گا۔ صحابہ کرامؓ منتظر ہونے لگے تو آپ نے ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو کھڑا کر کے فرمایا ھذا امین ھذہ الامۃ۔ یہ اس امت کے امین ہیں۔ کفار عہدِ جاہلیت میں خلفاء ثلاثہؓ کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے۔ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کو مکہ واپس لاتے ہوئے کہا تھا ابوبکرؓ تیرے جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آپ نادار کو کما کر دیتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں۔ مہمان نواز ہیں۔ مصائب آنے پر لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔ واپس جائیں میں آپ کو پناہ دیتا ہوں۔ الخ (بخاری ج ۱ ص ۵۵۲) حضرت سیدہ خدیجہؓ نے پہلی وحی کے دن حضور علیہ السلام کے بھی یہی اوصاف بیان کیے تھے۔ بخاری

قارئینِ کرام! ہم نے قدرے بسط سے معترض کے ذکر کردہ اوصافِ حسنہ میں نہایت احتیاط سے موازنہ کر دیا۔ اگر کسی کے متعلق فروگزاشت ہوئی تو اللہ معاف فرمائے۔ دراصل اس موازنہ کے ہم اہل ہی نہیں۔ یہ صرف اللہ و رسولؐ کا کام تھا۔ انہوں نے جس کام اور منصب کا جسے مستحق جانا وہ کام لیا۔ اور خدا کی طرف سے ایمان۔ اخلاص۔ صداقت اور جنت و کامیابی کی سندیں پانے والے صحابہ کرامؓ نے بالترتیب ان کے درجات پر اتفاق کیا۔ اور وہ حضرات خلفاء راشدینؓ کو ہم سے بہت بہتر جانتے تھے۔ تو انہی کا فیصلہ برحق ہوا۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

ہم اس بحث کا خاتمہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس اقتباس پر کرتے ہیں۔

"رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے ولی عہد کا معاملہ کرنا تو اس کے دلائل یہ ہیں کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے سپرد امامت نماز کی جب تبوک کے موقعہ پر آپ قبیلہ عمرو بن عوف میں گئے تھے اور مسلمانوں کی فوجیں شہر سے باہر آ گئی تھیں۔ اور اس موقعہ پر نماز کے علاوہ لشکر کا نگران بھی حضرت ابوبکرؓ کو بنایا۔ نیز مرض وفات میں حضرت ابوبکرؓ کو امام نماز بنایا اور یہ متواتر بالمعنی ہے۔ اور ۹ھ میں ابوبکرؓ کو امیر حج بنایا اور چند بار غزوات میں بھیجا۔ مسلمانوں کے معاملات میں ہمیشہ حضرت ابوبکر و عمرؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ کو بعض غزوات میں امیر لشکر بنایا نیز مدینہ کے صدقات کا عامل (ڈپٹی کلکٹر) بنایا۔ حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ کی طرف حدیبیہ کے فوائد کے لیے سفیر بنایا۔ حضرت

حق چار یار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

باب ہشتم

عقیدہ امامت درپردہ ختم نبوت کا انکار ہے

سوال ۲۱۔ کیا کوئی روایت بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابن داؤد۔ نسائی ان کے علاوہ مشکوٰۃ اور موطا امام مالک یعنی ان آٹھ کتابوں میں مل سکتی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ۔ امام حسن امام حسین۔ امام علی زین العابدین۔ امام محمد باقر۔ امام جعفر صادق۔ امام موسیٰ کاظم۔ امام علی الرضا۔ امام محمد تقی۔ امام علی نقی۔ امام حسن عسکری۔ امام ... العصر والزمان علیہم السلام۔ اہلسنت والجماعت کے بارہ امام ہیں اگر نہیں تو اپنے بارہ اماموں کے نام بتائیں جبکہ حضورؐ نے فرمایا۔

عن جابر بن سمرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش (مشکوٰۃ) کیا آپ کے بارہ امام وہی تو نہیں جن کا تذکرہ تاریخ الخلفاء ص۱۹ اور شرح فقہ اکبر ص۷۶ پر درج ہے۔ ارے ان میں تو چھٹا یزید بن معاویہ ہے۔ اس فرمان رسولؐ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ (منصب امامت ص۴۲) غور سے پڑھ اور سمجھ کر فیصلہ دیں۔

الجواب۔ ابن داؤد کسی کتاب کا نام نہیں۔ ابوداؤد نام ہے۔ جو صحاح ستہ اہلسنت میں شامل ہے۔ افسوس کہ جو شخص اہلسنت کی صحاحِ ستہ کے نام نہیں جانتا وہ اہلسنت پر اعتراضات کرتا ہے بلکہ سابق سنی عالم ہونے کا مدعی ہے۔ اس کے جھوٹے اور پر فریب دعویٰ کی حقیقت اسی سے نمایاں ہے۔

اہلِ سنت کا معیارِ امامت

اس حدیث کا مفہوم اور ۱۲ خلفاء کی تعیین سے قبل ہم اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ لفظ خلافت پر مشتمل اس حدیث کو معترض اپنے فاسد مذہب اور عقیدہ امامت پر کیسے منطبق کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ حالانکہ سنی نقطہ نظر سے خلافت۔ اور عند الشیعہ تصورِ امامت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اہلسنت کے ہاں خلافت و

امامت ایک انتظامی عہدہ ہوتا ہے۔ جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی سے آپ کی جانشینی وحکمرانی کا نام ہے۔ خلیفہ نہ نبی سے افضل یا اس کے مساوی ہوتا ہے۔ نہ وہ مستقل مطاع اور نبی کی طرح مفترض الطاعۃ ہوتا ہے۔ نہ وہ حلال وحرام کرنے میں خود مختار ہوتا ہے۔ نہ اس پر وحی آتی ہے نہ وہ قرآنِ پاک اور سنتِ نبوی کے علاوہ کسی تغیری وحی یا آسمانی کتاب و ہدایت کا حامل ہوتا ہے نہ اس کے لیے عصمت شرط ہے۔ نہ اس سے اختلاف کفر ہے نہ اس کے نام کا کلمہ ہے۔ نہ اس کی تعلیم تعلیمِ نبویؐ کے متوازی ہے۔ نہ اس کے نام کی الگ امت بنام شیعہ فلاں ہوتی ہے۔ نہ اس کا نام بطورِ ورد واستعانت استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ امام وخلیفہ کا منصب صرف اس قدر ہے کہ وہ شرائطِ خاصہ کے تحت اس کا اہل ہو۔ اشارۃ النص استخلافِ نبوی یا انتخابِ عامہ کے تحت اس عہدہ کو سنبھالے۔ اور حکومت وطاقت کے ذریعے قرآن وسنت کو نافذ کرے۔ اور انتظامِ مملکت کو سرانجام دے۔ تمام جائز امور میں اس کی اطاعت ضروری ہے اور مخالفت وانکار حرام ہے۔ اہلِ سنت کے ہاں ایسے منظم شرعی خلیفہ مقتدر کے لیے یہ ۸ شرائط ہیں۔

۱۔ مسلمان ہو۔ ۲۔ عاقل وبالغ ہو۔ ۳۔ مرد ہو۔ ۴۔ متکلم اور سمیع وبصیر ہو۔ ۵۔ مجتہد ہو۔ ۶۔ بہادر اور صاحب الرائے ہو۔ ۷۔ عادل ومنصف ہو۔ ۸۔ قریشی النسب ہو۔ ۹۔ علی قول الاصح کتابت بھی شرط ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

مذکورہ بالا سنی حدیث اسی قسم کے خلفاء کی پیشینگوئی پر مبنی ہے۔

شیعہ کے ۱۲ امام ہرگز مراد نہیں

اس حدیث کا شیعہ کے ۱۲ آئمہ کے ساتھ نہ کوئی تعلق ہے نہ ان کی امامت کے تصور کی قرآن وسنت میں کوئی گنجائش ہے۔ کیونکہ وہ منصبِ رسالت کے متوازی اور ختمِ نبوت کے عین برعکس ہے۔ امامیہ حضرات کے اس عقیدہ کا حاصل یہی ہے کہ کوئی شخص قرآن وسنت کی شریعت سے آزادی حاصل کرکے امامی خودساختہ شریعت پر عمل کا دعویدار بن جائے۔ اگرچہ وہ عملاً اس کا تارک اور ہوائے نفس کا پیروکار ہو۔ ہم یہاں شیعہ کی سب سے مستند اور عظیم مذہبی کتاب۔ اصولِ کافی کے کتاب الحجۃ سے شیعی امامت کا تعارف کراتے ہیں۔ تاکہ ان کے ختمِ نبوت کے منکر ہونے پر شک وشبہ نہ رہے۔

۱۔امام بھی نبی کی طرح مرسل من اللہ ہوتا ہے

باب الفرق بین الرسول والنبی والمحدث میں ہے۔

۔۔۔۔راوی نے پوچھا کہ امام کا مقام کیا ہے؟ تو امام باقرؒ نے فرمایا۔

یسمع الصوت ولا یریٰ ولا یعاین الملک ثم تلا هذه الآیة وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث (کافی ص۱۷۶)

امام فرشتہ سے وحی کی آواز سنتا ہے مگر مشاہدہ اور معاینہ نہیں کرتا۔ پھر یہ آیت پڑھی کہ ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول، نبی اور محدث (امام) نہیں بھیجا۔

اس باب میں تین اور ایسی حدیثیں بھی ہیں جن میں "محدث" کے عنوان سے امام کو بھی مرسل من اللہ اور مہبطِ فرشتہ تسلیم کیا ہے اور سورت حج کی آیتِ محولہ میں "ولا محدث" کا اضافہ کر کے تحریف کی ہے۔

اہلِ حق شیعہ کے برخلاف ان احادیث سے یہ استدلال کر سکتے ہیں کہ امامت نبوت سے کم تر رتبہ ہے۔ کیونکہ نبی و رسول فرشتہ وحی کو دیکھتا بھی ہے اور امامت کو نبوت سے افضل کہنا، قرآن کریم اور احادیث آئمہ کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (انعام ۱۰)

ہر ایک پیغمبر کو ہم نے سب جہانوں پر فضیلت دی۔ (ر ۔ ۔ ۔)

۲۔امام بھی پیغمبر کی طرح حجۃ اللہ ہے

باب ان الارض لا تخلوا من حجة میں ہے۔ امام علی رضاؒ فرماتے ہیں۔

ان الحجة لا تقوم لله على خلقه الا بامام حتى يعرف (کافی ص۱۰۱)

امام کے بغیر اللہ کی حجت مخلوق پر نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اس کا پہچاننا ضروری ہے۔

حدیث ہٰذا میں حصر کے ساتھ حجۃ اللہ کو امام میں محدود کر دیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ اللہ پاک یہ منصب صرف پیغمبروں کو عنایت فرماتے ہیں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء ۲۳)

ایسے رسول (جو) خوشخبری دینے والے (بھی) تھے اور ڈرانے والے بھی تاکہ ان کے آنے کے بعد کوئی حجت باقی نہ رہے (ترجمہ مقبول)

۳- امام پر ایمان اور تمام دینی امور اسکی طرف لوٹانا ضروری ہے

باب معرفۃ الامام والرد الیہ میں ہے

امام جعفرؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہم اہلبیت کے امام کو نہیں مانتا

فانما یعرف و یعبد غیر اللہ ھکذا واللہ ضلالاً۔

بلاشبہ وہ غیر اللہ کو مانتا اور سجدہ غیر اللہ کی گمراہی سے عبادت کرتا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (نساء ۸۶)

پھر اگر کسی معاملے میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

معلوم ہوا کہ اولی الامر سے اختلاف کی صورت میں صرف خدا اور رسول ہی فیصل آخری حجت اور مرجع عوام ہیں۔ ان کے بعد امام ہوتا تو اس کا ذکر ضرور ہوتا۔

۵- پیغمبر کی طرح امام کی اطاعت بھی فرض ہے

باب فرض طاعۃ الامام میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ یقول نحن قوم فرض اللہ طاعتنا۔ امام ابوعبداللہ فرماتے ہیں ہم وہ قوم ہیں کہ اللہ نے ہماری اطاعت فرض کردی ہے۔

حالانکہ قرآن پاک میں بیسیوں مقامات پر یہ جملہ آیا ہے۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی۔ صرف ایک مقام پر اولی الامر کی اطاعت کا ذکر ہے مگر وہ بھی ضمناً اور تبعاً ہے۔ کہ ان سے اختلاف کی صورت میں خدا ورسول کی طرف رجوع اور ان کی اتباع کرنی ہوگی (پ ۵ ع ۵) خدا ورسول کی اطاعت پر ہی جنت کا وعدہ اور مخالفت پر جہنم کی جگہ جگہ وعید سنائی گئی ہے۔ البتہ ایک مقام پر مخالفت رسول کے ساتھ سبیل مؤمنین کی مخالفت پر جہنم کی وعید سنا کر اجماعِ امت کی حقانیت پر دلیل دی ہے۔ نیز یہ ارشاد صرف اتباع نبوی کو فرض قرار دیتا ہے۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر ۱) جس بات کا تم کو رسول حکم دیں مانو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ

۵۔ آئمہ ہی اللہ کی شریعت کے والی اور اسکے علم کا خزانہ ہیں

یہ کافی کے اس باب کا ترجمہ ہے۔ باب ان الائمۃ ولاۃ امر اللہ وخزنۃ علمہ۔ نیز امام جعفرؒ کی یہ حدیث ہے "ہم اللہ کی شریعت کے مالک۔ اس کے علم کا خزانہ اور اس کی وحی کا شاک ہیں۔"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ ہمارے عبادت کرنے سے اللہ کی عبادت کی گئی۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ ہوتی۔ ص ۱۹۳۔

حالانکہ یہ منصب صرف پیغمبروں کا ہے۔ اور ایسے واضح تعلی آمیز الفاظ انبیاء علیہم السلام کے متعلق قرآن پاک میں نہیں ملتے نہ وہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۔۔۔۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ (انعام ۱۰۲)

وہ وہی ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی۔ پھر اگر یہ (کفار) ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں تو (کچھ پرواہ نہیں کیونکہ) ہم نے تو یہ ان لوگوں کے سپرد کی ہیں جو ان کے منکر نہیں ہیں وہ وہی تو ہیں جن کو اللہ نے راستہ دکھلایا ہے۔ پس اے رسول تم ان ہی کے راستے پر چلو (ترجمہ مقبول ص ۱۶۵)

مذکورہ بالا دعاوی اور متکبرانہ الفاظ منصب نبوت میں شرکت کے دعویٰ اور نخوت و خود پسندی پر صریح دال ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی تو ایسے لفظ بول سکتا ہے۔ مگر ہم آئمہ اہلبیتؓ کی طرف انہیں ہرگز منسوب نہیں کر سکتے۔

۶۔ آئمہ اللہ کا نور ہیں

اسی نام کے باب میں ہے کہ امام ابوالحسینؒ سے اللہ کے اس ارشاد کے متعلق پوچھا گیا۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ (توبہ ۶ م)

کفار یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو مونہوں سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور یعنی امامت کو پورا کرنے والا ہے اور امامت ہی نور ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا

کہ اللہ پر اس کے رسول پر اور اس کے نازل کردہ نور امامت علیؓ پر ایمان لاؤ۔ (کافی ص ۱۹۶)

حالانکہ سیاق و سباق کی روشنی میں یہاں نور اللہ سے مراد اللہ کی توحید ہے۔ اس کے اتمام اور غلبے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر شیعہ نے اس سے وہ امامت مراد لے لی جسے عہدِ رسولؐ میں بھی بقول شیعہ کسی نے تسلیم نہ کیا۔ بعد از رسولؐ تو صراحت سے غصب کر لی گئی اور اس نورِ خدا امام کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا گیا۔ (جلاء العیون ص ۱۴۵) اور اس منصب کو آپ کی اولاد سے ایسے دور رکھا گیا کہ وہ نورِ خدا آج ۱۲۵۰ سال سے ایک نامعلوم غار میں غروب ہو چکا ہے اور وعدہ خدائی آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ (العیاذ باللہ)

یہ تو نورِ وصفی کا بیان ہوا۔ اگر آئمہ کے نور اللہ ہونے سے ان کی ذوات کا غیر بشر اور نور من نور اللہ ہونا مراد ہو جیسے عامہ شیعہ کا آج کل یہ عقیدہ ہے۔ تو یہ شرک صریح ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے یہ اعلان کروائیں هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ نہیں ہوں میں مگر ایک انسان رسول قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ۔ فرمائیے بلاشبہ میں تمہارے جیسا آدمی ہوں مگر مجھے وحی آتی ہے تو آپ کی بشری اولاد میں سے ۱۲ حضرات کیسے غیر بشر اور نور اللہ بن جائیں؟۔

۷۔ آئمہ نبوت کا درخت اور مہبطِ ملائکہ ہیں

کافی ص ۲۲ میں ایک باب کا عنوان ہے۔ باب ان الائمة معدن العلم وشجرة النبوة ومختلف الملائكة۔ امام جعفر صادقؒ نے اپنے شاگرد خیثمہ سے فرمایا۔ ہم نبوت کا درخت ہیں۔ رحمت کا گھر ہیں۔ حکمت کے خزانے ہیں۔ علم کی کان ہیں۔ رسالت کی جگہ ہیں۔ فرشتوں کے اترنے کی جگہ ہیں۔ اللہ کے بھید کی جگہ ہیں۔ ہم اللہ کے بندوں میں اس کی امانت ہیں۔ ہم اللہ کا حرم اکبر ہیں۔ اللہ کا ذمہ۔ اللہ کا عہد ہیں۔ جس نے ہم سے عہد پورا کیا اس نے اللہ سے عہد پورا کیا جس نے ہم سے بد عہدی کی اس نے اللہ سے بد عہدی کی۔

۸۔ آئمہ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں

کافی باب النوادر ص ۱۴۵ میں ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں۔ ہم ہی اللہ کی حجت ہیں۔ اس کا دروازہ ہیں۔ اس کی زبان ہیں۔ اس کا چہرہ ہیں۔ اس کی آنکھ ہیں۔ ہم اللہ کے بندوں میں معاملات کے سرپرست ہیں۔ اور ایک روایت میں امیر المومنین علیؓ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کی آنکھ ہوں۔ اس کا ہاتھ ہوں۔ اس کا پہلو ہوں۔ اس کا دروازہ ہوں۔

"اپنے منہ میاں مٹھو بننا" اسی کو کہتے ہیں۔ ہم تو پیغمبروں کی ذات وصفات میں شرکت کا تذکرہ کر رہے تھے۔ خیر سے خدا بھی وحدہٗ لا شریک لہٗ نہ رہا اور اس کے بھی ہاتھ۔ آنکھ، پہلو زبان وغیرہ اعضا تسلیم کر کے آئمہ ان پر قابض ہو گئے۔ حالانکہ اس کا ارشاد ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ اس کے مانند کوئی شئی نہیں۔ تعجب ہے اگر الگ وجود فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانا جائے تو اللہ پاک " وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ "۔ کفار نے اللہ کے بندوں کو اس کا جزو بنا لیا۔ بلاشبہ انسان کھلا کافر ہے۔ سے کفر کا کھلا فتویٰ دیں اور آئمہ کو خدا کے اجزاء مانا جائے تو اسلام بن جائے؟

۹۔ آئمہ عالم الغیب ہیں

کافی میں ایک باب کا عنوان یہ ہے۔ آئمہ جب علم غیب چاہتے ہیں غیب معلوم کر لیتے ہیں۔ ایک کا عنوان یہ ہے۔ " آئمہ ما کان وما یکون یعنی گزشتہ و آئندہ تمام باتوں کا علم جانتے ہیں۔ ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے" ص ۲۶۱ اور اس میں یہ حدیث ہے کہ امام جعفر صادقؓ نے فرمایا۔ میں ضرور جانتا ہوں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ میں جانتا ہوں جو کچھ جنت میں ہے جو کچھ دوزخ میں ہے۔ میں جانتا ہوں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہو گا۔ حالانکہ ایسا قول اور ایسا عقیدہ قرآن کی بیسیوں آیات کی تردید اور خاصۂ خداوندی میں ہاتھ ڈالنا ہے۔ جیسے اس کا ارشاد ہے وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ پ ۱۲۔ آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ کو ہے۔ وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ پ ۷ غیب کے خزانے اور کنجیاں اسی کے پاس ہیں ان کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ پ ۲۶ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہے۔ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ پ ۲۰۔ آپ فرمائیں آسمان و زمین کی کوئی مخلوق علم غیب نہیں جانتی سوائے اللہ کے۔

۱۰۔ آئمہ موت و حیات میں مختار ہیں اور اپنی موت کا وقت جانتے ہیں

اس عنوان کے باب ص ۲۵۸ میں یہ حدیث ہے کہ امام جعفر صادقؓ نے فرمایا جو امام یہ نہ جانے کہ اسے کیا تکلیف آئے گی اور اس کا کیا انجام ہو گا تو وہ خدا کی مخلوق پر اس کی حجت (اور امام) نہیں ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ غیوب خمسہ میں فرماتے ہیں۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (لقمان)

کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ وہ (کب) کس زمین میں مرے گا نیز ارشاد ہے۔ فَلِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ فَاِذَا

جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ (الاعراف ع لم)

ارشادِ قرآنی کے مطابق جب کوئی اپنے انجام اور موت کا وقت نہیں جان سکتا تو اعترافِ امام کے مطابق۔ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی بھی بندوں پر حجتِ خداوندی نہیں۔

۱۱۔ آئمہ پیغمبروں کے ساتھ علم میں مساوی ہیں۔

باب ان الائمۃ ورثوا علم النبی وجمیع الانبیاء ص ۲۲۳ پر ہے۔

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث بنے اور حضرت محمدؐ سلیمانؑ کے اور ہم حضرت محمدؐ کے وارث بنے اور ہمارے پاس توراۃ، انجیل، زبور اور الواح موسیٰؑ کی تبیان کا بھی علم ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدمؑ سے تا حضورؐ سب پیغمبروں کی سنتیں یعنی انبیاء کے تمام علوم عطا فرما دیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صیر ذٰلک کلہ عند امیر المؤمنین علیہ السلام (۲۲۲) تمام حضرت امیر المؤمنین کے سپرد کر دیئے۔ (یعنی حضرت علیؓ بمعہ لوازم نبی بن گئے)

۱۲۔ آئمہ مستقل آسمانی کتابوں والے ہیں۔

باب فیہ ذکر الصحیفۃ والجفر والجامعۃ ومصحف فاطمۃ علیہا السلام میں ہے۔

کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا ہمارے پاس جامعہ ہے۔ جس کا طول ستر حضورؐ کے ذراع سے ستر گز ہے۔ اس میں تمام مخلوق کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں حلال و حرام کا بیان ہے اور ہر وہ چیز ہے جس کی ضرورت امت کو ہوگی۔ حتیٰ کہ خراش اور طمانچے سے زخم کی بھی دیت مذکور ہے۔ جفر کے متعلق فرمایا ہے وہ ایک بڑا مخزن ہے جس میں تمام انبیاء اوصیاء اور بنی اسرائیل کے علماء کے علوم ہیں اور یہ اتنے معتبر نہیں ہیں۔ پھر فرمایا۔ ہمارے پاس مصحفِ فاطمہؓ بھی ہے۔ وہ ایسا قرآن ہے جس میں تمہارے اس قرآن جیسے سہ گنا احکام ہیں۔ خدا کی قسم اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ ص ۲۳۹۔

عیاں راچہ بیان۔ شیعہ کے آئمہ نے کتاب اور سنت کے برعکس مذکورہ بالا خیالی کتب پر ہی اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے اور قرآن سے اس قدر جدائی ہے کہ اپنی طرف اس کی نسبت بھی نہیں کرتے۔ مخاطبین کی طرف (قرآنکم) کی نسبت کرتے ہیں اور جس مصحف کی اپنی طرف نسبت کرتے ہیں اس میں قرآن کے ایک حرف نہ ہونے کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ سبحان اللہ

۱۳۔ آئمہ حلال و حرام میں مختار ہیں

باب مولد النبیؐ ص ۴۳۹ میں ہے۔

وفوض امورها الیهم فهم یحلون مایشاؤن ویحرمون ما یشاءون ولن یشاءوا الا ان یشاء اللہ

اللہ پاک نے اہلبیتؑ کو پیدا فرما کر تمام مخلوق کے امور ان کے سپرد کر دیے پس وہ حلال کرتے ہیں جو چاہتے ہیں اور حرام کرتے ہیں جو چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے مگر جو اللہ چاہے۔

حضور خاتم الشریعت والنبیین کے بعد اس منصب کا کسی کو مختار ماننا شریعت محمدی پر خط کھینچنا ہے۔ نیز قرآنی تعلیم میں یہ عہدہ حقیقۃً پیغمبروں کا بھی نہیں بلکہ شارع و محلل و محرم صرف اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء کی طرف مجازاً صرف بایں معنیٰ نسبت کی جاتی ہے کہ وہ وحی جلی یا خفی کے ذریعے منجانب اللہ حرمت و حلت کو بیان فرماتے ہیں۔ جیسے ارشاد ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ

اے نبی آپ کیوں وہ چیز حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپکے لیے حلال کی۔ (تحریم آیت ۱)

اور اصول کافی باب الشرک ص ۳۹۸ پر آیت اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا۔ کہ نصاریٰ نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا بنا لیا۔ کے متعلق ہے کہ بخدا انہوں نے نصاریٰ کو اپنی عبادت کی طرف نہیں بلایا۔ ولکن احلوا لهم حراما وحرموا علیهم حلالا فعبدوهم من حیث لا یشعرون۔ لیکن انہوں نے ان کے لیے کئی چیزیں از خود حلال اور حرام کر دیں اور وہ غیر شعوری طور پر ان کے گویا عبادت گزار بن گئے۔ (مجمع البیان ج ۳ ص ۵۵)

۱۴۔ آئمہ درجہ میں حضورؐ کے مساوی یا افضل ہیں۔

کتاب الحجۃ کے ایک باب میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال ما جاء به علی

امام جعفر صادق فرماتے ہیں جو شریعت علیؓ لائے

أخذه وما نها عنه انتهى عنه جرى له من الفضل ما جرى لمحمد ولمحمد الفضل على جميع من خلق الله عز وجل المتعقب عليه كالمتعقب على الله ورسوله والراد عليه فى صغيرة او كبيرة على حد الشرك بالله كان امير المؤمنين باب الله الذى لا يؤتى الا منه وسبيله الذى الامن سلك بغيره هلك وكذلك يجرى الائمة الهدى واحد العد واحد -

(اصول کافی ص۱۱ طـ لکھنؤ - اردو ص۲۲۵ طـ کراچی)

ہیں میں وہ لیتا ہوں جس سے وہ روکیں رکتا ہوں۔ آپ کا وہی مرتبہ ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے آپ کو تمام مخلوق پر برتری ہے حضرت علیؓ پر اعتراض کرنے والا خدا اور رسولؐ پر اعتراض کرنیوالا ہے کسی چھوٹی بڑی بات کو آپ پر رد کرنے والا اللہ کے ساتھ گویا شرک کرتا ہے امیر المومنینؓ ہی وہ دروازہ ہیں جس کے ذریعے اللہ تک پہنچا جاتا ہے اور وہ راستہ ہیں جو اس کے خلاف چلے گا ہلاک ہو گا اسی طرح یکے بعد دیگرے آئمہ ہدایت کی شان ہے۔

۱۵۔ حق صرف آئمہ کے پاس ہے

کافی ص۳۹۹ میں ایک باب یہ ہے "کہ سب لوگوں کے پاس کچھ بھی حق نہیں ہے۔ بجز اس کے جو آئمہ سے نکلے اور جو چیز ان سے نہ نکلے وہ باطل ہے۔" اس میں امام باقرؒ کی کئی احادیث ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس سے قرآنِ پاک بھی باطل ٹھہرا کیونکہ بالاتفاق وہ ان آئمہ سے نہیں نکلا۔ نہ وہ اس کے راوی ہیں، نہ جامع و ناقل۔ بقولِ شیعہ ان کا قرآن تا حنوز لوگوں کے پاس آیا ہی نہیں۔ وہ امام مہدی صاحب الغار کے پاس ہے۔ تمام سنتِ محمدیہ اور احادیث بھی باطل ہوئیں کیونکہ ان کو براہِ راست حضورؐ سے نقل و روایت کرنے کا حق صرف حضرت علیؓ و حسنینؓ کو تھا۔ کیونکہ یہی زیارت وصحبتِ نبوی سے مشرف ہوئے تھے۔ مگر تمام شیعہ لٹریچر گواہ ہے کہ ان بزرگوں نے حضورؐ کے ارشادات بہت ہی کم۔ دو چار فیصد ہی نقل کیے۔ باقی سب ارشاداتِ نبوی صحابہ کرامؓ نے ہی نقل کیے۔ عند الشیعہ امام باقرؒ و جعفرؒ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے بمشکل پانچ فیصد ہی اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ان کی روایات کا مصدر و منبع غالباً۔ وہی جفر۔ جامعہ۔ صحیفہ۔ مصحف فاطمہؓ۔ اور ۱۲ طلائی مہروں والے صحیفے ہیں، جو خود ساختہ اور وہمی ہیں۔ کتاب اللہ اور سنتِ نبوی سے ان کو ذرا بھی تعلق نہیں۔

مہذا آپ تابعی ہیں۔ تابعی کی مرسل روایات مطلقاً حجت نہیں، خصوصاً جب کہ آپ سے روایت کرنے والے اصحاب بشیعہ علم جرح وتعدیل کی روشنی میں نہایت مجروح۔ بلکہ کذاب وملحد ہیں تو ان پر کیا اعتماد کیا جائے۔ الغرض اس اصول سے تمام شریعت کا صفایا ہو جاتا ہے۔

۱۶۔ آئمہ کا منکر و مخالف بھی کافر و مرتد ہے

حیات القلوب ج ۲ ص ۶۸۳ پر ہے۔ کہ حضور نے فرمایا

یا علی ہر کہ منکر امامت تست بعد از من چناں است کہ انکار رسالت من کردہ باشد در حیات من

اے علیؓ میرے بعد جو تیری امامت کا منکر ہے (یعنی خلیفہ بلافصل نہیں مانتا) وہ میری زندگی میں میری رسالت کے منکر کی طرح کافر ہے

نیز اسی کتاب میں ج ۲ ص ۶۲۳ پر یہ فتویٰ بھی موجود ہے۔

وہ مہاجرین و انصار (جو بیعتِ علیؓ نہ کرتے سے) مرتد ہو گئے اور امیر المؤمنین کی خلافورزی کی اور اس کے دشمنوں (ابوبکرؓ وغیرہ) کی مدد کی وہ تمام کفار سے بدتر ہیں (العیاذ باللہ)

نیز ملا باقر علی مجلسی نے یہ بھی نقل کیا ہے۔ "کہ جو علیؑ کو (حسب عقاید شیعہ) پہچانے وہ مومن ہے اور جو انکار کرے وہ کافر ہے۔ جو کوئی دوسرے کو آپ کی بیعت میں شریک کرے وہ مشرک ہے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۰۲)

۱۷۔ آئمہ سب انبیاءؑ سے بھی افضل ہیں

ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔

اکثر علماء شیعہ را اعتقاد آنست کہ حضرت امیر و سائر آئمہ افضلند از سائر پیغمبراں وحدیث مستفیضہ بلکہ متواترہ از آئمہ خود دریں باب روایت کردہ اند (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۲۶)

اکثر علماء شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت امیر اور سب آئمہ افضل ہیں اور سارے انبیاء علیہم السلام سے اور اپنے آئمہ سے اس پر مشہور بلکہ متواتر احادیث روایت کرتے ہیں

عصر حاضر کے شیعی حجۃ الاسلام سید محمد کاظم شر یعتمدار نہج البلاغہ مترجم کے دیباچہ ص ۳ طبع شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور پر لکھتے ہیں۔

"الغرض بعد از کلام ربانی سعادت علم ودانش کا سرچشمہ اگر ہے تو خطبات علی علیہ السلام کیوں

نہ ہو؟ ہمارے لیے حضرت علی علیہ السلام کی ذات والاصفات سرمایہ حیات ہے۔ جو منصوص من اللہ ہے۔"

معلوم ہوا کہ شیعہ کے ہاں قرآن کے بعد ارشاداتِ رسولؐ کی کوئی حیثیت نہیں۔ صرف خطباتِ علیؓ ہی سرچشمۂ علم و دانش ہے۔

قارئین کرام! بخوفِ طوالت یہ سلسلہ یہیں ختم کرتا ہوں۔ آپ کو یقین ہو چکا ہو گا کہ شیعہ دراصل ختم نبوت کے منکر اور امامت کے پردہ میں۔ اپنے بزرگوں کو نبی مانتے ہیں۔ آخر جب وہ مرسل من اللہ۔ حجۃ اللہ۔ آخری مرجع۔ مفترض الطاعۃ۔ شجرۂ نبوت۔ مہبطِ ملائکہ۔ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں۔ تمام پیغمبروں کا علم رکھتے ہیں۔ مرتبہ میں ان سے افضل ہیں۔ منتقل آسمانی کتب اور وحی و الہام کے مالک ہیں۔ شریعتِ الٰہی اور احکامِ خداوندی کا واحد مصدر۔ منبع اور خزانہ ہیں۔ حلال و حرام میں خود مختار ہیں معصوم ہیں۔ بعد از قرآن صرف ان کا کلام ہی علم و دانش کا سرچشمہ ہے اور ان سے اختلاف رکھنے والا ابھی کافر و مرتد ہے۔ ان اوصاف کے باوجود وہ کیسے نبی نہیں ہیں۔ آخر نبوت و رسالت کس عہدہ یا وصف کا نام ہے جس سے حضور ﷺ سرفراز ہیں مگر آئمہ محروم ہیں۔ خدارا کوئی شیعہ مجتہد و فاضل اس نکتہ کو حل کر دے۔

امامی عقیدہ کے موجدین اور صاحب کافی کو انکارِ نبوت کا یہ الزام صریح نظر آ رہا تھا ان ابواب کے بعد فوراً یہ باب باندھا "کہ آئمہ گزشتہ پیغمبروں جیسے ہیں مگر ان کو نبی کہنا مکروہ ہے۔" پھر یہ حدیث امام جعفرؒ سے نقل کی کہ حلال و حرام پر اطلاع تو ہم سے حاصل ہو گی مگر نبوت ہم میں نہیں۔ نیز یہ فرمان بھی۔ کہ آئمہ رسول اللہ کے مرتبہ و منصب پر ہیں مگر وہ پیغمبر نہیں ہیں اور ان کو اتنی بیویاں جائز نہ تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز تھیں اس کے علاوہ وہ تمام باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بمنزلہ تھے ص ۲۷۰۔

اللہ اللہ! کس قدر وضاحت کے ساتھ ختمِ نبوت کا انکار اور اپنی نبوت کا اعتراف ہے۔ چار سے زائد ازواج کا امام کے لیے حلال نہ ہونے کا عذرِ لنگ بھی عجب۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ کا ایک بہانہ ہے۔ ورنہ یہ بات نبوت کی حقیقت یا لوازم میں سے نہیں بلکہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔

شیعہ درباطن آئمہ کو نبی مانتے ہیں

خود مستند علماء شیعہ نے آئمہ کو در پردہ صراحتہً پیغمبر و نبی تسلیم کیا ہے۔

ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔

۱۔ مرتبہ امامت نظیر مرتبہ نبوت و مثل آنست بلکہ چنانچہ نبوت رسالتے است از جانب خدا بوساطت ملک امامت نیز فی الحقیقت نبوتے است بوساطت نبی۔ (حیات القلوب ج ۳ ص ۸۱)

امامت کا مرتبہ نبوت کا مقابل ہے اور اس کی مثل ہے بلکہ جیسے خدا کی جانب سے بواسطہ فرشتہ پیغمبری ہے۔ امامت بھی فی الحقیقۃ بواسطہ نبی ایک نبوت ہے۔

۲۔ بالضرورت نص تعیین امام را کہ فی الحقیقت نبوتے است بحسب معنیٰ البتہ باختیار امت نخواہد بود (حیات القلوب ج ۳ ص ۲۳)

یقیناً امام کا مقرر کرنا کہ در حقیقت بحسب معنیٰ یہ ایک نبوت ہے۔ امت کے اختیار میں نہ ہو گا۔

۳۔ منصب امامت نظیر نبوت است زیرا کہ ہر دو ریاستے عام است بر ہمہ مکلفین در جمیع امور دنیا (حیات القلوب ج ۳ ص ۲۳ بحوالہ مقدمہ حدیث ثقلین ص ۱۲)

امامت کا منصب نبوت کی نظیر و مثل ہے۔ کیونکہ دونوں میں تمام مکلفین پر تمام دنیا کے امور میں سرداری و حکومت ہوتی ہے۔

علامہ طوسی شیخ الطائفہ تہذیب الاحکام کتاب المزار ص ۳۳ پر رقم طراز ہیں۔

ھم مختلف الملائکہ ومھبط الوحی

کہ وہ فرشتوں کے آنے جانے کا مقام اور وحی کے اترنے کی جگہ ہیں۔

ملا حسن الملقب بملا فیض۔ منہاج النجات ص ۴۸ طبع ایران میں لکھتے ہیں۔

کل ما شرط فی النبی من الصفات فھو شرط فی الامام ما خلا النبوۃ قال الصادق علیہ السلام کل ما کان لرسول اللہ قلنا مثلہ الا النبوۃ

جو صفات نبی میں شرط ہیں وہی امام میں شرط ہیں سوائے نبوت کے۔ امام صادق نے فرمایا جو منصب رسول اللہ کا تھا اسی کا ہم نے دعویٰ کیا سوائے نبوت اور نکاح کے۔

والزواج۔

الغرض شیعہ کی ایسی تصریحات کی کمی نہیں جن میں لفظاً ائمہ کی نبوت کے انکار و اعتراف میں اختلاف ہے مگر باطناً بالاتفاق نبوت کا اعتراف اور ختم نبوت کا انکار ہے۔ آخر شیعہ کا ۹ حصے اصول تقیہ اس قریب دہی میں کام نہ دے گا تو کہاں دے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہ ایسے الحاد کے متعلق لکھتے ہیں۔

او قال ان النبی خاتم النبوۃ ولکن معنی هذا الکلام انه لا یجوز ان یسمّٰی بعده احد بالنبی۔ واما معنی النبوۃ و هو کون الانسان مبعوثا من الله تعالیٰ الی الخلق مفترض الطاعة معصوما من الذنوب ومن البقاء علی الخطاء فهو موجود فی الائمة بعده فذلك هو الزندیق (المسوی شرح موطاج ۲ صفحہ ۱۱۰ دہلی)

یا کوئی یہ کہے کہ پیغمبر خاتم نبوت ہیں لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہ کہا جائے لیکن نبوت کا معنی۔ یعنی ایک انسان کا منجانب اللہ مخلوق کی طرف مبعوث ہونا اور واجب الاطاعت گناہوں سے معصوم اور بقا علی الخطا سے محفوظ ہونا۔ آپ کے بعد آئمہ میں موجود تھا تو ایسا شخص زندیق ہے۔

نیز تفہیمات الٰہیہ ص ۲۴۴ میں بھی عقیدۂ امامت کو ختم نبوت کے منافی بتاتے ہیں۔

اما باصطلاح ایشاں مفترض الطاعۃ منصوب للخلق است و وحی باطنی در حق امام تجویز میکنند در حقیقت ختم نبوت را منکر اند گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء مے گفتہ باشند۔

لیکن ان شیعہ کی اصطلاح میں وہ امام مفترض الطاعت۔ مخلوق کے لیے مقرر کیا ہوا ہے اور وحی باطنی امام کے لیے جائز کہتے ہیں۔ پس یہ درحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ دو حوالے مقصد بالا کی وضاحت اور ہمارے استدلال کے مؤید ہونے کے علاوہ ان سادہ لوح علماء و عوام اہلسنت کے لیے بھی سرمۂ بصیرت ہیں جو شیعی لٹریچر اور ان کے عقائد سے یکسر غافل ہیں۔ ان کو اپنے جیسا مسلمان اور ختم نبوت کا قائل جانتے

ہیں۔ اور مرزائیوں کے متعلق ان کے سیاست باز لیڈروں کے بیانات سے دھوکہ میں آجاتے ہیں حالانکہ ظاہر سانپ سے یہ مارِ آستین زیادہ موذی اور خطرناک ہیں۔

شیعہ آئمہ کے دعاوی اور مرزا قادیانی کے دعاوی کا سرسری معائنہ

ہم بزرگانِ اہلبیت کو مذکورہ بالا اتہام

دعاوی سے مبرا اور انہیں تقیہ باز مفسدِ دین گروہ کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ مگر واضح ہونا چاہیے کہ دجل و تلبیس اور اخفاء و اسرار میں۔ اہلِ باطل یکساں اصول سے اپنی تحریکیں چلاتے ہیں۔ شیعہ حضرات نے تعلیماتِ نبوی اور قرآن سے گلوخلاصی کے لیے جہاں قرآنِ پاک کی صحت و سالمیت کا انکار کیا۔ آپ کے تمام شاگردوں کو مرتد اور منافق کہا۔ نبوت کے انکار کے لیے "عقیدہ امامت" کو آڑ بنایا۔ چونکہ یہ عقیدہ پورے اسلام کی بیخ کنی کرتا تھا اور اسے آشکارا کرنا انتہائی خطرناک تھا۔ لہذا عقیدہ تقیہ کو ایجاد کیا۔ اور تمام مذہب کے 9/10 حصے اس کے حوالے کیے۔ جیسے امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔

ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ (باب التقیۃ ج ۲ ص ۲۱۷ من الکافی

بلاشبہ دین کے 9 حصے تقیہ یعنی مذہب کو چھپانے اور جھوٹ بولنے میں ہیں۔ جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

یعنی مذہبِ شیعہ کا صرف دسواں حصہ۔ ظاہر و باطن میں یکساں ہے گو وہ بھی قرآن و سنت کے مخالف ہو۔ ورنہ 9/10 حصے ظاہر و باطن میں مخالف ہیں۔ شیعہ جو ظاہر کریں گے وہ مراد نہ ہوگی بلکہ اس کے خلاف ہوگی اور جو باطن مراد ہوگی اسے لفظوں میں کبھی ظاہر نہ کریں گے اس کے خلاف کہیں گے۔ تمام عقلاء اسے جھوٹ ہی کہتے ہیں۔ عقیدہ امامت بھی زیرِ زمین تحریک سے پیدا ہوا چنانچہ امام باقرؒ فرماتے ہیں۔

ولایۃ اللہ اسرھا الی جبریل علیہ السلام واسرھا جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم واسرھا محمد الی علی واسرھا علی الی من شاء اللہ ثم انتم تذیعون ذلک الی

اللہ نے حضرت علیؓ کو امام بنانا بطور راز جبریلؑ کو بتایا۔ جبریلؑ نے یہ راز حضورؐ کو بتایا۔ حضرت محمدؐ نے یہ راز صرف حضرت علیؓ کو بتایا۔ حضرت علیؓ نے یہ راز مشیت خداوندی سے کسی کو بتایا

ان قال ولا تذ یعواحد یثنا (اب وہ آشکارا ہوگا) تم اس کو مشہور کرتے ہو....

(اصول کافی ص۲۲۳) تم ہرگز ہماری امامت اور باتوں کو شہرت مت دو۔

سبحان اللہ عقیدہ امامت کیا ہی راز تھا کہ حضرت جبریل و پیغمبر و علی کو معلوم ہوا اور باقی فرشتے۔ انبیاءؑ اور حضرت فاطمہؓ و حسنینؓ بھی اس سے محروم رہے۔ پھر قرآن میں یہ کیسے ذکر ہو سکتا تھا۔ یہ راز سربستہ خاندان نبوت کے لوگوں کو بھی معلوم نہ تھا۔ اصول کافی ص۱۲۱ میں ایک لمبی حدیث ہے کہ امام زین العابدینؒ کے صاحبزادے حضرت زید شہید کے سامنے احول نامی شخص نے مسئلہ امامت بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔ میرے باپ مجھے ایک دسترخوان پر کھانا کھلاتے لقمے ٹھنڈے کر کے دیتے تاکہ میرا منہ نہ جلے۔ گرم روٹی سے تو مجھے بچایا مگر جہنم کی آگ سے بچانے کی کوئی فکر نہ کی کہ تجھے مسئلہ امامت بتایا اور مجھے نہ بتایا؟

ایک حدیث میں امام نے فرمایا۔ تقیہ میرا دین ہے اور میرے باپ دادا کا مذہب ہے جو تقیہ نہ کرے وہ لامذہب (کافر) ہے۔ ہماری امامت کو ظاہر کرنے والا منکر امامت کی طرح ہے (باب الکتمان ص۴۸۴)

ہم ان روایات سے اس مسئلہ کے درپے نہیں ہیں کہ آج شیعہ اپنے ائمہ کے ارشادات کی کھلی مخالفت کر کے علی الاعلان یا کسی رنگ میں جو امامت کے عقیدہ کو ظاہر کرتے ہیں وہ اپنے ائمہ کے فتوئی کی رو سے کھلے بے دین اور امامت کے منکر ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جیسے شیعہ نے تقیہ کی آڑ میں رفتہ رفتہ الحاد پھیلایا اور حسب اعتراف مجلسی امامت بواسطہ نبی نبوت ہے۔ کا فتنہ نکالا۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی رفتہ رفتہ دعاوی کیے اور نبوت کی سیٹ تک بایں دلیل جا پہنچے۔ کہ خاتم الانبیاء کی مہر سے ایک شخص مثل نبی اور بروزی نبی بن سکتا ہے۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلایا جا سکتا ہے۔ (ملخصاً ملفوظات مرزا ج۵)

دعوئی نبوت

ائمہ شیعہ کی طرح مرزا کے کلام میں اسقدر تضاد ہے کہ لاہوری گروہ کو نبی کے بجائے مجدد ماننا پڑا۔ ایک طرف یہ کہتا ہے "وہ مسیح موعود جو آخری زمانہ کا مجدد ہے وہ میں ہی ہوں۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۹۴)

دوسری طرف یہ کہتا ہے ؎

آدمم نیز احمد مختار

در برم جامۂ ہمہ ابرار

آنچہ داد است ہر نبی را جام — داد آں جام را بتمام (نزول المسیح ص۹۹)

منم مسیح زماں و منم کلیم خدا — منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد (تریاق القلوب ص۳)

جو شخص مجھ میں اور نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق کرتا ہے اس نے مجھے نہیں جانا اور نہیں پہچانا۔ (خطبہ الہامیہ ص۱۷۱)

محدثیت کا دعویٰ جیسے شیعہ ائمہ نے محدث ہونے کا دعویٰ کیا اسی طرح مرزا نے بھی کیا۔

"اس عاجز کے رسالہ فتح الاسلام، توضیح المرام۔ ازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ ہیں کہ محدث ایک معنیٰ میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں سے بیان کیے گئے ہیں۔ مجھے حقیقی نبوت کا ہرگز دعویٰ نہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ ص۹۱ از میاں محمود احمد)

بباطن نبوت کا اعتراف پھر شیعہ علماء کی طرح بباطن نبوت کا اقرار بھی ہے۔

"ان بروزی وظلی معنوں کی رو سے مجھے نبوت اور رسالت سے انکار نہیں اس لحاظ سے صحیح مسلم میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا ہے اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص۳)

شیعہ ائمہ کی طرح تشریع سازی اور تحریم و تحلیل بھی کی۔ رسالہ اربعین ص۶ میں لکھتا ہے۔

"یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعۃ ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔

منکر جہنمی ہیں ائمہ شیعہ کی طرح مرزا اپنے منکروں کو کافر اور جہنمی کہتا ہے۔

ا۔ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۶۳)

ب۔ اے مرزا! جو شخص تیری پیروی نہ کرے گا اور بیعت میں داخل نہ ہو گا وہ خدا اور

رسولؐ کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔ (رسالہ معیار الاخیار ص ۹)

لفظی ختم نبوت کا اقرار

آنہ شیعہ کی طرح لفظی ختم نبوت کا قائل تھا۔

"نہ مجھے دعویٰ نبوت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں۔ آں جناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا۔۔۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ سے ہی ہم کلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کے بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں اور بلحاظ بعض وجوہ شانِ نبوت کے رنگ سے رنگین کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک میں ہوں۔" (شہادۃ الملہمین ص ۲۸)

مسلمانوں سے قطع تعلق

مرزا کہتا ہے تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا۔ (حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص ۲۷)

غیر احمدیوں سے دینی امور میں الگ رہو۔ (نہج المصلی ص ۳۸۲)

میں تم کو تاکید منع کرتا ہوں کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھو (الحکم فروری ص ۳-۱۹)

شیعہ

شیعہ بھی کہتے ہیں تمام مسلمانوں سے ان کا الگ خاص مذہب ہے۔ کلمہ نماز روزہ حج تمام دینی امور میں ان کے طریقے اور مسائل الگ تھلگ ہیں۔ متنِ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اصول، عقاید اعمال غرض ہر شعبہ میں لٹریچر بھی الگ ہے۔ وہ کسی عام مسلمان سے نہ قرآن و سنت سیکھتے ہیں۔ ان کے پیچھے نہ نماز پڑھتے ہیں۔ ملت قادیانیہ کی طرح ملت نجیبہ علی کہلاتے ہیں۔ امتِ محمدیہ کہلانے پر کبھی فخر نہیں کرتے۔

معاملات میں قطع تعلق

قادیانی کسی مسلمان کو رشتہ نہیں دیتے۔ نہ ان کا جنازہ پڑھتے ہیں دیکھیے انوارِ خلافت ص ۹۲-۹۳

شیعہ بھی مسلمانوں سے رشتہ ناطہ نہیں کرتے نہ ان کا جنازہ پڑھنا جائز سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی تقیہ کر کے سنی کا جنازہ پڑھے تو یہ دعا کرتا ہے۔ اے اللہ اس کی قبر کو آگ سے بھر دے۔

کلمہ میں علیحدگی شیعہ تو صدیوں سے اپنا کلمہ الگ پڑھتے ہیں۔ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل۔ مگر قادیانیوں نے ۱۹۷۲ء میں نائیجیریا میں ایک مسجد پہ یہ کلمہ لکھا۔ لا الہ الا اللہ احمد رسول اللہ (بحوالہ چٹان ۱۰ دسمبر ۱۹۷۲ء)

تمام مسلمان کنجریوں کی اولاد ہیں مرزا کہتا ہے۔ ہر مسلمان مجھے مانتا ہے اور میری دعوت قبول کرتا ہے الاذریۃ البغایا۔ مگر کنجریوں کی اولاد نہیں مانتی۔ (آئینہ کمالات اسلام)

شیعہ کے امام جعفر صادقؒ بھی فرماتے ہیں۔

واللہ یا ابا حمزۃ ان الناس کلھم اولاد البغایا ماخلا شیعتنا

اے ابوحمزہ خدا کی قسم سب لوگ کنجریوں کی اولاد ہیں۔ سوائے ہمارے شیعہ کے۔

(روضہ کافی)

تمام مسلمان سور خنزیر اور لعنتی ہیں مرزا کا یہ شعر مشہور ہے۔

ان العدی صاروا خنازیر الفلا ونساءھم من دونھن الاکلب

یہ دشمن جنگلوں کے سور ہیں اور انکی عورتیں کتیوں سے بڑھ کر ہیں۔ (نجم الہدیٰ ص۱)

شیعہ کے امام صادق امت محمدیہ (غیر شیعہ) کے متعلق فرماتے ہیں۔

ھذہ الامۃ اشباہ الخنازیر وفیہ فھذہ الامۃ الملعونۃ

یہ امت خنزیروں جیسی ہے۔ اور اسی باب میں ہے کہ یہ کیسی ملعون امت ہے۔

(اصول کافی ج۴ ص۳۳۳)

تمام مخالفین مسلمانوں کو قتل کرنے کے منصوبے خلیفہ قادیان گنتا ہے۔ "اب زمانہ بدل گیا ہے۔ دیکھو پہلے جو مسیح آیا تھا اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھا دیا۔ مگر اب مسیح اس لیے آیا کہ اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ (عرفان الٰہی ص۹۳)

شیعہ کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضورؐ کو رحمت کے لیے بھیجا ہے مگر قائم آل محمد

(مھدی) کو عذاب کے لیے بھیجا۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۱) چنانچہ آپ ۳۱۳ مومنوں کو ساتھ لے کر تمام امتِ محمدیہ سے جنگ کریں گے اور امام حسینؓ کا انتقام لیں گے۔ حتیٰ کر روضہ محمدیہ کو گرا کر (العیاذ باللہ) شیخینؓ کی لاشوں کو باہر نکالیں گے اور انتقام لیں گے (اصول کافی) حضرت عائشہؓ کو بھی قبر سے نکال کر حد لگائیں گے اور حضرت فاطمہؓ کا بدلہ لیں گے (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۱)

انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ دین کی توہین

مرزا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت حسینؓ تک کی توہین کی ہے۔ "مسیح کا چال چلن کیا تھا۔ ایک کھاؤ پیو شرابی، نہ زاہد نہ عابد۔ نہ حق کا پرستار، متکبر، خود بین خدائی کا دعویٰ کرنے والا (مکتوبات احمدیہ ص ۲۴)

او شیعو! تم مردہ حسینؓ کا ماتم کیوں کرتے ہو۔ تم میں ایک زندہ حسین (مرزا) موجود ہے۔
ے صد حسینم در گریبانم (العیاذ باللہ)

شیعی احادیث میں یہ بہت طویل اندوہناک موضوع ہے۔ مختصر یہ کہ پنج تن۔ مزعومہ بارہ آئمہ اور ان کو شرکا فی النبوۃ واجزائے محمدؐ ماننے والے شیعہ کے سوا امت کا ایک فرد بھی نہیں جس پر خصوصاً یا عموماً لعنت اور تبرا نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ طلحہ۔ زبیر جملہ صحابہ کرامؓ۔ امہات المومنینؓ خصوصاً حضرت عائشہ وحفصہؓ۔ بناتِ رسولؐ (بصورت انکار و طعن در نسب) داماد گانِ رسولؐ۔ آپکے چچے۔ خالو جان۔ چچازاد و پھوپھی زاد برادران تمام صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کو نام بنام یا عموماً لعنتیں کی گئی ہیں۔ یا ان کو ماننے والی تمام امت کو کافر ملعون اور دوزخی کہا گیا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عمارؓ۔ ابوذرؓ۔ حذیفہؓ۔ سلمان فارسیؓ اور مقدادؓ کے ایمان میں بھی کیڑے نکالے گئے ہیں۔ جن کے متعلق ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف ابو الانس والانبیا حضرت آدمؑ کی توہین کا حوالہ کافی ہے۔

اصول الکفر ثلاثۃ الحرص	کفر کے اصول تین ہیں۔ لالچ، تکبر اور حسد۔
والاستکبار والحسد فاما الحرص	لالچ تو حضرت آدم علیہ السلام نے کیا جب
فان آدم علیہ السلام حین نھی عن	درخت سے روکے گئے تو لالچ نے ان کو کھانے

الشجرة حمله الحاص علی ان اکل پر آمادہ کیا۔ (اور کفر کر بیٹھے)
منها الخ (اصول کافی ج ۲ ص ۲۸۹)

مکہ و مدینہ کی توہین

(مرزا محمود "حقیقۃ الرؤیا ص ۴۶" پر لکھتا ہے۔
"قادیان تمام بستیوں کی ماں ہے پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا وہ کاٹا جائے گا۔ تم ڈرو کہ تم میں سے کوئی کاٹا نہ جائے پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہیگا آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے۔ کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔"

مکہ اور مدینہ کی توہین اور اہل مکہ کے کافر، تعداکے کھلے منکر اور رومی عیسائیوں سے بدتر و پلید ہونے پر امام جعفر کی شہادت اصول کافی ج ۲ ص ۴۰۹ پر مفصل گزر چکی ہیں۔ مراجعت کر لیجائے۔

مکہ کے سوا دوسری جگہ کا حج

خلیفہ قادیان لکھتا ہے۔ ہمارا سالانہ جلسہ ایک قسم کا حج ہے۔ (الفضل یکم دسمبر ۱۹۳۲ء) ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ خدا نے قادیان کو اس کام (حج) کے لیے مقرر کیا ہے۔ (برکات خلافت ص ۵)

شیعہ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو شخص حضرت حسینؓ کی زیارت کو جائے ایسا ہے جیسے حج کرنے گیا ہو اور عمرہ بجالایا ہو۔ ابن قولویہ نے معتبر سند کے ساتھ حضرت صادقؒ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص شہادت حسینؓ کے بعد آپ کی قبر کی زیارت کرے حق تعالیٰ میرے ایک حج کا ثواب اس کے لیے لکھیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے تعجب کیا تو فرمایا۔ ایک دو چار نہیں بلکہ میرے ۹۰ حجوں کا ثواب ملے گا۔ (جلاء العیون ص ۳۲۷)

نیز فروع کافی ج ۲ ص ۵۸۰ پر ہے کہ جو عید کے دن حضرت حسینؓ کا حق پہچان کر زیارت کرنے آئے اس کو ۲۰ حج مبرور، ۲۰ عمرہ مقبولہ اور ۲۰ نبی مرسل کے ہمراہ حج کرنے کا ثواب ملے گا۔

نوٹ: عشرہ محرم میں تعزیوں کی ساخت اور گلی گلی پھرانا ان نبوی ۹۰ حجوں کے ثواب کمانے کا سستا طریقہ ہے۔

قارئین کرام! مسئلہ امامت کی حقیقت اور اس کے مضرات بیں جا کر ہم نے تفصیل اس لیے

کی کہ شیعہ اسی مایہ ناز مسئلہ سے عوام کو گمراہ کرتے اور مسلمانوں کو خارج از ایمان قرار دیتے ہیں۔

مگر اس کا حاصل ختم نبوت سے انکار، مسلمانوں سے علیحدگی کے سوا کچھ نہیں۔ جیسے آپ قادیانیت کے ساتھ موازنہ سے معلوم کر چکے ہیں۔ شیعہ چونکہ قادیانیوں سے زیادہ پرکار اور ہوشیار ہیں، اور تقیہ کی آڑ میں بالکل سیدھے مسلمان بن جاتے ہیں۔ اس لیے "انکارِ ختم نبوت کی وجہ سے تکفیر" سے اپنا بچاؤ کر لیتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت سے مسلمانانِ پاکستان کو ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا جو مبارک دن نصیب ہوا اور قادیانیوں کو قومی اسمبلی نے بالاتفاق کافر قرار دے کر آئین میں جو نئی دفعہ شامل کی وہ امامت کے متعلق ایسا غالی عقیدہ رکھنے والوں کو بھی شامل ہے۔ ہم فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ سابقہ ستره عنوانات متعلقہ امامت کو اس پر جانچ لیں۔

آئینِ پاکستان کے آرٹیکل ۲۶۰ میں دفعہ ۲ کے بعد نئی دفعہ یہ ہے۔

"جو شخص حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان نہ رکھتا ہو یا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد الفاظ کے کسی بھی مفہوم یا اظہار کی صورت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا اسی قسم کے دعویدار کو نبی یا مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے تحت مسلمان نہیں۔" اور تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ میں یہ تشریح بھی شامل کر دی گئی ہے کہ

"جو شخص حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے، عمل کرے یا پرچار کرے اسے اس دفعہ کے تحت سزا دی جا سکے گی۔" نوائے وقت راولپنڈی ۸ ستمبر ۱۹۷۴ء)

شیعہ کے آئمہ مراد نہ ہونے پر دوسری دلیل

سابقہ تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ حدیث زیرِ بحث میں شیعہ کے مزعومہ ۱۲ ابزرگ مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کی امامت نبوت سے بھی افضل ہے اور انہیں ماننے پر ختم نبوت کا انکار ہے۔

اب ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ حدیث میں عزتِ اسلام اور اس کے غلبہ کی جو پیشینگوئی ہے وہ بالاتفاق ان بزرگوں کے زیرِ خلافت پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رض کے سوا

باقی اکھٹرات کو منصب خلافت و امامت عطا ہی نہیں ہوا۔ جو حدیث ہذا میں مذکور ہے۔ مثلاً صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۲ پر ہے یکون اثنا عشر امیرا۔ اسی طرح جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۱۳ پر ہے۔ یکون من بعدی اثنا عشر امیرا۔ کہ میرے بعد ۱۲ امیر و حاکم ہوں گے۔ خلافتِ معہودہ کے لیے بالاتفاق حکومت اور رعایا پر حکمرانی شرط ہے۔ چنانچہ شیعہ کی اصول کافی ج ۱ ص ۴۰۶ پر یہ باب ہے۔

باب ما یجب من حق الامام علی الرعیة وحق الرعیة علی الامام۔ یعنی رعایا پر خلیفہ کے اور خلیفہ پر رعایا کے حقوق۔

اس میں یہ حدیث ہے کہ امام باقرؒ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کا امام پر کیا حق ہے؟

قال یقسم بینهم بالسویة و یعدل فی الرعیة کہ انصاف سے لوگوں میں مال تقسیم کرے اور رعایا میں عدل برقرار رکھے

امام باقرؒ سے ایک دوسری مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ امامت اس آدمی کی ہی درست ہو سکتی ہے جس میں یہ تین خصلتیں ہوں۔ جسے تقویٰ گناہوں سے روکے جس کا حلم و حوصلہ غصے پر غالب ہو جو اپنے ماتحتوں پر اچھی حکومت کرے۔

حتی یکون کالوالد الرحیم و فی روایة اخری یکون للرعیة کالاب الرحیم (ج ۱ ص ۴۰۷) یہاں تک کہ مہربان والد کی طرح ہو اور دوسری روایت میں ہے کہ رعیت کے لیے مہربان باپ کی طرح ہو۔

اسی طرح ایک باب کا عنوان ہے۔ باب ان الارض کلها للامام۔ سب زمین پر حکومت امام کا حق ہے۔ اور اس میں یہ ہے کہ "جو مسلمان بنجر زمین آباد کرے اس کا خراج امام اہلِ بیت کو ادا کرے۔"

ان تمام روایتوں سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کے لیے ظاہری حکومت۔ رعایا کے لیے فیصلے کرنا اور ان کے معاملات میں تصرف کرنا۔ خراج لینا اور مال تقسیم کرنا شرط ہے۔ اور مرفوع حدیث نے تو شیعہ کی "منصوص امامت" کا بھی ابطال کر دیا ہے۔ کہ ارشادِ نبوی کے مطابق ہر وہ شخص جائز خلیفہ اور امام ہے جس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ اور عصمت بھی شرط نہیں۔

بلکہ تقویٰ کے زور سے گناہوں سے بچنا۔ یعنی عدالت۔ ضروری ہے۔

اصولِ کافی ص۱۲۰ طبع لکھنؤ میں یہ صراحت ہے۔ "کہ بیشک امامت (خلافت) دین کی باگ مسلمانوں کا نظام اور دنیا کی اصلاح اور مومنوں کی عزت ہے۔ بے شک امامت درختِ اسلام کی بڑھنے والی جڑ ہے اور اس کی بلند شاخ ہے۔ بے شک امام کے ساتھ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ حج اور جہاد کے فرائض ادا ہوتے ہیں۔ فے اور صدقات کی کثرت ہوتی ہے اور حدود۔ احکامِ شرعیہ کا جاری کرنا۔ ملکی سرحدوں اور بلادِ اسلامیہ کی حفاظت ہے۔ وہ اللہ کے حلال کو حلال بتاتا ہے حرام کو حرام اور قائم کرتا ہے حدودِ خدا کو اور دفع کرتا ہے دشمنوں کو دینِ خدا سے اور بلاتا ہے دینِ خدا کی طرف لوگوں کو الخ (کافی اردو ج ۱ ص ۲۳)

جب خلافت و امامت کے لیے اقتدار۔ اجراءِ حدود۔ جہاد وغیرہ کا بھی مشروط ہونا ظاہر ہو چکا تو ان شرائط پر حضرت حسن و علی المرتضیٰ رض بھی بمشکل پورے اترتے ہیں۔ حضرت حسن رض نے تو خلافت حضرت امیر معاویہ رض کے سپرد کر کے بیعت خلافت کر لی۔ اور حضرت علی رض نے تقریباً ساڑھے چار سال حکومت کی مگر کافی کے یہ اوصاف وہاں نظر نہیں آتے۔ آپ کے دورِ خلافت میں نہ مسلمان منظم تھے۔ نہ دنیا کی اصلاح اور مومنوں کی عزت نظر آتی ہے۔ نہ اسلام بڑھنے والی جڑ اور بلند شاخ کی صورت پیدا کر سکا۔ افتراق کے دور میں مقبوضہ علاقوں کو سنبھالنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ اور حضرت معاویہ رض ان پر قابض ہوتے گئے۔ جیسے پہلے کتبِ شیعہ و تاریخ سے مسطور ہو چکا ہے۔

حدود و احکامِ شرعیہ کے نفاذ نہ کر سکنے کے متعلق خود حضرت علی رض روضہ کافی کی ایک لمبی تقریر میں فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔ "کہ مجھ سے پہلے خلفاء نے ایسے کام کیے جن میں عمداً انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کی

ناقضين لعهده مغيرين لسنته	آپ کا عہد توڑنے والے اور سنت بدلنے والے
ولو حملت الناس على تركها وحولتها الى	تھے۔ اگر میں لوگوں کو ان باتوں کے چھوڑنے
مواضعها والى ما كانت فى عهد رسول	پر آمادہ کروں اور سب کام اپنی جگہ درست
الله صلى الله عليه وسلم لتفرق عنى	کر دوں جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

جندی حتی ابقی وحدی او قلیل من شیعتی
عہد میں تھے تو میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے اور تنہا رہ جاؤں یا پارٹی کے چند آدمی ساتھ ہوں

پھر مثالیں دیتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ اگر فاطمہؓ کے وارثوں کو فدک واپس کر دوں حضورؐ کا صاع (غلہ ماپنے کا پیمانہ) جاری کر دوں۔ رسول اللہ کی دی ہوئی جاگیریں حقداروں کو دیدوں ظلم کے فیصلے رد کر دوں۔ ناحق مردوں سے عورتیں چھین کر خاوندوں کو دے دوں۔ خیبر کی تقسیم رد کر دوں۔ عطیات کے (مبنی بر فضیلت) کم و بیش دیوان ختم کر دوں اور برابر تقسیم کروں کفو کی شرط اڑا کر نکاح میں مساوات جاری کر دوں خمس رسولؐ کو نافذ کروں۔ رسول اللہ کی مسجد کو گرا کر پہلی بنیادوں پر کر دوں۔ (یعنی تنگ کر دوں) مسح علی الخفین حرام کر دوں۔ نبیذ (کھجوروں کا میٹھا پانی) پر حد لگاؤں۔ متعہ کی حلت کا فتویٰ دے دوں۔ جنازہ پر پانچ تکبیریں کہوں۔ لوگوں پر بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا لازم کر دوں۔ ..... لوگوں کو قرآن کے فیصلے اور طلاق سنت پر آمادہ کر دوں۔ تمام صدقات وصول کروں۔ وضو۔ غسل اور نماز اپنے دستور اور وقت پر لوٹاؤں۔ فدک اہل نجران کو واپس کر دوں۔ فارس کی باندیاں واپس کر دوں اور تمام قوموں کو سنت نبویؐ اور کتاب اللہ کی طرف لوٹا دوں تو اس وقت سب لوگ مجھ سے الگ ہو جائیں میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ماہ رمضان میں صرف فرض کے لیے جمع ہوں اور بتلایا کہ نوافل (یعنی تراویح) میں اجتماع بدعت ہے۔ تو لوگوں میں شور و غوغا بلند ہوا کہ حضرت عمرؓ کی سنت بدلی جا رہی ہے الخ (روضہ کافی ص ۵۹ طا یران خطبہ فی الفتن والبدع)

حضرت امیرؓ پر شیعہ کے اس افتراء — جو خلفاء ثلاثہ رضؓ کی دشمنی پر تصنیف کیا گیا — سے معلوم ہوا کہ العیاذ باللہ خلفاء ثلاثہ رضؓ نے تمام شریعت کا ستیاناس کر دیا تھا۔ مگر حضرت علیؓ نے صرف حکومت چھن جانے اور لشکر و احباب کے جدا ہونے کے خوف سے کسی ایک مسئلہ کو بھی قرآن و سنت کی طرف نہ لوٹایا۔ نہ امامت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اسے کہتے ہیں۔ پرائے شگون کی خاطر اپنی ناک کٹوانا۔

خلفاء ثلاثہ راشدینؓ کی دشمنی میں شیعہ نے حضرت علیؓ کو امامت۔ غیرت اور عقل و خرد سے بھی محروم ثابت کر دکھایا کہ مسجد نبوی کی توسیع پر بھی ناخوش ہیں اور رمضان کی تکثیر عبادت پر بھی

ناراض ہیں۔ عورتیں غیر مردوں کے تحت دیکھ رہے ہیں۔ مگر خاوندوں کو واپس نہیں کرتے۔

حالانکہ خلفاء ثلاثہ رضی کے اگر کوئی کام خلافِ شرع ہوتے تو ضرور ان کو بدلتے کیونکہ امام کا سب سے بڑا فریضہ یہی تھا۔ جیسے اصول کافی ص ۱۷۸ میں ہے کہ زمین پر بہر صورت امام ہوتا ہے۔ تاکہ اگر مسلمان دین میں کچھ اضافہ کریں تو وہ رد کر دے اگر کوئی بات کم کر دیں تو وہ تکمیل کرے۔ دوسری روایت میں ہے کہ امام کا کام یہ ہے کہ وہ حلال و حرام کو پہچانے اور لوگوں کو خدا کی طرف بلائے۔ خلفاء ثلاثہ رضا اور ان کے کارناموں سے الفت کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت علی رضا باوجود فقیہہ ہونے۔ اختلاف کا حق رکھنے اور خلافت کی بدولت خود مختار ہونے کے قضاۃ کے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ وہی پہلے فیصلے جاری رکھو۔

اقضوا بما کنتم تقضون حتی یکون الناس جماعۃ او اموت کما مات اصحابی۔ (مجالس المومنین ص ۵۲)

جیسے پہلے فیصلے تم کرتے تھے اسی دستور پر فیصلے کرتے رہو حتیٰ کہ سب لوگ ایک جماعت ہو جائیں۔ یا اپنے اصحاب (خلفاء سابقین) کی طرح میں فوت ہو جاؤں۔

صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۶ پہ یہ لفظ بھی ہیں۔ فانی اکرہ الاختلاف میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں۔

تعجب ہے کہ شیر خدا حضرت علی رضا پر بزدلی۔ موقع پرستی اور مداہنت کا الزام شیعہ نے تو آپ ہی کے خطبات میں نہیں لگایا بلکہ ہر زمانہ میں شیعہ علماء — اس سوال کے جواب میں کہ حضرت علی رضا نے پھر شیعوں کا مسلک کیوں نہ ظاہر کیا۔ متعہ کو کیوں نہ رائج فرمایا وغیرہ — یہی کہتے آئے ہیں چنانچہ شیعہ کے شہید ثالث نور اللہ شوستری بھی لکھتے ہیں۔

دیگر آنکہ چوں حضرت امیر در ایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابوبکر و عمر را معتقد اند و ایشاں را برحق میدانند قدرت برآں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشاں داشتہ باشد ۔۔۔۔ تا آنکہ

دوسرا جواب یہ ہے کہ جب حضرت امیر نے اپنے ایام خلافت میں دیکھا کہ اکثر لوگ (بلکہ سب ہم) حضرت ابوبکر و عمر رضا کی حسنِ سیرت کے معتقد ہیں اور ان کو برحق جانتے ہیں تو قدرت اس بات پر نہ پائی کہ آپ ایسا کام کریں جو

حضرت بنا بر مصلحت وقت ایشاں را بحال
خود (در نماز تراویح) داشت حاصل کلام
آنکہ ایشاں را دراں ایام نام خلافت بیش نبود
(مجالس المومنین ص ۵۲)

ان کی خلافت کے فساد پر دال ہو . . . . یہی کہ
حضرت امیرؓ نے مصلحت وقت کی خاطر ان کو
(نماز تراویح میں) بہ حال خود رکھا ۔ خلاصہ کلام
یہ ہے کہ آپ کی خلافت ان دنوں (بھی) برائے
نام سے زیادہ نہ تھی ۔

اور ہمارے معاصر محمد حسین ڈھکو نے بھی حامد حسین وغیرہ کی اتباع میں "تجلیات صداقت" میں یہی کچھ لکھا ہے ۔ حالانکہ حضرت امیر المومنینؓ اگر اپنے نظریہ کے خلاف کسی ملامت کرنیوالے کی پرواہ کرتے یا مصلحت وقت کی خاطر مداہنت کو گوارا کرتے تو حضرت معاویہؓ کو معزول نہ کرتے ۔ آپ کے مطالبہ کے باوجود حضرت عثمانؓ کے قصاص میں تاخیر نہ کرتے ۔ پھر کبھی جمل و صفین میں ۷۰ ہزار مسلمانوں کے خون کی ندیاں نہ بہتیں ۔ جس کے نتیجہ میں رائے عامہ بالآخر آپ سے بدظن و متنفر نہ ہوتی ۔ منظم حکومت ۔ عراق و حجاز کے سوا آپ کے ہاتھ سے نہ جاتی ۔ حضرت امیر معاویہؓ کبھی برسر اقتدار نہ آسکتے ۔ اور امت میں تاہنوز ختم نہ ہونے والی تفرقہ بازی کبھی پیدا نہ ہوتی ۔ مگر ہمارا ایمان ہے کہ دل و زبان میں ایک مرد مومن حضرت علیؓ المرتضیٰ نے یہ سب نقصانات ۔ مصائب ۔ مخالفین کے طعنے حتیٰ کہ جان عزیز تک کی قربانی منظور کر لی مگر اپنے نظریے کے خلاف کرنا جوانمردی اور جرأت کے خلاف جانا ۔ اور نہ زبان و دل کے تغایر اور تقیہ بازی کو کسی صورت میں منظور نہ کیا ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ "ظاہر میں کچھ باطن میں کچھ" کا آپ پر منافقانہ الزام ہمیں سننے کا حوصلہ نہیں ۔

اگر شیعہ حضرات یہ واقعی اور سیدھی بات مان لیں کہ حضرت علیؓ صاف گو پاک باطن اور نڈر تھے جو کچھ قولاً و فعلاً تاریخ و نقول کثیرہ کی روشنی میں آپ نے کیا وہی آپ کا مذہب برحق اور عقیدہ تھا جو آج تک جمہور اہل اسلام کا مذہب چلا آ رہا ہے ۔ تو ہم بھی اپنے مفاد کے خلاف یہ کہہ دیں گے کہ طبعاً خود حضرت علیؓ اہل شام کے حق میں کشیدگی اور غیر دوستانہ جذبات رکھتے تھے ۔ زندگی میں اسی پر عمل ہوا ۔ ان کے متعلق احکم الحاکمین ہی بہتر فیصلہ کرے گا ۔ ہم حضرت معاویہؓ کی بہ نسبت حضرت علیؓ سے زیادہ الفت و محبت رکھتے ہیں ۔ اور حتی الامکان اتباع کر کے کسی کی بدگوئی نہیں کرتے ۔

الحاصل ۱۲ حضرات آئمہ اہل بیت شیعہ مذہب میں کبھی مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں سے صرف ایک سیاسی حاکم حضرت علیؓ کے عہد میں بھی اسلام عزیز و غالب نہ رہا تھا تا بہ دیگراں چہ رسد۔ مذہب اہلسنت میں آپ چوتھے امام تھے۔

آئمہ اہل بیت مراد نہ ہونے پر تیسری دلیل

تیسری دلیل انکے مراد نہ ہو سکنے کی یہ ہے کہ انکی امارت کبھی بھی امت میں مسلم اور مجمع علیہ نہ ہوئی اور حدیث کا مصداق وہ ہیں جو کلھم تجتمع علیہ الامۃ (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۸۸) کے امتیاز سے موصوف ہوں۔ رابعاً اس حدیث کا مصداق اگر یہ بارہ آئمہ ہوتے تو انہیں مقسم قریب کے عنوان سے ذکر کیا جاتا۔ یعنی کلھم من بنی ھاشم کہا جاتا یا کلھم من ذریتی کہا جاتا۔ کلھم من قریش سب قریش سے ہونگے۔ کے عنوان سے مقسم بعید کا ذکر نہ کیا جاتا کیونکہ دو چند چیزوں کی وحدت یا اشتراک ذکر کرنا ہو تو اسے قریبی وحدت و جنس سے ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر حضور علیہ السلام اور حضرت علیؓ کی خاندانی قربت کو بیان کرنا ہو تو بنو ہاشم بلکہ بنو عبد المطلب سے اس کا تعارف صحیح ہوگا۔ اور بنو اسمٰعیل کا عنوان بلاغت و مفاد کے خلاف ہوگا۔ اب آئیے حدیث کے اصل مفہوم و مصداق کی طرف جس کی وضاحت معترض کو درکار ہے۔

حدیث کا مفہوم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں خلافت علی منہاج النبوت کے حاملین مراد نہیں بلکہ خلفاء سے مراد مطلق امراء ہیں جن میں اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔ یہ صرف ایسے بارہ امراء و حکام کی خبر دی جا رہی ہے جن کی حکومت تمام قلمرو اسلامیہ میں مسلم ہو گی اور ان ۱۲ احکام تک ایک ہی بیک وقت خلیفہ۔ ایک دار الخلافہ اور ایک ہی جھنڈا ہو گا تو انہیں خلیفہ کہنا حکومت کے لحاظ سے ہے۔ جیسے ترمذی و بخاری کے حوالہ سے اثنا عشر امیرا کے لفظ گزر چکے ہیں۔ صرف حضورؐ کی جانشینی کے لحاظ سے ہرگز نہیں۔ حقیقی خلافت اور مجازی خلافت ہر دو کے سربراہان اس مطلق خلافت میں جمع ہو سکتے ہیں۔ سنن ابی داؤد شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی حکومت پر پوری امت کا اتفاق ہوگا۔ کلھم تجتمع علیہ الامۃ (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۸۸) اس قید سے معلوم ہوا کہ خلفاء بنو عباس میں سے کوئی اس کا مصداق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے جھنڈے دو تھے

کہ اس وقت سپین میں بھی خلفاءِ بنو امیہ بالکل خود مختار تھے۔ عصرِ حاضر کے حکمران بھی اس کے ماتحت نہیں آسکتے کیونکہ یہ بھی بجائے ایک حکومت یا جھنڈے کے ماتحت ہونے کے بجائے متعدد مستقل وآزاد خود مختار حکومتوں میں منقسم ہیں۔ یہاں صرف تین اشکال باقی ہیں۔

(ا۔ حضرت علی رضؓ ان بارہ افراد میں کیسے شامل ہو سکتے ہیں جبکہ آپ کے عہد میں حضرت معاویہؓ بھی امیر تھے۔ جواباً گزارش ہے کہ اس وقت خلافت کا جھنڈا صرف ایک یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کا تھا ان کے مقابلے میں حضرت معاویہ رضؓ خلافت کے مدعی ہرگز نہ تھے۔ بلکہ ان کی حیثیت خلیفہ برحق حضرت عثمان رضؓ کے مقرر کردہ گورنر کی تھی۔ اور وہ اپنی اسی حیثیت پر قائم تھے جب تک کہ نئے خلیفہ انہیں شہادتِ عثمان رضؓ کے بارے شبہات سے مطمئن نہ کردیں۔ حافظ ابنِ تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں حضرت امیر معاویہ رضؓ کے اس موقف کی خود حضرت امیر معاویہؓ سے ہی تصریح نقل کی ہے۔ جیسے طبری وغیرہ کے حوالے سے ہم بھی سوال ۱۰۱ کے تحت بیان کرچکے ہیں۔ پس جب وہ اس عبوری دور میں ایک مستقل خلافت کے مدعی نہ تھے تو یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت دو خلیفہ تھے۔ خلیفہ برحق حضرت علی المرتضیٰ رضؓ تھے اور حضرت امیر معاویہ رضؓ عبوری طور پر ایک اجتہادی غلط فہمی سے اس چوتھی خلافت کو تسلیم کرنے سے رکے ہوئے تھے۔ پھر حضرت امام حسن رضؓ کے حضرت امیر معاویہ رضؓ کی بیعت کرنے کے بعد یہ اختلافات بھی ختم ہوگئے اور جمہور اہلِ سنت نے حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی سابقہ حکومت کے برحق ہونے پر اجماع کرلیا اور اسی طرح یہ چوتھی خلافت بھی کلھم تجتمع علیہ الامۃ کے ماتحت آگئی اور یہ اجماع عام ہے کہ وقتِ حکومت ہو یا بعد الحکومت بہرحال حکومت مجمع علیہ ہونی چاہیے۔

(ب) حضرت امیر معاویہ رضؓ ان بارہ حکام میں کیسے شامل ہو سکتے ہیں جبکہ آپ نے حضرت علی رضؓ سے اختلاف کیا۔ جواب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضؓ اس وقت بارہ میں معدود نہیں۔ جب حضرت امام حسن رضؓ نے اپنی حکومت بھی ان کے سپرد کردی اور اس وقت تمام مسلمانوں کا جھنڈا ایک ہوگیا تھا۔ اس دور میں سے تا وفات ۲۰ سال تک حضرت معاویہ رضؓ کلھم تجتمع علیہ الامۃ کا یقینی مصداق تھے۔ (بحوالہ عبقات ص ۳۸۴ از علامہ خالد محمود)

(ج) حضرت امیر معاویہ رضؓ کا بیٹا یزید جس کے مقابل عبداللہ بن زبیر رضؓ خود مختار حکومت کے مدعی

تھے۔ ان بارہ میں شمار ہو گا یا نہیں۔ جواباً گزارش یہ ہے کہ جمہور اہلِ سنت کے نزدیک یزید ان بارہ میں شامل نہیں۔ علامہ حافظ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں ایک قول اور ملا علی قاریؒ نے شرحِ فقہ اکبر میں بے شک اس کو شمار کیا ہے مگر یہ ایک قول کی حکایت یا ان کی ذاتی رائے ہے۔ اجماعی مسلک نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قرۃ العینین میں رقمطراز ہیں۔

ویزید بن معاویہ خود ازیں میاں ساقط است بجہت عدم استقرار و مدت معتد بہا و سوء سیرت او۔ (قرۃ العینین ص ۲۹۸ مجتبائی دہلی)

یزید بن معاویہؓ اس شمار سے باہر ہے کیونکہ معتد بہا مدت تک اسے استقرار نہ رہا۔ اور اس کی سیرت بری تھی۔

مگر شیعہ حضرات کو شرحِ فقہ اکبر و تاریخ الخلفاء کے بیان سے اتنا جز بز نہ ہونا چاہیے کیونکہ ان کے چوتھے امام نے تو یزید کے ساتھ ۵ ادن دسترخوان پر کھانا کھایا۔ ہدایا اور مالی نقصانات وصول کیے۔ حرہ میں یزید کی مخالفت نہ کی۔ بلکہ روضہ کافی ص ۲۳۴ کے بیان کے مطابق خود کو یزید کا مجبور غلام کہا اور عملاً بیعت کر لی۔ یزید کے نامبارک دور میں حادثہ کربلا و واقعہ حرہ جیسے عظیم حادثات پیش آئے مگر ان کی زیادہ تر ذمہ داری ماتحت عملہ اور فوج پر ہی آتی ہے اور براہِ راست اس کی طرف نسبت نہ کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ عہدِ مرتضوی میں جمل و صفین میں اس سے کہیں زیادہ مسلمانوں کی عزت اور جانوں کا نقصان ہوا۔ جبکہ براہِ راست کمان آپ کے ہاتھ میں تھی۔ بلاشبہ حضرت مرتضیٰؓ و یزید میں تقابل کا سوال نہیں مگر امت میں فرقہ بندی کے پیشِ نظر ایک ناصبی یزید کے خلاف مواد کو حضرت علیؓ کے خلاف استعمال کر سکتا ہے۔ تو یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ جیسے حادثہ کربلا کی ذمہ داری بیشتر۔ اہلِ کوفہ۔ ابنِ زیاد اور شمر پر ہے اور حرہ کی چند سیاسی شاطروں اور درندہ صفت فوجیوں پر ہے۔ اسی طرح جمل و صفین کے خونی ڈرامے۔ بلوائیانِ عثمان اور سبائیوں کے (باتفاقِ مؤرخین) رہینِ منت ہیں گو وہ حضرت علیؓ کے فوجی ہیں۔ اس طرزِ ادا سے یزید سے دفاع مقصود نہیں بلکہ حضرت علیؓ سے دشمنوں کی زبان بند کرنا ہے۔ ان بارہ میں مروان بن حکم کے بجائے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شمار کرنا زیادہ موزوں ہے۔ یہی حضرت امام مالکؒ کی رائے ہے اور یہی محدث ابن جوزیؒ کا فیصلہ ہے۔

اس حدیث کی تفہیم کے متعلق ایک اہم بات یہ ہے کہ اس روایت کے کسی طریق میں ان بارہ خلیفوں کی کوئی دینی ثنا منقول نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

لم یروا الحدیث لمدحھم والثناء علیھم بالدین وعلی ھذا فاطلاق اسم الخلافة فی ھذا الحدیث بالمعنی المجازی ولما حدیث الخلافة من بعدی ثلاثون سنة فالمراد خلافة النبوة۔

یہ حدیث ان خلفاء کی دینی مدح وثنا میں مروی نہیں۔ بنابریں خلافت کے لفظ کا اطلاق اس حدیث میں مجازی معنی کے طور پر ہے۔ ہاں اس حدیث میں خلافت سے مراد حقیقی معنی خلافتِ نبوت ہے۔ "خلافت میرے بعد تیس سال ہو گی۔" فتح الباری

یہ بے شک صحیح ہے کہ بارہ امراء کی اس روایت میں لا یزال ھذا الدین عزیزا آیا ہے کہ یہ دین ان بارہ امراء کے زمانے تک ضرور غالب رہے گا۔ لیکن اس غلبے سے مراد دین کا داخلی غلبہ نہیں کہ ان کے زمانے میں تمام لوگ بڑے نیک اور دین دار ہوں گے بلکہ مراد دین کا خارجی غلبہ ہے کہ کوئی غیر مسلم بیرونی طاقت مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو سکے گی۔ اور رقبہ اسلام ہر مخالف سلطنت کے لیے ارضِ منیع ومحفوظ ہو گا جس کی طرف ہر غیر مسلم طاقت کو رُخ کرنے میں رکاوٹ ہو گی۔ جیسے کتبِ تاریخ میں ہے کہ جب خلافتِ مرتضوی میں اندرونی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر روم کے بادشاہ نے مقبوضاتِ علوی پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت معاویہؓ نے اسے للکارا "او رومی کتے! میں اور علیؓ بھائی ہیں۔ اگر تو نے ان کے علاقہ کا رُخ کیا تو میں ان سے صلح کر کے ان کی طرف سے تمہارا ایسا مقابلہ کروں گا کہ اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔" چنانچہ شاہِ روم سہم گیا اور حملہ کی جرأت نہ کی۔ عزیز کا معنی دین کا خارجی غلبہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی منقول ہے۔

لا یزال ھذا الدین عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفة (مسلم ج ۲ ص ۱۱۹)

یہ دین غالب اور بیرونی حملوں سے محفوظ رہے گا جب تک بارہ خلفاء ہوں گے۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ یہاں عزیز ہونا دین کی صفت ہے۔ ان بارہ امراء کی صفت نہیں۔ اگر ان بارہ میں بعض ظالم اور غلط کار بھی ہوں مگر عوامی سطح پر دین غالب رہے تو ایسا بسا اوقات ہوا ہے۔ دیگر پہلوؤں سے اللہ نے دین کی خدمت لے کر اسے مضبوط کیا ہے۔

حدیث کے مصداق کونسے بارہ افراد ہیں

ان کی تعیین میں واقعی ابہام اور اختلاف ملتا ہے مہلب کہتے ہیں۔ میں کسی کو بھی نہ ملا جو اس کی قطعیت کا دعویٰ کرتا ہو۔ چند اقوال یہ ہیں۔

۱۔ ان بارہ میں سے کچھ ہو چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں۔ گنتی ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔

۲۔ اس وقت تک اسلام کا غلبہ رہے گا جب تک مسلمان حکومتوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۱۲ ہو گی۔

۳۔ یہ بارہ حضرات وہ ہوں گے جو امام مہدی کی وفات کے بعد ولایت سنبھالیں گے کتاب دانیال میں ہے کہ امام مہدی کی وفات کے بعد پانچ افراد ان کے بڑے بیٹے کی نسل سے پھر پانچ چھوٹے کی اولاد میں سے فائزِ حکومت ہوں گے۔ ان پانچ کے بعد پھر بڑے بیٹے کی نسل میں سے ایک شخص والی حکومت ہو گا اور اس کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہو گا (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۲)

اس صورت میں یہ حدیث خالص اشتراط الساعۃ کے سلسلے میں شمار ہو گی۔ الغرض محدثین نے تمام مختلف اقوال ذکر کر دیے مگر عند الشیعہ ۱۲ بزرگوں کو کسی نے شمار نہیں کیا۔

راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکور میں جن بارہ حکمرانوں کی خبر دی گئی ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔ ۲۔ حضرت فاروقِ اعظم رضؓ۔ ۳۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ۔ ۴۔ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ۔ ۵۔ حضرت امیر معاویہ رضؓ۔ ۶۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ۔ ۷۔ عبدالملک ۸۔ ولید۔ ۹۔ سلیمان۔ ۱۰۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ۔ ۱۱۔ یزید بن عبدالملک۔ ۱۲۔ ہشام بن عبدالملک۔

ہشام بن عبدالملک آخری خلیفہ ہیں جن کے عہد تک مسلمانوں کا جھنڈا ایک رہا بعد میں ولید بن یزید کے دور سے بنو امیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ قاضی عیاض۔ خلافت کی عزت، قوت اسلام اور اجتماعی امور کی درستی خلیفہ واحد پر سب کا اتفاق مراد لے کر ولید سے خلل مانتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن حجر قاضی عیاض کے قول کو بہتر اور راجح کہتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۶)

علامہ سیوطیؒ متعدد اقوال اس بحث میں نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بارہ خلفاء کا وجود بلا تسلسل تا قیامت مراد ہے جو اپنے عہد

میں عمل بالحق کریں گے۔ اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو محدث مسدد نے اپنی مسند کبیر میں روایت کی ہے۔

لا تهلك هذه الامة حتى يكون منها اثنی عشر خليفة كلهم يعمل بالهدى ودين الحق منهم رجلان من اهل بيت محمد صلى الله عليه وسلم۔

یہ امت اس وقت تک ہلاک نہ ہو گی جب تک بارہ خلیفے رہیں گے ہر ایک ہدایت اور دین حق کے مطابق عمل کرے گا۔ ان میں سے دو خلیفے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے ہوں گے۔

بنابریں ۱۲ میں سے ۸ خلیفے تو گزر چکے ہیں، خلفاء اربعہ راشدین، حضرت حسنؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت ابن الزبیرؓ، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ۔ بنو عباس میں سے مہتدی باللہ کو اس میں شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ایسا نیک تھا جیسے عمر بن عبد العزیزؒ بنو امیہ میں نیک تھے۔ اسی طرح طاہر باللہ بھی عدل و انصاف والا تھا۔ اب دو کی انتظار ہے ایک ان میں مہدی ہیں جو اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۲)

حدیث من مات کی بحث

اب آئیے حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ پر جسے حضرت نے "منصب امامت" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ منصب امامت میں اسی سیاق میں "کہ امام وقت کی اطاعت ضروری ہے ورنہ رب قدیر کی دار و گیر سے خلاصی نہ ہو سکے گی"۔ یہ جملہ یعنی مقولہ تو ہے، مگر اسے نہ حدیث نبوی بتایا، نہ اثر موقوف علی الصحابی بتایا، نہ کسی کتاب کا حوالہ ہے۔ ہمارے علم میں بھی اس کا صحیح حدیث نبوی ہونا نہیں ہے جب تک اس کے ماخذ اور سند کا پتہ نہ چلے۔ اور نہ معترض بتائے۔ اصولاً ہمیں اس کا جواب دینا لازم نہیں۔ ہاں اس کے قریب المعنیٰ ایک اور حدیث حضرت شاہ صاحب نے لکھی ہے کہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

صلوا خمسكم وصوموا شهركم وادوا زكوة اموالكم واطيعوا اميركم اذا امركم تدخلوا جنة ربكم (منصب امامت ص۱۴۳)

پانچ نمازیں پڑھو۔ ماہ رمضان کے روزے رکھو اپنے مالوں کی زکوۃ دو اور حاکموں کی فرمانبرداری کرو جب وہ جائز بات کا حکم دیں، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اس حدیث سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم اپنے حاکموں اور امراء کی اطاعت

کرو۔ سو الحمد للہ اہلِ سنت کا یہی مذہب ہے۔ وہ نظامِ خلافت کے قائل اور خلیفہ کی تمام جائز باتوں میں اطاعت واجب کہتے ہیں۔ اور یہ بات لاتعداد احادیث سے ثابت ہے۔

شرعی احکام استطاعت سے واجب ہوتے ہیں۔ اور کئی احکام کا وجوب۔ زمان۔ مکان۔ اور خاص حالات و شرائط کے تحت ہوتا ہے۔ اور شرط یا قید کے فقدان سے اس حکم کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ انقلاباتِ زمانہ اور مرورِ دہر سے نظامِ خلافت پر اثر پڑا اور مسلمان متعدد حکومتوں اور ریاستوں میں تقسیم ہو گئے اور ان کو باضابطہ خلیفہ مل نہ سکا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب سب لوگ مرتد سمجھے جائیں گے اور عہدِ جاہلیت کے احکام ان پر مرتب ہوں گے۔ اور اس کے برعکس یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر کسی جگہ مسلمانوں کی سیاسی حکومت قائم ہو اور اس کا سربراہ خلافت علی منہاج النبوۃ کے اوصاف و شرائط پر پورا نہ اترے تو اس کی جائز باتوں میں بھی اطاعت نہ کی جائے یا علمِ بغاوت بلند کیا جائے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں افراط و تفریط کے ذیل میں آئینگی۔ ایسی صورت میں اسلامی سیاست و قوانین کو سامنے رکھ کر یہی قدرِ مشترک نکالا جائے گا کہ تمام مسلمان اس کوشش میں ضرور رہیں کہ سب دنیا میں ان کا مرکزِ خلافت ایک ہو اور تمام حکومتیں آزاد اور خود مختار ریاستیں ہونے کے باوجود عالمی طور پر ایک ایسا سربراہ ضرور بنالیں جو بڑے بھائی کی طرح ان کی حکومتوں کی نگرانی کرے ان کے سرحدی جھگڑوں کا تصفیہ کرے اور تمام ممالک اسلامیہ کا یہ متحدہ بلاک غیر مسلم قوتوں کے ساتھ بھی معاہدے اور خارجہ پالیسی اختیار کر سکے اور جب تک ایسی صورت میسر نہ آئے ہر ملک کے باشندے اپنی حکومتوں سے صحیح تعاون کریں۔ اطاعت کریں اور شرعی احکام نافذ کرنے کے لیے حکومت کو مجبور کریں۔ فرض کیجئے کہ ان تمام تر کوششوں کے باوجود۔ حکومت شرعی قوانین جاری نہیں کرتی جیسے پاکستان وغیرہ میں مشاہدہ ہو رہا ہے اور لوگ خلیفہ شرعی کی اطاعت سے باوجود تمنا کے محروم ہیں۔ تو اس کا وبال ان حکومتوں پر ہو گا یا ان قومی نمائندوں پر جو اسمبلیوں میں جا کر اپنے فرائض سرانجام نہیں دیتے بلکہ ظالموں کا ترلو الربن کر قوم سے خیانت کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی شرعی دفعہ سے یا عقل و آئین کی رو سے ان تمام عامی مسلمانوں کو زمانۂ جاہلیت کی طرح ایمان و نجاتِ اخروی سے محروم مانا جائے گا۔ مجبوری کے تحت ان حالات میں مقامی حکام کی جائز باتوں میں اطاعت ایسی ہو گی جیسے ایک شرعی خلیفہ کے

عمال اور نمائندوں کی ہوتی ہے اور اطیعوا امیر کم کے فرامین بلاشبہ ان چھوٹے چھوٹے سرکاری افسروں اور نمائندوں کو بھی حاوی ہوں گے۔

اصول کافی جزء ص ۴۰۴ پر یہ باب ہے۔ باب ما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنصیحة لائمة المسلمین واللزوم بجماعتھم۔ پھر ایک حدیث میں حضورؐ کا یہ فرمان ہے۔

ثلاث لا یغل علیھن قلب امرء مسلم اخلاص العمل للہ والنصیحة لائمة المسلمین واللزوم بجماعتھم فان دعوتھم محیطة من ورائھم۔

مسلمان کے دل میں تین باتوں کے متعلق کھوٹ نہیں ہوتا۔ خالص خدا کے لیے کام کرنا مسلمان حاکموں کا خیر خواہ (و مطیع) ہونا ان کی جماعت میں شامل رہنا کیونکہ ان کی دعوت سب کو شامل ہوتی ہے۔

اور ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال من فارق جماعة المسلمین قید شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقہ

امام جعفر صادقؒ نے فرمایا جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر علیحدہ چلے اس نے اسلام کا پٹہ اپنے گلے سے نکال دیا۔

یہ شیعی احادیث وضاحت سے اس امر پر دال ہیں کہ اجتماعی نظم و نسق کے لیے حکام اور ان کے ماتحت نمائندوں کی جائز امور میں اطاعت ضروری ہے۔ جب سب مسلمان یا ان کی اکثریت جائز امور میں اس سربراہ کی اطاعت کرنے لگے تو وہ سیاسی حاکم و امام ہے تو اب کسی کو بلا مسئلہ شرعی کے اس سے انحراف و مخالفت جائز نہیں۔ اور جماعتِ مسلمین سے بالشت بھر انحراف گویا اسلام سے انحراف ہے۔ اب اس کی خیر خواہی لازم ہے۔ کیونکہ ایسے آئمہ و حکام کی دعوت سب کو شامل ہے۔ گویا اس مسئلہ میں سنی شیعہ کا اختلاف نہیں ہے۔

اگر کسی صاحب کو شبہ ہو کہ اس سے مخصوص عند الشیعہ بارہ آئمہ مراد ہیں۔ تو سیاق و الفاظ اس کے متحمل نہیں۔ اور نہ وہ حضرات سیاسی سطح پر ابھر کر اطاعت کا مقام حاصل کر سکے

حدیث من مات کے معانی

اب مذکورۃ الصدر حدیث اگر ثابت ہے تو اس کا یہی مفہوم ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی حکمرانوں کی جائز امور میں اطاعت ضروری

ہے اور بلا وجہ اس کی اطاعت نہ کرنا یا مخالفت کرنا گویا زمانہ جاہلیت کا دستور اپنانا ہے۔ اگر یہ حدیث ثابت ہے تو خود شیعہ پر عظیم حجت ہے کیونکہ ان کی تاریخ کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ مسلمان سیاسی حکام و پیشواؤں کی انہوں نے کبھی اطاعت نہیں کی۔ بلا وجہ مخالفتیں روح اسلام کے خلاف مقاصد کے لیے بغاوتیں کیں۔ خود بھی کئی مصائب و محن میں الجھے اور حکومتوں کو بھی پریشان کیا اور مسلمانوں کے مسائل کو حتی الامکان الجھایا اور حکام کا کہنا ہی کیا ہے۔ خود خلیفہ راشد رابع سیدنا علی المرتضیٰ رضی کی مخالفت کی اور پریشان کیا۔ جیسے نہج البلاغہ۔ روضہ کافی کے بکثرت خطبات ان کی شکایت و مذمت میں بھرپور ہیں۔ حضرت معاویہ رضی سے مصالحت اور بیعت کی وجہ سے حضرت حسن رضی پر انہوں نے قاتلانہ حملہ کیا۔ مذل المومنین بتایا۔ برسوں تک حضرت حسن رضی کے اس عمل و فیصلہ پر اطمینان و ایمان کا اظہار نہ کیا۔ سیدنا حسین رضی سے جو سلوک ان لوگوں نے کیا وہ کسی کہ دم سے مخفی نہیں۔ حضرت زین العابدینؒ نے تمام شیعوں سے دل گرفتہ ہو کر یزید سے مصالحت و حمایت کی ٹھانی اور یزید سے عطیات لیتے رہے۔ واقعہ حرہ میں کوئی شرکت نہ کی۔ یزید نے بھی حضرت زین العابدینؒ اور ان کے متعلقین کی حفاظت کا خصوصیت سے حکم دیا۔ حضرت باقرؒ و جعفرؒ نے سیاست کو طلاق دے کر صرف علمی مشغلہ اختیار کیا اور مدینہ منورہ کو ہی مسکن بنایا۔ مگر کافی باب الکتمان کی روایت کے مطابق آپ کے سترہ حمایتی شیعہ بھی نہ تھے ورنہ آپ شاہ وقت کا ضرور مقابلہ کرتے۔ بعد والے آئمہ کو تو مزید قحط رجال شیعہ کا شکار ہونا پڑا۔ اور موجود چند بوالہوسوں کو خوب سنائیں۔ اور حضرت صاحب العصر مہدی تو ساڑھے گیارہ سو سال سے نامعلوم غار میں ۳۱۳ مومنوں کے انتظار میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ تمام امور با حوالہ ہم سابق ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں بطور مثال و اشارہ کافی ہے۔

الغرض امام زمانہ سے مراد کچھ بھی ہو۔ شیعہ نے یقیناً ان کی مخالفت کی اطاعت سے انحراف کیا اور زمانہ جاہلیت کی موت۔ قتل و غارت۔ ان کو نصیب ہوئی۔

۲۔ بیشتر شیعہ اس حدیث کو حضرت مہدی منتظر پر چسپاں کرتے ہیں اور ان کا لقب ہی امام العصر و امام زماں مشہور کیا ہے بایں معنیٰ بھی یہ حدیث شیعہ کے سخت خلاف ہے۔ کیونکہ معرفت امام زماں سے اگر کم از کم پہچان اور رویت ہی مراد ہو۔ تب بھی تمام شیعہ ۱۱۵۰ سال سے ان کی

معرفت سے محروم ہیں۔ آخر کس نے امام کو دیکھا کس نے ان کی عملی زندگی مشاہدہ کی۔ کون جانتا ہے کہ امام موصوف۔ نماز روزہ کیسے ادا کرتے ہیں۔ ان کے عبادت کے دیگر معمولات کیا ہیں۔ ان کی معاشرتی زندگی کیسی ہے۔ ان کی عائلی زندگی کس طرح گزرتی ہے۔ وہ امامت کے فرائض کیسے سرانجام دیتے ہیں۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض کس کو اور کیوں کر ادا کرتے ہیں۔ ان کی ظاہری وضع قطع اور شیعہ کے لیے اسوہ حسنہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شیعہ کا کوئی فرد یا کوئی جماعت نہ ان باتوں کو معلوم کر سکتی ہے نہ ان کے پاس کوئی ذریعہ ہے۔ اگر نائب امام یا سفیر و ترجمان امام کا کوئی فرضی و خلاف شرع امامیہ عہدہ ہے تو پہچان صرف اسے ہی ہوگی اور تو کسی کو نہیں۔ پھر ان کو بھی نہ زیارت کا شرف حاصل ہوا نہ ہی ہاتھ ملانے کا۔ کیا معلوم ان کے کان میں جو آواز گونجتی تھی وہ کسی ناری مخلوق کے اس فرد کی ہو جس کی اسلام و انبیاء سے روزِ اول سے دشمنی ہے۔ کیا معرفتِ امام ایسی جہالت کا نام ہے؟ اگر معرفت سے مراد اطاعت ہے اور حدیث کا بھی یہی مطلب و تقاضا ہے۔ ورنہ محض پہچان۔ رؤیت یا کلام۔ بلا اطاعت و ایمان۔ تو کفار کو انبیاء علیہم السلام سے بھی حاصل رہا ہے پھر اس معرفت نے ان کو فائدہ نہ دیا۔ تو شیعہ اثنا عشریہ سب سے زیادہ مسکین اور قابلِ رحم فرقہ ہے۔ جن کا امام خود انہی کے خوف سے بمعر ۱۲۰۰ سال سے غار سر من رای میں جا چھپا ہے اور تا ہنوز باہر نکلنے کی جرأت نہیں ہے۔ حالانکہ شیعہ کے بقول ان کے ہم مذہب ایران جیسی حکومت بھی قائم ہے۔ شیعہ "امامت" کا منشاء و مقصد تو صرف یہ تھا کہ امامِ زمان تازہ بتازہ احکام دے اور زمانے کے تقاضے کے مطابق شیعہ کی راہنمائی کرے۔ بدعات کا خاتمہ کرے۔ قوانینِ اسلام کا نفاذ کرے اور لوگوں کو ان پر عمل کروائے۔ مشکلات میں ان کا ساتھ دے۔ دینی اختلافات رفع کر دے۔ یہ مقصد تو از خود دفن ہو گیا۔ اور شیعہ امامِ زمانہ کی اطاعت اور تعلیم و تربیت سے یکسر محروم ہو گئے۔ آج ان کے پاس منسوخ شدہ اماموں کے کچھ ارشادات ہیں۔ وہ بھی ان کے مذہب کا ڈھانچہ ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ یہ بھی "ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور" کا مصداق ہیں۔ اور شیعہ آج حضرت جعفر و باقر رحمۃ اللہ کے سینکڑوں ارشادات کی کھلی خلاف ورزی کر کے۔ غیر معصوم۔ خاطی۔ شرلیند اور دل۔ نام نہاد مجتہدوں بلکہ فاسق و فاجر ذاکروں کی پیروی کرتے ہیں۔ جو مسائل آج امامیہ کا شعار ہیں اور ان کی ترویج پر ہی سب کوششیں مرکوز ہو رہی ہیں۔ مثلاً

کلمہ۔ اذان۔ ترکِ تقیہ۔ اشاعتِ مذہب عزاداری بجمیع اقسام وغیرہ تمام تر ائمہ کی تعلیمات کیخلاف ہیں۔ قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ اصولِ شیعہ کے مطابق ایک امام کے اقوال صرف اس کی زندگی تک حجت اور معمول بہا ہیں۔ بعد از وفات امام بھی نیا۔ احکام بھی نئے۔ تبھی تو ہر زمانے کا امام جدا مانا گیا۔ ورنہ ایک امام ہی کافی تھا جسے شیرِ خدا، اقضی الامۃ کہا جاتا ہے۔ اگر آپ کے ارشادات حجتِ دائمہ ہوتے تو آپ کی وفات سے۔ لوگوں کے ذہن سے از خود مٹ تو نہ گئے تھے رہتی دنیا تک آپ کے ماننے والوں کے ذریعے راہنمائی کا کام دے سکتے تھے پھر کیوں امام حسنؓ، پھر امام حسینؓ الخ کو یکے بعد دیگرے امام مانا گیا۔ اور ایک کی زندگی میں دوسرے کو کبھی امام و حجت نہ مانا گیا۔ اگر ایک امام کی سنت اور ارشادات دائماً حجت ہوتے تو پھر ائمہ میں اختلاف نہ ملتا۔ حضرت علیؓ کا خلفاءِ ثلاثہؓ سے تعاون۔ حضرت حسینؓ کا یزید سے مقابلہ۔ حضرت علیؓ کی حضرت معاویہؓ سے جنگ۔ حضرت حسنؓ کی مصالحت و بیعت۔ حضرت حسینؓ کی یزید سے جنگ اور حضرت زین العابدینؒ کی بیعت دمجبورانہ غلامی علیٰ ھذا القیاس تضادات نہ ملتے۔ یہ تمام حقائق اس بات پر دال ہیں۔ کہ ہر امام اپنے اپنے زمانے کا مستقل ہوتا ہے۔ سابقہ امام کے اقوال و افعال اس کے ہاں منسوخ ہوتے ہیں۔ ایک پیغمبرِ وقت کی طرح وہ زمانہ کے مسائل حل کرتا اور لوگوں سے اتباع کرواتا ہے۔

اگر امامِ سابق کے ارشادات۔ اس کی وفات کے بعد بھی حجت اور واجب العمل ہیں تو پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اس منصب کے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر عقیدہ امامت کے اختراع کی ضرورت ہی کیوں ہوئی۔ کیا آخری دین کے علمبردار۔ شریعتِ ابدیہ کے تاجدار۔ سید و آقا، نامدار۔ سید الرسل محمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال زندگی کے تمام مسائل کے لیے کافی نہ تھے۔ یا کیا وہ حضورؐ کی وفات سے ہی آپ کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ ہزاروں صحابہ کرامؓ کو ہزاروں ارشادات یاد تھے اور وہ ان پر عمل کرتے اور دوسروں کو تبلیغ کرتے تھے۔ مگر ایک شیعہ کے نزدیک وہ تمام حضرات۔ دین۔ علم اور ایمان سے اس لیے کورے تھے کہ انہوں نے از سر نو حضرت علیؓ کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کیا اور ان سے علم و شریعت کا سررشتہ تعلیم استوار نہ کیا۔ اس کا مطلب واضح تر ہے۔ کہ ارشاداتِ محمدیہ بھی عند الشیعہ ہدایت کے حامل اور دائمی راہنما نہ تھے۔ یہ سیٹ حضرت علیؓ نے لی۔ اور اسی طرح حضرت علیؓ سے یکے بعد دیگرے حضرت مہدی تک پہنچی۔ اور پھر یہ سلسلہ الیا

جام ہوا کہ شیعہ حضرات کو بہت پیچھے جا کر پانچویں یا چھٹے امام سے رابطہ قائم کرنا پڑا۔ حالانکہ ان کے ارشادات سے تمسک اب ایسا ہی ہے جیسے کوئی پیغمبر آخر الزمانؐ کا امتی۔ حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے ارشادات سے تمسک کرے۔ کیونکہ شیعہ کے نزدیک امامت نبوت کی طرح ہے۔ اور ایک امام کا دوسرے سے اختلاف۔ ایک پیغمبرِ وقت کے دوسرے پیغمبرِ وقت سے اختلاف کی طرح ہے۔

حاصلِ کلام یہ نکلا۔ شیعہ کو معرفتِ امام اس کی اطاعت سے ہی مفید ہے۔ اور اطاعت کے لیے ارشادات و اعمال کا سامنے ہونا ضروری ہے۔ اور حضرت مہدی غائب ہے اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ تو معرفت امام سے جہالت اور اطاعت سے محرومی میں سنی شیعہ برابر ہو گئے۔ شیعہ کو الزام دہی کا موقعہ نہ رہا۔

کچھ شیعہ نے اس مشکل کو بھانپ کر یہ عذرِ لنگ ضرور تراشا ہے کہ کافی حضرت مہدی کی مصدقہ ہے اس پر عمل گویا حضرت مہدی کی تعلیمات پر عمل ہے۔ مگر یہ بوجوہ مردود ہے۔

اولاً۔ تمام شیعہ علماء کو اس پر اتفاق نہیں۔ بھلا امام معصوم۔ ایک غیر معصوم شخص کی تمام مرویات کو بلا ردو قدح کیسے تصدیق کر کے ہذا کاف لشیعتنا کہہ سکتا ہے جو اسکے پیچھے دو صد سال بعد پیدا ہوا ہے۔

ثانیاً۔ اگر ایسا ہو تو یہی کتاب کافی سمجھی جائے۔ مگر شیعہ تین اور اہم کتابوں کو بھی اصولی اور واجب الاتباع مانتے ہیں۔ اور مزید دسیوں کتب کو جزوِ مذہب اور قابلِ اطاعت سمجھتے ہیں۔ یہ تو کھلا شرک ہوا۔ یا فرمانِ امام کی تکذیب و تردید ہوئی۔

ثالثاً۔ شیعہ علماء کو بلا چون و چرا کافی کی تمام روایات ماننی چاہییں۔ مگر وہ اس کی ہزاروں روایات سے آج گریزاں ہیں اور غلط ماننے پر مجبور ہیں۔ جیسے کلام اللہ کی تحریف والی روایات بعض کے نزدیک یا جو روایات بھی آج ان کے رواجی مذہب کے خلاف ہوں۔

جاہلیت کی موت کیوں ہو گی؟

امامِ زمان کو پہچاننے اور عدمِ پہچان پر جاہلیت کی موت کی وعید تنبیہ کے طور پر بطورِ تغلیظ ہے کہ جیسے عہدِ جاہلیت میں لوگوں کا اجتماعی نظام نہ تھا۔ ہر قوم و قبیلہ خود مختار تھا اور مسلسل لڑائیاں اور فتنے رونما ہوتے تھے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں میں اجتماعی نظام کی وحدت نہ ہو کوئی منظم حکومت اور سربراہ

مملکت نہ ہو تو گویا جاہلیت کا دور ہے۔ انتخابِ خلیفہ کے ذریعے اس کا ازالہ ضروری ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز کی سازش اور مصطفےٰ کمال کے خونی انقلاب سے جب ترکی سے خلافت کا خاتمہ ہوا تو تحریکِ خلافت کے نام سے تحریکیں مختلف ممالک میں بیدار ہوئیں۔ متحدہ ہند میں بھی اس کا زور رہا۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی جیسے حضرات اس حالت کو عہدِ جاہلیت کی یادگار ہی جانتے تھے۔ گویا یہ حدیث بمعنی انشاء ہے۔ کہ مسلمان نظامِ خلافت کو ضرور قائم کریں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر ایسا متحدہ نظامِ خلافت حاصل نہ ہو سکے تو سب لوگ عہدِ جاہلیت کی طرح کافر سمجھے جائیں گے۔ اور رانہ ارتداد کا فتویٰ ان پر لگے گا۔ کیونکہ عہدِ جاہلیت میں بھی "امتِ مسلمہ" کے تحت شیعہ ایک قریش کی جماعت کو مومن مانتے ہیں۔ اور کتبِ تاریخ و سیرت بھی محدود افراد کا رسومِ جاہلیت سے پاکدامن ہونے کا پتہ دیتی ہیں جیسے زید بن عمرو بن نفیل۔ ورقہ بن نوفل متعدد راھبان وغیرہم۔

امامِ زمان کا ایک اور مصداق

یہ بھی مطلب بعض علمائے کرام بتاتے ہیں۔ جیسے امام اہلسنت مولانا عبد الشکور لکھنوی نے النجم دورِ قدیم میں۔ زیرِ بحث حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ کا لیا تھا کہ امام زمانہ سے مراد آسمانی کتاب ہو اور مطلب یہ ہو کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام یعنی کتاب اللہ پر ایمان نہ لائے اور اس کی اتباع نہ کرے۔ وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور امام کا اطلاق کتاب اللہ پر ہوا جیسے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً (ھود ۱۷) — اور اس سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب (شاہد تھی) اور انی لیکہ امام اور رحمت تھی۔

جب تورات امام و رحمت ہے تو قرآن مجید بدرجہ اتم امام و رحمت ہے۔ اور نوشتہ کتاب پر امام کا اطلاق اور آیات میں بھی آیا ہے جیسے سورۃ یٰسین میں ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ (پ ۲۲ ع ۱۶) — بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیجتے ہیں اور جو آثار ان کے پیچھے رہ جاتے ہیں ان سب کو ہم لکھتے جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں (از روئے علم و شمار) جمع کر لیا ہے۔

روشن امام سے مراد یا لوحِ محفوظ ہے یا اعمال نامہ۔ سورۃ سبا میں اعمال نامہ کی تائید ہوتی ہے،

وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔ اور نہ اس ذرّے سے چھوٹی چیز پوشیدہ ہے اور نہ بڑی۔ مگر یہ کہ کھلی کتاب میں سب مذکور ہے۔

الغرض لغت و شرع کی رو سے امامِ زمان قرآن مجید کو کہتے پر کوئی امتناع نہیں جب شیعی امامِ زمان کی اتباع ناممکن ہے سنی آئمہ کو شیعہ نہیں مانتے۔ تو بہتر یہی ہے کہ بالاتفاق قرآن کو امامِ زمانہ تسلیم کر کے اس کی اتباع سے جنت اور رضائے مولیٰ کی سند حاصل کی جائے۔ اور نزاع کا خاتمہ ہو جائے۔

باب نہم

دین میں بدعات کا موجد کون ہے؟

سوال ۲۲۔ کیا کسی آدمی کو دینِ مصطفیٰ میں کمی بیشی کرنے کا اختیار یا حق ہے۔ اگر نہیں تو حضرت عمرؓ کا اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" نمازِ تراویح باجماعت۔ چار تکبیروں پر نمازِ جنازہ کا اتفاق کرانا۔ متعہ کو حرام قرار دینا۔ تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دینا اور قیاس کو اصول قائم کرنا کہاں تک درست ہے اور کیا یہ صراحتہً مداخلت فی الدین نہیں جو ناجائز اور حرام ہے۔

اہلِ سنت دین میں کمی بیشی کے قائل نہیں

الجواب۔ اہل السنت والجماعت کثرہم اللہ کے مذہبِ حق میں دینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی شخص کو ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل نہیں۔ کیونکہ وہ قرآن مجید کے بعد کسی آسمانی وحی اور نزولِ کتاب کے قائل نہیں۔ خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو بھی شریعت سازی۔ تحریم و تحلیل میں خود مختار، مہبطِ وحی اور معصوم دینی پیشوا ماننے کے لیے تیار نہیں جیسے خداوند تعالیٰ کے بعد کسی کو مشکل کشا۔ حاجت روا۔ غیب دان اور رازق نہیں مانتے۔ اسی طرح بیت اللہ شریف کے علاوہ کسی جگہ کو قبلہ عبادت نہیں مانتے نہ کسی بقعہ کی زیارت کو حج یا اس سے افضل مانتے ہیں گویا ایک قرآن ایک پیغمبر۔ ایک معصوم پیشوا اور ایک کعبہ کی وحدت پر یقین راسخ رکھتے ہیں ۔

عقائد و اعمال کا شیعی اضافہ ایک نظر میں

یہ صرف اور صرف شیعہ مذہب کا خاصہ ہے کہ جہاں انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب عمر کی محنتِ شاقہ سے تیار کردہ و تعلیم یافتہ مسلمان جماعت کے ایک ایک فرد کو خارج از ایمان قرار دیا۔ مثلاً اصول کافی ج ۲ ص ۲۴۴ باب قلہ عدد المومنین میں ہے۔ حمران بن اعین نے امام باقرؒ سے کہا کہ ہم کس قدر تھوڑے ہیں کہ ایک بکری بھی نہیں کھا سکتے۔ فرمایا میں اس سے زیادہ عجیب تم کو بتاتا ہوں۔ المهاجرون والانصار ذهبوا الا ـ واشار بيده ـ ثلاثة ـ کہ تمام مہاجرین و انصار مرتد ہو گئے تھے۔ پھر ہاتھ کے اشارہ سے تین افراد کو مستثنیٰ کیا۔

یہاں محشی رجال کشی ؒ کے حوالے سے کہتے ہیں۔ کہ امام باقرؒ نے فرمایا۔ تین کے سوا سب صحابہؓ مرتد ہو گئے تھے۔ سلمانؓ۔ ابوذرؓ۔ مقدادؓ۔ راوی نے عمارؓ کا پوچھا تو فرمایا۔ وہ بھی حق سے پھر گیا تھا پھر لوٹا۔ نیز فرمایا۔ اگر تم ایسا صحابی پوچھو جس نے شک (فی الامامۃ) نہ کیا ہو اور اس کے دل میں (کفر کی بات) داخل نہ ہوئی ہو تو وہ صرف مقداد ہیں۔ پھر حضرت سلمانؓ و ابوذرؓ پر بھی تنقید کی ہے۔ انتہیٰ۔ معتبر سند کے ساتھ حضرت صادق نے مرفوعاً یہ روایت بھی کی ہے کہ اے سلمانؓ اگر تیرے علم کو مقداد پر پیش کریں وہ کافر ہو جائے۔ اور اے مقداد اگر تیرے صبر کو مقداد پر پیش کریں وہ کافر ہو جائے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۹۳۳-۹۷۶ بحوالہ رجال کشی و کتاب اختصاص)

—— وہاں حضورؐ کی شریعت کے ایک ایک مسئلہ کو ختم کر کے متوازی شریعت اپنے خود ساختہ مثلِ پیغمبرؐ و معصوم آئمہ سے تصنیف کرا دی۔ کیونکہ وہ ہی اللہ کی شریعت کے والی اور اس کے علم کا خزانہ تھے۔ (کافی ص ۱۹۳) اور یحلون ما یشاءون ویحرمون ما یشاءون۔ دینِ مصطفےٰؐ کے جس حرام کو چاہیں حلال کر دیتے ہیں اور جس حلال کو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں کے منصب کے مالک تھے۔ (کافی ص ۲۴۱) اور مذہبِ شیعہ کے مؤسس حضرت صادق المتوفی ۱۴۸ھ نے تو صراحۃً ارشادِ قرآنی (در حشر ع ۱) کے برعکس فرما دیا تھا۔

ما جاء به علی اخذه و ما نهی عنه انتهی جری له من الفضل ما جری لمحمد

جو احکام علیؓ لائے ہیں میں وہ لیتا ہوں اور جس سے وہ روکیں رکتا ہوں۔ آپ کو وہی فضیلت ملی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ملی ہے۔

(اصول کافی ص ۱۱۷ لکھنو)

جیسے تفصیل ص ۲۱۶ کے تحت گزر چکی ہے چنانچہ اس منصب کی رو سے (القول شیعہ آئمہ اہل بیت کی جو نئی شریعت وجود میں آئی اس میں حضور پاکؐ کی ازواج مطہرات وامہات المومنین پر لعنت بھیجنا کار ثواب ہو گیا۔ (فروع کافی ج ۳ ص ۳۴۲) آپ کے خسران محترم۔ داماد وں اور جانثاروں پر تبرا جزو مذہب بن گیا۔ (روضہ کافی ص ۲۲۵، ۲۲۶) انبیاءؑ سے آئمہ کو افضل ماننا ایمان بن گیا (حیاۃ القلوب ج ۲ ص) آئمہ موت وحیات اور آسمان وزمین کے بھی مالک ہو گئے۔ (حق الیقین ص ۳۶۴) بداء کے عنوان سے خدائے علام الغیوب کو بھی مستقبل سے جاہل بتایا گیا (اساس الاصول ص ۴۱۹) دین اسلام کو چھپانا اور جھوٹ بولنا کافی کے باب التقیۃ اور باب الکتمان کی تعلیم سے واجب ہو گیا۔ عقل وغیرت اور تمام ملل کے اتفاق سے حرام زنا کو بھی متعہ کے نام سے سب سے افضل بتایا گیا۔ متعہ کے چند فضائل بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت سید عالمؐ نے فرمایا (العیاذ باللہ) جو شخص مومنہ (شیعہ عورت سے) متعہ کرے گویا اس نے خانہ کعبہ کی ستر مرتبہ زیارت کی (عجالہ حسنہ ص ۱۶ ترجمہ رسالہ متعہ)

۲۔ حضرت صادقؒ نے فرمایا جو شخص متعہ کر کے غسل کرے۔ ہر ہر قطرے کے بدلے اللہ تعالیٰ ستر ستر فرشتے پیدا کرتے ہیں جو قیامت تک اسی کے لیے مغفرت مانگتے ہیں (ولعنت میکنند اجتناب کنندہ ازاں را۔ کہ متعہ سے پرہیز کرنے والے (شیعہ) پر تا قیام قیامت لعنت کرتے رہتے ہیں۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۲۲۸)

بلکہ سیدزادیوں کی عصمت بھی محفوظ نہ رہی کہ تہذیب الاحکام طوسی میں ہے لاباس بالمتعۃ بھاشمیۃ ج ۲ ص ۱۹۲) کہ ہاشمی عورت سے متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ متعہ نہ کرنے والا ناقص الایمان ٹھہرا اور روی ان المومن لا یکمل حتی یتمتع (الفقیہ ص ۳۳) حدیث ہے کہ مومن متعہ کیے بغیر کامل نہیں ہوتا۔ بلکہ تفسیر منہاج الصادقین ج ۱ ص ۱۷۵ میں صراحت کر دی۔

من تمتع مرۃ کان درجتہ کدرجۃ الحسین ومن تمتع مرتین درجتہ کدرجۃ الحسن ومن تمتع ثلاث مرات کان درجتہ کدرجۃ علی بن

جو ایک دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ حضرت حسینؓ کی طرح ہے اور جو دو مرتبہ متعہ کرے اس کا درجہ امام حسنؓ کی طرح ہے۔ اور جو تین دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ علیؓ بن ابی طالب کے درجہ کی

ابی طالب ومن تمتع اربع مرات فدرجتہ کدرجتی (زیر آیت والمحصنات پ ۵) — طرح ہے اور جو چار مرتبہ متعہ کرے اس کا درجہ میرے درجہ کی مانند ہے۔ (العیاذ باللہ الف مرۃ)

غیر شیعہ اولادِ علیؓ پر لعنت بھیجنا جائز ہو گیا۔ شیعہ کے شہید ثالث نے بڑے فخر سے یہ اشعار لکھے ہیں۔

اذ العلوی تابع ناصبیا — بمذھبہ فماھو من ابیہ

حضرت علیؓ کی اولاد کا جو فرد ناصبی مذہب کی تابعداری کرے وہ اپنے باپ کا نہیں ہے۔ (ناصبی وہ ہوتا ہے جو امیر المومنینؓ پر غیر کو مقدم کرے (مجالس المومنین ص ۳۸۲)

وکان الکلب خیر امنہ طبعا — لان الکلب طبع ابیہ فیہ

اس سے تو کتا بھی طبیعت میں بہت بہتر ہے۔ کیونکہ کتے میں اپنے باپ کی خصلت پائی جاتی ہے۔ اور مشہور شیعہ حمران بن اعین (از اصحابِ باقرؒ) خلوص و اعتقاد سے کہا کرتا تھا۔

رشتہ امامت شما تا صاحب العصر ممتد است — تمہاری امامت کا سلسلہ صاحب العصر (مہدی)

وہر کہ ازاں تجاوز کند خواہ علوی باشد یا غیر — تک پھیلا ہوا ہے جو اس سے آگے بڑھے خواہ

علوی ازاو بیزارم۔ (مجالس المومنین ج ۱ ص ۲۳۶) — علوی ہو یا غیر علوی۔ میں اس سے تبرا کرتا ہوں

بلکہ حق الیقین ص ۳۶۶ پر ملا باقر علی مجلسی نے لکھا ہے۔ "کہ خلفاءِ ثلاثہؓ۔ معاویہؓ۔ یزید اور دیگر مخالفینِ اہلِ بیت سے بیزاری کے علاوہ خلفاءِ اسماعیلیہ اور زیدیہ سے بھی بیزاری واجب ہے۔ کیونکہ انہوں نے امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

حضرت اسماعیل بن امام جعفر صادقؒ کی نسل سے جو شیعہ ہوئے وہ اسماعیلی کہلاتے ہیں اور حضرت زید بن امام زین العابدینؒ کی نسل سے جو شیعہ و اہل بیت کے متبع چلے وہ زیدیہ کہلاتے ہیں۔ الغرض اثنا عشریہ نے اپنے ان سادات بھائیوں کو بھی نہ چھوڑا۔ ؎

صوفی و رند دونوں تیرے غمزہ سے تباہ — خانقاہ گر ہے ویراں تو خرابات خراب

حضرت عمرؓ کا دامن بدعت سے پاک ہے

آمدم برسرِ مطلب۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ پر جن مسائل کی کمی بیشی کا الزام لگایا گیا ہے۔ وہ مذہب اہلسنت کے مطابق صریح غلط ہے۔ افسوس کہ شیعہ حضرات تحقیق و دانش سے ذرا کام نہیں لیتے۔ حضرت عمرؓ

یا دیگر صحابہ کرامؓ کی دشمنی میں آ کر مطاعن تصنیف کر دیتے ہیں۔

سوال میں مذکور مسائل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

۱۔ ابو داؤد ص ۷۲ ۔ نسائی ص ۷۵ ۔ موارد الظمآن ص ۸۵ ۔ طحاوی ص ۸۲ میں حضرت ابو محذورہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب فجر کی اذان دو تو

قل بعد حی علی الفلاح الصلوٰۃ خیر من النوم۔ (حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہو (کہ نماز نیند سے بہتر ہے)

قاضی شوکانی نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۲ میں لکھتے ہیں صححہ ابن خزیمہ۔

شیعہ بھی یہ جملہ کہنے کے قائل ہیں۔ شیعہ کی معتبر کتاب الفقیہ ص ۵۹ باب الاذان میں ہے کہ کوئی حرج نہیں۔ الصلوٰۃ خیر من النوم دو مرتبہ بطورِ تقیہ کہا جائے۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آذان میں حی علی الصلوٰۃ کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دو مرتبہ کہا جاتا تھا۔ (طحاوی ج ۱ ص ۸۲ نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۳ از طبرانی و بیہقی۔)

ابن سید الناس یعمری کہتے ہیں۔ ہذا اسناد صحیح اور حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر ص ۷۵ پر لکھتے ہیں۔ سندہ حسن۔

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ سنت میں سے یہ ہے کہ فجر کی آذان میں حی علی الصلوٰۃ کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دو مرتبہ کہا جائے۔ (طحاوی ج ۱ ص ۸۲ ۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۲ از دار قطنی و بیہقی)، ابن سید الناس اور ابن حجر تلخیص الحبیر میں اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ (از افادات شیخ محترم علامہ صفدر مدظلہ)

شیعہ کو مغالطہ مؤطا امام مالکؒ [28] کی اس روایت سے لگا ہے کہ مؤذن نے صبح کو حضرت عمرؓ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ فامرہ عمر ان یجعلھا فی اذان الفجر مگر سنتِ نبوی سے قطعی ثبوت کے بعد حضرت عمرؓ کی مراد یہی ہو سکتی ہے کہ اس کلمہ کا استعمال صبح کی اذان کے بغیر نہ کیا جائے۔

تراویح کا ثبوت

بخاری شریف ج ا ص ۱۰۱ پر حضرت زید بن ثابت رضؓ سے روایت ہے۔

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں ایک الگ جگہ نماز کے لیے بنادی۔ میرا گمان ہے کہ وہ چٹائی کا ایک چھپر تھا۔ آپ نے کئی راتیں اس میں نماز پڑھی آپ کے صحابہ رضؓ نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

اسی صفحہ پر حضرت عائشہ رضؓ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس حجرہ یا چھپر میں) دیکھا تو لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ یہ دو یا تین راتیں عمل ہوا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں بیٹھ رہے اور باہر نہ نکلے جب صبح ہوئی تو لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔

انی خشیت ان تکتب علیکم صلوٰۃ اللیل — مجھے خوف ہوا کہ (تمہارے شوق کے پیشِ نظر نماز شب (تراویح) تم پر فرض نہ ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ نفسِ تراویح کا ثبوت باجماعت خود حضورؐ سے ثابت ہے۔ فرضیت کے اندیشہ سے آپ نے عمداً مداومت نہ کی۔ عہدِ صحابہ رضؓ میں جب یہ اندیشہ نہ رہا تو حضرت عمر رضؓ نے سب صحابہ کرامؓ کے اتفاق اور موجودگی میں اس سنتِ نبویؐ بالجماعت کو التزاماً نافذ فرمادیا۔ چونکہ یہ التزام و دوام نیا تھا تو بطورِ لغوی استعمال اسے "نعمت البدعۃ ہذہٖ" "کیا ہی یہ نیا اچھا کام ہے۔ سے تعبیر فرمایا۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس مقام پر لکھتے ہیں۔

فصلی فیہا لیالی۔ اس جملہ میں اصل تراویح کا ثبوت ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز رمضان کی راتوں میں پڑھی۔ یہ ۲۰ رکعتیں ہیں۔ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ۹ ترویحے ۳۶ رکعتیں ہیں وتر کے ماسوا۔ آپ کا استدلال اہل مدینہ کے عمل سے ہے۔ ہمارے اصحاب حنفیہ۔ شافعیہ۔ حنبلیہ کا استدلال بیہقی کی باسنادِ صحیح اس روایت سے ہے۔

عن السائب بن یزید الصحابی قال کانوا یقومون علی عہد عمر بعشرین — حضرت سائب بن یزید صحابی رضؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان حضرت عمر رضؓ کے عہد میں اور اسی طرح حضرت

ركعة وعلى عهد عثمان وعلي رضي الله عنهما مثله (بحوالہ حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۰۱) — عثمانؓ وعلیؓ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ۲۰ رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

جب حضرت عثمانؓ و علیؓ نے بھی اسی پر عمل کیا اور کرایا اور کسی نے حضرت عمرؓ کے قول و فعل پر نکیر نہ کی بلکہ تحسین و تائید فرما کر حضرت عمرؓ کے فقیہ و تبیع سنت ہونے پر گویا شہادت دی تو اس کے جواز پر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں نور الله قبر عمر كما نور مساجدنا (اللہ حضرت عمرؓ کی قبر کو روشن کرے جیسے ہماری مساجد کو روشن کیا۔ (شرح نہج البلاغۃ از ابن ابی الحدید ج ۳ ص فضائل عمرؓ) کتب شیعہ میں رمضان میں بعد از نماز عشاء ۲۲ رکعت نماز پڑھنے کا حکم ہے آئمہ کی طرف سے اور حضورؐ کا رمضان میں بعد از عشاء صحابہؓ کو تراویح پڑھانا منقول ہے۔

(فروع کافی ج ۳ ص ۳۹۹ از افادات تونسوی)

چار تکبیر نماز جنازہ کا ثبوت

بخاری ج ۱ ص ۱۷۷ پر یہ باب ہے۔ باب التكبير على الجنازة اربعاً پھر پہلی حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ہے۔ فخرج بهم الى المصلى وكبر عليه اربع تكبيرات۔ کہ نجاشیؒ کی موت کی خبر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز گاہ کی طرف چلے۔ صف بنائی اور ۴ تکبیروں سے ان پر نماز جنازہ پڑھائی۔ دوسری حدیث حضرت جابرؓ سے ہے کہ حضورؐ نے اصحمہ نجاشیؒ پر چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔ کتب اہلسنت میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ سلف و خلف ۴ تکبیروں پر اتفاق رکھتے ہیں۔ شاید کسی صاحب نے فعل نبوی سے بے خبری کی وجہ سے اس کے خلاف کہا سنا ہو تو حضرت عمرؓ نے اس کی تردید فرما کر اس سنت نبوی کو قانونی شکل دے دی ہو تو شیعہ نے بغض و دشمنی کی وجہ سے اسے ایجاد عمرؓ قرار دے دیا ہو۔

بلکہ کتب شیعہ سے بھی فعل نبوی سے چار تکبیریں ثابت ہیں۔

فروع کافی ج ۱ ص ۱۸۱ پر امام جعفر صادقؒ کی ایک حدیث میں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے روک دیا تو آپ یوں نماز پڑھتے تھے۔

كبر وتشهد ثم كبر وصلى على النبيين صلى الله عليهم ثم كبر ودعا للمومنين — تکبیر کہتے اور خدا اور رسولؐ کی گواہی دیتے پھر تکبیر کہتے اور مومنین کے لیے دعا کرتے پھر چوتھی تکبیر

ثم کبر الرابعة وانصرف ولم یدع للمیت — پھر تکبیر کہتے اور مومنین کے لیے دعا کرتے پھر چوتھی تکبیر کہہ کر نماز سے باہر آجاتے اور میت کے لیے دعا نہ کرتے۔

معلوم ہوا کہ اہلسنت کے ہاں مطلقاً اور عند الشیعہ حضورؐ کا پچھلا تعامل (آیت ولا تصل علی احد کے بعد) ۴ تکبیروں سے نمازِ جنازہ پڑھانا اور بعد از سلام دعا نہ کرنا تھا۔

متعہ کی حرمت خود حضورؐ سے ثابت ہے

اب شیعہ کے مایہ ناز دل پسند اور محبوب فعل متعہ کی باری بھی آگئی کہ مطاعن فاروقی میں کسی اور بات کا ذکر کریں یا نہ کریں، متعہ کا ذکر ضرور کریں گے۔

متعہ کے عند الشیعہ فضائل بطورِ نمونہ گزر چکے ہیں متعہ کی تعریف ملاحظہ کرلیں۔

کوئی مرد و عورت مقررہ وقت اور مقررہ اجرت سے بغیر گواہوں اور ولی کی اجازت کے ایجاب و قبول (رضامندی) کرکے تعلق قائم کریں، شیعہ کے ہاں اسی کا نام متعہ ہے، مسلمان اسے زنا بالرضا سے تعبیر کرتے ہیں، جو ہند و پاک میں شاہانِ روافض کی یادگار "بازارِ حسن" میں ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے بے دین حکومتیں رضامندی سے اس فعلِ شنیع کو قابلِ گرفت و تعزیر نہیں مانتی ہیں۔

سنی شیعہ کے اتفاق سے ممتوعہ عورت ایک بازاری و کسبی کا حکم رکھتی ہے۔ کوئی بھی اس میں زوجہ کے شرائط تسلیم نہیں کرتا۔ نہ زوجیت کے حقوق دیتا ہے اور نہ اسے باندی مانتا ہے۔ ممتوعہ عورت کی "بازاری" اور بیوی نہ ہونے کی حیثیت پر کتب شیعہ سے دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ولیس فی المتعة اشهاد ولا اعلان — متعہ میں نہ گواہ ہوں گے نہ اعلان ہوگا۔

(تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۱۸۹)

۲۔ ادنی ما یتزوج به قال کف من — امام جعفرؓ سے پوچھا گیا کم از کم کتنی اجرت پر (ایضاً) زواجِ متعہ ہوگا۔ فرمایا، گندم کی ایک ہتھیلی۔

حالانکہ بیوی کے مہر میں معین متقول رقم شرط ہے۔

۳۔ متعہ کے ارکان پانچ ہیں۔ مرد[۱]۔ عورت[۲]۔ مہر[۳]۔ وقت مقررہ[۴]۔ ایجاب و قبول کا لفظ[۵]

(گواہ شرط نہیں) تفسیر منہج الصادقین ص ۳۵۷)

۴۔ عن ابی عبد اللہ قال ذکر لہ المتعۃ اھی من الاربع قال تزوج منھا الفا فانھن مستاجرات۔

امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کیا زنِ متعہ چار میں سے ہے فرمایا (نہیں) ہزار سے عقد کر لو۔ کیونکہ یہ کرایہ دار (اپشیہ ور) ہیں۔

۵۔ وقال ابو جعفر لیس من الاربع لانھا لا تطلق ولا ترث وانما ھی مستاجرۃ (تہذیب ج ۲ ص ۱۸۸)

امام باقرؒ نے فرمایا یہ چار عورتوں میں سے نہیں۔ کیونکہ نہ طلاق پاتی ہے۔ نہ وارث بنتی ہے بلکہ یہ کرایہ دار ہے۔

۶۔ سئل ابو الحسن علیہ السلام عن المتعۃ اھی من الاربع فقال لا و فی روایۃ ولا من السبعین وانما ھی مستاجرۃ (کافی ابواب المتعۃ ص ۱۸۴)

امام ابو الحسن (رضا) سے پوچھا گیا کیا زنِ متعہ چار (منکوحہ) عورتوں میں سے ہے۔ فرمایا نہیں ایک روایت میں ہے کہ یہ ۷۰ (باندیوں) میں سے بھی نہیں۔ یہ کسبی ہے۔

۷۔ وصاحب الاربع النسوۃ یتزوج منھن ماشاء بغیر ولی ولا شھود فاذا انقضی الاجل بانت منہ بغیر طلاق و یعطیھا الشئی الیسیر (صدقہ الامام الصادق) فروع کافی ابواب المتعۃ ص ۱۸۴)

اور چار بیویوں کا خاوند متعہ والی عورتوں میں سے جس کے ساتھ چاہے بغیر ولی اور گواہوں کے عقد کر لے۔ جب مدت مقررہ ختم ہو گی تو بلا طلاق یہ جدا ہو جائے گی۔ مرد اسے کچھ پیسے دے دے۔ (امام صادقؑ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

۸۔ عن ابی عبد اللہ قال لا تکون متعۃ الا بامرین اجل مسمیٰ واجر مسمیٰ (ایضاً ص ۱۸۵)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ متعہ صرف دو باتوں سے ہوگا۔ وقتِ مقررہ ہو اور اجرت مقرر ہو۔

۹۔ کئی آدمی ایک ہی عورت سے بار بار متعہ کر سکتے ہیں۔ زرارہ نے امام باقرؒ سے پوچھا ایک آدمی متعہ کرے اور شرطِ مدت ختم ہو جائے پھر دوسرا اس سے متعہ کرے جب وہ اس سے جدا ہو تو پہلا متعہ کرے اور اس سے جدا ہوا اسی طرح تین دفعہ ہوا اور (بیک وقت) وہ تین

مردوں سے متعہ کرے۔ کیا اب بھی پہلے کے لیے حلال ہوگی۔ فرمایا ہاں۔ جتنی دفعہ چاہے۔ یہ آزاد عورتوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ یہ کرایہ دار ہے۔ اور یہ باندیوں کے قائم مقام ہے۔ (الیضاً ص ۴۶)

۱۰۔ معلوم ہونا چاہیے کہ عقدِ متعہ میں عورتوں کی تعداد معین نہیں ہے اور نفقہ۔ کھانا پینا مکان۔ لباس مرد پہ لازم نہیں ہے۔ نیز اس جوڑے میں وراثت بھی نہ ہوگی۔ یہ تمام امور دائمی عقدِ نکاح میں ضروری ہوتے ہیں۔ (تفسیر منہج الصادقین ص ۳۵۷)

شیعہ عبارات سے یہ تفصیل ہم نے اس لیے کی تاکہ متعہ کے زنا ہونے کا آپ کو یقین ہوجائے۔ اس رضامندی طرفین میں نہ گواہ ہیں نہ اعلان۔ نہ نفقہ ہے نہ وراثت نہ طلاق ہے نہ اس کی عدت بلکہ یہ ایک کرایہ دار عورت ہے۔ جس کے ساتھ گھڑی دو گھڑی یا ایک دو دن کے لیے بھی یہ تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ (تہذیب ج ۲ ص ۱۹) امام نے ان کو باندیاں بھی نہیں فرمایا بلکہ ولا من سبعین کہہ کر صراحتہً تردید کردی۔ ہاں بعض روایات میں بمنزلة الاماء فرمایا۔ یعنی چار سے زائد رکھنے میں باندیوں کے قائم مقام ہیں۔

اس انتہائی فحش وحیا سوز فعل کی حرمت پر تمام ملل وادیان کی عقل ونقل ماسوا فرقہ شیعہ متفق ہیں۔ بلکہ جن بزرگانِ اہلِ بیت کی طرف ان شہوت پرستوں نے اس کی نسبت کی ہے وہ بھی اپنے گھر کا ذکر سن کر آگ بگولا ہوجاتے تھے۔ اگر نکاح کی طرح متعہ بھی واقعی جائز ہوتا تو ناراض کیوں ہوتے۔

امام باقرؓ سے عبداللہ بن عمیر نے کہا آپ کی بیویاں۔ بیٹیاں۔ بہنیں اور چچا کی بیٹیاں یہ کام کرتی ہیں؟

فاعرض ابوجعفر حین ذکر نساءہ و بنات عمه (تہذیب الاحکام طوسی ج ۲ ص ۱۸۶) امام باقرؓ نے منہ پھیر لیا جب اپنی عورتوں اور چچازاد بیٹیوں کا ذکر ہوا۔

بلکہ شیعہ کے ذمہ دار علماء و مجتہدین جب متعہ کی مدح و مصالح میں۔ منبر و محراب حسینی پر رطب اللسان نظر آتے ہیں اور مستقل کتابیں لکھتے ہیں وہ بھی اپنے گھر میں اس فعلِ شنیع کو کبھی جائز نہیں سمجھتے نہ برداشت کرتے ہیں۔ تو پھر ایسے لوگ عوام شیعہ خصوصاً عزبار کی بہن بیٹیوں کے حق میں اس کے جواز کا فتویٰ کیوں دیتے ہیں۔ کیا وہ اس دو رخی پالیسی پر خدا کا ذرا خوف نہیں

کرتے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ اللہ کے ہاں بڑی ناراضی کی یہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں ہو۔

پھر کیا شیعہ امیروں۔ نوابوں۔ جاگیرداروں۔ مسٹنڈے ذاکروں۔ بے دین و نام نہاد سیدوں کی ہوس رانی ہی کے لیے یہ شرمناک مسئلہ ایجاد کر لیا گیا ہے تاکہ شیعہ مذہب زندہ رہے۔ کیونکہ اس مذہب کی بقا کے یہی لوگ ذمہ دار ہیں۔ اور ان کی روح یہی مسئلہ ہے۔ بے غیرتی کا طرۂ امتیاز صرف شیعہ کا یہ مسئلہ ہی نہیں بلکہ وہ مقام مخصوص کو بطور عاریت مانگنے پر کسی دوست بھائی وغیرہ کو بھی دینے کے قائل ہیں۔ الاستبصار ج ۳ ص ۱۳۸ پر ہے کہ حسن عطار نے امام صادق سے مانگی ہوئی شرمگاہ کے متعلق پوچھا۔ قال لا باس بہ۔ فرمایا کوئی حرج نہیں۔ بیوی سے در دبر لواطت جائز کہتے ہیں۔ امام باقر نے فرمایا لا باس اذا رضیت۔ جب بیوی راضی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (استبصار ج ۳ ص ۲۴۳) کچھ لوگ خوف خدا پس پشت ڈال کر اور دقاحت کا لبادہ اوڑھ کر یہاں تک کہنے لگتے ہیں کہ یہ متعہ عہد نبوی میں رائج تھا اور فلاں فلاں اس کی مثالیں ہیں۔

حالانکہ بالفرض یہ بے حیائی۔ عہد جاہلیت کی یادگار۔ عہد نبوی میں ابتدائی عرصہ کے لیے کچھ تسلیم کی بھی جائے تو اس سے اس کی ابدا حلت کیسے ثابت ہو جائے گی۔ قرآن کریم نے رفتہ رفتہ مصالح کے پیش نظر مسلم معاشرہ کی قوت کے مطابق۔ برائیوں کا ازالہ کیا اور حرمت نازل فرمائی۔ ایک وقت میں نماز روزہ حج زکوٰۃ نہ تھی اور شراب۔ جوا وغیرہ رائج تھا۔ تو کیا بعد والی فرضیت یا حرمت سے قطع نظر کر کے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام میں یہ عبادات فرض نہیں اور شراب و جوا حلال ہیں۔ ظاہر ہے کہ آخری دور حلت و حرمت ہی کو دیکھا جائے گا۔ جب اللہ پاک نے بار بار یہ ارشاد فرما دیا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ (مومنون۔ معارج)

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی ازواج کے یا اپنے ہاتھ کے مال (لونڈیوں) کے کہ اس صورت میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔

اور حضرت ابنِ عباسؓ جیسے حبرِ امت و ترجمانِ قرآن نے اس کی تفسیر میں یہ فرما دیا۔

"متعہ شروع اسلام میں تھا۔ ایک آدمی کسی شہر میں آتا وہاں جان پہچان نہ ہوتی تو کسی عورت سے اقامت کی مقدار شادی کرتا وہ اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کے کام درست کرتی حتی کہ جب آیت اِلَّا عَلٰٓی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ نازل ہوئی تو ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں ہر فرج اس کے سوا حرام ہے۔ (ترمذی ص ۲۷۳)

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ زنِ متعہ نہ بیوی ہے ورنہ اس سے عقد کے لیے گواہ۔ اعلان۔ میراث نفقہ۔ تعداد۔ طلاق۔ عدت وغیرہ ہوتی۔ نہ باندی ہے ورنہ بیع۔ ہبہ۔ آزادی وغیرہ اس میں نافذ ہوتی۔ تو اس آیت نے صراحۃً متعہ کو حرام کر دیا۔

اور بروایت سیدنا علی المرتضیٰؓ حضور علیہ السلام نے منع فرما دیا۔

۱۔ قال نھی عن متعۃ النساء یوم خیبر و عن اکل لحوم الحمر الاھلیۃ (مشکوٰۃ ص ۲۷۲)

فتح خیبر کے دن حضورؐ نے عورتوں سے متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت سے روک دیا۔

۲۔ ان علیا قال لابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المتعۃ و عن لحوم الحمر الاھلیۃ زمن خیبر (بخاری ج ۲ ص ۷۶۷)

حضرت علیؓ نے ابنِ عباسؓ سے فرمایا بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعہ سے اور پالتو گدھوں کے گوشت سے خیبر کے دنوں سے ممانعت فرما دی۔

۳۔ عن علی علیہ السلام قال حرم رسول اللہ لحوم الحمر الاھلیۃ و نکاح المتعۃ (استبصار ج ۳ ص ۱۴۲)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو گدھے اور عقدِ متعہ کی حرمت کر دی ہے۔

۴۔ حضرت ابنِ عباسؓ اولاً متعہ میں رخصت کے قائل تھے۔ آپ کو آپ کے غلام نے کہا یہ تو انتہائی مجبوری کی حالت اور عورتوں کی قلت وغیرہ کی وجہ سے تھا۔ فقال ابن عباس نعم (بخاری ج ۲ ص ۷۶۷)۔ (یعنی رجوع تسلیم کر لیا)

مزید کئی روایات بھی متعہ کی حرمت اور ابنِ عباسؓ کے رجوع پر صریح دال ہیں۔

قرآن وسنت اور اجماعِ صحابہ رض سے اس کی تحریم کے بعد کیا اب بھی اس کو جائز کہا جائے گا پھر تو گدھے بھی حلال ہوں گے؟ چہ خوب۔

علاوہ ازیں۔ یہ کسی صورت میں قابلِ تسلیم نہیں کہ بلا شہود و اعلان یہ خفیہ متعہ شیعہ۔ اور متعہ دوریہ عہدِ نبوی میں واقع ہوا تھا۔ کیونکہ یہ انتہائی بے غیرتی اس وقت نہ تھی وہ صرف نکاحِ متعہ تھا۔ یعنی گواہوں کی موجودگی میں مدت مقررہ کے لیے باقاعدہ نکاح ہوتا تھا جسے متعہ یا نکاحِ مؤقت کہا جاتا تھا۔

"امام جعفر رح سے پوچھا گیا۔ کیا عہدِ نبوی میں لوگ بغیر گواہوں کے عقدِ متعہ کرتے تھے؟ قال لا۔ فرمایا نہیں۔ شیعہ علامہ طوسی اس پر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں گواہ کے بغیر متعہ کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ اس کا بیان ہے کہ عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ بلا گواہ نکاحِ متعہ نہ کرتے تھے۔ انھم ما تزوجوا الا ببینۃ وذالک ھو الافضل انہوں نے کبھی نکاحِ متعہ نہ کیا۔ سوائے گواہوں کے اور یہی افضل ہے۔ (تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۱۸۶۔ استبصار ج ۳ ص ۱۴۸)

کتبِ اہلِ سنت کے مطابق تو اس نکاحِ مؤقت میں نفقہ اور سکنیٰ بھی لازم تھا۔

ایک شبہ کا ازالہ کچھ لوگ آیتِ نکاح "والمحصنات" کے جملہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ سے اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی کی قید قراءتِ شاذہ یا منسوخہ نکال کر۔ حلتِ متعہ ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ اثباتِ احکام کے لیے قراءتِ شاذہ و منسوخہ سے استدلال ناجائز ہے۔

علاوہ ازیں یہ مفید مطلب بھی نہیں ہے کیونکہ جار مجرور استمتاع (جماع) سے متعلق ہے۔ عقد کے متعلق نہیں اور عقدِ متعہ میں تو تعین مدت شرط ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جب منکوحہ سے نفع اٹھا لو یعنی جماع کر لو۔ تو مکمل مہر ادا کرو۔ بایں طور ٹال مٹول نہ کرو کہ پوری عمر کے بعد مہر ادا کریں گے۔ اگر الی اجل عقد سے متعلق ہو تو لازم آئے گا کہ متعہ عمر بھر کے لیے جائز نہ ہو حالانکہ شیعہ عمر بھر کے لیے متعہ کو جائز کہتے ہیں۔ لفظِ استمتاع متاع بمعنی نفع سے نکلا ہے۔ عقدِ متعہ کے لیے صریح نہیں۔ جیسے دوسری آیات میں ہے۔

فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ۔ (پ ۱۰ ع ۱۵) پس انہوں نے اپنے حصے سے نفع اٹھایا اور تم نے اپنے حصے سے ویسے ہی نفع اٹھایا۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ۔ اور جن کو طلاق دی گئی ہے ان کو بھی نیکی کے ساتھ نفع پہنچانا ہے۔

وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ البتہ ان کو نیکی کے طور پر کچھ نفع پہنچا دو یہ نفع پہنچانا صاحبِ مقدور پر اس کی حیثیت کے موافق لازم ہے۔

قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ تم کہہ دو کہ (چند روزہ) نفع اٹھالو کہ تمہاری بازگشت تو یقیناً جہنم ہی کی طرف ہے۔ (تراجم مقبول)

الغرض اس تفصیل سے جب یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ حرمتِ متعہ پر قرآن کریم کتبِ فریقین سے سنتِ نبوی اور اعلانِ مرتضوی متفق ہیں۔ تو بعض کتبِ تاریخ میں حضرت عمرؓ کی طرف نسبت کا معنیٰ صرف یہ ہے کہ آپ نے اس کی حرمت کو نمایاں اور شائع کیا اور کسی کے لیے اخفا نہ رہا۔ شرارت باز لوگوں کے لیے سخت قانون بنا دیا۔ تعزیراً خلیفہ کو ایسا حق حاصل ہے۔

طلاق ثلاثہ معاً بائن ہیں

ا۔ صحیح بخاری ج۲ ص۷۹۱ پر یہ باب باندھا ہے۔ باب من اجاز طلاق الثلاث لقول اللہ تعالیٰ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو بند رکھنا ہے یا اچھی طرح چھوڑنا ہے۔

امام بخاریؒ کے اس استدلال کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ پس اگر تیسری طلاق دے دی تو یہ عورت اس کے بعد حلال نہیں تا آنکہ کسی اور مرد سے نکاح (و جماع) کرے۔ تین طلاقوں کے وقوع اور حرمتِ مغلظہ پر دلالت کرتی ہے۔

امام شافعیؒ کتاب الام میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا یہ ظاہر مفہوم اس بات کی دلیل ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی بھی دی جائیں تو وہ عورت اس خاوند کے لیے حرام ہے، اکٹھی سے مراد یہ ہے، یعنی ایک مجلس میں دے دے۔ انتِ طالق انتِ طالق پھر کہا انتِ طالق جو فان طلقها من بعد کا مفہوم ہے۔

۲۔ صحیح مسلم ج۱ ص۴۶۳ اور بخاری ج۲ ص۷۹۱ اسی باب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔

ان رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلقت فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتہا کما ذاق الاول

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس عورت نے دوسری جگہ نکاح کر لیا پھر طلاق پائی، تو حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کیا وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہوگئی فرمایا نہیں یہاں تک کہ اس کا مزہ ثانی خاوند چکھے جیسے پہلا چکھ چکا ہے۔

حافظ ابنِ حجر فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۵ میں لکھتے ہیں کہ طلقہا ثلاثاً کا جملہ اس کو چاہتا ہے کہ اس نے تین طلاقیں اکٹھی دے دی تھیں اور یہی مطلب علامہ عینی عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۳۶ میں بیان فرماتے ہیں۔

۳۔ دارقطنی ج ۲ ص ۴۳۱ اور سنن کبریٰ ج ۷ ص ۳۳۴ اور مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶ اور نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۲۳ پر بسند صحیح حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بحالتِ حیض ایک طلاق دے دی ہے آپؐ نے فرمایا طلاق ہوگئی لیکن رجوع کر لے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ بتلائیں لو انی طلقتہا ثلاثاً کان یحل لی ان اراجعہا قال لا کانت تبین منک وتکون معصیۃ اگر میں اس کو تین طلاقیں دوں تو کیا مجھے حلال ہے کہ رجوع کر لوں؟ فرمایا نہیں وہ تجھ سے جدا ہو جائے گی اور تو گنہگار بھی ہوگا۔

۴۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۴۱، ابوداؤد ص ۳۰۰، طیالسی ص ۱۶۴، ابنِ ماجہ ص ۱۴۹، دارقطنی ج ۲ ص ۴۳۹ اور مستدرک ج ۲ ص ۱۹۹ پر حضرت رکانہؓ کی روایت ہے کہ میں نے بیوی کو طلاقِ بائن دے کر حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے دو مرتبہ قسم دے کر پوچھا کیا تو نے ایک ہی کا ارادہ کیا؟ قلتُ واللہ۔ حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابوداؤد، حاکم ابنِ حبان وغیرہ اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ (تلخیص الحبیر ص ۳۱۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر تین طلاقوں کے بعد رجوع کی گنجائش ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قسم نہ دیتے۔ (از افادات استاذیم صفدر مدظلہ)

اس مسئلہ میں بہت معمولی اختلاف ہے۔ آئمہ اربعہ اور جمہور محدثین امام بخاریؒ سے لے کر حافظ ابنِ حجرؒ صاحبِ بلوغ المرام تک اس کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں تین ہیں۔ حضرت عمرؓ، ابنِ عباسؓ، عائشہؓ، روایت عن علیؓ فقہاء و تمام جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے۔ سبل السلام

للیمانی ج ۳ ص ۲۱۵)

ابنِ حزم کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ اور دورِ حاضر کے اہلِ ظاہر غیر مقلدین تین کو ایک شمار کرتے ہیں، شاید شیعی مفاد بھی اسی میں ہے۔ ان کی اہم دلیل مسلم ج ۱ ص ۴۷۷ اور مستدرک ج ۲ ص ۱۹۶ کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے۔ لوگوں نے اس معاملے میں جلدی کی جس میں ان کے لیے تاخیر تھی۔ کیا بہتر ہو کہ ان کی تین طلاقوں کو تین شمار کریں تو آپ نے تین جاری کردیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو راوی کو نسخ کا علم نہیں جیسے علامہ حازمی کتاب الاعتبار ص ۱۸۰ پر امام شافعیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں دے کر رجوع کا حق پہلے تھا بعد کو منسوخ ہوگیا۔

۲۔ امام نسائی ج ۲ ص ۸۳ پر اس حدیث کو باب طلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة میں پیش کرکے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ غیر مدخول بہا سے متعلق ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کوئی شخص ایک مجلس میں یوں کہے۔ انتِ طالق۔ انتِ طالق۔ انتِ طالق تو ایک طلاق ہوگی، باقی دو کا وہ عورت محل ہی نہیں۔

۳۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی آثار المطبوعہ میں مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پہلے لوگ بجائے تین طلاقوں کے ایک ہی دیتے تھے۔ عدت گزر جاتی تو عورت جہاں چاہتی نکاح کرتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دو سال حضرت عمرؓ کے دور میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ اس کے بعد لوگوں نے تین طلاقیں دینا شروع کردیں۔ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا، لوگ جلد بازی پر اتر آئے ہیں، پہلے لوگوں کو ایک طلاق کے بعد سوچنے سمجھنے اور رجوع کا موقعہ تھا۔ مگر اب لوگوں نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ تین دے دیتے ہیں، لہٰذا ہم بھی تین نافذ کریں گے۔

اہلحدیث عالم مولانا محمد صدیق اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں۔ "تین طلاق کو جو ایک ساتھ دی جائیں، طلاق بائن قرار دینا خلیفہ ثانیؓ کا ایک تعزیری اقدام ہے اور امام کو حدود تعزیر میں زیادتی کا اختیار ہے کمی کا نہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جلا دیا تھا جو الوہیت علی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ حالانکہ اسلام میں کسی جرم کی سزا جلانا نہیں ہے (کشف الاسرار ص ۱۳۵

یہ جواب شیعہ کے مقابلے میں ایک توجیہ یا قدرے مسکت ہے۔ ورنہ صحیح جوابات وہی پہلے ہیں۔

قیاس شرعی حجت ہے

قیاس کو اصول قائم کرنے کا حضرت عمرؓ پر مخصوص الزام بھی حضرت عمرؓ سے دشمنی کا آئینہ ہے۔ ورنہ چند اہل ظاہر کے سوا تمام صحابہؓ۔ تابعین اور آئمہ دین اس کی مشروعیت پر متفق ہیں۔ اور اس کی مشروعیت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

جیسے ارشاد ربانی ہے۔ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (نحل ۶۴) اور تمہاری طرف ہم نے یہ قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اسے تم لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دو اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

فَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (نساء ۸۳)

اور اگر وہ اس کو اپنے رسولؐ اور والیان امر کے سامنے پیش کر دیتے تو ان میں سے جو بات کی تہ تک پہنچ جانے والے ہیں وہ اس (کی حقیقت) کو سمجھ لیتے۔ (ترجمہ مقبول)

قرآن پاک میں غور و فکر اور مخفی احکام تک رسائی پانا۔ صاحبانِ علم و خرد کا کسی امر میں سوچنا اور قرآن و سنت میں چھان بین کر کے اس کا حکم نکالنا ہی "قیاس" کہلاتا ہے۔

سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ قیاس مثبتِ احکام نہیں ہے۔ مظہر احکام ہے۔ چونکہ تاقیامت رہنے والی نسل انسانی کے لیے ہزاروں نئے مسائل کے احکام کی ضرورت ہوگی۔ قرآن و سنت میں ہر ہر جزی کا حکم مذکور نہیں ہو سکتا۔ نصوص متناہی ہیں اور حادثات و وقائع غیر متناہی۔ لہذا شرعی قیاس و اجتہاد کی گنجائش تکمیلِ دین کی ایک ضرورت ہے۔ (کذا فی الملل والنحل ج ۲ ص ۴)

قیاس کے لغوی معنی تقدیر اور تسویہ کے ہیں اور اصطلاح میں قیاس اس چیز کا نام ہے۔

انما القیاس ان تخرج العلة من الحکم المنصوص ویدار علیه الحکم (حجة اللہ ص ۱۴۲ ج ۱)

قیاس یہ ہے کہ تو کسی منصوص حکم سے علت نکالے اور پھر اس پر حکم دہرایا جائے۔

یعنی قیاس کی حقیقت یہ ہے کہ قرآن و سنت کے احکام میں غور کر کے ہر حکم کی وجہ دریافت

کی جائے اور جب ایسی وجہ غیر منصوص ہوئے احکام میں پائی جائے تو ان کو احکام منصوصہ پر بذریعہ علت قیاس کر کے ان پر علت یا حرمت کا حکم لگایا جائے۔ یہاں چار چیزیں ہوں گی۔ مقیس علیہ، حکم، علت، مقیس۔ مثلاً شراب کی حرمت منصوص ہے یہ مقیس علیہ ہے۔ اس کی علت نشہ آور اور مخرب عقل ہونا اور حکم حرام ہونا ہے۔ اب بھنگ، چرس وغیرہ کو بھی قیاس بر شراب حرام کہا جائے گا کیونکہ علت حرمت یعنی نشہ آور ہونا ان میں پایا جاتا ہے۔

اصول قیاس سنت نبوی سے بھی ثابت ہے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن میں بھیجتے وقت آپ نے فرمایا۔

کیف تقضی اذا عرض لك قضاء قال اقضی بکتاب الله قال فان لم تجد بکتاب الله قال فبسنة رسول الله قال فان لم تجد فی سنة رسول الله قال اجتهد رائی ولا آلو قال فضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم علی صدره وقال الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی به رسول الله

(رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۲۴)

تو کیسے فیصلے کرے گا جب مقدمات پیش ہوں گے تو فرمایا اللہ کی کتاب سے کروں گا۔ آپؐ نے پوچھا اگر تو اللہ کی کتاب میں وہ بات نہ پائے تو فرمایا اللہ کے رسول کی سنت سے کروں گا۔ پوچھا اگر تو رسول اللہ کی سنت میں بھی وہ بات نہ پائے تو فرمایا اپنی رائے غور سے استعمال کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا سب تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے رسولؐ کے قاصد کو بھی اس بات کی توفیق دی جو رسول اللہ کو پسند ہے۔

قیاس کی حجیت اور جواز پر یہ صحیح حدیث بڑی اہم اور واضح ہے۔

ممکن ہے کہ قیاس سے ضد شیعہ کو اس بنا پر ہو کہ ان کے آئمہ کو اس کی حاجت نہ تھی کیونکہ وہ ان کے بقول مہبطِ وحی تھے۔ اور وحی ان پر آتی تھی۔ ان پر منزلہ ۱۲ صحائف میں تمام مسائل کی تفصیل موجود تھی۔ لیکن اپنے پیروکاروں کے لیے انہوں نے عقل و قیاس کی حجت صراحتہً بیان فرمائی ہے۔

شیعہ کی اصول کافی جیسی اہم اور معتبر کتاب کا آغاز ہی کتاب العقل والجہل سے ہوا ہے۔

جبکہ بخاری کتب کا آغاز۔ کتاب الایمان ۔ بدء الوحی ۔ کتاب الطہارت سے ہوتا ہے ۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے ۔ کہ وحی الٰہی کا متبع کون ہے اور محض عقل کا غلام بے دام بلکہ اپنے قرآن و سنت کیخلاف مسائل کو ڈھکوسلوں سے ثابت کرنے والا کون ہے ۔

ساتویں امام موسیٰ بن جعفرؑ نے اپنے شیعہ ہشام سے فرمایا ۔

ان اللہ علی الناس حجتین حجۃ ظاہرۃ وحجۃ باطنۃ فاما الظاہر فالرسل والائمۃ علیہم السلام واما الباطنۃ فالعقول (اصول کافی ص۱۶)

لوگوں پر اللہ کی دو حجتیں ہیں ایک ظاہری ایک باطنی ۔ ظاہری تو انبیاء و رسل اور آئمہ علیہم السلام ہیں اور باطنی عقول (سلیمہ) ہیں ۔

اب تو عقل و قیاس کی حجیت میں کوئی شک نہ رہا ۔ بلکہ وہ انبیاء و آئمہ کے بالمقابل حجتِ باطنہ ہے ۔ اگر دنیوی امور میں عقل کی راہنمائی حجت ہے ۔ تو نصوص کے تعاون سے غیر منصوص احکام میں عقل قیاس سے راہنمائی حاصل کرنا بدرجہ اولیٰ حجتِ باطنہ ہو گا ۔

علماءِ امت بھی قیاس کو اصولِ شرعی مانتے ہیں اور اس سے مستنبط مسائل کو بدعت نہیں کہتے ۔ خود شیعہ علماء کو قیاس سے ظاہری انکار کے باوجود مفر نہیں ۔ کیونکہ زندہ سلسلہ امامت ماننے کے باوجود وہ اجتہاد کی ضرورت کے قائل ہیں اور اجتہاد بغیر قیاسِ شرعی کے ہو نہیں سکتا ۔ جن مسائل میں ان کو قولِ امام نہیں ملتا وہ قیاس و اجتہاد سے کام لیتے ہیں ۔ گویا جسے حرام کہتے ہیں ، اسے ہی کھاتے ہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے ہاں مجتہد کے مرنے سے اس کے اجتہادات و فتاویٰ باطل ہو جاتے ہیں تو ایک مسئلہ میں دسیوں متضاد اقوال مل جاتے ہیں ۔

سوال ۲۳ ۔ کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کسی ایک نبی کی بھی مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ نبی کی وفات پر امت نے اپنے پیغمبر کا خلیفہ اجماع سے بنایا اگر ہو تو نام ارشاد فرمائیں ۔

الجواب ۔ یہ وہی سوال ۹ والا لقمہ ہے جسے پھر قے کر دیا گیا ہے ۔ ہم پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں سلسلہ نبوت جاری تھا ۔ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی اس کا جانشین بنتا تھا ۔ سیاست کی باگ ڈور بھی انہی کے ہاتھ میں تھی ۔ بالفرض اگر اجماع و شوریٰ سے وہاں

استخلاف نہ ہو تو اس کی وہاں ضرورت ہی نہ تھی۔ امتِ محمدیہ میں سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا ہے وحی الٰہی بند ہو چکی تو خلیفہ کے تعین کی ایک صورت اجماع و شوریٰ سے ہو گی۔ جیسے اس امت کے متعلق اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ ع ۵)

اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کا معاملہ باہمی مشورہ سے طے ہوتا ہے۔ (ترجمہ مقبول)

لہٰذا اس امت کا سابقہ امم پر قیاس مع الفارق ہے اور اصولِ قرآن سے کھلا انحراف ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پس پردہ شیعہ بدستور اجراء نبوت (بنام امامت) کے قائل اور ختم نبوت کے منکر ہیں تبھی تو مسئلہ خلافت کو سابقہ انبیاء کی خلافت پر قیاس کرتے ہیں۔ سابقہ امم میں سے بھی شیعہ کے پاس صرف ایک مثال ہے کہ حضرت یوشعؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ وصی تھے جو حضرت موسیٰؑ کے نامزد کردہ تھے۔ امت کا انتخاب میں دخل نہ تھا وہ صرف ماننے پر مامور تھی تو حضورؐ کا وصی و جانشین بھی اسی صفت میں چاہیے تھا۔

حالانکہ یہی قصہ شیعہ عقیدۂ امامت کا استیصال کر دیتا ہے کیونکہ حضرت یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریبی رشتہ دار یا عم زاد برادر نہ تھے۔ وہ امت کے صالح نوجوان تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت خدمت کی اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت اور جانشینی کلیم اللہ سے سرفراز فرمایا۔ اگر امامت کا شیعی تصور درست ہوتا۔ تو حضرت موسیٰؑ کے بھتیجے حضرت ہارونؑ کے دو صاحبزادے ہی آپ کے بعد وصی و جانشین بلا فصل بنائے جاتے۔ یا حضرت موسیٰؑ کے داماد کالوب بن یوقنہ یا کلاب بن یاقنہ نامزد خلیفہ بلا فصل ہوتے۔ (طبری ص ۲۳۱)

علاوہ ازیں سب مؤرخین و مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ یوشع بن نونؑ پیغمبر تھے۔

فحولت النبوة الی یوشع بن نون (طبری ج ۱ ص ۲۳۰)

نبوت حضرت موسیٰؑ سے حضرت یوشعؑ کی طرف منتقل ہو گئی۔

ثم ان اللہ عز و جل لما انقضت الاربعون

پھر جب ۴۰ سال پورے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے

سنة بعث یوشع بن نون فاخبرهم بانه نبی وان اللہ قد امرہ ان یقاتل الجبابرۃ فبایعوہ وصدقوہ فهزم الجبابرین واقتحموا علیهم فقتلوهم الخ

(طبری ج۱ ص ۴۳۶)

حضرت یوشع بن نون کو مبعوث کیا۔ انہوں نے قوم موسیٰ کو بتایا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ نے ان کو جبابرین کے ساتھ جنگ کا حکم دیا ہے تو سب امت نے آپ کی بیعت کی اور تصدیق کی تو حضرت یوشع نے جبارین کو شکست دی انہوں نے کفار پر خوب حملہ کیا اور ان کو تہ تیغ کیا۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین پیغمبر تھے۔ حضور خاتم النبیین کا جانشین پیغمبر یا ۱۰۰٪ پیغمبر انہ اوصاف کا حامل نہیں ہو سکتا۔ رہے باقی اوصاف۔ یعنی امت کا ان کی بیعت کرنا۔ ان کے ماتحت ہو کر جہاد کرنا۔ کفار جبابرہ کو شکست دینا۔ ان کو قتل کر کے ان کے ممالک پر قابض ہونا وغیرہا اللہ کے فضل و کرم سے نبی آخر الزمان کے جانشینان حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ میں کما حقہ پائے گئے۔ سب قوم نے بالاتفاق ان کی بیعت کی اور تصدیق کی —— اسے ہی اجماع سے تعبیر کیا جاتا ہے چونکہ اس بیعت و تصدیق سے ان کی خلافت اظہر من الشمس ہو گئی تو مجازاً اجماع کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ ورنہ حقیقۃً خلیفہ بنانے والے صرف اللہ ہیں۔ جیسے آیت استخلاف در سورہ نور میں اپنی طرف نسبت کی ہے۔ لیستخلفنهم فی الارض۔ جب وہ ایسے حالات و وسائل کا سلسلہ بنا دیتے ہیں جن سے خلافت ظاہر ہو جاتی ہے تو کبھی وسائل کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے۔ جیسے رازق معطی مذل ممیت محی۔ صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ مگر اسباب کی طرف مجازاً نسبت عرف میں جائز و مشہور ہے تبھی تو رزق عطیہ حیوٰۃ کا سبب بننے والوں کا شکر ادا کیا جاتا ہے اور ذلت و موت کا سبب بننے والوں کی مذمت کی جاتی ہے —— سب امت محمدیہ نے ان خلفاء راشدینؓ کے ماتحت ہو کر جہاد کیا جابر کفار کو شکست دی۔ انہیں قتل کیا اور ان کے ممالک کو ختم کر کے دعوت محمدی کو خوب پھیلایا۔

الحاصل یہ قصہ اور شیعہ کی پیش کردہ دلیل۔ اہلسنت کی زبردست برہان اور مذہب شیعہ پر سیف براں ہے کہ ان کے خیال میں وصی پیغمبر آخر الزمانؐ ہرگز کامیاب نہیں ہوا۔ امت نے ان کی بیعت و تصدیق نہ کی۔ ان کے ماتحت ہو کر کبھی کفار سے جہاد نہ کیا۔ نہ کافروں کا گز بھر رقبہ ہی فتح ہوا۔ بلکہ علی العکس بقول شیعہ ان کے ہاتھوں یہ مغلوب ہوئے۔ ان کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا گیا (جلاء العیون ص ۱۴۱)

ان کے حقوق تلف کیے گئے اور ان کی دعوت ہی تقیہ وخفاء کی نذر ہوگئی اور جبابرہ ان پر غالب ہوئے یہی وجہ ہے کہ تاہنوز شیعہ کا ماتم وشیون ختم نہ ہوا۔ شیعہ بھائیوں کو اگر مزید اصرار ہے تو ہم تاریخ کے بطون سے یہ امر بھی واشگاف کر دیتے ہیں کہ امم سابقہ میں بھی غیر نبی اگر خلافت کے منصب سے سرفراز ہوتا تو باقاعدہ شوریٰ واجماع سے ہوتا۔

علامہ ابن خلدون حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات سے بادشاہ طالوت تک بنی اسرائیل کے سیاسی نشیب وفراز کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

وکان امرهم شوریٰ نیختارون للحکم فی عامتهم من شاءوا ویدفعون للحرب من یقوم بها من اسباطهم ولهم الخیار مع ذلك علی من یلی شیئا من امرهم و تارة یکون نبیا یدبرهم بالوحی واقاموا علی ذلك نحوا من ثلثمائة سنة لم یکن لهم ملك مستفحل والملوك تناوشهم من کل جهة الیٰ ان طلبوا من نبیهم شمویل ان یبعث علیهم ملکا فکان طالوت ومن بعده داؤد فاستفحل ملکهم یومئذ وقهروا اعداءهم۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۶۸)

ان کا سیاسی نظام شوریٰ واجماع پر مبنی تھا وہ حکومت کے لیے عام لوگوں میں سے جسے چاہتے منتخب کرتے اور جنگ کے لیے اپنے اسباط واولاد میں سے کمانڈر بناتے اور انہیں اپنے حاکموں پر معزولی کا اختیار بھی تھا۔ کبھی ان کا حاکم پیغمبر ہوتا جو وحی کے ذریعے انتظام مملکت کرتا وہ اس طرز پر ۳۰۰ سال تک رہے۔ اس مدت میں ان کا مضبوط بادشاہ نہ ہو سکا۔ گرد ونواح کے بادشاہ ان پر چھپٹے تھے تا آنکہ انہوں نے اپنے پیغمبر شمویل سے بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا تو حضرت طالوت بنے۔ پھر حضرت داؤد بادشاہ ہوئے۔ اس وقت ان کی بادشاہی مضبوط ہوگئی اور یہ دشمنوں پر غالب ہوگئے۔

کیا یہ ۳۰۰ سال کا نظام مبنی بر شوریٰ سب باطل سمجھا جائے گا؟ حالانکہ کبھی پیغمبر وقت بھی اس منصب پر آتے رہے۔ اس تحقیق کے بعد اب ہم بھی شیعہ صاحبان سے پوچھتے ہیں۔

۱۔ کیا سابق کسی پیغمبر کی مثال مل سکتی ہے کہ اس کی وفات کے ساتھ ہی اس کی سب محنت ضائع اور امت مرتد ہوگئی ہو۔

۲. کیا کسی امت نے اپنے پیغمبر کے جانشین کا بھی انکار کیا اور اس پر غصب و ظلم کا الزام لگایا۔

۳. کیا کسی سابق امت نے بھی اپنے پیغمبر کے سب اصحاب و تلامذہ کو بے دین اور برا بھلا کہا۔

۴. کیا کسی سابق پیغمبر کا جانشین بھی اپنے مقاصد میں ناکام رہا اور مظلوم و مقہور رہا اور اس کی دعوت و وصایت تقیہ کے پردوں میں گم ہو کر رہ گئی۔

۵. کیا کسی پیغمبر کے رشتہ داروں اور امت میں بھی خلافت کے مسئلہ پر سر پھٹول ہوا یا تفرقہ بازی وجود میں آئی۔ اگر ان سب امور کا جواب نفی میں ہے۔ تو کس قدر حیرانی اور تعجب کی بات ہے کہ امم سابقہ تو اپنے پیغمبر کی تعلیم کی لاج رکھیں۔ سابقین امت کو مرتد و منافق کہہ کر اسے ضائع نہ کریں۔ جانشین پیغمبر کا انکار نہ کریں۔ اس پر غصب و ظلم کا الزام نہ لگائیں بلکہ ان کی بیعت و تصدیق کر کے ان کے ماتحت ہو کر جہاد کریں۔ ممالک فتح کریں۔ اپنے پیغمبر کی دعوت و تعلیم کو تقیہ کے غلاف میں چھپانے کے بجائے علی الاعلان تبلیغ کریں۔ اپنے پیغمبروں کو کامیاب و مطاع کہیں۔ ان کے کارناموں پر فخر کریں۔ مگر شیعہ اپنے پیغمبر کی تعلیم کو ناکام بتائیں۔ پیغمبر کے تمام اصحاب و تلامذہ کو منافق و مرتد کہیں۔ واقعی خلفاء پیغمبر کی بیعت و تصدیق کے بجائے افتراق و بغاوت کی طرح ڈالیں یا بقول خود سچے جانشین کو اپنے مقاصد میں ناکام اور دعوت کو مستور و مکتوم کہیں۔ انصاف سے آپ ہی بتلائیں کہ ان مسائل میں یہود و نصاریٰ کی فکر بہتر تھی یا شیعہ حضرات کی؟

ع ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی۔

باب دہم

کلمہ طیبہ اور چند فروعی مسائل

سوال ۲۱۴۔ عام ملاں شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ شیعہ علی ولی اللہ قرآن سے ثابت کریں۔ ارشاد فرمائیں کہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ تراویح۔ التحیات سبحانک اللھم۔ درود لکھی۔

درود تاج۔ نماز میں ہاتھ باندھنا۔ الٹا وضو۔ قوالی۔ قبروں پر حال کھیلنا۔ طبلے کی سُر تال پر سر مارنا گیارھویں شریف۔ عرس شریف بہشتی دروازوں سے گزرنا وغیرہ کس پارے اور رکوع سے ثابت ہے۔ علی ولی اللہ کو آیت ولایت اور آیت اولی الامر میں قدرت نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ اور حدیث مصطفےٰ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکتوب علی باب الجنۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ اخو رسول اللہ قبل ان یخلق اللہ السمٰوٰت والارض بالفی عام۔ مودۃ القربیٰ۔ ریاض النضرۃ۔ ینابیع المودۃ ص۲۵۔ تذکرۃ الخواص ص۲۵۔

اگر اس پر بھی نہ سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے۔

الجواب۔ اسلام میں کلمہ طیبہ کی جو اہمیت ہے وہ کسی عقلمند سے مخفی نہیں ہے کلمہ شہادت ہی وہ دروازہ ہے جس سے گزر کر ایک کافر مسلمان ہوتا ہے۔ مستحق دوزخ مستحق بہشت بنتا ہے دشمن خدا ولی خدا بن جاتا ہے۔ بے گناہ ایسا ہو جاتا ہے۔ مباح الدم محفوظ الدم ہو جاتا ہے۔ بلکہ پوری زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔ فکر کا رُخ اور احکام کی لائن ہی بدل جاتی ہے۔ کلمہ پڑھنے سے وہ کفار کی برادری سے نکل کر مسلمان برادری کا فرد بن جاتا ہے۔ سابقہ بیوی اس سے جدا (بشرط انکار از کلمہ) ہو جائے گی اور عزت مآب مسلمان خاتون کا اس سے نکاح درست ہو جائے گا۔ اس کی نابالغ اولاد بھی مسلمان سمجھی جائے گی۔ اس کی جان مال۔ عزت وغیرہ ہر چیز کا محافظ کلمہ ہوگا مرنے پر اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور تا قیامت اس پر مومنین اور ملائکہ رحمت کی دعائیں بھیجتے رہیں گے۔

چونکہ کلمہ انتہائی انقلابی پیغام ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد وحید اور مشن اصلی اسی کی تبلیغ تھی۔ باقی سارا دین اسی کے ضمن میں آجاتا تھا۔ کفار نے سب سے زیادہ ایذائیں انبیاء و مومنین صادقین کو اسی کلمہ کی بناء پر پہنچائیں اور تمام مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا۔ اسی کلمہ کی بدولت مسلمانوں نے کفار سے جہاد کر کے انہیں تہ تیغ کیا۔ خود عہد نبوی کے ابتدائی مکی دور میں صرف کلمہ طیبہ ہی کی تبلیغ و تلقین جاری رہی۔ بجز اس کے کہ کلمہ کے ماننے اور انکار کرنے والوں کو "عقیدہ آخرت" سنا کر انجام سے باخبر کیا جاتا تھا۔ دس سال کے بعد لیلۃ معراج میں صرف نماز پنجگانہ کی فرضیت ہوئی۔ پھر جہاد۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج۔ قربانی وغیرہ اسلام کے شعار تو مدینہ طیبہ

ہی ہیں اترے۔

جیسے عقیدہ توحید میں کمی بیشی مسلم و کافر کی تفریق پیدا کرتی ہے۔ عقیدہ رسالت میں حک و اضافہ کفر و اسلام کی جنگ برپا کر دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کلمہ طیبہ میں ترمیم و اضافہ اور نقص و کمال سے بجو دو فرقے پیدا ہوں گے ان میں سے ایک مسلمان ہوگا ایک کافر ہوگا۔ کیونکہ جب توحید و رسالت کی طرح کسی کا وحدت کلمہ پر ایمان و اتفاق نہیں وہ مسلم برادری کا فرد کیسے بنے۔ کلمہ طیبہ میں اختلاف کو ماننا یا ایسے جملہ کا اضافہ کرنا جو قرآن و سنت اور سبیل مومنین سے ہرگز ثابت نہ ہو۔ اپنے کفر کا کھلا اعتراف کرنا ہے۔ یا پھر ۹۵ بزعم سب دنیا کے ۹۰ کروڑ مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا ہے۔ اس قدر اہم۔ کفر و اسلام کے مابہ الامتیاز۔ اور تعلیمات نبویہ کی روح۔ کلمہ طیبہ کو ان مذکورہ فی السوال باتوں سے مشابہت کیسے دی جا سکتی ہے۔ یا موازنہ درست ہے جو فی نفسہا سنت یا مستحب ہیں اور ان کے ترک یا اظہار پر کفر و اسلام کے احکام متفرع نہیں ہوتے۔

ع فرقِ مراتب گر نکنی زندیقی۔

کفر و اسلام میں فارق کلمہ طیبہ ہو اور قرآن اس کا ذکر نہ کرے، یا سنت نبوی اسے نہ بتائے یا اس میں اختلاف کی گنجائش ہو؟ یہ ناممکنات میں سے ہے۔ مدارِ کفر و اسلام کلمہ طیبہ وہی ہے جس کا قرآنِ پاک نے بار بار اعلان کیا۔ پیغمبر خاتم النبیین نے عمر بھر اس کی تبلیغ کی اور ہزاروں کفار کو براہِ راست پڑھا کر حلقۂ اسلام میں داخل کیا۔ اور سب مسلمان تاہنوز اس پر اسی طرح متفق اور ایمان رکھتے ہیں جیسے توحید، رسالت، قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب آیئے اور معلوم کیجیے کہ خدا و رسولؐ اور تمام مسلمانوں کا مصدقہ کلمہ کون سا ہے جس سے فرقہ شیعہ کو اختلاف ہے اور اسے ناقص مانتے ہیں۔

کلمہ اہلسنت ہی قرآن نے سکھایا

متفقہ کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی قرآن نے سکھلایا ہے۔ اس کے دو جز ہیں۔ توحید کا اقرار جسے لا الہ الا اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور رسالت محمدیہ کا اقرار جسے محمد رسول اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

متعدد الفاظ و تعبیرات میں قرآن پاک نے سینکڑوں آیات میں اس کلمہ کو بیان فرمایا ہے مثلاً توحید کے سلسلہ کی آیات کا نمونہ مع ترجمہ مقبول یہ ہے۔

۱- وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (بقرہ ۱۹)	اور تمہارا معبود معبود یکتا ہے۔ سوائے اس رحمان و رحیم کے اور کوئی معبود نہیں ہے۔
۲- اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (نساء ۲۳)	اللہ تو وہی یکتا معبود ہے۔
۳- لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (نحل ۶)	دو خدا نہ بناؤ، سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ معبود یکتا ہے۔
۴- وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ (آل عمران ۶)	اور سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے۔
۵- تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا (آل عمران ۷)	ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مساوی ہے کہ ہم سوائے خدا کے کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ اسکا کسی کو شریک بنائیں۔
۶- قُلْ اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (ص ۴)	تم کہہ دو میں تو صرف ایک ڈرانے والا ہوں اور سوائے خدا یکتا و زبردست کے کوئی اور معبود نہیں ہے۔
۷- لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (فاطر ۱)	سوائے اس کے کوئی معبود نہیں ہے پھر تم کدھر بہکے چلے جاتے ہو۔
۸- اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ (یونس ۹)	جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔
۹- لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (اعراف ۳)	سوائے اس کے اور کوئی معبود نہیں ہے وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔
۱۰- هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (حشر ۳ تین مرتبہ)	وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں چھپی اور کھلی کا جاننے والا۔
۱۱- لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ (انبیاء ۶)	سوائے تیرے کوئی معبود نہیں ہے تو پاک ہے۔
۱۲- اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ (طٰہٰ ۱)	یقیناً خدا میں ہی ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔

۱۳۔ اِنَّھُمْ کَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ (صافات ۲۶)

جب ان سے کہا جاتا تھا کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے تو یہ اکڑا ہی کرتے تھے۔

۱۴۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ (آیۃ الکرسی)

اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ اور قائم ہے۔

۱۵۔ فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (پ ۲۶/۶)

اس بات کا یقین رکھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

رسالتِ محمدیہ پر نمونہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ وَاِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (بقرہ ۳۳۶)

اور بے شک تم رسولوں میں سے ہو۔

۲۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (یٰس ۱)

حکمت والے قرآن کی قسم ہے۔ یقیناً تم ان رسولوں میں سے ہو۔

۳۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (اعراف ۲۰۲)

اے آدمیو میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام لانیوالا ہوں۔

۴۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ (منافقون)

اور اللہ بھی یہ جانتا ہے کہ تم بے شک اس کے رسول ہو۔

۵۔ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ۔ (آلِ عمران ۹۴)

پھر ایک رسول تمہارے پاس والی چیزوں کی تصدیق کرتا آئے گا تم ضرور بہ ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

کہا جاتا ہے کہ اسمِ محمدؐ کی صراحت کے ساتھ یکجا تذکرہ دکھانا چاہیئے۔ تو وضاحت یہ ہے کہ پارہ ۲۶ میں "محمد" نام کی مستقل سورت موجود ہے۔ اس کی دوسری آیت میں رسالت محمدؐ کو یوں ذکر فرمایا ہے۔

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ

(اور وہ نیک لوگ) ایمان لائے جو کچھ کہ محمد مصطفیٰؐ پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے پروردگار

کی طرف سے حق ہے۔

اور دوسرے رکوع میں توحید کا اعلان یوں کیا ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ — پس یہ سمجھ لو کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔

اور اس سے متصل سورت فتح میں کلمہ رسالت یوں سکھلایا گیا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ — محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو بھی حقیقتاً ان کے ساتھی ہیں وہ کافروں پر بھاری ہیں اور آپس میں رحم دل۔

اپنے اپنے موضوع میں یکجا ذکر اظہر من الشمس ہے۔

بلکہ کئی آیات میں یکجا ذکر فرمایا ہے مثلاً۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ — اور ہم نے تم سے پہلے ایک رسول بھی ایسا نہ بھیجا کہ اس کی طرف ہم یہ وحی نہ کرتے رہے ہوں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم میری ہی عبادت کیا کرو۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَاِۨ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اعراف) — تم کہہ دو کہ اے آدمیو! میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام لانے ہوں۔ وہی خدا جس کا اختیار آسمان میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ سوائے اس کے اور کوئی معبود نہیں۔

الغرض سینکڑوں آیات صرف کلمہ توحید و کلمہ رسالت کی ہی تعلیم دیتی ہیں۔ ایک آیت بھی قرآن پاک میں ایسی نہیں تبلائی جا سکتی جس میں حضرت علی رض اور آپ کی اولاد کی امامت کا ذکر ہو۔ یا لفظ علی کو مبتدا بنا کر۔ ولی اللہ اس کی خبر بنائی گئی ہو۔ یا وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل کے خودساختہ الفاظ کا اشارہ بھی ملتا ہو جو شیعہ کا مخصوص کلمہ ہے اور اسی کے اقرار پر ایمان و کفر کی ان کے دارالافتاء سے سند ملتی ہے۔

اگر شیعہ عقیدہ امامت اصول دین میں سے ہوتا تو توحید و رسالت کے برابر سینکڑوں

آیات کریمہ میں اس کا ذکر ملتا ۔ امنوا باللہ و رسولہ کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد کے اسمائے گرامی بھی ملتے ۔ جیسے ایک ہی آیت میں علی ولی اللہ کی صراحت ہی مل جاتی ۔ اگر امامت اصولِ دین سے ہوتی تو ہر پیغمبر اس کے ساتھ مبعوث ہوتا ۔ ان کے کلموں کے ساتھ امام کا کلمہ بھی ہوتا ۔ مگر تاریخ کا ایک ایک ورق اس کے خلاف کہتا ہے ۔ مثلاً پہلے انبیاء علیہم السلام کے کلمے صرف اسی قدر تھے ۔

لا الہ الا اللہ آدم صفی اللہ ۔ لا الہ الا اللہ نوح نجی اللہ ۔ لا الہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ ۔ لا الہ الا اللہ اسماعیل ذبیح اللہ ۔ لا الہ الا اللہ موسیٰ کلیم اللہ ۔ لا الہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ ۔

گویا لا الہ الا اللہ سب انبیاء کا متفقہ کلمہ تھا ۔ جزِ ثانی میں رسالت کے بجائے دوسرے اوصاف کا ذکر فرمایا ۔ اور آخری پیغمبر کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فرما کر قصرِ رسالت کی تکمیل اور متوازی عقیدہ امامت کی بیخ کنی کر دی ۔ اگر امامت اصولِ دین میں سے ہوتی یا جزوِ کلمہ بننے کی صلاحیت رکھتی تو کبھی اس کے اخفاء اور تقیہ و کتمان کا حکم نہ ملتا ۔ حضرت جبریل کے سوا سب فرشتے ، حضورؐ کے سوا سب انبیاء کرام ، حضرت علیؓ کے سوا سب اہلِ بیت اس رازِ سربستہ سے بےخبر نہ رکھے جاتے ۔ اور ظاہر کرنے والوں کو اصحابِ غدر و مکر ، بے وقوف بلکہ بے دین ذلیل اور نورِ آخرت سے محروم نہ کہا جاتا ۔ جیسے کہ اصول کافی باب الکتمان ص ۴۲۱ سے ان سب امور کی صراحت سابقاً ذکر ہو چکی ہے ۔ بلکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی طرح بچہ بچہ کی زبان سے اس کا اعلان کرایا جاتا ۔

شیعی شبہات کا ازالہ

شیعہ معترض کا یہ جملہ کہ علی ولی اللہ کو آیتِ ولایت اور آیت اولی الامر میں قدرت نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے صریح جھوٹ ہے ۔ آیت ولایت مع شیعی ترجمہ یہ ہے ۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ (مائدہ ۸۶)

سوائے اس کے نہیں کہ حاکم تمہارا اللہ ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو اللہ کو اور اس کے رسول کو دوست رکھے گا وہ گروہ خدا میں داخل ہیں اور گروہِ خدا

ہمیشہ غالب رہیں گے۔

اگرچہ مولوی مقبول مترجم نے ترجمہ میں دو غلطیاں کی ہیں۔ ایک یہ کہ وہم راکعون کا ترجمہ اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں کیا حالانکہ رکوع و زکوٰۃ دو مختلف حکم ہیں۔ ایک میں انہماک دوسرے کی طرف توجہ سے مانع ہے۔ نماز و رکوع میں توجہ صرف الی اللہ چاہیئے۔ سائل کے سوال کی طرف توجہ خشوع کے منافی اور ادائیگی عمل کثیر کی بنا پر مفسدِ نماز ہے۔ یہاں وہم راکعون کا جملہ مندرجہ ذیل آیات کی طرح ہے۔

۱۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ (حج)	اے ایمان والو ارکوع کرو۔ سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔
۲۔ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ	اے مریم اپنے رب کے آگے جھک جا۔ سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔
۳۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ۔	اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

دوم یہ کہ والذین امنوا کا ترجمہ ہی ہضم کر گئے جس سے حضرت علیؓ کی مراد لیتے ہیں تاہم الفاظِ قرآنی اور ترجمہ میں شیعہ کا کلمہ علی ولی اللہ الخ کا اشارہ بھی نہیں ہے۔

شیعہ بڑی چالاکی سے اس آیت کا شانِ نزول حضرت علیؓ کے حق میں مانتے ہیں۔ اور حالتِ رکوع میں انگوٹھی زکوٰۃ میں دینے کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ مگر یہ بوجوہ باطل ہے۔

اولاً یہ قصہ ضعیف قسم کی تفسیروں میں ثعلبی کی روایت سے بتایا جاتا ہے۔ ثعلبی اور اس کا شاگرد واقدی اور اسی طرح فقیہہ ابوالمغازلی حاطب لیل اور کمزور ہیں۔ ان کی مولفات موضوعات واکاذیب کا پلندہ ہیں۔ (المنتقی ص ۶۱۲) ان کے علاوہ کسی سندِ صحیح سے حضرت علیؓ کے حق میں شان نزول مذکور نہیں بلکہ سیاق وسباق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں شاہد ہے۔ یا عام مومنین مراد ہیں جن میں حضرت علیؓ بھی داخل ہیں۔ جیسے عبدالملک نے امام باقرؒ سے اس کی تفسیر میں پوچھا تو فرمایا اس سے سب مومن مراد ہیں۔ اس نے کہا بعض لوگ حضرت علیؓ مراد لیتے ہیں یہ سن کر امام باقرؒ نے فرمایا۔ اہل ایمان میں علیؓ بھی شامل ہیں۔ ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔ علی

بن طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے ناقل ہیں کہ سب مومن و مسلم اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں (المنتقی ص ۶۱۲)
ثانیاً والذین امنوا وغیرہ جمع کے صیغوں سے حضرت علیؓ کو مراد لینا بداہتہً غلط ہے ورنہ حضرات حسنینؓ، فاطمہؓ اور ابوذرؓ وغیرہ مومنین کاملین اس سے خارج ہوں گے اور ان سے دوستی بشرعاً روا و مفید نہ ہوگی کیونکہ انما کا کلمہ حصر تخصیص چاہتا ہے۔
ثالثاً۔ عہدِ نبوی میں باتفاق مورخین حضرت علی المرتضیٰؓ صاحب نصاب نہ تھے نہ آپ پر زکوٰۃ فرض تھی۔ پھر وہ علی الخصوص یؤتون الزکوٰۃ کا مصداق کیسے بنے؟
رابعاً۔ اگر صرف حضرت علیؓ مراد ہوں اور ولایت و محبت صرف ان سے واجب ہو تو فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ بلاشبہ اللہ کی جماعت غالب ہونے والی ہے کی پیشینگوئی باطل ہو گی۔ کیونکہ تاہنوز ولایتِ علیؓ کے مدعی شیعہ حضرات غالب نہیں ہوئے۔ بلکہ ان کے اعتراف کے مطابق قرونِ ماضیہ میں ان پر وہ عذابات (خداوندی) ٹوٹے جن کا اثر آج تک محو نہیں ہوا۔
تو معلوم ہوا کہ والذین امنوا سے مراد تمام صحابہ کرامؓ ہیں جن کی کامیابی، غلبہ اور نجات کی اس آیت میں پیشینگوئی دی ہے اور انہیں حزب اللہ فرمایا ہے۔

اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں، سنو اللہ کا لشکر ہی (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہونے والا ہے۔

جو بالاتفاق عہدِ مرتضوی تک تمام دنیا پر غالب و حکمران بنے اور ان کے پیروکار آج تک غالب ہیں اور شیعہ کا دعویٰ ہے کہ شہادتِ عثمانؓ تک سب امت نے حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تو امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ایک گروہ حضرت علیؓ کا معاون تھا۔ دوسرا مخالف۔ تیسرا غیر جانبدار تھا۔ شیعہ کا یہ بھی اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کا معاون گروہ (شیعہ) مغلوب و مقہور رہا۔ اور مخالف و غیر جانبدار گروہ غالب رہے۔ اگر آیت ہٰذا سے شیعہ کا استدلال اور تفسیر درست ہوتی تو ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ الغرض اس آیت کریمہ کو کلمہ طیبہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر کوئی سینہ زوری سے کشید کرے تو یوں بنے گا۔ لاولی لکم الا اللہ ورسولہ والمومنون۔ ظاہر ہے کہ یہ نہ شیعہ کا کلمہ ہے نہ اس سے کلمہ کی غرض و غایت شہادتین کا اعتراف حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح مندرجہ ذیل آیت اولی الامر سے بھی کلمہ ثابت نہیں ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ الخ (نساء ۸)	اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو اس کے رسول کی۔ اور اپنے میں سے صاحبانِ اختیار کی اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے خدا اور رسولؐ کی طرف لوٹاؤ۔

اس آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ آخر اس میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ، بلا فصل کا کون سا جملہ ہے۔ یا کون سا لفظ اس پر دال ہے۔ کیا یہ صراحۃً افتراء علی اللہ نہیں ہے جو صرف کفار کا شیوہ تھا جیسے ارشاد ہے۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر بھی جھوٹ بولے۔ اگر اپنی موضوع روایات کے پیش نظر اولی الامر میں حضرت علیؓ کو شامل مانا جائے تو قطع نظر اس سے کہ وہ روایات اور ایسا استدلال ہرگز اہل سنت کے لائق توجہ نہیں۔ یہاں سے کلمہ یہ بنے گا۔ لاطاعۃ الا اللہ ولرسولہ ولاولی الامر منکم۔ ظاہر ہے کہ اسے کلمہ طیبہ اور اس کے مفہوم سے ذرا تعلق نہیں۔ نیز اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے۔ ان سے اختلاف ممکن ہے۔ تنازع کی صورت میں ان سے اعراض کر کے خدا اور رسولؐ کی طرف لوٹنا اور فریقین کی بات کو قرآن و سنت پر پرکھنا واجب ہے حالانکہ صاحب کلمہ وہ ہستی ہوتی ہے جس کی بات مطلقاً حجت ہو اور اس سے اعراض و انکار کی ذرا گنجائش نہ ہو۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا خاصہ ہے لہٰذا انہی کے نام پر یہ کلمہ چلے گا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

کلمہ طیبہ پر کتب شیعہ سے ۱۵ شہادتیں

کلمہ اہلسنت ہی رسول اللہؐ نے سکھلایا

قرآن کے بعد اب سنتِ نبویؐ کو دیکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین پر مشتمل یہی کلمہ سب دنیا کو پڑھایا سکھایا تھا۔

ا۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اسلام لاتے وقت حضورؐ و حضرت علیؓ نے یہ پڑھایا۔

تشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله فقلت اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله۔

(روضہ کافی ص ۲۹۸)

تو لا اله الا الله محمد رسول اللہ کی گواہی دے میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔

۲۔ اللہ نے پھر وحی کی کہ اے محمدؐ لوگوں کے پاس جاؤ اور کہو کہ وہ لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کریں۔ (حیات القلوب ج ا ص ۳)

۳۔ جب اللہ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی اجازت دی تو حضورؐ سے یوں اعلان کروایا۔

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده و رسوله واقام الصلوٰة وایتاء الزكوٰة و حج البيت وصيام شهر رمضان۔

(اصول کافی ج ۲ ص ۱۸)

اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔ ۱۔ اس بات کی گواہی کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں ۲۔ نماز قائم کرنا۔ ۳۔ زکوٰۃ دینا ۴۔ حج بیت اللہ کرنا۔ ۵۔ رمضان کے روزے رکھنا

یہاں نہ شیعی امامت کا ذکر ہے نہ خمس وغیرہ شیعہ کے مخصوص احکام کا جس سے معلوم ہوا کہ اصلی اسلام وہی ہے جو اہلسنت کا ہے۔ اور حدیث جبریل کے عنوان سے اسی طرح ارکانِ اسلام کا ذکر بخاری، مسلم وغیرہ کتب اہلسنت میں متواتر ہے۔

۴۔ جب آپؐ خلعت نبوت سے سرفراز ہو کر غار حرا سے گھر پہنچے تو حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔

بگو لا اله الا الله محمد رسول الله

تو لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لے اور قریش کو بھی شہادتین کی دعوت دی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۶۳)

۵۔ اسعد نامی مدینہ کے ایک شخص سے حضورؐ نے فرمایا۔

شمارا میخوانم بسوئے شهادت بوحدانیت خدا و پیغمبری من (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۵)

میں تم کو خدا کے ایک ہونے کی گواہی اور پیغمبری کی گواہی کی دعوت دیتا ہوں۔

۶۔ فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے حضرت ابو سفیانؓ والد معاویہؓ کو شہادتین کی تلقین کی تو وہ یہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

فقال اشهد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶۴)

تو اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔

۷۔ ایک سفر میں ایک لاغر اعرابی کو آپؐ نے اسی کلمہ کی تلقین کی۔

بگو اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا رسول اللہ (حیات القلوب ص ۵۶۵)

۸۔ ایک یہودی لڑکے نے حضورؐ سے گفتگو کی اور پھر شہادتین کا کلمہ پڑھنے لگا (ایضاً)

۹۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من کن فیہ کان فی نور اللہ عز وجل من کان عصمۃ امرہ شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ۔ (من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۵۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس میں چار باتیں ہوں گی وہ اللہ عز وجل کے نور میں ہوگا۔ جس کے عقیدہ کی ڈھال خدا کی توحید اور حضورؐ کی رسالت کی گواہی ہو۔

۱۰۔ سید الشہداء حمزہؓ کو حضورؐ نے اسی کلمہ کی ترغیب دی تو وہ بول اٹھے۔

اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۵۷)

سنتِ نبوی کی دس شہادتوں کے بعد صحابہ اہلبیتؓ کی شہادتیں ملاحظہ ہوں۔

صحابہ اہلبیتؓ نے بھی یہی کلمہ پڑھا پڑھایا

وفات کے وقت حضرت سلمان فارسیؓ نے یہ کلمہ پڑھا۔

۱۱۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ (حیات القلوب ص ۶۵۵)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

۱۲۔ حضرت علیؓ نے خندق کے موقعہ پر عمرو بن ود کو اسی کلمہ کی دعوت دی تھی (کشف الغمہ ص ۲۶۲) نیز اپنے اور اہل شام کے درمیان اسی کلمہ کی وحدت کا ذکر فرمایا تھا۔

والظاہر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ ولا نستزیدہم

حالانکہ ظاہر ہے ہمارا رب ایک ہے اور ہمارا نبی ایک ہے ہماری اسلام میں دعوت ایک ہے

فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ و لا یستزیدوننا الامر واحد (نہج البلاغۃ ج ۳ ص ۱۲۵)

ہم ان سے خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے میں زیادتی کا مطالبہ نہیں کرتے نہ وہ ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں (بجز دمِ عثمانؓ کے اختلاف کے) ہر بات میں ہم متفق ہیں۔

آپ نے یہاں امامت کا ذکر نہیں کیا معلوم ہوا یہ خود ساختہ عقیدہ ہے۔

۱۳- جب ابو سفیانؓ شفاعت کرانے کے لیے اہلِ بیت کے ہاں پہنچا تو حضرت حسنؓ ۱۴ ماہ کے بچے نے کہا۔

بگو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تا من شفاعت کنم نزد جد خود (حیات القلوب ص ۲۴۵)

تو یہ کلمہ پڑھ لے تا کہ میں تیری اپنے نانا کے ہاں سفارش کروں۔

۱۴- ایک شخص نے حضرت حسنؓ سے پوچھا اسلام کیا ہے تا کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

حضرت فرمود بگو اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ (ایضاً ص ۲۴۸)

تو حضرت حسنؓ نے فرمایا تو کہہ دے کہ میں اللہ کی توحید اور حضرت محمدؐ کی عبدیت و رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔

حضرت باقرؒ و جعفرؒ نے بھی یہی کلمہ سکھلایا

۱۵- لان اصل الایمان انما ھو شہادتان فجعل شہادتین کما جعلہ فی سائر الحقوق شاھدان فاذا اقر العبد للہ عز وجل بالواحدانیۃ واقر للرسول صلی اللہ علیہ وسلم بالرسالۃ فقد اقر بجملۃ الایمان (من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۲۰۰ بحوالہ منہاج التبلیغ)

کیونکہ ایمان کی جڑ خدا اور رسولؐ کے وجود کی شہادت ہے۔ جیسے سب حقوق میں دو گواہ معتبر ہیں اسی طرح ایمان میں یہ دو گواہیاں معتبر ہیں۔ جب بندہ خدا کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لیتا ہے تو وہ تمام ایمان کا اقرار کر لیتا ہے۔

۱۶- قال الصادق علیہ السلام لقنوا موتاکم شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ (من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۴۵)

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اپنے مردوں کو یہ کلمہ یاد دلایا کرو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

۱۷-عن ابی عبد اللہ قال کان ذٰلك الکنز لوحا من ذھب فیه مکتوب بسم اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (تفسیر قمی ج۲)

امام جعفر فرماتے ہیں ان (یتیموں) کے خزانے میں ایک سونے کی تختی تھی جس میں بسم اللہ کے ساتھ یہ کلمہ لکھا تھا۔

آئمہ ولادت و وفات کے وقت اہلسنت کا کلمہ پڑھتے تھے

۱۸-حضرت ابو طالب کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے

پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا اور یہ کہا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ (تحفۃ الابرار ص۲۸)

۱۹-حضرت علیؓ نے وفات کے وقت یہی کلمہ پڑھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کرلیں۔ (کاروان اسلام ص۱۹۹ از رئیس احمد جعفری)

۲۰-بروایت جلاء العیون ص۵۱۵ حضرت صادقؒ نے ولادت کے وقت کلمہ شہادتین زبان پر جاری فرمایا۔ آپ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے (چودہ ستارے ص۲۵۳)

۲۱-امام موسیٰ کاظمؒ نے بھی ولادت کے وقت یہی کلمہ پڑھا جیسے حضورؐ نے پڑھا تھا (جلاء العیون ص۲۷)

۲۲-امام نقی نے بھی یہی کلمہ تیسرے دن آنکھیں کھول کر پڑھا (جلاء العیون ص۳۷)

۲۳-امام العصر حضرت مہدی نے بھی ولادت کے وقت یہی کلمہ پڑھا۔

حضرت صاحب العصر ہمچوں دیگر آئمہ شہادتین فرمود (جلاء العیون ص۵۸)

حضرت امام مہدی نے دیگر آئمہ کی طرح خدا و رسولؐ کی گواہی والا کلمہ پڑھا۔

۲۴-حضرت مہدی کی ماں پہلے مشرکہ تھی۔ پھر اہلسنت کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئی چنانچہ جلاء العیون کی روایت ہے کہ وہ حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کو خواب میں ملیں اور شکایت کی کہ امام حسن عسکری مجھ پر ظلم کرتا ہے اور مجھے دیکھنا نہیں چاہتا پس حضرت فاطمہؓ نے فرمایا وہ تجھے کیسے دیکھے حالانکہ بخدا شرک بیاوری و بر مذہب ترسائی پس بگو اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان ابی رسول اللہ۔ حالانکہ تو خدا کے ساتھ شرک کرتی ہے۔ اور عیسائی مذہب پر ہے۔ تو گواہی دے کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور میرے باپ (محمدؐ) اللہ کے رسول ہیں۔ یہی خاتون حضرت حسن عسکری کی بیوی اور صاحب الامر امام زمان کی ماں ہیں (جلاء العیون ص۵۸۲)

یہاں تک ۲۴ دلائلِ قاہرہ سے ثابت ہوچکا کہ مکلفین کا یہ مقدس ترین گروہ جو عند الشیعہ حجۃ اللہ ہیں سب اہلِ سنت کا مذہب رکھتے تھے۔ یہی کلمہ شہادتین پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ اسی پر جیتے اور مرتے تھے۔ یہی ان کی زندگی کا مشن تھا اگر یہ کلمہ ناقص یا ادھورا ہوتا تو وہ کبھی یہ کلمہ نہ پڑھتے پڑھاتے۔ بلکہ شیعہ کا مکمل کلمہ پڑھتے پڑھاتے۔ کلمہ اہلسنت پر اعتراض اور اس سے اعراض دراصل خدا اور رسولؐ سے انکار اور مذہبِ اہلبیتؓ سے دشمنی ہے۔ اللہ تعالیٰ شیعہ کو کفر کے اندھیرے سے نکال کر ہدایت کی روشنی نصیب کرے۔

سب کائنات یہی کلمہ پڑھتی ہے

اب کائنات کی دیگر اشیاء کی شہادات بھی ملاحظہ ہوں۔

۲۵۔ ایک فرشتہ غیب نے آواز دی کہ اے گرجوں اور صوامع والو۔ یہود و نصاریٰ۔

ایمان آورید بخدا و رسولؐ او محمدؐ کہ نزدیک شد بیرون آمدن او (حیات القلوب ص۵۸)

ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول محمدؐ پر جس کے دنیا میں آنے کا وقت قریب آگیا ہے۔

۲۶۔ حضورؐ کی بشارت دینے والے دس ہزار فرشتوں کی قندیلوں پہ لکھا ہوا تھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (حیات القلوب ص۵۸)

۲۷۔ حضرت جبریل علیہ السلام چار جھنڈے زمین پہ لائے۔ سبز عَلم زمین پہ گاڑا اس پر سفیدی سے دو سطروں میں لکھا تھا۔ لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص۵۹ بحوالہ منہاج التبلیغ)

۲۸۔ زمانہ طفولیت میں پہاڑوں اور جنگلوں نے آپ پر یوں سلام کیا۔

السلام علیک یا صاحب القول العدل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(حیات القلوب ج ۲ ص۶۲)

۲۹۔ تخلیقِ آدم کے وقت حضرت اسرافیلؑ نے ایک مہر نکالی جس کی دو سطروں میں یہی کلمہ لکھا تھا اور وہ مہر حضور (حضرت آدمؑ) کے کندھوں پر نقش فرمادی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص۴۲)

۳۰۔ بعثتِ محمدیؐ سے قبل تمام پرندوں، فرشتوں اور درختوں نے کہا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص۱۰۱)

۳۱۔ حضورؐ کی چاندی کی انگوٹھی پر یہی کلمہ لکھا تھا اور ایک دوسری پر صدق اللہ لکھا تھا۔

(ایضاً ص ۱۰۹)

۳۲۔ عرشِ الٰہی پر یہی کلمہ لکھا ہوا تھا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا (حیات القلوب ص ۱۴۱)

۳۳۔ شب معراج میں اسی کلمہ شہادتین کی آپ نے ملاءِ اعلیٰ میں گواہی دی (حیات القلوب ص ۲۸۱)

۳۴۔ مہر نبوت پر یہی کلمہ تھا۔ جو آپ کے کندھوں کے مابین تھی۔ ایک سطر میں لا الٰہ الا اللہ دوسری میں محمد رسول اللہ لکھا تھا۔ (حیات القلوب)

۳۵۔ بہشت سے کچھ لالٹینیں لائی گئیں۔ اور ہر قندیل پر نوشتہ تھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (ایضاً ج ۲ ص ۵۹)

۳۶۔ گرگوں نے آپ کو گزرتے دیکھا تو یہی کلمہ شہادتین پڑھا۔ (حیات القلوب ص ۲۱۵)

۳۷۔ تقدیر کی قلم نے بھی بحکم وحی یہی کلمہ رقم فرمایا۔

و بسوئے قلم وحی نمود کہ بنویس توحید مرا پس قلم ہزار سال مدہوش گردید از شنیدن کلام الٰہی و چوں بہوش باز آمد و گفت پروردگارا چہ چیز بنویسم فرمود کہ بنویس لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲)

اللہ نے قلم کو وحی کی کہ میری توحید لکھ پس قلم پر کلامِ الٰہی سننے سے ہزار سال بیہوش رہا۔ جب ہوش میں آیا تو پوچھا اے پروردگار کیا چیز لکھوں۔ اللہ نے فرمایا لکھ۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

۳۸۔ براق کی پیشانی پر یہی کلمہ لکھا تھا۔

مکتوب بین عینیہ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد رسول اللہ۔

(احتجاج طبرسی ص ۲۸)

۳۹۔ جب آپ کسی سنگریزے کو ہاتھ لگاتے تو وہ گواہی دیتا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (تاریخ الائمہ ص ۱۲ بحوالہ منہاج التبلیغ ص ۲۶۰)

۴۰۔ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں بخدا میں نے جنگلوں میں ہرن دیکھے۔ کہ تسبیح و ذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مے گفتند۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۶)

اذان واقامت وغیرہ میں کلمہ طیبہ

رسالت محمدیہ کا ذکر ہر اس چیز میں ہے جہاں خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ حیات القلوب میں کیا خوب لکھا ہے۔ اور اللہ کا ارشاد ہے ورفعنا لک ذکرک اور ہم نے تیرا ذکر تیرے لیے بلند کر دیا پس کوئی آدمی اخلاص کے ساتھ کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ کی آواز بلند نہیں کرتا مگر وہ محمد رسول اللہ کی شہادت کی بھی آذان میں۔ اقامت میں۔ نماز میں۔ عیدوں میں۔ جمعہ میں۔ اوقات حج میں اور خطبہ نکاح میں ضرور آواز بلند کرتا ہے (حیات القلوب ج ۱ ص ۱۳۵)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ورفعنا لک ذکرک کے تحت آذان۔ اقامت۔ خطبہ۔ کلمہ تشہد وغیرہ میں صرف توحید و رسالت کی شہادت ہو گی۔ امامت وغیرہ کا ذکر خالص بدعت اور حرام ہو گا چنانچہ تیسری چوتھی صدی میں جن غالی دین دشمنوں نے آذان میں شہادت رسالت کے بعد اشہد ان علیا امیر المؤمنین الخ سے اضافہ کیا تو معتبر شیعہ علماء نے ان پر لعنت و پھٹکار برسائی۔ چنانچہ شیعہ کی معتبر اور اصح کتاب من لا یحضرہ الفقیہ باب الاذان میں اہلسنت کی طرح آذان ذکر کر کے یہ لکھا ہے والمفوضۃ لعنہم اللہ زاد وافی الاذان اشہد ان علیا امیر المومنین و خلیفتہ بلا فصل الخ - کہ مفوضہ پر اللہ کی لعنت ہو۔ انہوں نے یہ الفاظ اذان میں بڑھا دیے۔ اور فروع کافی باب بدء الاذان والاقامۃ میں ہے کہ جو شخص مؤذن کو اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا رسول اللہ کہتے سنے اور پھر یہی کلمہ دہرائے اور ان پر ہی اکتفاء کرے (یعنی تیسری شہادت امامت کا ذکر نہ کرے)، تو اس کو بڑا ثواب ملے گا۔ اس باب میں شیعہ کی امامت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ضمنا نفی کی گئی ہے۔

شہادتین کا کلمہ ہی کامل ایمان ہے

۲۔ امام جمیل بن دراج نے ایمان کے متعلق حضرت صادقؒ سے پوچھا

فقال شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ قال الیس ھذا عمل قال بلیٰ قلت فالعمل من الایمان قال لا یثبت لہ الایمان الا بالعمل والعمل

تو آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی۔ راوی نے پوچھا کیا یہ عمل نہیں ہے؟ فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے کہا کیا عمل بھی ایمان سے ہے تو فرمایا ایمان ثابت نہیں ہوتا بغیر عمل

الامنہ (کافی ج ا صفحہ ۵۵) کے اور عمل ثابت نہیں ہوتا بغیر ایمان کے۔

۴۳۔ ایک دن حضرت جبریلؑ بصورت اعرابی خدمتِ رسولؐ میں آئے۔ حضرتؐ نے ان کو نہ پہچانا۔ انہوں نے پوچھا۔ اے محمدؐ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا اللہ۔ یوم الآخرت۔ ملائکہ۔ کتب۔ انبیاء۔ بعث بعد الموت پر ایمان لانا۔ کہا سچ کہتے ہو۔ اور اسلام کیا ہے؟ فرمایا کلمہ شہادت لا الٰہ الا اللہ اور محمد عبدہ و رسولہ زبان پہ جاری کرنا۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔ بیت اللہ کا حج کرنا۔ جبریلؑ نے کہا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ (تحفۃ الابرار ترجمہ جامع الاخبار از ابنِ بابویہ قمی صفحہ ۵۵)

اس حدیثِ جبریلؑ میں جو باتیں مذکور ہیں وہی اہلِ سنت کا مذہب ہیں۔ شیعہ کی مخصوص باتیں اس میں ہرگز نہیں۔ معلوم ہوا مذہبِ اہلِ سنت اور ان کا کلمہ خدا کی تعلیم پر قائم ہے۔

۴۴۔ حضرت جبریلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اس وقت آئے جب وہ آگ میں پھینکنے کے لیے منجنیق میں رکھے ہوئے تھے تو کہا کیا آپ کو مجھ سے کوئی حاجت ہے فرمایا خاص تم سے کوئی حاجت نہیں۔ پروردگارِ عالم سے ضرور حاجت ہے اس وقت جبریل امینؑ نے ایک انگشتری ان کے حوالے کی جس میں یہ لکھا تھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ الجأت ظهری الی اللہ وفوضت امری الی اللہ۔ (میں نے اپنی پشت اللہ کی پناہ میں دی اور معاملہ اسی کے سپرد کر دیا) پس خدا نے آگ کو حکم دیا۔ یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا (حاشیہ ترجمہ مقبول صفحہ ۳۹۲)

معلوم ہوا۔ اسی کلمہ اہلِ سنت کی برکت سے اللہ نے مہربانی فرمائی غیر اللہ سے مدد مانگنا اور یا علی مدد کے نعرے لگانا ملتِ ابراہیمی میں شرک ہوا۔

۴۵۔ تفسیر عیاشی اور الخصال میں جناب رسولِ خدا سے یہ حدیث مروی ہے کہ جس شخص میں یہ چار خصلتیں ہوں گی اس کو خدا کے سب سے بڑے نور میں جگہ ملے گی اس کے ایمان کی سپر یہ کلمہ ہو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ترجمہ مقبول صفحہ ۴۵)

۴۶۔ حضرت علیؓ قیامت میں یہی کلمہ پڑھیں گے۔ یقول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۱۹)

۴۷۔ قیامت کے دن حضورؐ کے ہاتھ میں جو لواء الحمد ہو گا اس کی تین سطروں میں بسم اللہ، الحمد

للہ رب العالمین اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوگا۔ (کشف الغمہ ص ۳۴)

شیعہ علماء کا اعتراف حقیقت

۴۸۔ قاضی نور اللہ شوستری ایک نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اول آنکہ اسلام مبنی است بر اصل شہادتین شہادت واحدانیت و شہادت رسالت.... و یا اینکہ ہر یک از کلمات لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ دوازدہ حرف است (مجالس المومنین ج ۲ ص ۱۷)

پہلا یہ کہ اسلام مبنی ہے دو گواہیوں کی جڑ پر۔ توحید کی گواہی اور رسالت کی گواہی۔۔۔ اور یا یہ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ حروف ہیں۔

۴۹۔ خواجہ نصیر الدین محقق طوسی نے اپنے رسالہ عقاید کے آغاز میں لکھا ہے۔

اعلم ایھا الاخ الصالح العزیز ان اقل ما یجب اعتقادہ علی المکلف ھو ما ترجمۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (مجالس المومنین ج ۲ ص ۲۰۵)

اے نیک بھائی جان لے کہ کم از کم جس چیز کا اعتقاد رکھنا مکلف پر فرض ہے وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا معنیٰ ہے۔

۵۰۔ مشہور شیعہ لیڈر حسن بن صباح نے کہا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے دین و مذہب نیا نکالا ہے۔ نعوذ باللہ اس سے کہ میں نیا مذہب نکالوں۔ اور جو دین میں رکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہؓ کا یہی دین و مذہب تھا اور تا قیامت سچا مذہب یہی ہے اور رہیگا۔

واکنوں دین من دین مسلمانی است اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا رسول اللہ (مجالس المومنین ج ۲ ص ۳۱۲)

اور اب میرا دین مسلمانوں والا دین ہے۔ میں خدا کی توحید اور حضرت محمدؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔

گو اسے مبنی بر تقیہ ہی مانا جائے دین مسلمانی کی بنیاد صرف شہادتین کو تسلیم کیا۔

۵۱۔ شیعہ کے موجودہ مجتہد ارمحمد کاظم ایرانی لکھتے ہیں۔

واگر کافر شہادتین بگوید یعنی بگوید اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد اعبدہ و رسولہ مسلمان میشود (توضیح المسائل)

اگر کافر کلمہ شہادتین پڑھے یعنی کہہ دے کہ میں اللہ کی توحید کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت اور رسالت کی گواہی دیتا ہوں تو مسلمان

ہو جاتا ہے۔

"قصہ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم" کے تحت کلمہ طیبہ کا کتب معتبرہ شیعہ سے ہم نے اثبات کیا ہے۔ شیعہ کے آئمہ ہوں یا علماء و مجتہدین سب کلمہ اہلسنت ہی کے قائل ہیں۔ اس میں اختلاف صرف متاخرین دورِ حاضر کے ذاکروں، نیم ملاؤں اور مفاد پرست لیڈروں کو ہی سوجھا ہے۔ ان تمام دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ آج کے شیعہ ان کے آگے سرِ تسلیم خم کر لیں اور خدا اور رسول ﷺ کی خلاف ورزی کر کے نئی راہ کفر و ضلالت نہ نکالیں اسی میں ان کی بھلائی ہے۔ ورنہ وہ دن دور نہیں جب عام مسلمان اور حکومت مجبور ہو کر کلمہ طیبہ کی حفاظت اور دفاع میں ان سے وہی سلوک کرے۔ جو ختم نبوت کے دفاع میں قادیانیوں سے کیا گیا۔ کیونکہ جیسے مشرک خدا کے انکار سے نہیں بلکہ ایک اور الٰہ و حاجت روا کے اضافے سے خارج از اسلام ہے۔ قادیانی حضرت محمد رسول اللہ کے انکار سے نہیں بلکہ ایک نئے پیغمبر کے اضافے سے خارج از اسلام اور کافر ہے۔ اسی طرح امامی۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے انکار سے نہیں بلکہ اس پر ایک نئے کلمے کے اضافے سے خارج از اسلام قرار پائے گا۔

شیعی شبہات کا ازالہ

شیعہ کا غیر معتبر اور رطب و یابس لٹریچر سامنے رکھنے سے یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ عقیدہ امامت کا رسالت کے ساتھ تذکرہ نہیں ملتا۔

تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ امامت و ولایت کو جزوِ کلمہ بنانے کی تعلیم آئمہ نے نہیں دی اور نہ ہی اسلام کی صحت و صداقت کو اقرارِ امامت سے مشروط قرار دیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقیدہ امامت ایمان کا جزو ہے اسے مانے بغیر کوئی شخص عند الشیعہ کامل الایمان نہیں ہو سکتا۔ جیسے اصول کافی "باب ان الاسلام یحقن بہ الدم" میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر سے اسلام و ایمان میں فرق کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ اسلام وہ ظاہر مذہب ہے۔ جس پر سب لوگ ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی اور حضرت محمد ﷺ کی عبدیت اور رسالت کی گواہی، نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ حج بیت اللہ کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا بس یہی اسلام ہے اور ایمان اس کے ساتھ امرِ امامت کی معرفت کا نام ہے اور اگر اسلام کا اقرار کرے اور امامت کو نہ پہچانے تو وہ مسلمان گمراہ ہو گا۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۲۵)

ہم اہلسنت پر بہمہ وجوہ یہ روایت حجت نہیں شیعہ پر بایں معنی حجت ہے کہ وہ صرف معرفت امام

کے مکلف ہیں جو فعل قلبی ہے۔ اسے اسلام کے برابر اقرار میں لانا یا کلمہ کا جزو بنانا ہرگز روا نہیں ہے لہٰذا ان ارشادِ امام کی رو سے ہر ایسی روایت مردود ہوگی جس سے امامت کا رسالت کے ساتھ اقرار میں تلازم مترشح ہوتا ہو خواہ مناقب کی ہو یا عقاید کی۔

۲۔ جب قرآن و سنت صرف شہادتین کے اقرار پر ہی متفق ہیں تو ایسی روایت مردود ہوگی جو اس کے خلاف تیسری شہادت کا ضمیمہ لگائے۔ کیونکہ امام صادق کا فرمان ہے۔

۱۔ لاتقبلوا علینا خلاف القرآن فانا ان تحدثنا حدثنا بموافقة القرآن و السنة (کتاب الحدائق) — قرآن کے برخلاف حدیثیں ہمارے ذمے نہ لگاؤ کیونکہ اگر ہم حدیث بیان کریں تو قرآن و سنت کے موافق بیان کرتے ہیں۔

۲۔ کل شیء مردود الی الکتاب و کل حدیث لایوافق کتاب اللّٰہ فھو زخرف۔ — ہر چیز کتاب اور سنتِ نبویؐ کی طرف لوٹائی جائیگی اور جو حدیث کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ بناوٹی ہے۔

۳۔ مالم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف (اصول کافی ص ۶۹) — جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہو وہ ملمع سازی ہے

اس سے ہر قسم کی رطب و یابس روایات کا جواب ہو چکا جن سے دھوکہ کھا کر شیعہ کلمہ بدل دیتے ہیں۔ اب مشہور کی حدیثِ مصطفٰےؐ بروایت از حضرت جابر کی حقیقت ملاحظہ ہو۔ اس پر ایک حوالہ ریاض النضرۃ کا ہے جو اہلسنت کے محب طبری کی تالیف ہے۔ مناقبِ عشرہ مبشرہ میں عمدہ کتاب ہے۔ مگر عام کتب مناقب کی طرح ضعیف روایات سے خالی نہیں ہے۔ کلمہ طیبہ کے لیے نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ معتبرہ متواترہ درکار ہوتی ہیں۔ کتب مناقب سے استدلال تو استہزا کے مترادف ہوتا ہے۔ ہم بھی اس کتاب سے چاروں خلفاء کے نام سے کلمے دکھا سکتے ہیں۔ مثلاً ریاض النضرہ ج ۱ ص ۴۶ پر ہے لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق عثمان الشہید علی الرضا۔ عرشِ الٰہی پر یہ کلمہ لکھا ہے۔

چونکہ عرشِ الٰہی جنت سے افضل ہے۔ تو یہ کلمہ بہ نسبت تبیعی کلمہ کے بہت افضل اور واجب الایمان ہوگا۔ شیعہ جب اسے نہ مانیں تو ان کا کلمہ ہم کیسے مان لیں۔

علاوہ ازیں ریاض النضرہ ص کا یہ حوالہ صریح خیانت ہے کیونکہ وہاں انحور سول اللّٰہ کے لفظ ہیں۔

علی ولی اللہ کے نہیں۔ حضرت علیؓ کے چچازاد برادر نبوی ہونے کا کوئی بھی منکر نہیں۔

رہی ینابیع المودۃ، تذکرۃ الخواص اور مودۃ القربیٰ کے حوالے تو یہ کتابیں نہایت مجروح اور غیر معتبر ہیں۔ نایاب ہونے کی وجہ سے ہم انہیں دیکھ نہ سکے تاکہ معلوم ہو جاتا کہ ریاض النضرہ کی طرح ان کا حوالہ بھی غلط اور محض مرعوب کرنے کے لیے مشتہر نے تو نہیں دیا۔

سبطِ ابن جوزی کی کتابیں واہی ہیں

واضح رہے کہ تذکرۃ الخواص جسے اعلام الخواص بھی کہتے ہیں اور ینابیع المودۃ، مودۃ القربیٰ، سیرت حلبیہ وغیرہ — جن سے شیعہ اہل سنت کے خلاف استدلال کرتے ہیں اور ایسا مواد ان کو انہی کتب میں ملتا ہے۔ یہ سبطِ ابن جوزی کی تالیفات ہیں، جو مشہور علامہ ابو الفرج ابن جوزیؒ کا نواسہ تھا مگر برائے نام سنی تھا بباطن شیعہ تھا اور اپنی تالیفات سے شیعہ ہی کو فائدہ پہنچایا۔ اس کا نام یوسف بن قزعلی المتوفی سنہ ۶۵۴ھ ہے۔ میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۷۱ میں ہے۔ یوسف بن قزعلی المتوفی سنہ ۶۵۴ھ واعظ مورخ تھے۔ کتاب مرآۃ الزمان لکھی۔ اس میں منکر کہانیاں لکھتا ہے۔ میں اسے نقل کردہ مواد میں ثقہ نہیں جانتا بلکہ جانبداری اور ظنیات سے کام چلاتا ہے۔ پھر وہ رافضی ہو گیا اس پر ایک کتاب لکھی۔ شیخ محی الدین سوسی نے کہا میرے دادا کو جب سبطِ ابن جوزی کی وفات کا علم ہوا تو فرمایا اللہ اس پر رحم نہ کرے وہ رافضی تھا۔

اس کی کتاب تذکرہ خواص الائمہ ص ۳۶ طبع نجفِ اشرف باہتمام شیعہ میں اس نے یہ عقیدہ لکھا ہے۔

قلت فی شرط الامام ان یکون معصوما لئلا یقع فی الخطاء	میں کہتا ہوں امام کا معصوم ہونا شرط ہے تاکہ وہ غلطی میں نہ پڑے۔

اسی طرح لسان المیزان ج ۶ ص ۳۲۸ اور جواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ ص ۲۳۱ پر اس پہ جرح موجود ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۳۳ پر اس طرح جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ شخص اپنی تالیفات میں قسم قسم کی محتاجی اور قحط سالی کا ذکر کرتا ہے اپنی اغراض کے لیے کمزور بلکہ موضوع احادیث سے استدلال کرتا ہے۔ لوگوں کے حسبِ منشا و مرضی کتابیں لکھتا تھا تاکہ ان کی مرضی درست ہو اور وہ اس کو اس کا دنیوی فائدہ دیں اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر بھی کتابیں لکھتا تھا تاکہ بادشاہوں سے اپنے مقاصد حاصل کر سکے۔ اس کی عادت صرف وعظ گوئی تھی ان سے پوچھا گیا

تمہارا مذہب کیا ہے؟ اس نے کہا کون سے شہر میں؟ یہی وجہ ہے کہ اس کی بعض کتابوں میں خلفاءِ راشدین وغیرہم کبار صحابہ کی بدگوئی پائی جاتی ہے اور بطورِ تقیہ ان کے مذہب میں تلبیس کرتا ہے اور بعض میں خلفاءِ راشدین کی تعظیم بھی پائی جاتی ہے۔

یہ ہے شیعہ حوالہ جات کی حقیقت جن کی وجہ سے قرآن و حدیث کے متفقہ کلمہ طیبہ کو بدلا گیا اور اہلِ سنت کو الزام دیا گیا۔

التحیات و ثنا بھی ثابت ہے

شیعہ کا یہ کہنا کہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ تراویح۔ التحیات سبحانک اللہم۔ درود بھی تاج۔ نماز میں ہاتھ باندھنا۔ الٹا وضو کس باب اور رکوع سے ثابت ہے ایک لغو بات ہے کیونکہ یہ امور کلمہ طیبہ کی طرح اہم اور مدارِ کفر و اسلام نہیں ہیں کہ لفظاً قرآن ہی میں مذکور ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ "رسول کی اطاعت کرو" جو وہ تمہیں دیں لے لو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ۔ تو جو حکم ارشادِ نبوی سے ہوگا وہ بھی قرآن سمجھا جائے گا۔ الصلوٰۃ خیر من النوم کا ثبوت از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہم ذکر کر چکے ہیں۔ تراویح پر بھی مفصل روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ کتبِ شیعہ سے مزید سنتِ نبوی ملاحظہ ہو۔

۱۔ عن ابی عبد اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل شهر رمضان زاد فی الصلوٰۃ فانا ازید فازیدوا (استبصار ج ۱ ص ۴۶۲)

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں جب ماہِ رمضان شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اضافہ فرماتے میں بھی زیادہ پڑھتا ہوں تم بھی زیادہ پڑھا کرو۔

۲۔ امام جعفر صادقؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں ہر رات کو نفل اس سے زیادہ پڑھتے جو پہلے پڑھا کرتے تھے۔ اول رات سے بیسویں رات تک ۲۰۔ ۲۰ رکعات روزانہ پڑھتے تھے۔ (استبصار ص ۴۶۲)

۳۔ عن ابی جعفر صلی فی اول شهر رمضان فی عشرین لیلة عشرین رکعة (استبصار ص ۴۶۲)

امام باقرؒ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یکم رمضان سے بیسویں تک ۲۰۔ ۲۰ رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔

۲۰ رکعت کی اس نماز کو نفل سے تعبیر کرنا صرف لفظی اختلاف ہے۔

اب تشہد والتحیات کے متعلق بھی سنیے۔

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؒ سے تشہد کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ التحیات للہ والصلوات والطیبات الخ دوسرے تیسرے دن بھی پہلے دن والا جواب دیا کہ التحیات للہ والصلوات الخ۔ زرارہ کہتا ہے کہ جب میں نکلنے لگا تو امام کی داڑھی پہ ہاتھ مارا اور کہا کہ یہ امام کبھی کامیاب نہ ہوگا (رجال کشی ص۱۰۶ از افادات تونسوی)

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کو روز اول اس تشہد نبوی سے۔ جو خدا کی ثنا صلوٰۃ وسلام بر پیغمبر واصحاب وشہادتین پر مشتمل ہے۔ ضد ہے۔ نواسہ رسولؐ سے اس کے خلاف کہلوانا چاہتے ہیں۔ وہ جب سنتِ نبوی چھوڑ کر ان کی بات نہیں مانتے تو یہ شیعہ ناراض ہو کر امام کی داڑھی نوچتے، گستاخی کرتے اور بد دعا دے کر مجلس سے نکلتے ہیں۔ واقعی ان محبانِ اہل بیتؑ کی دشمنی اور ایذا رسانی کا جواب نہیں۔

میرے سامنے "دینیات کی دوسری کتاب" برائے جماعت سوم ایک رسالہ ہے جسے سررشتہ تعلیم نے ۱۹۵۳ء سے تمام پنجاب کے لیے منظور فرمایا تھا۔ اس میں شیعہ کی نماز میں قعدے اور سلام کا طریقہ کے عنوان سے تشہد کا یوں ذکر ہے۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں
واشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ	جو اکیلا اور لاشریک ہے اور گواہی دیتا ہوں
کہ حضرت محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔	
پھر درود کے بعد یہ بھی ہے السلام	سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور
علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ	اس کی برکتیں ہوں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے
السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین (ص۳۱)	تمام نیک بندوں پر۔

ترتیب کے اختلاف کے ساتھ یہی اہلسنت کا تشہد والتحیات ہے۔ ایک جملہ میں بھی کمی بیشی نہیں اور تشہد کا ہر کلمہ بطورِ مفہوم قرآن ہی سے ثابت ہے۔ التحیات کی ثنا۔ سورۃ فاتحہ سے ثابت ہے۔ شہادتین پہ دلائل کا انبار مذکور ہو چکا ہے۔ حضورؐ پہ درود وسلام صلوا علیہ وسلموا تسلیما سے ثابت ہے۔ عباد اللہ الصالحین صحابہ کرام پہ درود وسلام کے متعلق یہ آیتِ کریمہ ملاحظہ ہو ھو الذی

يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا اے نبی کے صحابہ رض ... ا) وہ خدا تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں تاکہ تم کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالے اور اللہ مومنوں پر خوب مہربان ہے۔

کیا تشہد سے اس قدر شیعہ کو ضد ہے کہ اب بھی اسے ثابت عن القرآن نہ مانیں گے۔

نماز کے اول میں ثناء کے متعلق ثبوت یہ ہے۔

ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو سبحانک اللھم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولا الٰہ غيرك پڑھتے تھے (عینی حاشیہ بخاری ص ۱۰۳) نیز مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۳۵ زاد المعاد ج ۱ ص ۵۲ پر بھی یہ ثنا ثابت ہے۔

اب بالترتیب ان جملوں کا ثبوت قرآنِ پاک سے ملاحظہ ہو۔

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (احزاب)	صبح اور شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل)	ہر چیز سبحانک اللھم وبحمدک پڑھتی ہے مگر تم نہیں سمجھتے۔
تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ (الرحمن)	تیرے رب کا نام بڑی برکت والا ہے۔
اِنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا (الجن)	بلا شبہ ہمارے رب کی شان بلند ہے۔
لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ (انبیاء)	تیرے بغیر اور کوئی معبود نہیں۔

رہے درود لکھی اور تاج۔ تو واضح رہے کہ یہ ماثورہ از پیغمبرؐ و صحابہ رض نہیں ہیں بلکہ بعد کے بزرگوں نے عشقِ نبوی سے سرشار ہو کر عربی میں جو آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور رحمت کی دعا کی ہے۔ ان کا نام درود پڑ گیا۔ محققین اہلسنت کے نزدیک درود تاج کے بعض الفاظ موہم شرک ہیں ان سے احتراز بہتر ہے۔ ان کی اسناد اور فضائل بھی کچھ معتبر نہیں ہیں۔ تاہم عشقِ نبوی سے ان کو پڑھا جائے اور کوئی لفظ خلافِ شرع نہ ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے حضورؐ کی مدح و توصیف میں نعت پڑھی جائے۔ جو ہر زبان میں جائز ہوتی ہے۔ اگر حضرت علی و حسنین رض کی مدح میں قصاید جائز ہیں تو آپؐ کی مدح میں آپ کے لیے دعا و ترحم کے اضافہ کے ساتھ ایسے کلمات بدرجہ اولیٰ جائز

ہیں۔ اگر شیعہ میں محبتِ نبوی کا جذبہ ہوتا تو ایسا اعتراض نہ کرتے۔

نماز میں ہاتھ باندھنا قرآن سے ثابت ہے

سورۂ کوثر میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور نحر کریں۔

نحر کے معنی جس طرح قربانی کرنے کے لغت میں آئے ہیں اور مفسرین اس سے تفسیر کرتے ہیں اسی طرح لغت میں "دستِ راست را بر چپ گزاردن" (قاموس) بھی آیا ہے۔ نماز کے ساتھ ذکر اس پہ قرینہ ہے۔

نیز وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ۔ اللہ کے آگے عاجز ہو کر کھڑے ہو۔ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ وہ مومن کامیاب ہیں جو نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔ سے قنوت اور خشوع پیدا کرنے کا حکم واضح ہے۔

قنوت و خشوع ظاہر و باطن میں لازمی ہے۔ ظاہری خشوع نماز میں آداب سے ہاتھ باندھنے سے ہوگا کوئی عقلمند اس کا انکار نہیں کرتا۔ عرفِ عام میں ادب اور عاجزی کو دست بستہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً محاورہ ہے "میرے والدین کی خدمت میں دست بستہ سلام و آداب عرض کریں۔" علاوہ ازیں قنوت سکون کے ساتھ لازم ہے۔ وضع یدین کی حالت عینِ سکون یا اس سے قریب تر ہے اور ارسالِ یدین سکون سے بعید ہے۔ فطری بات ہے کہ بندش سے سکون ہوگا اور ارسال و کھلے رکھنے سے حرکت ہوگی۔ بالفعل حرکت نہ بھی کی جائے مگر یہ کیفیت قریب الحرکت ہے جو منافی سکون ہے۔ فتدبر۔

شیعہ مذہب میں عورتوں کو تو ہاتھ باندھنے کا حکم ہے حالانکہ مردوں کی بہ نسبت وہ زیادہ ساکن و خاشع ہوتی ہیں۔ تو مردوں کو بدرجۂ اولیٰ ہاتھ باندھنے چاہئیں تاکہ اس کیفیت سے وہ سکون کا کامل درجہ حاصل کریں۔ جو عادۃً ان کی متحرک اور فعال زندگی کی ضد ہو اور قُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ کا آئینہ دار ہو۔

تحفۃ العوام ص۳ میں ہے کہ "اگر زن باشد دست بر سینہ بگزارد۔" اگر عورت نماز پڑھے تو ہاتھ سینے پر رکھے۔ فروع کافی ج۱ ص۱۹۸ پر بھی عورتوں کو سینہ پہ ہاتھ باندھنے کا حکم ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ ص۲۶ باب آداب المرأۃ فی الصلوٰۃ میں ہے۔

فاذا اقامت المرأۃ فی صلوتہا جمعت بین قدمیہا ولم تفرج بینہا ووضعت یدہا علی صدرہا مکان ثدییہا۔	جب عورت نماز پڑھنے لگے تو پاؤں اکٹھے رکھے کشادہ نہ کرے۔ اور ہاتھ سینے پر پستانوں کی جگہ رکھے۔

اگر عورت کے لیے سینہ پر ہاتھ باندھنا ادب ہے تو مرد کے لیے ناف پر باندھنا کیوں ادب نہیں۔ (ما الفرق بینہما)

اہلِ سنت والجماعت کی وضع یدین پر اپنی دلیل یہ ہے۔

۱۔ عن قبیصۃ بن وھب عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤمنا فیأخذ شمالہ بیمینہ رواہ الترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ ص۷۶	قبیصہ بن وہب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں امامت کراتے تو اپنا بایاں ہاتھ دائیں سے پکڑتے۔

۲۔ مؤطا امام مالکؒ ص۵۵ پر باب وضع الیدین علی الاخرٰی فی الصلوٰۃ موجود ہے جس کی ایک روایت یہ ہے۔

من السنۃ وضع الیدین احدہما علی الاخری فی الصلوٰۃ وتعجیل الفطر والاستینار بالسحور۔	نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھنا سنت ہے۔ افطار میں جلدی اور سحری کھانے میں تاخیر بھی سنت ہے۔

ان روایات کے راوی خود امام مالک ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کا عمل بھی یہی تھا۔ آپ کی طرف جو متاخرین فقہاء مالکیہ نے ارسال یدین کی نسبت کی ہے۔ وہ مرجوع ہے۔

ترتیب وضو بھی قرآن سے ثابت ہے

افسوس کہ شیعہ حضرات اہلسنت سے بغض کی وجہ سے قرآن پاک میں مذکور ترتیب کو بھی "الٹا وضو" سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود قرآنی مخالفت کرتے ہیں۔

سے برعکس زنگی نام نہند کافور۔ آیت وضو مندرجہ ذیل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ (پ ۶)

اے مومنو! جب نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو پھر ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

اس ترتیبِ قرآنی میں منہ دھونا۔ بازو دھونا۔ سر کا مسح کرنا اور پاؤں دھونا ہے اہلسنت اسی مذہب پہ ہیں۔ اور یہ ترتیب سنت بھی ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک فرض ہے۔ مگر شیعہ نے تو مخالفتِ قرآن کی حد کر دی کہ پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور پھر اس پہ مسح بھی کر جاتے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ دھونے میں کیا نقص رہ گیا تھا کہ پھر مسح سے اس کی تکمیل کی۔

بازو بھی الٹے دھوتے ہیں کہ کہنیوں سے شروع کرتے اور انگلیوں سے پانی بہاتے ہیں۔ حالانکہ اگر قرآن کا منشا یہ ہوتا تو ایدیکم من المرافق کہا جاتا۔ کہ کہنیوں سے ہاتھوں تک دھوؤ مگر قرآنِ پاک نے ایدیکم الی المرافق کہا کہ ہاتھوں سے شروع کر کے کہنیوں تک دھوؤ۔

اعتقاداً شیعہ پاؤں دھونے کے قائل ہی نہیں مسح واجب کہتے ہیں۔ حالانکہ قراتِ ستہ میں تو ارجلکم۔ بفتحِ لام پڑھا جاتا ہے کیونکہ فاغسلوا پر معطوف ہے اور ایک قرأت میں کسرہ جرِ جوار کے طور پر ہے۔ عقلاً بھی پاؤں کا دھونا واجب ہے۔ کیونکہ سب سے زیادہ یہی عضو گرد و غبار سے بلکہ گندگی سے ملوث ہوتا رہتا ہے جس کا ازالہ دھوئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ برخلاف سر کے کہ بالاتفاق اس پہ مسح فامسحوا کے تحت فرض ہے۔ کیونکہ سب سے کم تر وہ گرد و غبار سے متاثر ہوتا ہے۔ بالوں کی وجہ سے عادةً پانچ دفعہ دھونا اور خشک کرنا دشوار تھا۔ شریعت نے آسانی کی بنا پہ دھونے کے قائم مقام مسح رکھ دیا۔ ان ربك حكيم عليم۔

سنی بدعات کی وجہ رہیں نام نہاد سنیوں کی بدعات۔ قوالی۔ قبروں پہ حال کھیلنا۔ طبلے کی سُر تال پر سر مارنا۔ گیارھویں شریف۔ عرس شریف بہشتی دروازوں سے گزرنا وغیرہ۔ تو ان کا حکم علماءِ اہلسنت کے نزدیک وہی ہے۔ جو شیعہ کی بدعات۔ عزاداری۔ ماتم سینہ کوبی۔ زنجیر زنی۔ دوہڑے خوانی۔ سوز خوانی۔ ضریح۔ تعزیہ۔ تکیہ پرستی۔ ماتمی جلوس ماتمی مجالس سیاہ پوشی وغیرہ کا ہے۔

کوئی سنی مستند عالم خواہ بریلوی ہو یا دیوبندی و اہلحدیث - ان بدعات کو سنت یا کارِ ثواب نہیں جتلا سکتا - یہ صرف عوام یا نیم ملاں خطرۂ ایمان کے افعال ہیں - جو مذہبِ اہلسنت سے ہرگز نہیں دراصل یہ اس بات کا ردِ عمل ہے کہ سنیوں کا یہ جہلا طبقہ شیعہ کے ماتمی جلوسوں اور رسومات میں شرکت کرتا ہے تو بدعت کے اثرات اپنے اندر جذب کر لیتا ہے ۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند　　صحبتِ طالح ترا طالح کند

ورنہ تجربہ شاہد ہے کہ جو عوام اہلسنت اہلِ تشیع کے ماحول اور پروپیگنڈے سے دور رہتے ہیں وہ بہت کم ان بدعات کے مرتکب ہوتے ہیں - اور جو ان بدعات سے پاکدامن ہیں وہ شیعہ کی رسوم و بدعات سے بھی دامن کشاں رہتے ہیں - میرے سادہ سنی بھائی اگر اس نکتہ پر غور کر لیں - اپنے مذہب و اعمال پر پختہ ہو جائیں - شیعہ کو غیر سمجھ کر ان کی کسی محفل و رسم میں شرکت نہ کریں تو وہ نہ صرف شیعہ کا لقمہ بننے سے بچ جائیں گے - بلکہ رفض و تشیع کا زور ٹوٹ جائے گا اور ان کا وہ علادی گھمنڈ خاکستر ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ نصابِ تعلیم الگ کر کے تمام احکام و شعائرِ اسلامیہ کو مسخ کرنا چاہتے ہیں -

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین -

۱۰ مئی ۱۹۷۶ء بروز پیر

کاتب: محمد یونس حنیف بمقام و ڈاکخانہ خاص کالی صوبہ خاں
ضلع گوجرانوالہ -

حق
چار یار
رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین